

کیا تو نے  
صحرا شنیں  
کر رکھتا

خبر میں

نظر میں

اذاً

تحریر میں



ترجمہ  
میں  
میں  
میں

رئیس الاحرار

پیش گاہ  
در حد دیگر

پیشتر آں باشد کہ بہر دلچراں  
فرد آمد و شد دیگر

عزیر الرحمن جای اللہ نوری  
شم و ہلوی





# دارالعلوم دیوبند

Darul Uloom, Deoband (U. P.) India

Ref. No. \_\_\_\_\_

تاریخ ارسال در \_\_\_\_\_  
Dated \_\_\_\_\_

— (رئیس ادارہ) —

الحمد للہ رب العالمین علی عبادہ الذلین صلی علیہ وسلم - عزیز حق مودعا عزیز دار علم ابن مودعا  
حبیب الرحمن ہے برپائے رحمت و شرف ہے "رئیس ادارہ" کے ہوتے ہوئے مودعا صاحب  
رحمۃ اللہ علیہ کا علمی دین و دنیا کی زندگی پر یکا یک توجہ فرماتا ہے۔ جس وقت وہ  
مدد و معاونت کی بات کرتا ہے اور ایک اور دینی عبادت پر کمال حاصل کرنا چاہتا ہے  
اور فتح کا عبادت گاہ کو پہنچنے کے لئے آج کی دنیا کا سہارا دے۔ اور اس کے  
علمی تعلیم میں دنیا کی بڑی ذہنی شخصیت کے راہ یافتہ ہو سکا  
کتاب کی ترقیت کا عبادت گاہ کا ہے۔  
لیکن عزیز مودعا اگرچہ اس کے لئے اس کتاب کے اقتراح کیلئے نیا کسی بات  
شغف اور ہمت کے ہم میں نہیں تھا اور اس کی تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند کے  
ساتھ اس کے ساتھ ہر وقت اس کے لئے ہرگز اس کے لئے۔  
چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے دارالمشورہ میں ایک بار سنا ہوا ہے کہ اس کے لئے  
جس نے اس کے لئے کتاب پیش کرتے ہوئے مودعا حبیب الرحمن سے اس کے لئے  
دارالعلوم دیوبند کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے  
دارالعلوم دیوبند کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے



تذکرہ کیا تو خود ادب کے خاندان کے پاس راجی تعلقات۔ گھر پر تم کے خاندان اور  
نہایت مہربان۔ بزرگوار معلوم دیو بند اور کاسٹھادہ حضرت صدر انور شاہ نے سرکاری محمولہ

علم اور نیرت مرزا شاہ عبدالقادر صاحب انپوری راجہ راجہ کے دربار اور عدالتی میدان میں بڑے  
ارٹھی ڈانچے پرے بھی کھانڈہ نیز کتاب "تیسرا دور" انتہام کیا۔ میں نوعیت کی کتاب تھی

اسی زلیف کا ہم مہمان اور ادب نوعیت کا انتہام میں عمل میں آیا

کمزورین عزیز مروت مروت کتاب۔ مروت کی نوعیت اور میں راجہ کے ترقیاتی کامات ہیں

و عا سکینی جسر۔ "نجات کھتر تعیت جسر جسر فتح پور"۔

ہم سکون و خوشی کہ ایک تاریخ ساز شخصیت کی تاریخ اور تاریخ سازی میں کھتر جسر  
میں صفات کا غور و خوض پر دنیا کے سامنے آگیا۔ جسے متقبل کہ نسین ہی دین و ریاست کا

سہا سیکم سکینی درویش کا ہاتھ نہ سا زبانا مروت و مشعل راہ باکر آگے بڑھ

سکینی۔ مروتی شانہ عزیز مروت کو ہر شانہ غیر پر غیر مروتی دین اور

دور کتاب کو مروت کیسے نافع اور سبق آموز نکالیں۔ این دعا از من و از حمد جان

مکتوبت ہنم دار معلوم دیو بند

۱۳۹۶ھ  
۲۸ ربیع الثانی

بہارِ جنگ آزادی کے مسلم مجاہدین  
جلد چہارم

۷۸۶  
چل مرے خاتمے بسم اللہ

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی  
رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی

# در حدیث دیگران

نوشتراں باشند کہ سر دل برآں  
گفتہ آید در حدیث دیگران

مرتب

مولانا عزیز الرحمن جامعی لدھیانوی ثم دہلوی

۵۲۹۶ - کوچہ رحمن - چاندنی چوک - دہلی - ۶

”باب اول“

بدل اشتراک —



# انتساب

رفیقہ حیات کلثوم خانم

بلال احمد

ہاجرہ بانو

رخسانہ عرف صبیحہ

رضوانہ عزیز

اپنے نواسے یا سرعزات کے نام جس کی عمر ۱۳ نومبر ۱۹۷۷ء کو ایک سال کی  
 مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے مورث اعلیٰ جو ساتویں پشت میں تھے جن  
 نام حافظ مولوی جان محمد صاحب تھا۔ ان کا ارشاد تھا کہ میں ادرمیری اولاد محمد بن آ  
 کے ساتھ آنے والے ان لوگوں میں سے تھے جو براہ راست عمر بن العزیزؒ کے قریبی رشتہ  
 تھے اور حضرت عمر بن العزیزؒ حضرت عمر بن عبداللہؓ کی اولاد میں سے تھے۔ میں اس نسب  
 فاروقی کے نام اس کتاب کا انتساب کرتا ہوں اور اسی کے ساتھ مذکورہ افراد کے  
 نام جن کی کوششوں، کاوشوں اور مشوروں کے بعد یہ کتاب آپ کے سامنے پیش خدمت  
 یہ بات بھی آپ کے سامنے انی چاہئے کہ مولانا جان محمد صاحب نے ہمارے خاندان  
 مسلسل روایت و حکایت کے مطابق حضرت خضر علیہ السلام سے علم دین اور علم دنیہ  
 حاصل کیا تھا۔ وہ پیدائشی نابینا تھے لیکن ان کے علم کا کوئی احاطہ نہ تھا وہ اپنی اولاد  
 بتاتے تھے کہ ان کو علم خضریٰ حاصل ہے۔ اس خاندان کی تیرہ پشتوں سے مسلسل علم دیہ  
 چلا آ رہا ہے اور اب اس چودھویں پشت میں بھی حافظ، قاری، محدث، مصنف، محو  
 مقرر اور بڑے بڑے <sup>لوگ</sup> علوم جدید سے فیض یاب ہیں۔ ان علماء اور فضلاء کی تعداد  
 ایک سو کے قریب ہے جو سارے ہندوستان اور پاکستان میں مختلف مقامات پر





تاریخ میں ایک نئے باب کا  
اضافہ تاریخی خط کا علس

प्रधान मंत्री भवन  
PRIME MINISTER'S HOUSE  
NEW DELHI

رکشی قربانیوں کے بعد ہم نے آزادی  
حاصل کی۔ جس لوگوں نے ملک کی خاطر اپنی جانیں  
قربان کیں ان پر ہمیں ناز ہے اور آنے والی  
نسلیں ان سے سبق لے لیں گی۔ آج ایلٹائے الفو شاسن  
اور کڑی محنت کی سخت ضرورت ہے۔ ان سے یہی  
ہماری آزادی کی بنیاد پکی رہے گی۔

مجھے یہ جان کر خوشی ہے کہ آپ اپنے وطن  
کی ترقی کیلئے ملک سے کام کر رہے ہیں۔ میں  
آپ کی اس کوشش پر مبارکباد دیتی ہوں۔  
اندرا گاندھی  
(اندرا گاندھی)

30 ستمبر 1975

مولانا عزیز الرحمن لدھیانوی۔

جنرل سکرٹری تعلیمی سماجی مرکز۔ دہلی



ایک معصوم زندگانی ہے کامرانی ہی کامرانی ہے



”فاتح ہندوستان“

Smt. Indira Gandhi—Prime Minister

ایک یہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے۔ ۲۱ نکاتی پروگرام — اندراجی  
ایک وہ ہیں کہ لیا اپنی ہی صورت کو بگاڑے۔ فوج میں بغاوت — اپوزیشن  
۱۹ نومبر ۱۹۷۷ء کو اندراجی کے جنم دن پر اردو سے محبت اور جنگ آزادی  
کے مسلم مجاہدین پر فخر و ناز اور حوصلہ افزائی پر بلال احمد آفس سکرٹری تعلیمی سماجی مرکز  
نے ہندوستانی اقوام کی خیر سگالی کی وجہ سے تعلیمی سماجی مرکز سے شائع کیا۔  
مولانا عزیز الرحمن لدھیانوی جامعہ کی گزشتہ چالیس سالہ خدمات پر اندراجی نے  
حرف تحسین میں سب کچھ فرما دیا ہے  
۱۹ نومبر ۱۹۷۷ء کو اندراجی کے جنم دن پر جباری کیا گیا





دین و دنیا سے دنیا والوں کو فیض یاب کر رہے ہیں۔ اس خاندان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مجاہدین ملک و ملت کا ایک ایسا خاندان ہے جس کی جدوجہد آزادی مسلسل قائم رہی ہے۔ اس سلسلہ میں قید و بند اور پھانسی تک کے تمام مصائب برداشت کئے گئے۔

عزیز الرحمن جامعی لدھیانوی ثم دہلوی  
۶ اگست ۱۹۷۵ء



یہ موجِ نفس کیا ہے تلوار ہے خودی کیا ہے تلوار کی ڈھال ہے

خودی جلوہ بدست خلوت پسند سمندر ہے اک بوندِ پانی میں بند

اندھیرے اجالے میں ہے تابناک

من تو سے پیدا من و تو سے پاک

اقبال



# تفصیل اشاعت

عزیز الرحمن جامعی لدھیانوی ثم دہلوی	مرتب
رئیس الاحرار در حدیث دیگران	کتاب
آئینہ پرنٹریس گنگی چھڑے والی۔ بارہ درہ شیر افگن	نقادیر
جمال پرنٹنگ پریس، جامع مسجد۔ دہلی ۱	طباعت
۵۲۹۶۔ کوچہ رحمن۔ چاندنی چوک۔ دہلی ۶	اشاعت
تاج پرنٹنگ پریس۔ ملیارن۔ دہلی	طاشل صفحہ
	قیمت
۵۳۹۶۔ کوچہ رحمن۔ چاندنی چوک۔ دہلی ۶	ملنے کا پتہ
عزیز الرحمن جامعی لدھیانوی ثم دہلوی نے	شائع کردہ
۵۲۹۔ کوچہ رحمن۔ چاندنی چوک دہلی ۶۔ ۱۱۰۰۰۶ سے شائع کیا۔	
پانچ سو ۵۰۰	تعداد
۵۲۹۶۔ کوچہ رحمن۔ چاندنی چوک۔ دہلی ۶ ۱۱۰۰۰۶	ملنے کا پتہ:

بدل اشتراک: علاوہ محصول ڈاک۔  
 کمیشن: ۲ فیصدی پچیس کتابیں لینے والے کے لئے  
 پچیس کتابوں سے کم لینے والوں کے لئے کمیشن کی  
 شرح ۵ فی صد ہوگی۔ عزیز الرحمن جامعی



# ہندوستان کی جنگ آزادی کے جہادین کی سرپرست اردو زبان کی تحسن کا میرے انگریزی خط کے جواب میں عزت آبا اندراجی کا اردو میں حوصلہ افزا جواب۔

TELINI SAMAJI MARKAZI, 24/5, BARADARI BIKER APUR, Ballimaran, Delhi-110006

September 4, '75

Sat. Indira Gandhi,  
Hon'ble Prime Minister of India,  
New Delhi.

My dear Son'ble Indiraji,

I am one of the fortunates to listen your speech on AIR both in the night of 30th Aug. and morning of 31st. Aug., '75. During your speech you advised writers and social workers to pay visits to each and every village to collect stories and other data pertaining to the freedom struggle, so that the coming generations and the world can be benefitted by the same. I am very happy as I also believe in this idea and approach. I am struggling hard and for the last 30 years my pen is travelling for the noble service of the nation and the country. And till date I have compiled four volumes on this very subject. On the freedom fighters third volume has been published in the first week of this month itself, which is in conformity with the spirit and thoughts as outlined in your speech. You will be very happy to see through the same and your written message about it will be a great encouragement for me.

I am an old follower of yours. My father—late Maulana Bahar Rahman Lodhianvi was a friend of your respected father and revered grand father—Shri Moti Lal Nehru. I am sending you herewith copies of letters which Panditji wrote to my father and to me as well.

I haded you and sent you a detailed letter dt. 25.1.75 when you dissolved Parliament and there were fresh elections in which you gave a severe jolt back to the opposition by capturing 450 seats in the Parliament. I remember that you were harassed, stomped, abused and all type of abuses and atrocities were created in your way by those opponents and opponents etc. I am also adding a copy of that letter to you herewith.

Having past good relations between us, I am venturing to request you to very kindly send me your blessings in writing as your father and grand-father did to us, myself being a social worker and a patriot.

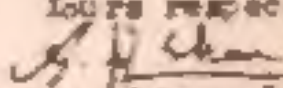
I have every hope that inspite of your heavy and busy schedule you will please spare some time and go through the enclosed letters etc. which will speak themselves.

You owe every credit for the bold steps taken by you for the betterment of the country and upliftment of the masses. Here I request you to very kindly give some sympathetic consideration to the deteriorating conditions of the freedom fighters and give them facilities and scholarships etc. in recognition of their services and fulfilling the promises made to them and for which they rightly deserve.

Besides collecting the data on freedom fighters, their compilation etc. will open many avenues for encouraging of the intellectuals for writing on your suggested lines, provided they be patronised and have hope of being appreciated by getting their deserved place in the society besides other facilities and amenities. If such steps are taken by your Government, you will be first in the independent Indian history for having done this great and unique service to the nation and the concerned intellectuals.

Awaiting for your kind acknowledgement.

Yours respectfully,

  
(AZIMU RAHMAN JUSSAL LODHIANVI)







## ترتیب

- ۱۔ پیش لفظ عزیز الرحمن جامی ۷
- ۲۔ مقدمہ جناب ہاشم قدوائی صاحب ۱۴  
ریڈر شعبہ پولیٹیکل سائنس  
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
- ۳۔ حبیب اور خاندان حبیب ۲۳  
قاری محمد طیب صاحب مہتمم  
دارالعلوم دیوبند
- ۴۔ پنجاب کا ہادی اور مربی ۳۰  
قاری محمد طیب صاحب مہتمم  
دارالعلوم دیوبند
- ۵۔ کیسے کہوں کہ درد کہاں ہے کہاں نہیں ۲۶  
مفتی عتیق الرحمن صاحب ناظم  
ندوۃ المصنفین۔ دہلی
- ۶۔ خاندان حبیب کی تاریخ ۳۷  
مولانا محمد احمد صاحب رحمانی  
مفتی پنجاب
- ۷۔ تیس سالہ زندگی گھر سے جیل تک ۳۳  
مولانا خلیل الرحمن صاحب لدھیانوی
- ۸۔ مولانا حبیب الرحمن کی فراست و مجددی ۸۳  
مولانا محمد عثمان صاحب فارقلیط  
ایڈیٹر الجمعیۃ دہلی
- ۹۔ مولانا حبیب الرحمن کی دینی فراست ۸۸  
قاضی سجاد حسین صاحب شیخ الحدیث  
مدرسہ عالیہ فتح پوری۔ دہلی
- ۱۰۔ یاد حبیب ۹۰  
مولانا محمد احمد رحمانی مفتی پنجاب
- ۱۱۔ مگر حب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں ۹۳  
سید انظر شاہ قیصر کاشمیری  
دارالعلوم دیوبند
- ۱۲۔ ذکر حبیب۔ سید محمد انظر شاہ کاشمیری ۱۰۱  
مدرس دارالعلوم۔ دیوبند
- ۱۳۔ مولانا حبیب الرحمن حضرت عمر فاروق  
کے کردار کا عکس ہیں۔ ۱۲۵  
جناب محمود علی خاں وزیر اوقاف۔ یوپی
- ۱۴۔ حبیب بند۔ مولانا اخلاق حسین ۱۲۸  
قاسمی۔ دہلی
- ۱۵۔ ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی ۱۳۳  
اظہر صدیقی۔ دیوبند
- ۱۶۔ حبیب دوست کی پیشین گوئی ۱۳۷  
ڈاکٹریدہ دیر سنگھ
- ۱۷۔ رئیس الاحرار۔ ضیاء الحسن فاروقی ۱۴۵  
پرنسپل جامعہ کالج۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ



۱۸۔ رئیس الاحرار منظمی جیل میں۔ ۱۲۳۔ مجھے کیا کرنا چاہئے۔

شورش کشمیری۔ مرحوم

۱۹۔ رئیس الاحرار کا قلمی چہرہ ۱۵۰

ناز انصاری

۲۰۔ ہوا کا نسخہ ذرا بڑے تو سب کچھ جان جاتے تھے ۱۵۳

ناز انصاری

۲۱۔ ذہین رہنما۔ مولانا محمد میاں صاحب

ناظم جمعیتہ علماء ہند۔ دہلی ۱۵۶

۲۲۔ اس جماعت کے تھے سردار حبیب الرحمن

غازی دہلوی ۱۶۰

۲۳۔ جس نے تاریخ عالم سے سلطنت برطانیہ

کو مٹا دیا۔ جانباز مرزا لاہور ۱۶۳

۲۴۔ سید الاحرار

سید محمد سلیمان برکتی۔ عدول پوری ۱۶۶

۲۵۔ رئیس الاحرار کی دو باتیں

مولانا منظور احمد لغانی ۱۶۲

۲۶۔ حبیب قوم۔ مولانا قاضی زین الدین

شیخ التفسیر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی ۱۶۴

۲۷۔ رئیس الاحرار اب بھی زندہ ہے ۱۸۸

رنمیر۔ ایڈیٹر ملاپ۔ دہلی

۲۸۔ امام المجاہدین۔

شیخ الحدیث مولانا خیر محمد صاحب۔ ملتان مرحوم

مفتی عبدالحمید لدھیانوی۔ لاہل پور

۳۰۔ رئیس الاحرار کی شخصیت ۱۹۰

مولانا عبدالباقی۔ مشہور ادیب و مدیرِ حق

۳۱۔ مردِ مومن۔ غلام رسول جہر ۲۰۰

۳۲۔ صدرِ ناصراور رئیس الاحرار ۲۰۲

شیخ عبدالمنعم المنیر

۳۳۔ راسخ الاعتقاد مسلمان ۲۰۸

مہاشہ کرشن۔ ایڈیٹر درنامہ پرتاپ

۳۴۔ رئیس الاحرار۔ مولانا حفظ الرحمن

ناظم اعلیٰ جمعیتہ علماء ہند۔ دہلی ۲۱۰

۳۵۔ انھیں کی خاکیں پوشیدہ ہے یہ چپکاری

ظہیر الدین صدیقی۔ ایم، اے، ایل، ایل بی۔ علیگ ۲۱

۳۶۔ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی

چند نقوش و تاثرات

مولانا ابوالحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء

۳۷۔ صدر مدرس ندوۃ العلماء لکھنؤ ۲۱۶

۳۸۔ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

ڈاکٹر فائدہ غازی۔ ایم، اے، پی ایچ ڈی

۳۹۔ ڈیڑھ سو سال کی امریکہ ۲۲۰

۴۰۔ حبیب۔ (نظم) شورش کشمیری ۲۳۱

۴۱۔ سید الاحرار (نظم) اتجا امر دہلی ۲۳۲



مبارٹ باد — سپریم کورٹ کے فیصلہ پر

انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی

سپریم کورٹ کے تازہ فیصلہ پر مسز اندرا گاندھی سے زیادہ  
ہندوستانی عوام مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اس فیصلہ سے قومی زندگی  
میں نئے باب کا آغاز ہوا ہے جس نے سارے ملک میں مسرت کی  
لہر دوڑادی ہے۔ اقلیتوں اور پسماندہ طبقات میں خصوصیت کے  
ساتھ اطمینان پایا جاتا ہے کہ رجعت پسند طاقتوں کی ہار ہوئی ہے  
اور اقلیتوں کو انصاف دلانے اور ان کی سابقہ محرومیوں کی تلافی  
کرنے اور غریب طبقات کو اوپر اٹھانے کی مہم میں اب کسی  
رکاؤٹ کا اندیشہ نہیں رہا۔ مسز گاندھی کی پوزیشن اس فیصلہ  
کے بعد اور زیادہ مستحکم ہو گئی ہے۔ یہ ہندوستان کی خوش قسمتی  
ہے اس فیصلہ سے ملک کے وقار میں بھی اضافہ ہوا ہے اور جمہوری  
روایات کی برتری بھی ثابت ہو گئی ہے مسز گاندھی کی پوزیشن  
بے داغ ہو کر سامنے آ گئی ہے۔ اور ثابت ہو گیا ہے کہ وہ ملک  
کی سچی لیڈر ہیں جنہوں نے قومی تعمیر نو کا بیس نکاتی پروگرام  
پیش کیا ہے جس کے بارہ میں ہر شخص کی دلی خواہش ہے کہ وہ  
مسز گاندھی کی قیادت میں جلد از جلد تکمیل کو پہنچے اور اقلیتوں  
وغریب طبقات کو انصاف دلانے کی مہم بھی جلد از جلد کا جیا ہو۔

از عزیز الرحمن جماعتی لدھیانوی شمع دہلوی

”جنرل سیکرٹری تعلیمی سماجی مرکز“ ۸ نومبر ۱۹۷۷ء





Phone:- 26 42 70

مولانا عزیز الرحمن جامعی لدھیانوی شمدھلوی کتاب کی تصنیف میں مصروف

Maulvi (Dhianvi) Aziz-ul-Rehman



To meet His Majesty King Saud of  
Saudi Arabia.

*The Prime Minister*

*requests the pleasure of your company*

*at Lunch on Monday*

*Nov. 28 . 1955 at 1.15*

R.S.V.P.—

Reception Officer,  
Prime Minister's House

Invitation for Lunch by Pandit ji to meet H.M.King  
Saud of S.Arabia. Total invitees 25 only. Before  
Lunch Aziz-ur-Rehman and his brothers talked with  
Smt. Indira ji for about one hour.

ہدیہ مبلغ دو روپے



## رہیں الاحرار

حرف تحسین

دیدہ او بیدار دور اندیشی

”چل مرے خاے بسم اللہ“

از مولانا عزیز الرحمن جاسمی لدھیانوی ثم دہلوی

تاریخ کے ہر دور میں بعض شخصیتیں اس حد تک ابھر کر سامنے آتی ہیں جن پر ماری قومی تعمیر کا مختار ہوتا ہے۔ تاریخ اسلام میں امام ابو حنیفہ، امام غزالی، امام بن تیمیہ اور ابن خلدون نے ایک ایسا مقام پیدا کیا جس کی دنیا آج تک معترف ہے۔ اور حق نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ تاریخ اسلام میں اگر یہ شخصیتیں نہ ابھرتیں تو اسلامی دنیا کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا۔ چودھویں صدی کے اخیر تک اسلامی زندگی کے خدوخال اور اسلامی کردار کی تاریخ اب نقش کا بھر کی طرح اُن مٹ ہے۔

وہ ان بزرگوں کی فکری اور علمی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ بقول حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اسلام کے دینی اور سیاسی مزاج اور ضابطہ اخلاق کامتب شدہ نقشہ ہمارے سامنے ہے۔ یہ علمائے سلف کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ہر صدی میں اسلام کے مجددین پیدا ہوئے۔ یہ بزرگ حق اور کلمہ حق کو بند کرنے کے لئے قلم و تلوار کی وہ پوری آزمائشوں میں سے ہو کر گرے۔ امام ابو حنیفہ کی شہادت اس بات کی دلیل ہے کہ کلیسائی نظام کے مقابلے میں علما حق شہنشاہوں سے ٹکرائے اور یہ وہ زمانہ تھا جب کلیسا کے پادری بادشاہوں کی جوتیاں چانتے تھے۔ یورپ میں ظلم کو جائز قرار دیتے تھے۔ لیکن امام ابو حنیفہ سے لے کر حضرت شاہ ولی اللہ تک مین ہزار علماء اور محدثین نے اعلیٰ کلمہ الحق پر اپنی جانیں قربان کیں۔ لیکن زندگی کے اقتضات اور کردار میں ایک حریف بھی کم نہ کیا۔

ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ کی جماعت نے جس استقامت، تدبیر اور فکر



سے کام کیا، وہ اپنی جگہ دنیا کے لئے قابلِ تقلید مثال ہے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کا خاندان مجاہدین کے سلسلے کی ایک ایسی کڑی ہے جس کو شمار کئے بغیر ہندوستان کی اسلامی اور ملکی جدوجہد مکمل نہیں ہوتی۔ رئیس الاحرار کے اذکار ایک ایسے انقلابی کے اذکار تھے جو ہر حیثیت میں نطشے اور گونے کی شاعری پر سبقت لے گئے۔ انقلاب فرانس کے بانی روسو اور دالبیرا نے زمانے کے مشہور باغیوں میں تھے لیکن بغاوت کا جو انداز مولانا حبیب الرحمن نے پھیلایا وہ اپنی جگہ منفرد کردار ہے۔ ہندوستان میں اہل حق کی جماعت میں بہت سی شخصیتیں ابھریں، ان کا رنگ اور جدوجہد مقامی تھا۔ ہندوؤں میں برادران وطن کی جماعت میں بہت سے افراد سامنے آئے اور ان لوگوں نے آزادی کی جدوجہد میں ایک معیار قائم کیا۔ میری مراد پنڈت جواہر لال نہرو، پنڈت مونی لال نہرو اور مہاتما گاندھی سے ہے۔

گاندھی جی نے بھی اپنی رہنمائی کا فرض ادا کیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد علی دنیا میں ایک انفرادی حیثیت رکھتے تھے لیکن افکار و کردار کی جو جھلک رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن میں پائی گئی وہ ہندوستان کی کسی بھی شخصیت میں نمودار نہ ہوئی۔ سیاسی زندگی میں مولانا حبیب الرحمن نے گاندھی جی سے بیسیوں دفعہ گفتگو کی اور ہر مرتبہ گاندھی جی کو مولانا کے خیالات اور ان کی حکمت عملی اور تدبیر سے اتفاق کرنا پڑا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۹۳۷ء کے بعد جمعیتہ العلماء کے دفتر میں پہلی نمائندہ کانفرنس میں ایک ہزار ڈیلی گیٹوں کے سامنے یہ اعلان کیا کہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن نے جس طرح ملک کی سیاست کا تجزیہ کیا اور رہنمائی کی ہے، اس کے بعد کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ میں کوئی بات آپ لوگوں سے کہوں۔ میری خواہش ہے کہ تمام ڈیلی گیٹ حضرات مولانا حبیب الرحمن کی رہنمائی پر غور کریں اور جو تجویزیں انہوں نے آپ کے سامنے رکھیں، ان کی تائید کی جائے۔ مولانا ابوالکلام کے اس اعتراض نے بڑے بڑے لوگوں کو چونکا دیا

اور مولانا حبیب الرحمن کی شخصیت ابھر کر اس طرح سامنے آئی کہ معلوم ہوتا تھا کہ اس نامہ کا والی تیرا در دسویہ ہی شخص ہے۔ امام ابوحنیفہ اور شاہ ولی اللہ کا درجہ آج اسے ہی دیا گیا ہے۔ حضرت عمر کا کردار اور تدبیر اس کے حصہ میں آیا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد جیسے انسانیت پسند انسان کا یہ اعتراف تاریخ کا کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ جس شخص نے کبھی گاندھی جی کے افکار کو قبول نہ کیا ہو۔ اور جو اپنے افکار کی تخی میں کوہ طور کا درجہ رکھتا ہو۔ اسی کا کسی مجلس میں اس طرح اعتراف اور اقرار مولانا حبیب الرحمن کی فکری رہنمائی کو ایک ایسا درجہ عطا کرتا ہے، جو ہندوستان میں کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوا۔ غور کیجئے جو شخص اپنی زندگی میں صدارت کے زمانے میں گاندھی جی کے مکان تک نہ گیا ہو۔ جس کی قلمی کاوشوں کا ہر فرد معترف ہو۔ وہ ایک ڈرامائی انداز میں جمعیتہ علماء ہند کے دفتر سے اتر آئے سیدھا مولانا حبیب الرحمن کے مکان کو چہرہ رحمان دہلی میں پہنچ گیا۔ مولانا آزاد نے یہ بات ثابت کر دی کہ افکار کا جو خزانہ مولانا حبیب الرحمن کے پاس ہے وہ ہندوستان کے کسی دوسرے آدمی کو نصیب نہیں۔ افکار کی تخلیق انسانی زندگی کے بس کی بات نہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جسے چاہے دے، جسے چاہے نہ دے

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

غزالی کا درجہ دنیائے اسلام میں اس لئے بڑا نہیں کہ وہ عربی کے ادیب یا خطیب تھے۔ بلکہ اس لئے ان کا درجہ بہت بڑا ہے کہ انھوں نے فکری رہنمائی میں کلیسا کی زندگی کو شکست دی اور یونانیوں کو ان کے فلسفہ کا وہ جواب دیا، جس کے بعد فلسفیوں سے کوئی جواب بن نہ پایا۔

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی بھی اس دودھ میں غزالی کا دماغ اور ابن خلدون کی زبان لے کر پیدا ہوئے تھے۔ پندت جواہر لال نہرو نے اپنے ایک خط میں



اس بات کا اقرار کیا کہ وہ اپنے افکار میں ایک منفرد حیثیت کے مالک تھے وہ بہت ہی سوچ سمجھ کر کسی بات کا فیصلہ کرتے تھے، لیکن جب فیصلہ کر لیتے تو دنیا کی کوئی طاقت نہ تھی جو ان کے فیصلہ کو بدل دیتی یا آخر کار مجھے شیخ عبداللہ کے بارے میں ان کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا۔

ہندوستان کی آزادی کے بعد ۱۲ سالہ زندگی میں کوئی ہفتہ ہی ایسا گزرا ہو جب کہ مولانا آزاد اور جواہر لال کا ٹیلیفون نہ آتا ہو کہ ضروری مشورہ کرنا بے تشریف لائے۔

مرحوم رفیع احمد قدوائی رات کو ۲ بجے کاریں بھیج کر اس لئے بلواتے تھے کہ وہ ان سے بینائی حاصل کرنے کے آزاد و مند تھے۔ مگر اور بین الاقوامی مسائل پر وہ اپنی رائے کا اسی طرح ظہار کرتے تھے جیسے برطانوی پارلیمنٹ میں بھی لارڈ برق بولا کرتے تھے۔

انگریزی نہ جاننے کے باوجود انگریزی سیاست کے گہرے رازوں سے وہ اس طرح واقف تھے جیسے گھر کا بھیدی ہو۔ مولانا حبیب الرحمن کے سیاسی افکار کی خوبی یہ تھی کہ اس میں تعصب اور تشدد کو کہیں دخل نہ تھا۔ یورپ کی نئی سائنسی ترقی اور برطانوی تدبیر کی وہ اس لئے تعریف کرتے تھے کہ انگریزی قوم کے بارے میں کیا رائے قائم کی جائے۔ کسی شخصیت کے افکار کی خوبی یہ ہے کہ وہ مستقبل کی نشان دہی کر رہا ہو۔ مولانا حبیب الرحمن میں یہ خوبی بدرجہ اتم موجود تھی۔

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی نے پاکستان کا اعلان سنتے ہی دیوبند کی ایک مجلس میں جس میں اکابر علماء شامل تھے صرف ایک جملہ کہا: "پاکستان کے قیام کے بعد ہندوستان میں مسلمان بے جان ہو جائے گا اور پاکستان میں اسلام کی شکل بدل جائے گی۔"

مولانا کے قریبی حلقوں میں رہنے والے لوگ جانتے ہیں کہ گاندھی جی، جواہر لال اور مولانا آزاد کے سامنے حضرت مولانا مرحوم نے جس بے باکی کے ساتھ اپنے فکری رجحان کا اظہار کیا وہ ہندوستان میں کسی دوسرے کے بس کی بات نہ تھی۔

”گاندھی جی ان کی باتیں سن کر رو دیتے تھے۔ مولانا آزاد ان کے فکری

رجحانات کی تائید کرتے تھے۔ پنڈت خواہر لال ایک عقیدت مند کی طرح  
ان کے خیالات عالیہ سنتے تھے۔“

ایسے مقام پر ہونے کے باوجود جس قلندری اور درویشی کا مرحوم نے اظہار کیا،  
وہ اپنی جگہ بہت اہم اسلامی کردار ہے۔ وہ اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالقادر زید مجدکم  
رائے پوری کے دسترخوان پر بیٹھ کر ان چند ٹکڑوں کو نہایت ہی مقدس سمجھتے تھے جو شیخ کی  
طرف سے انہیں دیئے جاتے۔

انہوں نے کبھی اس بات کی تمنا نہ کی کہ کوئی بڑا عہدہ ملے۔ وہ ہر عہدے کو حق کی  
راہ میں کوہ گراں سمجھتے تھے۔ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ ہی ان کی ایک بات  
سُنا گئی تھی کہ وہ ساری عمر اپنے مرید باصفا کی حق گوئی اور نورانیت کا بار بار تذکرہ فرماتے  
تھے۔ شیخ اپنے مرید سے ایک عاشق صادق کی طرح خیالات سنتے تھے اور مرید اپنے شیخ  
کی محبت و عشق میں شیخ کے جوتوں کو اٹھانا اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتا تھا۔

جن لوگوں نے روحانی زندگی کے اس کردار کو دیکھا وہ جانتے ہیں کہ سیاسی زندگی کی  
سوجاچ پر پہنچنے والا شخص اپنی ہستی کو شیخ کے سامنے کس طرح مٹاتا تھا۔ حضرت رائے پوری  
کی خدمت میں مولانا حبیب الرحمن نے چالیس سال گزارے۔ اور دینی معاملات اور افکار میں  
حسنِ تفہیم کا ثبوت مولانا حبیب الرحمن نے دیا وہ آپ کو مولانا محمد احمد رحمانی کی اس مرتب شدہ  
کتاب میں ملے گا۔

دینی اور تبلیغی زندگی میں جس طرح انہوں نے مسلمانوں کی رہنمائی کی اور دینی افکار کو  
جن الفاظ میں انہوں نے پیش کیا۔ یہ الفاظ بھی ہندوستان کے بڑے بڑے مفکرین اور ادیبوں  
کو حاصل نہ ہو سکے۔ بڑے بڑے علمی اداروں سے کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ دارالمنہین جلدوں  
پر جلیں شائع کر سکتے ہیں۔ ہزار ہزار صفحہ کی کتاب میں جب تک قاری کو یہ نہ بتایا جائے کہ کتاب  
کا مقصد کیا ہے تو مطلب کی بات ہاتھ نہیں آتی۔ آخر مضمون کا مقصد کیا ہے۔ وہ کیا کہنا چاہتا



اور کس مقصد پر لانا چاہتا ہے۔ لیکن خوشی کی بات ہے کہ جو کتاب اس وقت قاری کے سامنے ہے وہ اپنے مفہوم اور مقصد اور افکار کو پوری طرح قاری پر واضح کرتی ہے۔ کوئی ایسی بات آپ کو نہ ملے گی جو افراط کی چاشنی میں نہیاں ہو گئی ہو۔ مولانا کے الفاظ کیا ہیں۔ یہ عشق کی تیغ جگر دار ہیں۔

ہن اسید کرتا ہوں کہ قاری اس کتاب کی افادیت کو سامنے رکھتے ہوئے خوش ہوگا اور علمی طبقوں میں یہ احساس جاگ اٹھے گا کہ اس کتاب سے مسلمان ہی نہیں غیر مسلموں کو بھی بہت بڑا فائدہ پہنچے گا۔ غیر مسلموں کے سامنے اسلام کی شکل و صورت جو بیان کی گئی اس میں تعصب اور جانبداری کو بہت بڑا دخل ہے۔ مولانا کے افکار میں کہیں بھی تعصب، جانب دار اور تشدد کا کوئی ذکر نہیں۔ قرآن مجید میں بلاغت کے ساتھ سادگی پائی جاتی ہے تاکہ ایک عام انسان کو بات سمجھ میں آجائے۔ یہ ہی قرآنی انداز مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کا آپ اس کتاب میں پائیں گے۔

میں نے اپنی کتاب مضامین رئیس احرار میں پوری جانفشانی

اور محنت سے کام لیا ہے۔ دنیا میں زرد و بجا ہر کی وراثت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ لیکن جن لوگوں کے درنا علی خاندانوں کے مالک ہوں وہ ہی لوگ زندگی کے جہاد میں کامیاب و بامراد ہوتے ہیں۔ اور یہ خوشی کی بات ہے کہ رحمانی صاحب نے اس کتاب میں اپنے ہی خاندان کی علمی تحقیقات کو مرتب اور مدون کر لے گا اور ارادہ کیا۔ کسی خاندان کے خلعت الرشید ہونے کی اس سے بڑی کیا سند ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے خاندان کے علمی اور فکری کا ناموں کو دنیا کے سامنے پیش کرے۔ یہ ایک دینی ضرورت تھی جو خدا کے فضل و کرم سے پوری ہو گئی۔

بے شک مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی مولانا رحمانی کے والد تھے۔ لیکن وہ ایک

دینی عالم اور سیاسی مفکر تھے۔ مولانا رحمانی نے اس دور کے ایک عظیم سیاست دان کی زندگی کے حالات کو مرتب کر کے علمی دنیا پر احسان فرمایا ہے۔ میں اپنے حرف تحسین کو ان الفاظ پر ختم کرتا ہوں جو الفاظ میرے خاندان کی تاریخی نمائندگی کرتے ہیں۔

اس کتاب میں مولانا رحمانی کا مضمون اپنے ۱۴ ہی خاندان پر ہے۔

# حرف تحسین

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے مورث اعلیٰ جو سالوں پشت میں تھے جن کا نام حفظ مولوی جان محمد صاحب تھا۔ ان کا ارشاد تھا کہ میں اور میری اولاد محمد بن قاسم کے ساتھ آنے والے ان لوگوں میں سے تھے جو ہمارے راست عمر بن عبدالعزیز کے قریبی رشتہ دار تھے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز حضرت عمر بن عبداللہ کی اولاد میں سے تھے۔ میں اس نسبت فاروقی کے نام اس کتاب کا انتخاب کرتا ہوں اور اسی کے ساتھ مذکورہ افراد کے نام جن کی کوششوں کا دشواری مشورہ کے بعد یہ کتاب آپ کے سامنے پیش خدمت ہے۔

یہ بات بھی آپ کے سامنے آئی چاہئے کہ مولانا جان محمد صاحب نے ہمارے خاندان کی مسلسل روایت و حکایت کے مطابق حضرت خضر علیہ السلام سے علم دین اور علم دنیا حاصل کیا تھا وہ پیدائشی نابینا تھے۔ لیکن ان کے علم کا کوئی احاطہ نہ تھا۔ وہ اپنی اولاد کو بتاتے تھے کہ ان کو علم خضریٰ حاصل ہے۔ اس خاندان کی تیرہ پشتوں سے مسلسل علم دین چلا آ رہا ہے اور اب اس چودھویں پشت میں بھی حافظ، قاری، محدث، مصنف، محرمقرر اور بہت سے لوگ علوم جدیدہ سے فیض یاب ہیں۔ ان علماء اور فضلاء کی تعداد ایک سو کے قریب ہے جو سارے ہندوستان اور پاکستان میں مختلف مقامات پر علم دین و دنیا سے دنیا والوں کو فیض یاب کر رہے ہیں۔ اس خاندان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مجاہدین ملک و ملت کا ایک ایسا خاندان ہے جس کی جدوجہد آزادی مسلسل قائم رہی ہے۔ اس سلسلہ میں قید و بند اور پھانسی تک کے تمام مصائب برداشت کئے۔

عزیز الرحمن جامع لدھیانوی ٹیم دہلوی  
۵۲۹۶۔ کوچہ رحمن چاندنی چوک۔ دہلی  
۶ اگست ۱۹۷۵ء



## مقدمہ

جناب ہاشم قدوائی صاحب ریڈر شعبہ پولٹیکل سائنس علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

ثبت است بر جریۃ عالم دوام ما

نقص، تنگ نظری اور جنبہ داری سے ہٹ کر اگر ہندوستان کی جنگ آزادی کی تاریخ لکھی جائے تو اس میں علمائے رباپن سرخروست ہوں گے۔ اس تاریخ کے نہ معلوم کتنے باب ان کے خون سے لکھے گئے ہیں۔ جب کبھی حوادث کی آندھی سے یہ خاک اُرتی ہے تو اندر سے ان شہداء کے خون کی عمل کاری دیکھنے والوں کی نگاہیں خیرہ کر دیتی ہیں۔ ان کے کارناموں کو کتنا ہی نظر انداز کرنے کی کوشش کی جائے لیکن ان پر عرصہ تک پردہ نہیں ڈالا جاسکتا۔

ثبت است بر جریۃ عالم دوام ما

ان کا تعلق کسی نہ کسی پنج سے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے تھا اور ان نفوس قدسیہ میں صلاحیت دینی، علم اور اخلاق کے ساتھ ساتھ راہ حق میں ایثار، فداکاری، خنایت، بے باکانہ حق گوئی، جابرانہ اور قاہرانہ اقتدار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے اعلیٰ مرتبہ پر اور راہ عزیمت میں مطلق ہر اسال اور سرا سیمہ نہ ہونا، پامردی اور استقامت کے جواہر ہونے کے بہا پائے جاتے تھے، استخلاص وطن اور اچھائے اسلام کی پہلی منظم تحریک میں حضرت سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہم کی قیادت میں اور اس کے بعد ۱۸۵۷ء کے جہاد حسرت میں حضرت حاجی امداد اللہ، حضرت مولانا قاسم اور حضرت رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا عبدالقادر لدھیانوی کی سربراہی میں ان حضرات کا بیت ہی نمایاں اور بیت زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ رہا تھا۔

سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد اسلام کا ہندوستان میں باقی رہنا مشکل نظر آ رہا تھا لیکن ان ہی علمائے حق کی مردانہ وار کوششوں سے اسلام کا سر زمین ہند میں وجود قائم رہ سکا۔

زمیں: حرار ہو۔ عجیب رسم ہو  
 زمانے کے جسے آفتاب کرتا ہے  
 انہیں کی خاک میں پوشیدہ کر دیتا ہے



مہاتما گاندھی۔ مولانا آزاد۔ پنڈت نہرو۔ ڈاکٹر راجندر پرشار۔ ڈاکٹر ذاکر حسین  
 نے جن سے مشورے کئے اور زمیں الاحرار کے مشوروں کو قبول کیا۔ (ڈاکٹر تارا چند



محترم ڈاکٹر ذاکر حسین کو رنر بہار کا مکتوب گرامی

RAJ BHAWAN  
PATNA

کتاب "ریش الاحرار"

۳۶۲

منہم عزیز جان . . . اللہ تعالیٰ

نہایت ہفتہ کے ادب پر ہفتے کا ادب کہ کتاب "ریش الاحرار"

ہاں تھی . سب کا بڑا دور . تو بس ادب شکر یہ سمجھیں .

بڑے کا موقع غلے کے پیا ایک سفر میں آگیا . اب

بڑے پیر . ادب نے پیا غلے کا حق ہی ادب پر کیا

کہ آواز دہندہ ایک مستند صاحب اور حیات میں ایک

دہم صدر کی زندگی پیر ایک قومی نرلڈ بھی لیا گیا

سارے دور . جو چیزیں اب غلے اور سہولتیں

کراہیں ان سے شوک قوی نہ موندے کو نہیں مدد ملے گی .

اس سبب جاننے والے یا نرا ادب ایک نسخہ بھی

اس کے دل کے غلے کا ادب . غلے کا ادب کہ عرب پر

ادب ہے ایک ادب کا یہ نرلڈ .

خیر علی

دہم

راشترتی جھون . صدر جمہوریہ ہند

ان کی الہامی فراست نے اسلام، اسلامی تعلیمات اور اسلامی تہذیب کے دائمی بقا اور تحفظ کے لئے ملک کے طول و عرض میں آزاد عربی مدارس کا وہ نظام قائم کیا کہ جس کی نظیر دنیا کا کوئی دوسرا اسلامی ملک نہ پیش کر سکا۔ یہ تمام نثران حضرات کی عظیم المثال جانفشانی اور فقید المثال ایثار اور خلوص کا ثمرہ تھا۔ ان مدارس کا قیام مسلمان ہند کے لئے نعمت عظمیٰ ثابت ہوا اور ان ہی کی برکت سے ہندوستان میں اسلامی تہذیب اور شعائر اور ان کے شمار قائم رہ سکے اور ان میں سے بہت سے مدارس تحریک آزادی کی چھاؤنیاں بن گئے۔

۱۸۵۷ء کے جہاد حریت کی ناکامی کے بعد سید احمد خاں اور ان کے رفقاء نے ہندوستانی مسلمانوں کے بقا و تحفظ کے لئے انگریزی یا جدید مغربی تعلیم کے حصول کا پروگرام پیش کیا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر مسلمان انگریزی تعلیم سے بے بہرہ رہتے تو ان کا ہندوستان میں کوئی مستقبل نہ ہوتا اور ان کی زبوں حالی دہس ماندگی کی کوئی حد انتہا نہ رہتی۔ سید احمد خاں اس طبقے کے میر قافلہ تھے جو یہ کہتا تھا کہ مسلمان نہ، نے کی ہوا کے ساتھ چلیں اور انگریزی یا مغربی تہذیب و تمدن کو اختیار کر لیں تبھی ترقی کے راستے پر گامزن ہو سکتے ہیں۔ مغربی تعلیم اور مغربی تہذیب کے پروگرام کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ حکومت وقت کے ساتھ غیر مشروط اور غیر متزلزل وفاداری سید احمد خاں کی تحریک کا خاص مقصد قرار پایا حتیٰ کہ مذہبی عقائد اور قرآن مجید کی تفسیر تک تجدید اور فرنگیت سے نہ بچ سکی۔ انگریزوں نے اس تحریک کی پوری حوصلہ افزائی کی اور اس وجہ سے اس ملک کے لوگوں میں انگریزوں کی طرف سے ایک خاص قسم کا انس پیدا ہو گیا۔ خود سید احمد خاں کا یہ خیال تھا کہ وہ انگریز یا انگریزی حکومت کی مخالفت میں ادنیٰ بات تک سننے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس زمانے میں آئی۔ سی، ایس کا امتحان انگلستان میں ہوا کرتا تھا۔ جب کانگریس نے اپنے ابتدائی اجلاسوں میں اس کا مطالبہ کیا کہ یہ امتحان ہندوستان میں بھی منعقد ہوا کریں تو سید احمد خاں نے اس کی تائید کرنے سے انکار کیا۔ سٹراے۔ اور بیڈم کے الفاظ میں وہ کانگریس کے موضوع



پر گفتگو کرتے وقت عقل سے عاری ہو جاتے تھے۔ ۱۸۸۸ء سے کانگریس کی مخالفت میں وہ  
 اتنا آگے بڑھ گئے کہ وہ سرے سے ہندوستانی قوم پرستی کے وجود کے منکر ہو گئے۔ ان خیالات  
 میں مسٹر بیک علی گڑھ کالج کے انگریز پرنسپل کے اثر کا بہت دخل تھا۔ چنانچہ مسٹر بد الدین  
 طیب جی کانگریس کے پہلے مسلمان صدر کے خط کے جواب میں ۲۴ جنوری ۱۸۸۸ء کو یہ رائے  
 ظاہر کی کہ ”میں نیشنل کانگریس کے معنی نہیں سمجھ سکا، کیا یہ فرض کیا جاتا ہے کہ ہندوستان  
 میں رہنے والی مختلف ذاتیں اور مختلف مسلکوں پر چلنے والے ایک قوم سے تعلق رکھتے ہیں  
 یا کبھی ایک قوم ہو سکتے ہیں اور کیا ان کے مقاصد اور خیالات یکساں ہو سکتے ہیں۔ میرے  
 خیال میں یہ قطعاً ناممکن ہے اور جب یہ ناممکن ہے تو میرے خیال میں نیشنل کانگریس کی کوئی  
 انجمن نہیں ہو سکتی۔ مجھے کانگریس کی ہر قسم اور ہر شکل پر سخت اعتراض ہے جو ہندوستان  
 کو ایک قوم سمجھتی ہے۔ اس لئے کہ اس کی بنیاد غلط اصول پر ہے، یعنی یہ سارے ہندوستان  
 کو ایک قوم سمجھتی ہے۔ آپ کو غالباً میرے یہ خیالات ناپسند ہوں اس لئے مجھے امید ہے  
 اس قدر زیادہ لکھنے پر معاف کریں گے“ (بد الدین طیب جی مصنف لے جی نورانی  
 صفحات ۷۶-۷۵ ترجمہ از انگریزی)

جس وقت انگریزی طرز معاشرت اور تمدن کو اختیار کر لینے کی صدا میں بلند  
 کی جا رہی تھیں اور اسے ملت اسلامیہ کی عین ہی خواہی کہا جا رہا تھا، ان علمائے اس  
 کی مخالفت کی اور اس کے جواب میں ہر قسم کے طعنے سپے اور اپنے موقف سے ایک  
 قدم نہ ہٹے۔ جہاں تک مغربیت کی مضرتوں کا تعلق تھا موجودہ زمانہ میں سرسید یا علی گڑھ  
 تحریک کے سب سے بڑے شیدائی اور حامی پروفیسر رشید احمد صدیقی کا کہنا ہے کہ  
 جہاں تک مغربیت سے احتیاط برتنے کا تعلق تھا سرسید اور امیر علی دونوں سے یہ طبقہ  
 (مولویوں کا) زیادہ صاحب نظر نکلا۔

یہ صاحب نظر اور دور دور ہیں طبقہ ۱۹۴۷ء تک برابر استخلاص وطن کی تحریک میں

## نصرۃ الابرار کی تشریح

رئیس الابرار در حدیث دیگران میں دیکھئے۔ جو دسمبر ۱۹۷۵ء میں طبع ہو جائے گی۔ عزیز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آج سے تقریباً اٹھاون سال پہلے کے اکابر علمائے ہندوستان و بنگالہ  
و مدینہ منورہ اور صوفیائے عنقاہ و مشائخ کرام کا فتویٰ

بابت جواز شرکت انڈین نیشنل کانگریس

اور مدینہ شرکت بہر صحت برسیہ احمد خاں نجیب علی گڑھی

موسس و مدبر خلاصہ فتویٰ

# نصرۃ الابرار

جسکو

حضرت مولانا الشاہ عبدالعزیز صاحب لدھیانوی نے

جمعہ کے بعد تقریر میں ارشاد فرمایا۔ اور بیعتی وقت حضرت مولانا

محمد صاحب لدھیانوی نے تحریر فرمایا اور مدبر مہرمن کیا

ناچیز حافظ مشتاق احمد لدھیانوی

نوٹ۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کے مرنے کے بعد کانگریس کے فتویٰ کی تصدیق کرنا

مولانا رشید احمد کا فتویٰ ہے۔ تو یہ فتویٰ صحت و درمولانا رشید احمد نے دیا ہے۔ (دعوتِ نبویہ)

جمع اول لہور پریس بیرون بھائی دروازہ لہور ۱۹۷۶ء

طبع دوم جنڈ والیکٹرک پریس ۱۹۷۵ء کو لدھیانہ سے شائع کی گئی



# معذرت نامہ علماء بطور اختصار تحریر ہوتا ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصفیاً۔ بندہ رشید احمد گنگوہی حنفی عہد عرض کرتا ہے کہ لدھیانہ سے ایک استفتا اس مضمون کا آیا تھا کہ جو شخص ہنود کی اعانت اور مسلمانوں کو ضرر دیوے وہ کیسا ہے۔ بندہ نے جواب لکھا تھا کہ وہ فاسق ہے۔ یہ خلاصہ سوال و جواب کا ہے۔ اب وہ فتویٰ بندہ کا طبع ہوا اور اس کے اول تین صنفہ لکھے دیکھے جس سے معلوم ہوا کہ وہ سوال مولوی عبد العزیز صاحب لدھیانوی کی نسبت ہے۔ اور وہ وجوہ اعانتہ و اضرار اس میں مصرح لکھے ہیں۔ لہذا بندہ راست راست کہہ کر مسلمانوں کو مطلع کرتا ہے اور اپنا ذمہ بری کرتا ہے کہ مولوی عبد العزیز صاحب ہرگز ہرگز مصداق اس فتوے کے نہیں ہیں۔ اور جو امور ان کی طرف اس تحریر میں منسوب ہیں ان کی وجہ سے بندہ ہرگز ان کو محل اس جواب و فتویٰ کا نہیں جانتا۔ اگر سائل اس تفصیل کو درج سوال کرتا تو بندہ ہرگز یہ جواب لکھتا جو کچھ اس تحریر میں درج ہے اس کی تاویل صحیح ہے۔ اگر واقعی ان سے یہ امور ایسے ہی سرزد ہوئے ہیں اور اس عبارت میں جو گستاخ کلام نسبت مولوی صاحب کے ہے وہ سخت نازیبا ہے۔ بندہ کے نزدیک علماء کے شان میں ایسے کلام موجب ہنک اسلام و علم ہے۔ پس جو صاحب اس بندہ کو صادق جانتے ہیں اور جو بندہ کی تحریر کی وجہ سے مولوی عبد العزیز صاحب

## زبان اردو کے مصفیان کی خدمت میں

ہندوستان کے اردو داں علماء اور دانشور گزشتہ ۲۷ سال سے ہندی رسم الخط اور ہندی کے خلاف فتویٰ دے رہے ہیں۔ یہ پالیسی تھی علماء ہندی کی جنہوں نے ۱۸۵۷ء کے بعد فارسی اردو عربی زبان کو مٹا دیا۔ کچھ کرائے والے اور انگریزی کے خلاف فتویٰ دیا تھا۔ سرسید کے گھرانے والے آج انہیں علماء کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ لیکن ہائے مجاہد وطن اور علماء کرب سے

تن من دھن سے انتہائی پامردی اور استقامت سے شریک رہا اور بالآخر اس کی مرانا جلیہ  
 بار آور جوئیں اور ملک دنیا کی سب سے بڑی سامراجی طاقت کی غلامی سے آزاد ہوا یہ دوسری  
 بات ہے کہ آزادی کی بہت بڑی قیمت دینا پڑی اور جب اس کی (آزادی) صبح کا آفتاب  
 طلوع ہوا تو وہ اتنا زیادہ دھندلا تھا کہ اس میں ان ایثار پیشہ اور فداکار سپہ سالاروں  
 اور صفت شکن جنرلوں کو پہچاننا مشکل تھا آزادی کے حصول کے ساتھ اور اس سے پہلے  
 جو دردناک اور الماناک واقعات پیش آئے اور جس زبردست المیہ سے اس برصغیر کو دوچار  
 ہونا پڑا۔ اس پر انسانیت کو شرم آنے لگا اس افسوسناک صورت حال کا ذمے داری  
 بے تدبیر مہنگی قیادت پر تھی جو ذہنی اعتبار سے میدانِ جہاد کی جانشین تھی اور خیائے  
 ہندویت کے علم بردار کانگریس کی دائیں بازو کی قیادت پر تھی جو حکومت کی کرسیوں پر بیٹھنے  
 کے لئے بے تاب اور مضطرب تھی اور جس کے سب سے بڑے لیڈر سردار واجہ بھائی پٹیل، اتول  
 مشرومی پی مین سکریٹری وزارت ہائے ہند "دسمبر ۱۹۴۶ء" یا شروع ۱۹۴۷ء میں  
 تقسیم ہند کی تجویز منظور کر چکے تھے۔ علماء کے اس صاحب نظر طبقے کو اس کا پورا اندازہ تھا کہ  
 مسلم لیگ کا دو قومی نظریہ مسلمانوں کے لئے کس درجہ تباہ کن ہو گا اور تقسیم کا سودا ان کو کتنا  
 زیادہ مہنگا پڑے گا، لیکن براہِ جذباتیت، خوش خیالی کا کہ ان حضرات کی ان مستحکم  
 مسکت اور لا جواب کر دینے والی دیلوں کو نہ سنا گیا بلکہ ان حضرات پر ہر قسم کا سبب و شتم  
 ردار کھا گیا۔ ہندو پرستی اور ملت فروشی اور غدار کی خطابات سے نوازا گیا، ان پر جیسے کئے  
 گئے، ان کے جلسوں کو منتشر کیا گیا۔ حکومت کی پوری مشینری ہر طرح سے اس گروہ کی مخالفت  
 رہی۔ لیکن اس کی استقامت میں کوئی فرق نہ آیا اور بڑی بے جگری اور پامردی سے سر نے  
 تقسیم ہند کی مضر قوتوں کی نشان دہی کی اور اس کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف درست ثابت  
 ہوئی۔ اس سے اس گروہ کی سیاسی فراست کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن ان عقائد کے بارے میں  
 بعض حلقوں میں مسلمانوں کی سیاسی امامت کی دستار ان پر باندھی جاتی ہے جو برطانوی



حکومت کے غیر مشروط اور غیر متزلزل وفاداری کے علم بردار تھے اور جن کے نزدیک سب سے بڑی فرائی اور دانش مندی یہ تھی کہ زمانہ کی ہوا کے مطابق چلا جائے اور سیاسی فراست سے انھیں متعین کیا جاتا ہے کہ جنہیں تقسیم کے وقت چار ساڑھے چار کروڑ مسلمانوں کو خراب کر دے یہ میں کوئی باب نہ ہوا۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی علیہ الرحمۃ اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی تھے۔ ان کا تعلق ایسے خاندان سے تھا جو تقویٰ، علم دین، مجاہدانہ کارناموں اور سیاسی فراست کے لئے ممتاز تھا۔ آپ کے پیردادا حضرت مولانا عبدالقادر لدھیانوی نے ۱۸۵۷ء کے جہاد حریت میں مسجد فتحپوری، چاندنی پوک دہلی میں انگریزوں کے خلاف کماندیری کی تھی اور بہند و ستانیوں کی ہزیمت کے بعد ریاست پٹیالہ کے ایک گاؤں ستہ میں ۸۶۱ء تک مقیم رہے۔ وہاں قیام کے دوران آپ نے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ حکومت کی طرف سے عام معافی کے اعلان کے بعد آپ اپنے مستقلین کے ہمراہ وطن مانوٹ لدھیانہ روانہ ہوئے لیکن راستہ میں آپ کا دھال ہو گیا۔ آپ کے تینوں جلیل القدر صاحبزادگان یعنی حضرت مولانا محمد، حضرت مولانا عبدالعزیز اور حضرت مولانا عبداللہ لدھیانہ تشریف لائے اور علم دین اور فیوض روحانی سے لوگوں کو فیض یاب کرنا شروع کیا۔

جید کہ پہلے لکھا جا چکا ہے سید احمد خاں نے ۱۸۸۸ء سے کانگریس کی مخالفت شروع کی اور انھوں نے مسلمانوں کو کانگریس میں شامل ہونے سے روکا۔ ان کے نزدیک سیاسی طور سے مسلمانوں کو کسی ایسی جماعت میں شامل ہونا جو انگریزوں سے حقوق اور اقتدار کا مطالبہ کرے اپنے موت کے دارنٹ پر دستخط کرنا تھا۔ ان کے نزدیک ہندوستانی قوم کا کوئی وجود نہ تھا۔ اس نے انڈین نیشنل کانگریس کے قیام کا کوئی جواز نہ تھا۔ ان کے نزدیک گورنمنٹ اس زمانہ کی قانون بنانے والی کونسلوں میں صرف رئیس اور معزز لوگوں کو بلاتی تھی کیونکہ ملک

سے بہ عقیدہ ہوئے ہیں ان کو مستنبہ کرتا ہوں کہ وہ ہرگز مصداق اس فتوے  
بندہ کے نہیں ان سے معذرت کرنا درمعافی چاہنا اور اتحاد و محبت کرنا  
لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ ولی التوفیق۔ کتبہ الراجی رحمۃ ربہ  
رشید احمد گنگوہی عفی اللہ تعالیٰ عنہ [پیشہ] تحریر جناب مولانا  
موسیٰ رشید احمد صاحب کی درست ہے احمد علی عفی عنہ۔ جو تحریر جناب مولانا  
موسیٰ رشید احمد صاحب نے فرمائی ہے درست ہے پیر محمد عفی عنہ [پیشہ] تحریر  
مورثا صاحب درست ہے عنایت ابی عفی عنہ بہترم مدرسہ منہا ہر علوم سہارنپور۔  
تحریر موسیٰ صاحب ممدوح کی درست ہے ثابت علی عفی عنہ مدرسہ مظاہر علوم  
سہارنپور۔ نعت۔ قال مولانا رشید احمد۔ شیخ البند حضرت مولانا محمود حسن صاحب  
تحریر مولانا صاحب راست و درست ہے بندہ کے نزدیک موسیٰ عبد العزیز صاحب  
و دیگر حضرات مدھیائی ہرگز محرب اسلام نہیں ہیں بلکہ معاون اسلام ہیں  
مولانا محمد حسن عفی عنہ دیوبندی۔ انا ایضاً حق۔ بندہ عبد اللہ خان جو کچھ  
حضرت مرشدنا مولانا رشید احمد صاحب نے تحریر فرمایا ہے وہ راست اور  
بے کم و کاست ہے جناب مولای عبد العزیز صاحب ہرگز اس قابل نہیں کہ  
جیسے ان کی نسبت طبع ہول ہے بندہ احمد عفی عنہ۔ یہ تحریر موسیٰ رشید احمد صاحب  
کی درست ہے اور میں مولوی عبد العزیز صاحب و مولوی محمد و موسیٰ عبد اللہ  
صاحبان کو بخوبی جانتا ہوں نہایت متقی و رذی علم ہیں ان سے بہتر عالم  
ملک پنجاب میں نہیں ہیں جو البے مالوں کو ناحق تہمت لگاوے اور جھوٹی  
تحریر ان کی نسبت طبع کراوے وہ اس وغیرہ کا محل ہے والمذین

رشتہ۔ علماء دین کی پالیسی کا اقرار کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ عزیز الرحمن جامی لدھیانوی ۲ نومبر ۱۹۰۵ء  
آج بھی وطن پر قربان ہونے والوں کو بھرے جلسوں میں گالیاں دی جاتی ہیں۔  
ہندی اور ہندی والوں سے ٹکرے کر پھانسی لگو تو جانیں۔

خود کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد جو چاہے آپ کا حق کرشمہ ساز کیے  
غیر کی زبان سے یہ درستی۔۔۔ اپنی مکی زبان کے طعنے یہ فتوے



HISTORY OF  
 THE FREEDOM MOVEMENT  
 IN INDIA

BY  
 TARA CHAND

THE HISTORY OF THE FREEDOM MOVEMENT IN INDIA  
 BY TARA CHAND

PUBLICATIONS DIVISION  
 MINISTRY OF INFORMATION AND BROADCASTING  
 GOVERNMENT OF INDIA

This book is a valuable source of information for the study of the history of the freedom movement in India. It is written in a simple and clear style, and is suitable for students and teachers alike. The book is published by the Publications Division, Ministry of Information and Broadcasting, Government of India.

کے رئیس اسے پسند نہیں کرتے تھے کہ اپنی قوم یا اپنی درجہ کے آدمی خواہ وہ کتنے تعلیم یافتہ  
 لائق ہوں حکومت کریں اور گورنمنٹ مجبور ہے کہ وہ ان کو نسلوں میں کاٹ کر صرف مغز لوگوں  
 کو بنائے، انہیں اندیشہ تھا چونکہ مسلمان تعداد میں کم ہیں اور تعلیمی اعتبار سے پس ماندہ  
 اس لئے اگر ہندوستان میں نمائندہ حکومت کسی بھی قسم کی قائم ہوئی تو اس میں  
 مسلمانوں کا نقصان ہوگا، بقول سر صاعلی جو سرسید اسکول کے اس آدمی تھے اور  
 جو سرسید کے جانشین ول محسن ملک کے پرنسپل سکرٹری تھے سرسید اور مسٹر  
 ملک نے مسلمانوں کو آنکھیں بند کر کے برٹش گورنمنٹ پر مجبور کرنے کا سبق پڑھا۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے دادا حضرت مولانا محمد اوسان کے چچوے  
 بھائی حضرت مولانا عبدالعزیز نے اپنی مومنانہ فراست اور سیاسی یا نفرتی کے تحت  
 اس کانگریس دشمن پالیسی کی مخالفت کی اور مسلمانوں کی کانگریس میں شرکت کے خلاف  
 'نفرت الابرار' کے نام سے دسمبر ۱۸۸۸ء میں ایک فتویٰ شائع کیا۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن اپنے اسلاف کرام کی جملہ اعتباری خصوصیتوں کے  
 حامل تھے۔ عظیم تحریک خلافت سے لے کر حصول آزادی تک وہ انتہائی پامردی اور استقامت  
 سے جہاد حریت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ آپ کا شمار ہندوستان کے سبیلِ اقتدار  
 رہنماؤں میں تھا۔ آپ نے تیرہ سال چھ ماہ کی عمر جیلوں میں گزاری اور آپ نے اپنی  
 صحت جیسی میٹ بھارتیہ کو ملک و قوم کی بھینٹ چڑھایا اور تملہ مصائب خندہ پیشانی  
 برداشت کئے۔ ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں ان کا بہت ہی اہم کردار رہا۔ تقریباً  
 ۳۴ سال تک وہ اس میدان کے شہسوار رہے۔ وہ سیاست اور اس کی پاریکیوں کو  
 خوب سمجھتے تھے اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ وہ بحرِ سیاست کے شناس اور تجربے اور معاملہ  
 فہمی میں اپنی مثال آپ تھے، بقول شویش کا شمیری وہ اسلام کے واضح تصور کا صحیح  
 فکری منظر تھے وہ جدید اور قدیم تصورات کے مجمع البحرین تھے۔



ان کی سیاسی فراست استدہیکہ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ برطانیہ کے  
 زیرک ترین مدبر سر اسٹیفورڈ کرپس جن کا ہندوستان کی آزادی کے مذاکرات کے سلسلہ  
 میں بڑا نمایاں حصہ رہا تھا حضرت مولانا کی گفتگو سے بہت متاثر ہوئے اور انھیں ہندوستان  
 کے سربراہان اور سیاست دانوں میں شمار کیا۔

وہ ساری فکر فرقہ پرستی اور تعصب کے خلاف سرگرم عمل رہے۔ انھوں نے نہ تو مسلم  
 فرقہ پرستوں کو بھشتا اور نہ ہندو فرقہ پرستوں اور نہ ان تنگ نظر ہندو کانگریسیوں کو جو  
 کانگریسیت کے بہادری میں کفر قسم کے ہندو فرقہ پرست تھے۔ جس وقت مسلمانوں کی  
 اکثریت جذباتیت کا شکار ہو رہی تھی اور پاکستان کی تحریک کا غلغلہ بلند تھا حضرت مولانا  
 نے چوٹی کے مسلم قوم پرور غلام اور رہنماؤں میں تھے جنھوں نے پوری قوت کے ساتھ اس  
 تحریک کی مخالفت کی اور یہ بتایا کہ اس سے مسلمانوں کو کس درجہ ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا  
 اور اس سے انگریزوں کو کس درجہ فائدہ ہوگا اور اس کی ڈپلومیسی کتنی زیادہ کامیاب ہوگی۔  
 انہیں افسوس ہے کہ دوسرے قوم پرور مسلم رہنماؤں کی طرح حضرت مولانا کی ان باتوں پر  
 کان نہ دھرا گیا اور پھر وہ سب کچھ دیکھنے میں آیا جس پر آج تک انسانیت ماتم کناں ہے۔  
 ہندوستان کی سیاست کا یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ قوم پرور مسلمانوں کی بات نہ مسلم فرقہ  
 پرستوں نے سنی نہ کانگریس نے۔ خلافت کی تحریک کے کمزور پڑنے کے بعد سے ۱۹۴۶ء تک  
 قوم پرور مسلمانوں نے جمیہ علماء، مجلس احرار، مسلم یونٹی بورڈ، الہ آباد اتحاد کانفرنس  
 ۱۹۲۷ء کی مسلم لیگ، امارکی کانفرنس، آزاد مسلم کانفرنس اور آل انڈیا مسلم مجلس کے پلیٹ  
 فارموں سے ہندو مسلم مفارہمت کی تجویزیں پیش کیں، حضرت مولانا لدھیانوی ان ساری  
 کوششوں میں پیش رہے، لیکن براہ ہو ہندو تنگ نظری کا کہ ان تجویزوں کو قابل اعتناء نہ سمجھا گیا  
 اور بالآخر اس کا المناک نتیجہ تقسیم ہند میں نکلا۔ کاروان آزادی کے اس بوڑھے اور شیردل  
 اور صف شکن جنرل کو یہ دن بھی دیکھنا پڑا کہ گھر بار لٹا، وطن مالدن چھٹا اور یہ سب اس

## VIII AHRARS

In 1857 the leading family of the Ulama of Ludhiana threw in their lot with the revolutionaries. At Bahadur Shah's command they marched to Delhi fighting their way through British forces. Abdul Qadir the head of the family and his sons showed indomitable courage during the operations of the siege. When Delhi fell they retired to the jungles of Patna and evaded all attempts of the government to arrest them. On the proclamation of general amnesty they decided to return to Ludhiana. Abdul Qadir died on the way, but his family was warmly welcomed by the people.

The sons resumed their ancestral profession of religious teaching. In 1885 when the Indian National Congress met they welcomed its formation. When two years later Sir Syed Ahmad Khan announced his opposition and advised the Muslims to abstain from participating in it, and then founded the Patriotic Association Shah Muhammad son of Abdul Qadir issued a *fatwa* condemning the attitude of Sir Syed and declaring cooperation with the Hindus for political purposes lawful and desirable. The *fatwa* was signed by nearly one thousand Maulavis from all parts of India. It was printed under the title of *Nusrat-ul-Abrar* (Victory of the Good) and distributed in the meeting of the Congress at Allahabad in December, 1888.

Ludhiana became a well-known centre of the liberal nationalist movement. In 1896 a weekly paper was issued which was succeeded by an English daily, the *Observer*. Its independent views attracted the wrath of Government and it ceased publication in 1919.

The Balkan Wars of 1912 followed by the World War in 1914 shocked the Muslims of India who were greatly worried about the future of the Caliphate. In 1919 their worst fears were aroused, for the Allies had occupied the Holy places in Arabia and Mesopotamia.

The Ulama of Ludhiana were greatly agitated and when Gandhi offered to start the movement of non-cooperation for the rectification of the Khilafat wrong and the restitution of the Holy lands, Habibur Rahman the grandson of Shah Muhammad, a youngman of twenty-seven years of age joined the Congress. He never looked back. Till his death in Delhi in 1956 he remained true to his truth. He was a man of amazing courage and endurance. His devotion to principles was

281 ————— He never deviated from his beliefs and ————— Even loyalty to the Congress, unwavering faith in the leadership of Gandhi and deep attachment to Jawaharlal Nehru could not deter him from differing from them, speaking to them frankly and warning them of the evil consequences of what he considered to be wrong decisions.

## بڑوں کی باتیں

اندراجی ————— !

مولانا آزاد، پنڈت نہرو، ڈاکٹر راجندر پرشاد، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کو جب کبھی بھی میں نے خطوط لکھے تو ان بزرگوں نے ہمیشہ حوصلہ افزا جواب دیا باقی صفحہ پر دیکھئے



In 1929 at the advice of Abul Kalam Azad, he founded the association, *Majlis-e-Ahrar* (The Society of Freemen). Its aims and objects were

- (1) The complete independence of India.
- (2) In independent India freedom of religion, culture, civilization and education for all;
- (3) The autonomy of provinces with full authority in internal affairs and the fixation of the powers of the central government by the agreement of the provinces.
- (4) The Central Government to be the federation of provincial states
  - (a) The Central Legislature to be constituted on the basis of equality of Hindus and Muslim representatives with 10 per cent seats for other communities;
  - (b) The bills affecting Muslim religion or culture to be withdrawn if two-thirds of Muslim members objected;
  - (c) A Supreme Court to be established with equal number of Hindu and Muslim judges;
  - (d) A department of Muslim charitable trusts to be set up;
  - (e) The army to be recruited from both communities;
  - (f) Central financial assistance to be given to backward provinces;
  - (g) All weightage on any ground in legislatures and services to be ended;
  - (h) Non-interference of government in the culture, language, religion, education, places of worship, of all religious communities;
  - (i) No interference with the personal law of the Muslims;
  - (j) The appointment of Muslim judges for trying cases which involved religious laws;
- (5) Unyielding opposition to the establishment of Pakistan.

The sacrifices which the Ahrars made, and the sufferings which they cheerfully bore in the cause of Indian independence constitute a shining chapter of Indian history.

A review of Muslim thought makes it abundantly clear that the strongest urge behind their thinking was the desire to preserve at any cost the identity of the community, its basic culture and religion. All schools of thought were agreed upon this. But there were profound differences between those who believed that their object could be achieved

284 within a united free India through the agreement of the Hindus and Muslims. This group led by the Jamiatul Ulama carried the community with them and enjoyed the trust of the majority till 1936. Then by a sudden swoop the Muslim League forged ahead, secured the seat and within less than a decade achieved its aim. The idea of Pakistan which it had put forward in 1940 hesitatingly and more in a bargaining spirit than as a serious demand became a reality in 1947. How it happened will be explained in a subsequent chapter.

لیکن حکومت کے اعلیٰ عہدہ داروں اور شدید قسم کے احساس کمتری میں مبتلا دانشوروں نے میرے خطوط پر سکوت اختیار کیا۔ پندرہ اگست کی تاریخی تقریر میں ہندوستان کی جمہوری رہنما نے کسی اور کے نہیں اپنے ہی احکامات کے بارے میں مذکورہ بات صاف کر دی۔  
عزیز الرحمن جاسمی لدھیانوی۔ ۳ نومبر ۱۹۴۷ء

وقت جو احباب پرانے کانگریسی لیڈر جو نان کو آپریشن تحریک کے زمانے سے حضرت مولانا کے رفیق کار رہے تھے مشرقی پنجاب کے وزیر اعظم تھے بالآخر براستہ پاکستان احمدیہ صاحب ۱۹۴۷ء حضرت مولانا دہلی پہنچے اور اس کے بعد پونے نو سال آپ دہلی میں مقیم رہے لیکن یہ نہ کوئی چند بھارگو اور نہ بھیم سین پتھر نے کبھی حضرت مولانا کی خدمت میں اس کی مشائش کی کہ وہ جیانا واپس آئیں، ایسا کیوں ہوا؟ بظاہر اس کی کوئی حجاب نہیں ہے۔

جس آزاد ہند کا قریب اس شہر دل رہنا نے دیکھا جو نے غازی اور جلال کا مجموعہ اسے جس کی ساری زندگی غلامہ، قبائل کے اس شعر

آمین جہاں مردوں بیباکی و حق دہی

اللہ کے شیعہ دین کو آتی نہیں رو رہا ہی

کی تفسیر تھی، وہ وقت مختلف نکل اور برطانوی شاعرانہ ڈپلومیسی کا مناسب ہونے لگا۔ بہیمیت، بربریت کی مہینوں دونوں ملکوں میں حکومت بری ہوئی، ان کے تمام فرائض کی طرف عدالت سے مایوس نہ ہوئے۔ ان کی ایمان افزہ درحضرہ نے ان کی تفریح نے ۱۹۴۰ء کے برسوں اور خان مسلمانیوں کے دلوں سے قربت برپا کر کے جذبات کو دور کیا، انہوں نے مسلمانوں کو یہ دہا کہ وہ انسانیت کے سب سے ترسہ، حسن اور دنیا کے ہادی اعظم کی مظاہرہ کی زندگی کے اسودہ حسنی کو اپنے سامنے رکھیں۔ صبر و استقامت سے کام لیں اور اس ذات مطلق پر اعتماد رکھیں جو سب سے بڑا صبر و استقامت قائم لکھنؤ کو حضرت مولانا کی کانفرنس مسلمانوں ہندو طیبیدہ مولانا آزاد و رحمتہ اللہ علیہ مسعود دسمبر ۱۹۴۷ء مقدم لکھنؤ آج تک یاد ہے۔ اس تقریر نے سینے و دماغ کے ارباب کو تازہ کیا اور ان میں یہ حوصلہ پیدا کیا کہ وہ ۱۱ سال نہ بھولیں اور اس ملک کو اپنا ملک سمجھ کر رہیں۔ اسی طرے سے ۱۹۴۹ء یا ۱۹۵۰ء میں مسلم یونیورسٹی کے جلسہ سیرت میں مولانا نے جملہ امت زیادہ معنی خیر تھا اور اس میں ہندوستانی اور پاکستانی مسلمانوں کے لئے کئی بڑے کام



سبق تھا کہ نہ تو ہندوستانی مسلمان حضور اکرم کی مکی زندگی پر عمل سکے اور نہ پاکستانی  
 مدنی زندگی پر عمل پیرا ہو سکے۔ انھوں نے جملہ ہندوستانیوں کو ہمیشہ اس کی تلقین کی کہ  
 وہ فرقہ پرستی کو ترک کریں، اپنے مذہب کی صحیح تعلیمات پر گمازن ہوں۔ سچے ہندو اور  
 مسلمان اور سکھ کی طرح سچے ہندوستانی بنیں یہی صحیح جمہوریت ہے اور یہی صحیح عافیت  
 کا ما ستہ ہے۔ انھوں نے اس پر زور دیا کہ دونوں ملکوں کے مفاد کا تقاضہ ہے کہ وہ آپس  
 میں خوش گو اور تعلقات اچھے پڑوسیدوں کی طرح رکھیں اور اپنی اقلیتوں کے ساتھ انصاف  
 کریں۔ آج دونوں ملکوں کے سامنے یہی سب سے بڑا مسئلہ ہے اس سے بھی مولانا مرحوم کے تدبیر  
 اور سیاسی بالغ النظری کا پتہ چلتا ہے۔

رئیس ادا حرار در حدیث دیگران ان مکتوبات کا مجموعہ ہے جو فقید احرار بطل حریت  
 اور کاروان آزادی کے صف شکن سپہ سالار حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے نام  
 علماء قومی رہنماؤں، وزیروں اور سیاست دانوں غرض کہ تقریباً ہر گروہ اور ہر مکتبہ خیال  
 کے افراد نے لکھے ہیں۔ قومی رہنماؤں کے خطوط کے مطالعہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح  
 عیاں ہوتی ہے کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی علیہ الرحمۃ کس قدر اور شخصیت کے مالک تھے  
 اور ان کا قومی سیاست میں کتنا بڑا مقام تھا اور ان کی تابناک زندگی عہد آفریں زندگی تھی اور  
 ان کو ہندوستانی رہنما کتنے احترام سے دیکھتے تھے اور ان کی رائے کو کتنی زیادہ وقعت دی جاتی  
 تھی۔ ان کی سیاسی بصیرت اور دور بینی کے لوگ کتنے زیادہ قائل تھے اور ان کے انتقال  
 سے ہندوستانی سیاست اور خاص کر مسلمانوں کی سیاست میں کتنا بڑا خلا واقع ہوا ہے۔  
 مغربی خطوط سے حضرت مولانا کے حالات زندگی کے سارے پہلو واضح ہوتے ہیں۔ حضرت علیہ الرحمۃ  
 کی شان و خدمات اور عظیم کارناموں کا احاطہ کرنا آسان نہیں۔ اب ان کی سی جامع کمالات  
 شخصیتیں کہاں پیدا ہوں گی۔ ۷۰ ہزاروں سال نرگس اپنی بے فوری پہ روتی ہے۔  
 ہاشم سب اور سارے ملک طالع حضرت مرحوم کے نقش قدم پر چلیں۔ قدوائی

۱ فروری ۱۹۷۱

مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی کاشمیر  
ہمارے نای سماجی اور سیاسی کارکنوں میں ہوتا ہے۔ وہی  
سلسلے میں کئی موقوفوں پر میری خاص سے مذاقات بھی ہوئی۔ مجھ  
بہت خوشی ہو کہ اس کے فرزند مولانا طہریز الرحمن نے اپنے  
والدہ محترمہ کی سوانحی لکھی ہے جو اس وقت زیر طبع ہے۔  
مجھے امید ہے کہ مولانا صاحب کی زندگی کے منسل حالات عام  
پبلک کیلئے سبق آموز ہونگے اور اس کتاب کو مقبولیت  
میلے گی۔

راجندر برہادر

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی سے بہت برسوں سے واقف ہوں جدوجہد آزادی  
کے دوران ہم ایک دوسرے کے بہت قریب رہے اور اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً ماری رتائیں  
ہوتی رہیں۔

مولانا مصروف جس عقیدہ میں یقین رکھتے تھے اور جس جرأت اور آہنی استقامت کے ساتھ  
وہ سپر تائم ہے اس کے سبب میں ہمیشہ ان کا مذاق رہا اور ان کا احترام کرتا رہا۔ آزادی سے  
قبل اور اس کے بعد بھی انہوں نے بہت سی تکالیف اٹھائیں حتیٰ کہ آزادی کے فوراً بعد ہی کشتیاں  
اور شمالی ہند میں ہوا ملیہ و فساد اور جس کی لپیٹ میں وہ شدید طور پر گئے مگر اس سے انہیں ملنی نہیں آئی  
اور انہوں نے تہمت نہ باری۔ وہ اپنے شہر لدھیانہ میں ہندو مسلمان اور سکے سب کے ہی محترم تھے  
ان کے انتقال کو مجھے گہرا صدمہ ہوا۔ وہ ایک جوانمرد سپاہی کی حیثیت سے ہماری آزادی  
کی تحریک میں یاد کئے جانے کے قابل ہیں۔

جواہر لال نہرو



میں نے مولانا حبیب الرحمن مدنی کی ہمیشہ اس بڑے عزت و توقیر کی ہے کہ ان میں سے  
 عقیدے پر مستقل مزاجی و رمنسوی سے قائم رہنے کی جرات تھی جو اہل ہند



I knew Maulana Habibur Rahman Ludhianvi for many years. We came into frequent contact with each other during our struggle for Independence. After that also we met from time to time.

I admired him and respected him for his courage and his steadfast adherence to what he believed in. He suffered greatly before Independence and also after, but he never faltered. Even the tragedy that occurred immediately after Independence in Pakistan and North India did not embitter him, although it affected him powerfully. In his own City of Ludhiana, he was respected by both Hindus and Muslims as well as Sikhs. His death came to me as a great sorrow. As a great soldier in our struggle for freedom, he deserves to be remembered.

New Delhi,  
 January 24, 1961

Jawaharlal. Nehru

## حبیب اور خاندان حبیب

احقر کے سامنے اس وقت تذکرہ بزرگان مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی  
 حال منیم دہلی دام مجدہ مرتبہ عزیز محترم مولوی عزیز الرحمن صاحب جامی ابن مولانا ممدوت  
 کے اوراق کھلے ہوئے ہیں جو عزیز موصوف نے خاندانی تعارف کے طور پر بڑی محنت سے  
 لکھے ہیں۔ اہل اللہ کے ذکر میں قدرتا قبی کشش اور جافریت ہوتی ہے کہ اسے سرد  
 کر کے ختم کئے بغیر طبیعت نہیں مانتی بلکہ ختم کرنے کی طرف نہیں آتی، وہی کیفیت ان  
 اوراق کے مطالعہ کے وقت مجھ پہ بھی رہی ہے۔ یہ کھلا ورق اگلے ورق کی دعوت دیتا رہا۔ بے  
 اور جی نہیں چاہت کہ اس تذکرہ میں کوئی آخری ورق آئے۔ یہ حال دہلی سے دیوبند تک  
 پنج سائے سخن ریل میں میرا مشغلہ صرف اس تذکرہ کا مطالعہ رہا اور میں نے اول سے  
 آخر تک اس تذکرہ کے تمام مسودہ کو غور سے پڑھا۔

حائیکہ اہل اللہ کے واقعات و احوان پر بھرتہ ہر کے جذبات نہیں بھرتے  
 بلکہ تذکرہ کے دوائی پیدا ہوتے ہیں۔ اور ایسی داستانیں جو توفیق زندگی اور حقائق  
 زندگی کی داستانیں ہوتی ہیں کسی تقریر کی غرض سے نہیں دیکھی جائیں گی۔ سچی طور پر  
 اس پر کچھ سطریں لکھ دی جائیں بلکہ عقیدت و محبت کی نگاہ سے پڑھی جاتی ہیں کہ سیمپارہ  
 دل پر خود انھیں کو نقش کیا جائے۔

اس خاندان کے موجودہ اخلاف کرام سے تو میرے غلصہ اور دوستانہ  
 تعلقات عرصہ دراز سے قائم ہیں جیسا کہ میرے بکا بر خاندان کے اس خاندان سے  
 اکابر سے کبرے مراسم رہے ہیں۔ اور آج اس تصور سے لدھیانوی آمد و رفت، غمی



اجتماعات اور مخلصانہ علمی مجلسیں انھوں میں پھر گئیں۔ لیکن اس خاندان کے اسلاف کرام سے تفصیلی تاریخ اس داستانِ حیات ہی کے پڑھنے سے اس سفر میں میسر ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ ولی اللہی خاندان کی شان جہاں بھی چلی گئی، شاخِ طوبیٰ ہی ثابت ہوئی۔ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا کہ حضرت جد امجد قاسم العلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ بانی دارالعلوم دیوبند جب پہلے حج کے لئے کراچی سے حجاز مقدس روانہ ہوئے تو بادبانی جہاز ہوانا موافق ہونے کی وجہ سے بصرہ میں لنگر انداز ہو گیا اور کئی دن تک ٹھہرا رہا۔ مسافر بصرہ کی سیر کرنے کے لئے اتر گئے۔ حضرت قاسم العلوم بھی اترے۔ گرائیج طبع کے لئے نہیں بلکہ بصرہ کے اُس دور کے ایک مشہور و معروف محدث سے سند حدیث حاصل کرنے کے لئے۔ محدث ممدوح نے حضرت قاسم العلوم سے دریافت کیا کہ آپ کی سند حدیث کہاں سے ہے؟ فرمایا شاہ عبدالغنی محدث دہلوی سے۔ فرمایا کہ وہ شاہ عبدالغنی بہ عرمل یا کہ شاہ اسحق دہلوی کے تلمیذ۔ فرمایا کون شاہ اسحق؟ عرض کیا کہ شاہ عبدالغنی تلمیذ۔ نو تبوم کر فرمایا کہ ہاں ولی اللہ شجرہ طوبیٰ ہے جس طرح اس جنت کا بیج کاٹی تو صرف اسی نے خالی ہو گیا کہ اس میں شجرہ طوبیٰ کی شاخ پہنچی ہوئی نہ ہو۔ اسی طرح ہندوستان میں علم کا کوئی گھرانہ نہ ملے گا جس میں خاندان ولی اللہی کی کوئی شاخ نہ آئی ہو۔ اور یہ فرما کر بڑی شفقت کے ساتھ حضرت قاسم العلوم کو سند عطا فرمائی۔ پھر اسی طوبائی خاندان جنت نشان کی ایک علمی شاخ لدھیانہ کا علمی خاندان بھی ہے جو ولی اللہی علوم اور ولی اللہی جذبات کی امانت سینوں میں لئے ہوئے ہے۔

انسانی دلی اللہی شانوں میں علم اور اخلاق کے ساتھ جو چیز سب سے زیادہ اہم ہوئی نظر آتی ہے وہ مجاہدہ و تہا سیرت، راہِ حق میں ایثار و فدایت، بے باکانہ حق گوئی ہر رسمی افتداری سے تہذیب و کرامت اور ساتھ ہی اس راہ میں کسی بھی قربانی سے نہ گھبرانا ہے۔ یہ موجود اوصاف لدھیانوی خاندان میں بہت ہی نمایاں اور خصوصی طور پر نظر آتا ہے اور

صرف اسلاف خاندان ہی تک محدود ہے بلکہ آج کے اخلاف میں بھی اس کی وہی جھلک قائم ہے اور بلاشبہ یہ ایک فضل خداوندی ہے کہ کسی خاندان کی اعلیٰ روایات اور مستحسن خصوصیات پشتوں تک خاندان کا ساتھ نہ چھوڑیں اور اخلاف اپنے اسلاف کے سانچوں میں ڈھلتے رہیں۔

یہ خاندان باطل کے مقابلہ میں ہمیشہ سینہ سپر رہا۔ باطل اور طاغوت کے سامنے کہیں سر نہ جھکایا اور اس پر خار و رہ کی ہر شکل کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کیا اور بڑھاپہ تسلیم مصائب کا سامنا کیا۔ فتنہ خواہ حکومت و سیاست کی لائن سے آریا یا مذہب و دینا مت کے حلقوں سے، مادیت کے راستوں سے نمودار ہوا یا روحانیت کے ناموں سے، رنحوں نے ہر دور میں اسے پہچانا اور جلد پہچانا۔ اس کی سرکوبی کی اور مسلمانوں کو اس سے آگاہ کر کے اس سے محفوظ رکھا۔ برطانوی حکومت کی لائن سے جس قدر فتنے اٹھے اور جس رنگ میں بھی اٹھے ان کے خلاف اس خاندان کے اسلاف بھی اٹھے اور پھر اخلاف نے بھی وہی کچھ کیا جو اسلاف نے کر دکھایا تھا۔ اور ساتھ ہی غربت و تشدد کے تمام وہ مصائب بھی جھیلے جو اس راہ کے خواص آثار میں سے ہیں مگر کلہ حق کی تبلیغ و ترویج نہ چھوڑی اور نہ ہی اس میں کسی اپنے اور بیگانے کی ذرہ برابر رعایت کی بلکہ بلا خوف و تردد لقمہ اعلان حق کیا، خواہ اس کی پاداش میں پنا کچھ بھی کھو دیتا پڑا۔ ہو سکتا ہے کہ عملی جزییات میں ان سے کسی کو اختلاف ہو مگر دنیا کا کوئی بھی حق پرست انسان ان جذبات حسہ کی قدر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

”اول بانہیستہ داور“ کے اصول پر جس طرح اس خاندان کے اسلاف پر اعلان حق کی بندلت وہ وقت بھی آیا کہ انھیں وطن مالوت اور گھر بار چھوڑ کر غربت کی زندگی اختیار کرنی پڑی اور ان کی غیبت میں دشمنان حق نے ان کے گھروں ہی کو نہیں ان کی عبادت گاہوں تک کو جلا ڈالا۔ اسی پنج سے اخلاف خاندان کو بھی آج راد محبت کی



یہ تمام تلخیاں سہنی پڑ رہی ہیں۔ وطن مالوت چھوٹا۔ گھر بار ہاتھ سے نکلا۔ خاندان کے کتنے ہی مردوں عورتوں نے حیات غربت کے ساتھ موت غربت اختیار کی۔ مدارس ہاتھ سے گئے۔ معابد اور مساجد قبضہ سے نکل گئیں جن میں برسوں سے قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں اٹھتی رہیں اور نہ معلوم کہ وہ باقی ہیں یا یکسر دوسرے نقشوں میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ مگر ان سارے فتنوں کی گرم بازاری میں یہ امانت داری کس درجہ پر عظمت ہے کہ جس طرح ان انتہائی مصائب میں اسلاف کے پیروں کو ذلہ برابر جنبش نہیں ہوئی تھی اور انھوں نے نہ صرف صبر و جبر بلکہ رضا و تسلیم کے جذبات دکھائے تھے، اسی طرح آج کل دردناک مصیبتوں اور ہولناک پریشانیوں میں اخلاف کے پائے استقلال کو بھی ادنیٰ جنبش نہیں ہوئی اور نہ تھا ان کے پیروں پر کسی ادنیٰ سی بدحواسی یا داسی کی کوئی لکیر دکھائی دیتی ہے۔ یہ حال نوعی حیثیت سے اس علمی خاندان میں جو چیز قدر مشترک کے طور پر اسلاف و اخلاف میں نمایاں نظر آتی ہے اور ساتھ ہی اس کے آثار بھی مشترک ہیں، وہ ماہ حق میں بے خوفی و بے باکی، اعلان کلمۃ اللہ، اظہار فتن اور دنیوی زندگی میں تحمل شدائد و مصائب، تکریم و تسلیم و رخصت ہے حکومتی فتنہ ہی نہیں بلکہ ہر وہ فتنہ جو مذہب، قوم، فرقہ تمدن اور معاشرہ و سیاست کی راہ سے نمودار ہوا، ان حضرات کی نگاہ دور بین نے ہر رنگ میں اس کے اندر قد و قامت کو پہچانا اور غلو کو اس سے خبردار کیا۔ فتنہ مرزائیت کو اولاً اسی خاندان نے بھانپا اور مرزا غلام احمد قادیانی کے دجل و فساد سے علمی طور پر ملک کو آگاہ کیا جس سے لاکھوں انسان گمراہی کے اس جال سے بچ گئے حتیٰ کہ اس سلسلہ کی علمی تکمیل بھی بالآخر اسی خاندان کے ہاتھوں ہوئی۔ مجلس احرار نے امیرالاحرار مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی کی امارت و قیادت میں اس فتنہ کا علمی طور پر مقابلہ کیا اور اس سے زبردست ٹکری جو ظاہر میں قادیانیت سے ٹکرتی مگر لحاظ حقیقت یہ ٹکر برطانیہ کی طاقتور حکومت سے تھی۔ اس لئے ان حضرات کو قید و بند کے سارے ہی تشدد آمیز

مصائب کا سامن کرنا پڑا لیکن بالآخر سیاسی پہلوؤں سے اس جماعت باطل کے بڑھتے ہوئے اثرات کو روک دینے بلکہ محدود کر دینے میں امیرالاحرار اور ان کے رفقاء کار کامیاب ہوئے جو ایک تاریخی کارنامہ ہے اور زندہ جاویدہ کمر جہدۂ عالم پر سنہری حروف سے بطور تذکار ثبت رہے گا۔ فتنہ نیچریت و آزادی، فتنہ بدعات و عادات، فتنہ بے قیدی و اطلاق فتنہ تمدن و تہذیب نے ان بزرگوں کے دور میں مختلف روپوں سے ابھرنے کی کوششیں کی مگر جنہوں نے اعلیٰ ترین، ستم امت سے اس زینت پاٹل پروردہ کا مقابلہ کیا، اور اسے شکستوں پر شکستیں دیں :

۱۔ اس خاندان کا اثر و رسوخ ہمہ گیر رہا۔ پنجاب میں خصوصاً اور بیرون پنجاب میں عموماً اس علمی گھرانے کو عزت و وقعت اور مقبولیت کی نگاہ سے دیکھا گیا اور ان کے کلمات و معظمت و ہدایت کو دل کے کانوں سے سنا گیا۔ یہ اثرات سیلک سے گزر کر درباروں تک بھی پہنچی اور سلاطین و فتنے نے بھی ان بزرگوں کے سامنے سر عقیدت نہ کیا !

۲۔ حال مجموعی حیثیت سے یہ خاندان پنجاب کا ایک ممتاز علمی خاندان اور علم و فضل نیز جو سرگرمی کے لحاظ سے ایک مانتا ہو قبیلہ رہا ہے جس نے ہمیشہ مسلمانوں کی علمی و دینی خدمت انجام دی ہے۔ آج کا دور دین و تقویٰ کا دور نہیں اور نہ ہی دین کے لئے آج کے لئے ہر کار حوالہ مساعداً کر رہے ہیں۔ دین پر قائم رہنے والا غریب، ادیمہ، مذہبات بعض علی البھراہمتہ میں جنگاوی بکڑنے والا) کا مصداق ہے جس کا مادی ماحول میں کوئی وقور نہیں۔ غیرت خداوندی نے نہ پاپا کہ دین و دیانت کے ایسے پاک نمونے، ایسے نیک ماحول میں رکھے جائیں، اس لئے انھیں اٹھی لیا گیا اور عالم بالا کو ان سے مذہب دی گئی۔ اس لئے جہاں اس دور کی بد بختی ہے کہ یہ نمونے اس میں نہ رہے وہیں ان حضرات کی اربندی اور سرمدی کی نشانی تھی کہ دنیا کی اس عام زہول حالی سے پہلے ہی انھیں اٹھی پائی گئی :

وہمہم اللہ رحمتہ واسعہ۔ لیکن پھر بھی انتہائی خوش کام تمام ہے کہ



اختلاف نے اسلاف کا نقش قدم نہیں چھوڑا اور ان کے پاک جذبات کی امانت محفوظ ہے جس میں کوئی نیابت نہیں ہوئی۔

خصوصیات زمانہ نے گو نقشے بہت کچھ بدلے ہیں مگر شبابہت نہیں مٹی۔ آب و ہوا نے فزاجوں میں تبدیلیاں بہت کچھ پیدا کر دیں مگر افتاد و طبیعت نہیں بدلی۔ بادِ سموم نے تو نہال کو مر جھا ضرور دیا ہے مگر پھلوں کا ذائقہ پھر بھی وہی ہے۔ بہر حال عوارض و خصوصیات نہقت نے تبدیلیاں ضرور کی ہیں مگر بنیاد اساس پر تعمیر وہی کھڑی ہوئی ہے جو پہلے سروں پر سایہ کئے ہوئے تھی۔

انقلابات زمانہ سے یہ خاندان بھی ملک کی طرح دو حصوں میں تقسیم ہو گیا !  
 مولانا حبیب الرحمن صاحب کا گھر ہندوستان میں آباد رہا اور ان کے دوسرے بھائی  
 اور مولانا مفتی اعظم صاحب کا خاندان پاکستان میں بس گیا۔ لیکن خدایات و جذبات کے  
 سلسلہ میں ان دونوں خاندان کی پوزیشن اور اس کے آثار و بدستور نمایاں ہیں۔ بالخصوص مولانا  
 حبیب الرحمن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی میں جس سیاسی بصیرت کا ثبوت دیتے رہے  
 ہیں ان کی وفات کے بعد بھی ان کے مبصرانہ کلمات انہی کا سا کام کر رہے ہیں۔ ملک کے  
 انقلابی احوال و مسائل کے سلسلہ میں مرحوم نے جن جن رایوں کا اظہار کیا تھا آج ملک  
 ہی نہیں حکومت کے حلقوں سے بھی ان کی تائیدی عدائے بازگشت سنائی دے رہی ہے  
 جو ان کی ذمہ داری اور سیاسی بصیرت کا کھلا ثبوت ہے جیسا کہ اس کتاب میں اس کے  
 بعض شواہد و نظائر پیش کر دیئے گئے ہیں۔“

بہر حال یہ زیر نظر تاریخی جائزہ اس خاندان کی اگلی پھلی اور ماضی و مستقبل کی خدات  
 سیاسی ہوش انداز ہی ہوش کا آئینہ دار ہے جو اس خاندان کے ایک چشم و چراغ مولوی  
 عزیز الرحمن جاسی بن مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی فاضل دیوبند مرحوم نے کافی غرق ریزی  
 اور کاوش کے ساتھ فراہم کیا ہے۔ ان قیمتی حالات و خدات کی محض اس لئے ضرورت

نہ تھی کہ وہ ایک خاندان کی تاریخی حقیقتیں ہیں جن کا کاغذوں میں تحفظ ہو چکا ہے بلکہ اس لئے ضرورت تھی کہ ان میں نمونہ عمل اور اس مشکلات کا اسوہ موجود ہے جس کا تحفظ قومی نقطہ نظر سے ضروری تھا اور جو آنے والی نسلوں کے لئے قابل تقلید مثال بن سکتا ہے اور مستقبل میں اس سے لائحہ عمل کا کام لیا جاسکتا ہے۔

بزرگوں کا نقش قدم ہی درحقیقت بزرگوں کا قائم مقام ہوتا ہے اور وہ انہی کی طرح اگلوں کے لئے مرقی اور فانوس رہنا ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے بزرگوں کی تاریخیں مدینہ کی جاتی میں اور اسی دین عبرت کے لئے قرآن حکیم نے تاریخ اور قصص اسلام کا باب قائم کیا ہے۔ لقد کان فی قصصہم عبرۃ اولی الالباب۔

مولوی عزیز الرحمن صاحب اس سچی جمیل پرستحق مبارک یاد ہیں۔ حق تعالیٰ انہیں جنائے خیر عطا فرمائے اور اس خدمت کو قبول فرمائے اور اللہ الالباب کو اس سے درس عبرت لینے کی توفیق بخشے۔ آمین

محمد طیب غفرلہ  
مہتمم دارالعلوم دیوبند  
، رجمادی الثانی ۱۳۵۵ھ



ٹڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے  
دل مرتضیٰ سوز صدیق دے  
جگرے وہی تیر پھر پار کر  
نگاہ مسلمان کو تلوار دے  
(اقبال)



# پنجاب کا ہادی اور مربی

۲۵ محرم ۱۳۷۶ھ اتوار کا دن بہت ہی المناک دن تھا جب کہ ۹ بجے صبح کو دن

پر اطلاع آئی کہ مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی کا حرکت طلب بند ہو جانے سے اچانک انتقال ہو گیا۔ مولانا ممدوح علی گھرانے کے ایک لائق رکن تھے۔ ان کا خاندان پنجاب کے لئے ہادی اور مربی دین رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حریت و آزادی کا پورا قوت اور ہمت سے علم بردار۔ مولانا ممدوح اپنی خاندانی روایات کے ماتحت ایک ذکی عالم و مفکر اور سیاسی مزاج کے رہنما تھے۔ معاملات میں گہرائی کے ساتھ سوچتے تھے ملک کی آزادی میں ان کا زبردست حصہ تھا۔ وہ پنڈت جواہر لال نہرو اور مولانا آزاد کے طبقے اور ان کے رفقاء سیاسی میں سے تھے ملک کے ان دونوں رہنماؤں کو ان پر کافی اعتماد تھا۔ مولانا کے جنازے میں شرکت کے لئے پنڈت جواہر لال نہرو وزیراعظم ہندوستان نے اپنے سیکریٹری کو اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ مولانا حبیب الرحمن کی وفات سے ملک ہی کا نقصان نہیں ہوا بلکہ میرا ذاتی نقصان بھی ہوا ہے

مولانا ممدوح سیاسی میدان کے ایک بہادر اور ان تھک سپاہی تھے۔ عمومی سیاست اور بین الاقوامی معاملات میں ذی اثر تھے اور ہر بنیادی مسئلہ میں ان کی ایک نکھری ہوئی رائے تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ مذہب اور دینی معاملات میں نہایت پختہ اور متضابط تھے دیانت و سیاست میں ان کے یہاں حدود تھیں اور وہ ان حدود کے سختی سے پابند تھے با اصول و رور و خمدار شخصیت رکھتے تھے۔ میرا ان کا تعلق شخصی نہیں بلکہ خاندانی نوعیت کا تھا۔ موقع موقع ہمارے اہل بیت لدھیانہ میں ان کے یہاں مقیم ہوتے تھے اور کدھ جب

معاملہ تھا۔ میرے ساتھ خصوصیت سے ممدوح کو مخلصانہ محبت تھی اور حاضر و غائب  
خیر خواہی فرماتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند کے ساتھ ممدوح کو خاص شغف تھا اور اس کے بارے میں  
بہت اچھے اچھے معقول اور نیک مشورے پیش فرماتے رہتے تھے۔ اس وجہ سے بھی کہ  
وہ دارالعلوم کے ایک فیض یافتہ تھے اور اس وجہ سے بھی کہ اوپر سے ان کے خاندان کے  
بزرگوں کو بزرگان دیوبند سے خصوصی ربط اور علاقہ تھا۔ دینی مسلک اور سیاسی مشرب میں  
سب ایک دوسرے کے ہم نوا تھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد سب سے پہلے جس بزرگ نے کانگریس  
میں شامل ہو جانے کا فتویٰ دیا وہ ان کے دادا حضرت شاہ محمد صاحب قدس سرہ العزیز تھے  
اس کے بعد پھر حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فتویٰ دیا۔ اس سے ان بزرگوں  
کی فراست اور جوش و رغبت مضاعف ہوئی۔ یہی اثر مولانا حبیب الرحمن اہل ان کے خاندان  
کے دوسرے نمبروں میں رچا ہوا تھا۔ سیاسی معاملات میں ان کی گفتگو نہایت جوش اور  
حرارت ایمانی کے ساتھ ہوتی تھی۔ وہ دو متضاد کیفیتوں کے بیک وقت حامل تھے۔ ایک  
طرف دین میں تعصب اور شدت کے ساتھ اس کے دائرہ میں محدود بن کر ہندو دوسرے  
سیاسی لائن میں دست جس کے دائرہ میں مسلم اور غیر مسلم یکساں کے ساتھ جمع ہو سکیں۔  
چنانچہ ان کی مجلس میں دونوں قسم کے افراد کا اجتماع رہتا تھا۔ ایک جانب خالص مذہبی قسم  
کے لوگ بھی ان سے مانوس تھے اور دوسری طرف سیاسی سلسلوں سے ہندو مسلم، سکھ  
سب کی ان کے پاس آمد و رفت تھی اور اس سے زیادہ حیرتناک بات یہ تھی کہ یہ سیاسی لوگ  
سیاسی لائن سے ہی ان کے پاس آتے تھے، مگر ساتھ ہی ان کی مذہبیت سے متاثر اور اسے ایک  
مذہبی مقتدر کی حیثیت سے بھی دیکھتے تھے۔ مولانا مرحوم ان اثرات کو دین کے حق میں استعمال  
فرماتے تھے اور تبلیغ حق کے فریضہ کو باحسن اسلوب ادا فرماتے رہتے تھے جس طرح سے  
نقیبیت کا ایک ماہر اپنے کام کو انجام دیتا ہے۔ مولانا نے ایک دفعہ ہندوؤں کے سامنے  
۱۔ بقول حضرت رئیس الاحرار ایک بزرگ چالیس سال سے اپنی کتابوں میں تہجد کی نماز پڑھ کر صبح کو بھوٹ



اذن کی حقیقت اس انداز سے بیان کی کہ بہت سے ہندوؤں کی خواہش ہوئی کہ اذان کا ہندی میں ترجمہ چھپوایا جائے۔ مولانا نے ہندی میں اس کا سلیس ترجمہ کر دیا کہ عربی اذان اور ہندی ترجمہ ایک خوبصورت پمفلٹ میں چھپوایا، جو ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوا۔ اور اس کے گاہک سب کے سب ہندو تھے جنہوں نے بخوش دلی اسے لیا اور اپنے بچوں کو یاد کرایا اور سمجھایا۔ اسی طرح سے وہ اسلامی مسائل کو سیاسی رنگ سے پیش کر کے اسے سزا لیتے تھے، اس کے ساتھ ہی محمود حضرت احمد میں مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری سلمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت بھی تھے اور حضرت کے دینی ارشادات گرامی کے سختی کے ساتھ پابند اور استحرز جان بنائے رہتے تھے۔ ان کے ہر قول و عمل سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کے قلب میں دین کا رسوخ کافی ہو چکا ہے اور ان کی یہ بات خواہ وہ سیاسی رنگ کی ہی ہو، دین کے جذبہ سے خالی نہ ہوتی تھی۔ تبلیغی سلسلہ میں نہایت ہی مفکرانہ مشورے دیتے تھے بہر حال ایک طرف اعلیٰ رنگ لائے ہوئے تھے، دوسری طرف سیاست میں گہرے رسوخ کے حامل تھے جس کی باتیں مسلم، غیر مسلم دونوں کے جذبات کو اپیل کرتی تھیں اور ایک سمت صوفی منش بھی تھے، جس سے اہل اللہ اور ان کی نسبتوں کی عظمت سے ان کا دل بے ریز معلوم ہوتا تھا۔ یہ متضاد خوبیاں جمع رکھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے

ایں سعادت بزور بازو نیست

تاناہ بخشد خدائے بخشندہ

یہی چند در چند خوبیاں اور فضائل ہیں جس سے ان کی ہستی دلوں میں زندہ نظر آتی ہے اور آتی رہے گی۔ حق تعالیٰ نے انہیں حسن خاتمہ کی دولت سے نوازا۔ مجھے جب کبھی خط لکھتے تھے تو اس میں حسن خاتمہ کی دعا کے لئے ضرور لکھا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ آرزو پوری فرمائی۔ پاکیزہ موت ہوئی۔ نقین منٹ میں سب جھگڑا منٹ گیا۔ کل طیبہ کے درو کے ساتھ اچانک روح عالم بالا کو پرواز کر گئی اور موت کا حق تعالیٰ نے ظہور فرمادیا۔ رحمۃ اللہ رحمۃ

واسعہ حق تعالیٰ شاء ان کی اولاد اور پس ماندوں کو ان کے نقش قدم پر چلائے۔  
 ان سب کے جذبات بھی بحمد اللہ وہی ہیں جو ان کے خاندان کا ورثہ تھے اور امید ہے کہ  
 ان کی اولاد میں سے بعض فضلا را آخر کار اپنے بہترین باپ کے صحیح جانشین ثابت ہوں گے  
 یہ چند سطریں اذکر و امحس موتا کم کے تحت بطور تسکینِ قلوب لکھی گئیں ورنہ ایسی ہر گز  
 شخصیتوں کا غم و الم چند سطروں کی حدود میں کہاں سما سکتا ہے۔ کیونکہ ایسے صدقات  
 محض خاندانی یا قبائلی نہیں ہوتے بلکہ قومی اور ملکی ہوتے ہیں جن کو سطریں نہیں نسا سکتیں  
 دل ہی برداشت کرتے ہیں۔ ہم سب خدام دارالعلوم دیوبند ان کا غم دلوں میں لئے ہوئے ہیں  
 اللہ تعالیٰ اس غم کو وسیلہ نجات فرمائے اور ہم سب کو حسن خاتمہ کی دولت سے مالا مال  
 فرمائے۔ آمین

محمد طیب غفرلہ۔ دارالعلوم دیوبند

۱۶ مئی ۱۳۶۲ء



دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر  
 حریمِ کبریا سے آشنا کر  
 جنہیں نانِ جویں بخشا ہے تو نے  
 انہیں بازوئے جبر بھی عطا کر

(اقبال)



# کیسے کہوں کہ درد کہاں ہے کہاں نہیں

برادران من!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محبت باصفا حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اچانک وفات سے قلب پر بجلی سی کوند گئی اور اس سانحہ کا جو صدمہ روح نے محسوس کیا ہے اس کا بیان الفاظ کے قالب میں نہیں ہو سکتا۔ ابھی چند روز ہوئے معمول کے مطابق ندوة المصنفین کے دفتر میں تشریف لائے تھے ان کا ہنستا ہوا چہرہ آنکھوں میں پھر رہا ہے۔ یقین نہیں تھا کہ مروجہ ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے ہیں۔ اس وقت گزشتہ ۳۸ سال کے حالات و واقعات کا نقشہ سامنے ہے مروجہ ۱۳۳۱ھ میں میرے ساتھ ترمذی شریف کے سبق میں شریک ہوئے۔ ہماری ملاقات اس سے پہلے بھی تھی اور مختلف سیاسی اجتماعات میں شریک رہا کرتے تھے۔ ہم سبق ہونے کے تعلق سے اب ہم میں دوستی ہو گئی تھی۔ علمائے دیوبند سے آپ حضرات کے بزرگوں کا تعلق نہایت قدیم و عمیق تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ کے دادا مولانا محمد زکریا صاحب مروجہ نے نہ صرف اپنی اولاد کو بلکہ اپنے بھائیوں اور خاندان کے دوسرے افراد کو بھی اہتمام کے ساتھ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کے لئے بھیجا۔ مولانا مفتی محمد نعیم صاحب نے اگرچہ ہم لوگوں سے کئی سال پہلے فراغت حاصل کی لیکن زمانہ ایک ہی تھا۔ اس کے بعد مولانا محمد عیسیٰ صاحب اور مولوی محمد حسن صاحب وغیرہ کا زمانہ آیا۔ پیر باد نہیں کہ مولوی محمد حسن صاحب ہم سے پہلے فارغ ہوئے! بعد میں لیکن مولانا محمد عیسیٰ صاحب میرے چچا زاد بھائی مولانا محمد یعقوب مروجہ کے ہم سبق تھے اور مولانا یعقوب نے دوسرے کی کتابیں مجھ سے پہلے پڑھی تھیں۔ اکابر دیوبند سے روایتی اور قدیم روابط کے علاوہ مولانا محمد زکریا صاحب مروجہ کو حضرت الاستاذ خاتم المحدثین

علامہ مسید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے حد درجہ تعلق حاصل تھا اور اس تعلق  
 کے مختلف مظاہرے میں نے بارہا اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ آپ کے لہجہ بیان کے پرانے مکان  
 پر بھی ائمہ انجمن خدام الدین کے تاریخی اجلاس المجمع کے موقع پر بھی۔ اس نسبت سے مرحوم مولانا  
 حبیب الرحمن صاحب کو بھی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے غیر معمولی ربط تھا۔ علم مستم  
 شیخ اسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت والد ماجد مفتی اعظم  
 عارف باللہ مولانا شاہ مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی نقشبندی قدس سرہ کی مجالس میں  
 بھی بطریق خاص حاضر رہتے تھے اور حضرت محترم مرحوم کے خاص ہم نشینوں میں تھے۔ میرے بڑے  
 چچی اور دارالعلوم دیوبند کے رشتہ داران حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص  
 معتمد تھے۔ ان دنوں کی ایک ایک بات حافظہ میں ابھر رہی ہے کبھی موقع ملے گا تو لکھنے کی کوشش  
 کروں گا۔ لیکن آپ کو معلوم ہے ہمیشہ سے کوتاہ قلوب ہیں اور اس عادت کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت  
 سے اہم تاریخی واقعات جن کا تعلق براہ راست مجھ سے ہے بندش قلم میں نہیں آتے۔ بہر حال دور  
 خصوصیات اور کمالات کے علاوہ مرحوم کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی تھی کہ میدان سیاست کا  
 شہسوار ہونے کے باوجود درویش تھے اور روحانی حلقے سے اسی انداز کا تعلق رکھتے تھے۔  
 ان کی ذہانت و ذکاوت اور قوت فیصلہ کی کجائی نہ بامثل تھی۔ مختصر تقریر کرنے والوں میں میں نے  
 اتنا اعلیٰ درجہ کا خطیب نہیں دیکھا۔ ان کی تقریر مؤثر بھی ہوتی تھی اور عام فہم بھی۔ ایسے الفاظ اور  
 ایسا انداز بیان اختیار کرتے تھے کہ ان کی بات دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی تھی، اچھے ہوئے  
 مسائل و معاملات کو سلجھانے میں بھی کمال تھا۔ نازک اور مشکل وقت میں ان کی دیدہ وری کی  
 عجیب شان ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مجلس احرار اسلام جیسی جماعت کا جس میں مولانا عطاء اللہ  
 شاہ بخاری ایسے سحر بیان اور ولولہ انگیز خطیب اور چودھری انضیل حق جیسے ہنرمند تھے  
 دماغ سمجھے جاتے تھے۔ جمعیت علماء ہند اور کانگریس سے بھی ان کا تعلق اسی قسم کا تھا۔  
 ہمارے ہر اور ان وطن میں کوئی اس پایہ کا لیڈر ہوتا تو قوم اس کو اپنا آنکھ کا تارا بناتی۔ اس



کے برخلاف مرحوم کی زندگی تریاتیوں اور جاں کا ہیوں کا مرقع تھی اور عمر کا ایک قیمتی حصہ جلی غلوں  
 میں بسر کیا، تا مگر جب ملک آزاد ہوا تو ان کے لئے کہیں پناہ نہیں تھی۔ مشرقی پنجاب کے تقریباً  
 تمام مسلمان رہنماؤں کی مجبوری سے دوسری طرف چلے گئے لیکن مرحوم اٹے دہلی آ گئے اور  
 دم واپس ہوئے یہی وقار پذیر رہے۔ میں نے حالات کی ناساز گاریوں اور کڑواہٹوں کا کوئی  
 اثر بھی مرحوم کے مسکراتے ہونے پر نہیں دیکھا۔ حالانکہ انقلاب کی تلخیاں ان کو مسکرائے  
 نہ تھیں۔ مگر وہ ان تلخیوں کی پروا نہیں کرتے تھے۔ علامہ اقبال کے اکثر اشعار ان کی  
 زبان پر تھے، ان کے دہر پر شمع اور شاعرہ "خضر باہ" اور طلوع اسلام ان نظموں کے بند  
 جیو م کر پڑا کرتے تھے۔ اور اقبال مرحوم کے مشہور شعر

دہ زندگى ريم زندگى، غم ريم غم، غم زندگى

غم ريم زكرم غم نہ کھا کہ یہی ہے ستانِ علتِ دري

دادا زہرِ مصداق تھے ہر حالت میں خوش، قانع، صابر عام اہل علم کے برخلاف صفائی اور مہن سہن کا  
 نہایت پاکیزہ مذاق رکھتے تھے۔ سادگی کے باوجود نفیس البس تھے جب بھی ہمارے یہاں تشریف لائے دقہ کی  
 سداں اور سلیقے کو دیکھ کر اظہارِ پسندیدگی کرتے۔ سالہا سال سے کثرتِ بول کی شکایت ہو گئی تھی جب  
 یہ سنبھلا کے لئے ہمت اٹھا کر جاتے تو بے تکلف فرماتے، تمھارے یہاں ہر چیز پاکیزہ اور صاف ہے، مگر  
 یہ، اظہار کا لونا ٹھیک نہیں۔ اس میں جراثیم بھرے ہوئے ہیں۔ مرحوم کا دیکارک سو فیصدی درست بھٹا  
 دہ غلوں کی حوصلہ افزائی بھی خوب کرتے تھے۔ علامہؒ میں عیدِ قرباں اور قربانی کے فلسفے پر  
 آل انڈیا ریلو سے میرا، دو تقریریں نشر ہوئی تھیں۔ مرحوم نے ان کو سنا تو صرف ان کی داد دینے  
 کے لئے تشریف لائے۔ انہوں نے ان کے درجات بلند فرمائے، عجیب خصوصیتوں کے انسان تھے۔

ایمان سے شکو لا ائی ان من اتی اری الارض تبی والہ فله مذہب اخلا و لو غیر الحی ام اصا کہ بے عفت و لکن ماعنی

وہ معتب ہے اے ہم نفساں محض! اقتد و لے نہ از دل ما والسلام

مفتی عتیق الرحمن عثمانی۔ ندوۃ المستفین۔ دہلی۔ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء

# خاندان حبیب کی تاریخ

مجاہد جلیل رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن قدس سرہ پاک دہندہ کے  
ان مشہور مذہبی اور سیاسی رہنماؤں میں سے ایک ہیں جن کے تمام انگلیوں پر گئے جیتے  
ہیں۔ آپ نے لدھیانہ کے مشہور علی روہ مجاہدین کے گھرانے میں آنکھ کھولی۔ یہاں کی  
وفاقت اور عفر ۱۳۱۵ھ مطابق ۳ جولائی ۱۸۹۳ء التوار کے روز صبح کے وقت ہوا۔  
گھر کا بھول علمی، مذہبی، اخلاقی اور انقلابی تقاراد آپ کے دادا قطب عالم حضرت مولانا  
شاہ محی صاحب نور اللہ مرقدہ اس وقت کے مشہور عالم، فیضیہ، محدث اور مجاہد  
آزادی کے قائدین میں سے تھے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم اور روحانی تربیت آپ کے دادا ہی  
نے فرمائی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ آپ صاف دماغ اور روشن فکر تھے ساتھ میدانِ عمر  
میں اترے اور انگریز سامراج کے خلاف جنگ آزادی میں شریک ہو گئے۔ ملک بھر میں آپ  
کی قیادت کو تھوڑی ہی مدت میں تسلیم کر لیا گیا اور مجاہدین کی ایک بڑی جماعت آپ کی  
زیر قیادت عزم و ہمت و جرات کے ساتھ ملک کی آزادی کے رستے پر گامزن ہوئی۔  
بڑے بڑے ادوار، اعزاز اور عجاب بصیرت یوں کے قدم کوئی ایک بار تحریک  
آزادی کے مصائب اور مشکلات کو دیکھ کر ڈمکا گئے۔ لیکن اس مجاہد کے پائے ثبات  
میں کبھی لغزش نہ آئی۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن رحمۃ اللہ علیہ قوتِ عمل کے قائل تھے۔ ان کے  
ہاں منصوبے اور پلنوں کی حیثیت دوسرے درجہ کی تھی۔ انھوں نے صرف گفتار سے  
ہی کام نہیں لیا، بلکہ اپنے کردار اور قربانیوں سے پوری قوم کو عملی زندگی کا راستہ دکھایا۔



ان کی عملی زندگی ہر زمانے میں ملک و قوم کے لئے مشعلِ راہ کا کام دے گی۔

اپنے دادا صاحب کے انتقال کے بعد آپ کئی ایک برس تک امرت سر حضرت مولانا نور احمد صاحب کی خدمت میں بغرض تعلیم مقیم رہے اور ان سے قرآن و حدیث کو سبقتاً سہتا پڑھا۔ آپ امرت سر سے ایشیا کی مشہور عربی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند میں تکمیلِ تعلیم کے لئے تشریف لے آئے اور تقریباً سات سال تک دارالعلوم میں تعلیم حاصل فرماتے رہے۔ حضرت شیخ الہند اور حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو گہرا تعلق تھا۔ ان کے حلقوں میں آپ شریک رہے۔ اور علمی، رینی، سیاسی بصیرت حاصل کی۔ آپ کا شمار ملک کے مشہور علماء اور دارالعلوم کے مایہ ناز فرزندوں میں کیا جاتا ہے۔

والد ماجد۔ آپ کے والد حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ملک کے جید اور مشہور علماء میں سے ایک تھے۔ ان کی ذہانت، علمیت، حافظہ، تقویٰ و طہارت و فہم کی شہرت تھی۔ حافظہ کا یہ عالم تھا صرف تین ماہ میں قرآن عزیز کو حفظ فرمایا۔ اور رمضان المبارک کی سترائیسویں شب کو ایک رکعت میں بلا کسی غلطی اور متشابہ کے سنا ڈالا۔

پنجاب کے اکثر و بیشتر علماء مشکل مسائل فہم حدیث اور فہم قرآن عزیز کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے علمی فیض حاصل کرتے۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کی علمی ذہانت، حافظہ اور تفقہ فی الدین کے معترف اور قائل تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے آپ کے علم و فضل سے متاثر ہو کر کئی ایک بار آپ سے فرمایا:

مولانا اگر آپ درس و تدریس کے لئے بیٹھ جاتے تو علماء کی جماعت کو آپ کی علمی تحقیقات اور مذہبی شخصیت سے فیضان ہوتا اور وہ مقام

ایک دارالعلوم بن جانا۔

دونوں بزرگوں میں بہت زیادہ تعلق اور محبت تھی۔ حضرت شاہ صاحب ان کی کسی بات کو رد نہیں کرتے تھے اور ایک جید عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ کی کی طبع آپ کی عزت فرماتے۔

**جد امجد :-** آپ کے علمی، مذہبی اور انقلابی خاندان کی علمی، مذہبی شہرت آپ کے جد امجد امام العارفين حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہ کے مجاہدانہ کارناموں سے شروع ہوئی۔ وہ اپنے زمانے کے ممتاز عالم مجاہد و صاحب ارشاد و سالکین میں سے تھے۔ انھوں نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم حاصل کی اور روحانی تربیت بھی اسی خاندان سے پائی۔ صرف ایک واسطے سے آپ مشہور مسترحم قرآن حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی کے جیسے اور بزرگ تھے۔

اس طرح لدھیانہ کا علمی خاندان ولی اللہی خاندان کی ایک علمی شاخ بھی ہے اور ان کے سینوں پر آج بھی ولی اللہی علوم اور ولی اللہی جذبات کی امانت موجود ہے۔ رئیس الامراء کے جد امجد حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ پنجاب میں تنہا بزرگ تھے، جنہوں نے ۱۷۵۷ء میں انگریزی سامراج کے خلاف لدھیانہ میں فتویٰ دیا اور انگریزی حکمرانوں سے باقاعدہ جنگ کر کے لدھیانہ میں متوازی گورنمنٹ قائم کی۔ اور تحریک آزادی میں اپنے خاندان اور چاروں لائق فرزندوں کے ساتھ حصہ لیا۔ پنجاب کی تمام انتظامی فوجیں آپ کے زیرِ کمان تھیں۔ آپ کے بڑے فرزند حضرت مولانا سید الرحمن مرحوم نے لدھیانہ جیل نوٹ کر سیاسی قیدیوں کو رہائی دلائی اور آپ کے حکم سے شہر پر قومی پرچم لہرا دیا گیا۔ پنجاب کی افواج اور مجاہدین کو لے کر آپ دلی تشریف لے گئے اور دہلی کے مجاہدین و قومی افواج کے ساتھ شامل ہو کر آپ نے برطانوی سامراج کے خلاف



لڑائی میں حصہ لیا۔

قومی افواج کی شکست اور بہادر شاہ ظفر کی گرفتاری کے بعد موضع ستلانہ ریاست بیٹیاں کے جنگلوں میں کئی برس تک روپوش رہے، کیونکہ آپ اور آپ کے خاندان کے ہر فرد کو گرفتار کرنے کے لئے بھاری انعامات رکھے گئے تھے۔

ستلانہ کے باشندوں نے اس مرد مجاہد کی اس طرح حفاظت کی کہ زبردست تلاش کے باوجود انگریزی پولیس اور فوج آپ کا پتہ نہ لگا سکی۔

آپ کی ذات مقدسہ مرجع خلافت تھی۔ امیر و غریب، شاہ و گدا عقیدت مندوں اور حلقہ اثر میں شامل تھے۔

احمد شاہ ابدالی کے پوتے شاہ شجاع الملک اور شاہ زمان انگریزی سیاست کا شکار ہو کر لدھیانہ آئے اور خاندان سمیت ان کو نظر بند کر دیا گیا تو ان دونوں بھائیوں نے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر سمیت کی اور کئی روز تک خالقہ میں رہے حضرت کے ہاں سے جو کچھ کھانے کے لئے ملا، افغانستان کا حکمران اسے خوشی اور عقیدت سے کھاتا رہا۔

شاہ زمان آپ کی مسجد میں پانچ وقت نماز پڑھنے آتا رہا، اور چالیس روز تک حضرت کے حکم سے مسجد میں اذان دی۔ شاہ زمان کے لئے شاہی خدمت گزاروں نے قالین، پادری تو حضرت شاہ صاحب نے شاہ زمان سے مخاطب ہو کر فرمایا یہاں فقیر اور بادشاہ میں کوئی امتیاز نہیں۔ شاہ زمان آپ کے ارشاد کا اثر ہوا تو وہ مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھنے لگا اور آپ کے درس قرآن اور حدیث میں شریک ہوتا۔

اس شاہی خاندان میں سے حضرت شاہ صاحب نے تمام غیر اسلامی رسوم کو اپنے فیض روحانی سے بند کر دیا۔

اور پورے خاندان کو دین کی طرف متوجہ کیا۔

**والے افغانستان :-** امیر دوست محمد خاں کو شکستہ میں انگریزی افواج نے گرفتار کیا۔ اور شاہ شجاع نے تخت کابل پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ افغانستان کے اس حکمران کو بھی لڑھیانہ میں نظر بند کیا گیا۔ امام العارفین حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب معلوم ہوا تو آپ نے اپنے معتقدین کو بلا کر اس بادشاہ کی خدمت کا حکم فرمایا۔

امیر دوست محمد خاں حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے مصائب اور تکالیف کو بیان کر کے بے اختیار رونے لگا۔ آپ نے اسے تسلی دی اور فرمایا کہ شاہ شجاع زید و دن حکومت نہ کر سکے گا اور قتل کر دیا جائے گا۔ اور تم دوبارہ افغانستان کے بادشاہ بنو گے۔ امام العارفین حضرت شاہ عبدالقادر قدس سرہ کا یہ کشف صریح سن کر امیر دوست محمد خاں کو تسکین تو ہوئی مگر یقین نہ آیا۔ لڑھیانہ سے حکومت نے وائی افغانستان کو کلکتہ لے جا کر نظر بند کر دیا۔

پورے ایک برس بعد امیر دوست محمد خاں کے لڑکے اکبر خاں نے انگریزی افواج کو شکست دی اور شاہ شجاع کو قتل کر دیا اور برطانوی حکومت اس انقلاب کے بعد امیر دوست محمد خاں کو افغانستان کا فرماں روا تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئی۔

افغانستان کو واپس جاتے ہوئے امیر دوست محمد خاں ایک سال پہلے جو قیدی تھا۔ ایک ملک کے حکمران کی حیثیت سے امام العارفین حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی درخواست کر رہا تھا۔ آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہونے کے بعد اس نے عرض کیا کہ آپ میرے ساتھ افغانستان تشریف لے چلیں۔ امام العارفین حضرت شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہ نے اس کی درخواست نہ مانی اور انکار کر دیا۔ نیز امیر دوست محمد خاں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

فیقر اور بادشاہ کے درمیان کوئی رشتہ قائم نہیں رہ سکتا۔



تیرے ساتھ جانے سے دنیا کا بے شک فائدہ ہے۔ لیکن دین کا مسرہ  
 نقصان۔ تم خلاف شرع حکم کرو گے اور میں اس امر سے روکوں گا، جس  
 سے تم آزرده ہو گے۔ اور اگر نہ روکا، تمہارا لحاظ کیا تو میں گنہ گار ہوں گا۔

حضرت شاہ صاحب مسائل شرعیہ کے بیان کرنے میں امیر و غریب کو برابر خیال  
 کرتے۔ اور دین کے بارے میں کسی کی بھی رعایت نہ فرماتے تھے۔ آپ کے فیض روحانی  
 سے لاکھوں انسانوں کو راہ ہدایت ملی اور دین کو فروغ ہوا۔

امام العارفین حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کے چار لائق فرزند تھے  
 جن پر اپنے والد کا علمی اور روحانی رنگ پوری طرح چڑھا ہوا تھا اور اپنے عہد کے  
 مجاہدین آزادی، مشاہیر اساتذہ علم، اصحاب طریقت و سلوک میں سے تھے۔ انہوں  
 نے اپنے والد بزرگوار کی وراثت میں علم، حق گوئی، بہادری، ذہانت، فکری تدبیر اور  
 خودداری کو پایا تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں ان حضرات کے علمی، سیاسی اور مذہبی کارنامے  
 نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی اس طرح پر ہیں۔

۱۔ حضرت مولانا شاہ سیف الرحمن صاحب۔ بڑے صاحبزادے ہیں۔ انہوں  
 نے ۱۸۵۷ء میں انگریزی حکومت سے ٹکری اور لہ جیانہ کا جیل خانہ توڑ کر  
 مجاہدین کو قید سے رہا کرایا۔ شہر میں قومی پرچم ہرا کر متوازی حکومت قائم  
 کر دی۔ قومی حکومت کی شکست کے بعد آپ دہلی سے کابل ہجرت کر گئے۔

۲۔ امام العصر حضرت شاہ محمد صاحب قدس سرہ۔ دوسرے فرزند ہیں۔ آزادی  
 وطن کے لئے آپ جنگ میں شریک رہے شکست کے بعد تحریک آزادی کو منظم  
 طریقے سے چننے کے لئے بہار کے صدر مقام پٹنہ میں قیام فرما کر بہار، یوپی اور پنجاب  
 کے مجاہدین کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا۔

انڈین نیشنل کانگریس | ۱۸۸۷ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی مخالفت ہو رہی تھی۔

اور مذہب کے نام پر ہندو مسلمانوں کو اس مشترک جماعت کے خلاف ابھارا جا رہا تھا اور اس کے خلاف فتوے شائع کئے گئے تھے۔ آپ نے اس وقت انڈین نیشنل کانگریس میں شرکت کی حمایت کی اور فتویٰ دیا۔ اس فتویٰ کے بارے میں عجیب بات یہ ہے کہ فتویٰ لینے کے لئے ایک شخص مسیحی علی محمد میٹوطن بمبئی کانگریس کی طرف سے ملک کے مختلف شہروں اور مذہبی مراکز میں گیا۔ لیکن پورے ملک میں اس مسئلہ پر فتویٰ نہ مل سکا کیونکہ انگریزی حکومت کے مظالم سے اونچے درجے کے علماء بھی خوف زدہ تھے۔ اس وقت کانگریس کی حمایت اور انگریزی حکومت کی مخالفت اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھی۔ لیکن یہ مسئلہ حبیب رئیس راجپوت کے والد حضرت شاہ محمد صاحب کی خدمت میں پیش ہوا تو انھوں نے پوری جرات اور بہادری اور علمی دراصل کے ساتھ اس مسئلہ پر فتویٰ دیا اور جس کو نصرت الابرار کے نام سے شائع کر کے پورے ملک میں تقسیم کیا گیا جس کا مسلم برادریوں اور خاندانوں نے اثر قبول کیا۔ کانگریس کو قومیت ملی۔ انگریزی سامراج کو اس فتوے سے پورے ملک میں سخت نقصان ہوا۔ بعد میں اس فتویٰ کی تصدیق ملک کے ہر حصے اور دینی مرکز سے ہونے لگی۔ چنانچہ پانچ صد علماء نے اس اہم فتویٰ کی تصدیق کی۔ یہ فتویٰ کانگریس کی تحریک میں ناس اہمیت رکھتا ہے اور ملک کے مایہ ناز مصلحین نے اس کو اپنی کتابوں میں جلی عنوان سے درج کیا ہے۔

جمہوریہ ہند کے پہلے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد نے اپنی کتاب کا مستقبل اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ نے اپنی کتاب "نقش حیات" کے صفحہ ۱۷ پر اس فتویٰ کو خاص اہمیت دی ہے اور اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

مشہور مورخ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب سابق ناظم مجتہ علماء ہند نے اپنی کتاب "علاقہ" کے صفحہ ۱۲ پر پوری تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی ہندوستان کے مذہبی شیخ پر ایک مبتلا اسلام اور مناظر



دین کی نقاب اڑھ کر ۱۳۱۰ھ ہجری میں نمودار ہوئے۔ سب سے پہلے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کے دادا حضرت مولانا شاہ محمد صاحب اور ان کے دونوں بھائیوں مولانا عبداللہ صاحب و حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے مرزا کے صحیح خدوخال کو پہچانا اور اس کی ظاہری شکل و صورت دیکھ کر تکفیر کا فتویٰ دیا۔ اس وقت اکثر علمائے اہل حق اس کی تکفیر کو تسلیم نہ کیا۔ لیکن بعد میں پورے ملک کے علمائے اہل حق نے اس فتویٰ کو ماننا پڑا۔ اور تصدیق کرنی پڑی۔ اس طرح عالم اسلام کے مسلمانوں کی علمائے اہل حق نے ہر نازک مقام پر رہنمائی کی اور حق کے متلاشی کو ان ہی کے حلقوں میں صراطِ مستقیم ملی۔ حضرت شاہ محمد صاحب نے بہت سی کتابیں اور رسالے فرقہ ہائے باطلہ کی تردید میں لکھے اور شائع کئے جن کی تعداد پچیس تیس کے قریب ہے۔ ان کی مشہور کتابیں فتاویٰ قادریہ، نصرۃ الابرارینہ، السالکین، تقدیس الرحمن عن الکذب کا نقصان، انتظام المساجد، دلیل القوی وغیرہ ہیں۔

آپ کے تیسرے فرزند حضرت مولانا شاہ محمد عبداللہ صاحب قدس سرہ والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب مدظلہ ہیں۔ آپ کی ہمت مردانہ سے فرقہ ہائے باطلہ خصوصاً پیچری اور قادیانی اور صوفیوں کو زدہ تھے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ میں آپ نے حصہ لیا۔ بڑے درجے کے عالم اور فقیہ تھے۔ اونچے درجے کے ادیب اور میں سے تھے۔ ہزاروں لوگ آپ سے بیعت تھے۔ آپ کا انتقال سہارن پور میں ہوا اور وہیں مزار شریف ہے۔

آپ کے چوتھے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب قدس سرہ ہیں۔ آپ بڑے پایہ کے خطیب اور واعظ تھے۔ مسائل دینیہ کے بیان کرنے میں اپنے والد بزرگوار کی طرح کسی کی رعایت نہیں فرماتے تھے۔ لاکھوں کی تعداد میں لوگ آپ سے بیعت تھے۔ رشتہ ہدایت کا سلسلہ آپ کی خانقاہ میں جاری تھا۔ ۶۲ سال کی عمر پائی۔ چالیس

برس کی عمر میں قرآن عزیز کا ترجمہ بیان فرمایا۔ ان کی چھوٹی صاحبزادی مستانہ شفاعت بی بی کے ساتھ حضرت مولانا حبیب الرحمن کا نکاح ہوا۔ رئیس الاحرار کو آزادی ہند کی تحریک میں جن مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا، ان میں رئیس الاحرار کی اہلیہ نے ان کا پورا ساتھ دیا اور کبھی اس کی پیشانی پر بل نہ آیا۔ رئیس الاحرار کے جیل جانے کے بعد آنے والے کسی لیڈر یا مذکر کو ان کی عدم موجودگی محسوس نہ ہونے دی کیونکہ وہ ایک بڑے باپ کی بیٹی تھیں اور ان کی رگوں میں وہ خون تھا جس نے ایک زمانے تک ملک کی بھلائی اور آزادی کے لئے قربانیاں دی تھیں۔

مسٹر ساورکر۔ پنڈت سندھیلال، خورشید مصطفیٰ صاحب رضوی۔ مسٹر خلیق نظامی، مولانا غلام رسول مہر، مولانا سید محمد میاں صاحب نے اپنی تاریخی تصانیف میں علم بردھیانہ کی ان تمام انقلابی، مذہبی، علمی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ مولانا عزیز الرحمن جاحی نے کتاب رئیس الاحرار میں تفصیل کے ساتھ ان واقعات پر روشنی ڈالی ہے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کا خاندان ملک کا ممتاز علمی، مذہبی، سیاسی اور مجاہدین کا ایک مشہور خاندان ہے۔ اس خاندان کا اثر و رسوخ ملک گیر رہا ہے۔ ملک بھر میں اس علمی گھرانے کو عزت، وقعت اور مقبولیت کی نگاہ سے دیکھا گیا اور ان کے کلمات ہدایت کو دل کے کانوں سے سنتا گیا۔ یہ اثر سپیک سے گزر کر درباروں تک بھی پہنچا اور سلاطین و منت نے بھی اس خاندان کے بزرگوں کے سامنے سر عقیدت خم کیا۔

اس خاندان کے بزرگوں نے ہر زمانے میں وقت کی نبض کو پہچانا اور وقت کے تقاضوں کے مطابق زبردست خدمات انجام دیں۔ تاسا زنگار حالات میں بھی ثابت قدمی سے عقیدے اور خیال پر قائم رہے اور الحمد للہ خاندان کے اخلاف نے اسلاف کے نقش قدم کو نہیں چھوڑا اور اس کے افراد آج بھی ملکی فلاحی خدمات میں پوری لگن اور اخلاص کے ساتھ



قیادت۔ ملک میں جب سیاسی بیداری کی روشنی پھیلی۔ مختلف فرقوں و جماعتوں نے برطانوی سامراج کے خلاف اعلیٰ پیمائے پر منصوبے بنائے اور منظم طریقے سے تحریکیں چلائیں

اس وقت مجاہدین آزادی کی قیادت جن بہادر اور جہری رہنماؤں نے کی رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیالوی کا نام ان میں سرفہرست ہے۔ آپ موجودہ دور کی ان عظیم شخصیتوں میں سے ایک تھے جن سے جدوجہد آزادی کی نمایاں اور شان دار روایات وابستہ ہیں۔ سحر بیان مقرر تھے۔ آپ کی تقریر سے مخالف صفوں میں انتشار پھیل جانا چھوٹے چھوٹے فرقوں میں گہرائی کی باتیں فرماتے۔ جو بولتے ناپ تول کر بولتے۔ شرعی احکامات کو واضح طور پر بیان فرماتے۔

آپ کی عظیم شخصیت، علم و فہم، فکر و عمل سے متاثر ہو کر مولانا ”محمد علی جوہر“ نے فرمایا کہ :

مولانا حبیب الرحمن کو دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یاد آ جاتے ہیں۔ آپ کی شخصیت، خلوص، ایثار، جرأت، شجاعت اور حق گوئی و بے باکی کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھی۔

محکمہ اخلاق تھے جو پاس آیا ان کا جو کرہ گیا۔ قرآن اور حدیث پر آپ کو عبور ماحصل تھا۔ اسلام اور اس کی تعلیمات کو بیان کرنا آپ ہی کا حصہ تھا۔ آپ کی تبلیغ، کیریکٹر اور اخلاق سے متاثر ہو کر بہت سے اللہ کے بندے مشرف باسلام ہوئے اور سینکڑوں گمراہ انسانوں نے آپ کی صحبت اٹھا کر راہ ہدایت پائی۔ امت مسلمہ کو جس قدر فیض آپ کی ذات سے پہنچا، کسی دوسرے کو یہ بات نصیب نہ ہوئی۔

ملک کے مسلم لیڈر تھے۔ علماء اور سیاست دانوں میں آپ کو عزت و عظمت کی نگاہ سے دیکھا جاتا اور آپ کی رائے کو قابل عمل سمجھا جاتا۔

رفقاء اور ساتھیوں کے وفادار۔ اور اسی وفاداری کے نتیجے میں بہت سارے

نقصانات اٹھائے لیکن دوستوں اور رفیقوں کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اپنے لئے اگر الگ راہ پیدا کرتے، اور کر سکتے تھے تو مذہبی اور سیاسی میدان میں بہت آگے نکل جاتے۔ دوست اور رفیق ان کی تیز رفتاری کا ساتھ نہ دے سکتے۔

برسوں مجلس احرار اسلام ہند کے صدر رہے، جو ملک میں مقبول ترین

## مجلس احرار اسلام کی عداوت

جماعت تھی۔ آپ کی رہنمائی میں مجلس احرار کے کارکن جرأت اور بہادری کے ساتھ ملکی درمیانی فتنوں کے مقابلے میں سینہ سپر اور سرکشت ہوتے رہے۔ ملک و ملت کے لئے جس قدر قربانیاں احرار نے کیں تاریخ کے اوراق ان سے بھر پور ہیں۔

تحریک احرار میں ہر منصب خیال کے رہنماؤں کا اجتماع اور اس تحریک میں دین و سیاست کا امتزاج، غوام سے غفلت، احرار کے رہنماؤں کا جذبہ حریت اور جہاد اور انگریز دشمنی، احرار کا رکھنا درہنماؤں کی جرأت و ہمت، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کی قیادت اور رہنمائی کا نتیجہ نکلی۔

ملک کی آزادی میں احرار کا بڑا حصہ ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ انگریز تحریک احرار کے خوف سے ملک چھوڑ گیا، تو شاید غلط نہ ہو گا۔ افسوس ہے کہ احرار کی صحیح تاریخ اب تک کسی صاحب نے مرتب نہ کی جس کی اس قدر ضرورت ہے تاکہ آنے والی نسلیں کے لئے مجاہدین احرار کے عظیم کارنامے مشعل راہ ہوں۔

۱۹۴۰ء کی نظر بندی کے بعد احرار کو مولانا حبیب الرحمن کی رہنمائی حاصل نہ رہی، اور جماعت کا شیرازہ بکھ گیا۔ مجاہدین کی اس جماعت میں کچھ ایسے لوگ شامل ہوئے جنہوں نے جماعت کے کار کو نقصان پہنچایا اور اپنی اغراض کے حصول کے لئے جماعت کے وقار، کارکردگی اور تنظیم کو دفن کر دیا۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کی طویل نظر بندی اور صبر احرار چودھری افضل حق کی وفات سے احرار اپنے مقاصد عظیم میں کامیاب نہ ہو سکے



جس سے اسلام، ملک اور قوم کو زبردست نقصان ہوا اور مجاہدین احرار بیش بہا قربانیوں کے باوجود کوئی مقام حاصل نہ کر سکے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

۱۹۱۲ء میں جنگ عظیم ترکوں پر انگریزی سامراج  
**میدانِ عمل** ہندوستانی افواج نے کرمظالم ڈھارہا تھا۔ یہ خبریں پڑھ کر

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن خاموش نہ رہ سکے۔ ان کے دل و دماغ میں برطانوی حکومت کے خلاف نفرت، بغاوت اور انقلاب برپا کرنے کے جذبات بھڑک گئے اور یہ وہ زمانہ تھا کہ انگریزی تسلط پوری طرح ملک پر قائم ہو چکا تھا۔ کسی میں جرأت نہ تھی کہ انگریزی سامراج کے خلاف علم جہاد بلند کرے۔ ایسے حالات میں رئیس الاحرار میدان میں آئے اور شہر کے ایک بڑے جلسہ کو خطاب کیا۔ برطانوی حکومت کے خلاف مدّتل اندر جذبات انگیز تقریر فرمائی۔ آپ کی تقریر سے انگریز سامراج کے خلاف عوام کے جذبات بھڑک گئے اور پورے شہر میں بیچان پیدا ہو گیا۔

انگریز دشمنی کا یہ جذبہ آپ کو ورثے میں ملا تھا۔ صفحہ ہستی پر مغربی عیسائی لیٹروں کو آپ اسلام اور مسلمانوں کا حقیقی دشمن تصور فرماتے تھے۔ ہندوستان، مشرق وسطیٰ، افریقہ اور ایشیا میں جو حالات پیدا ہوئے۔ ان سازشوں اور تباہیوں کی ذمہ داری آپ کے نزدیک یورپین اقوام پر تھی۔ اور یہ واقعہ ہے کہ ہمیشہ مغربی اقوام نے ایشیا، مشرق وسطیٰ اور افریقی ممالک کو لوٹا۔ اور خاص طور پر مسلمانوں کو تباہ و برباد کیا۔ موجودہ اسرائیل اور عرب ممالک کی جنگ نے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کے اس خیال کی تائید کر دی ہے مشرق وسطیٰ ہی نہیں بلکہ اسرائیل کی جنگ جو یا نہ کارروائی سے جس کی پشت پناہی پوری یورپین اقوام کر رہی ہیں ایشیا کی موجودہ آزادی ایک بار پھر خطرے میں پڑ گئی ہے۔

۱۹۵۷ء کی جدوجہد آزادی کے بعد انگریزی سامراج کے خلاف یہ پہلا جلسہ تھا۔

جس میں کھل کر برطانوی حکومت کے خلاف رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن نے عوام کے

عوام کے جذبات کو براہِ انگیزہ کیا اور نوجوانوں کی ایک تنظیم قہم کی رئیس الاحرار کے والد حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کے ایک دوست آئے جو کہ جلسے میں شریک تھے۔ انھوں نے کہا کہ آپ کے صاحبزادے "حبیب الرحمن پر دادا اور پردادا کا رنگ چڑھ گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس پر شوق شہادت سوار ہے۔ صاحبزادے کی جرأت، بے خوفی، بے باکی اور بہادری کا نتیجہ پھانسی سے کم نہ ہوگا" اس لئے آپ انھیں روکے۔ حالات ایسے نہیں کہ اتنی تیزی سے حکومت برطانیہ کی مخالفت کی جائے۔ اس واقعے کے بعد آپ حضرت شیخ البندر رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی میں انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت اور انقلاب برپا کرنے والے مجاہدین لی، القہر بنی تنظیم کے رکن بن گئے۔

**قید و بند۔** ۱۹۲۱ء کی تحریک آزادی میں آپ کو پھنسی و تباہ گرقن رکرب گیا اور پورے دو سال جیل خانہ میں بند رہنا پڑا۔ ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۴ء تک بارہا آپ کو امریندی سامانے گرفتار کیا۔ ملک و ملت کے لئے ہر محاذ پر آپ کو بطور قائد و رہبر ہونا کے مکمل جماعتوں اور اصحاب رائے لوگوں نے مانا۔ تقریباً پندرہ برس جو آپ کی جوانی کا بہترین زمانہ تھا، ملک، قوم اور اسلام کے لئے آپ نے انگریزی سامراج کی قید میں گزار دیا۔

آخری مرتبہ دسمبر ۱۹۲۵ء میں آپ کو لاہور سے گرفتار کیا گیا اور ۴ جولائی ۱۹۲۶ء کو دہلی کا نفرنس کے موقع پر آپ کو بات چیت کے لئے یومشہ و بطور پر رہا کیا گیا۔

**اگست ۱۹۲۷ء میں** انگریز ملک کو دو ٹکڑے کر کے میان سے رخصت ہوا۔ تقسیم ملک کے بھیانک اعلان کے ساتھ ہی ہندوستانی اقوام آپس میں لڑنے چھڑ گئے لگیں اور حالات ایسے خراب ہوئے کہ مجاہد حبیل، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن جیسے قائد، وطن پرور اور ملک کے سہی خواہ کو بھی اپنے وطن سے بے وطن ہونا پڑا، اور آپ کو تمام خاندان سمیت دہلی کو چھوڑ کر حیدرآباد میں رہائش اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

ملک کے بکڑے ہوئے حالات میں بھی رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن نے جو



ہندوستان کی خدمت کی وہ کسی سے مخفی نہیں۔ دہلی کو پھر رحمان میں ان کا گھر ایک یونیورسٹی تھا۔ ایک کتب خیاں تھا، جہاں ہندو مسلمان، سکھ شرنار تھے۔ کمیونسٹ سوشلسٹ۔ کانگریسی، احمدیوں سمیت آتے تھے اور آپ کے مجھے دھلے افکار سے استفادہ کرتے۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن ہندوستان کی عظیم شخصیت تھے کہ ان کے ماننے والے کمیونسٹوں میں بھی تھے، جن سکھ، ہندو ہمسایہ میں بھی تھے۔ الجمعیت نئی دنیا، پتاپ اور پاپ کے دفاتروں میں بھی وہ بجائے خود ایک انجمن و آئادہ گاہ تھے۔ ان کی شخصیت کی نئے ہندوستان کو بہت ضرورت تھی۔ ان بزرگوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ ملک و ملت کی خدمات میں صرف کیا۔ ایسے لوگوں کا وجود ملت کا بہت ہی قیمتی سرمایہ تھا جو مذہبیت اور دینداری کے ساتھ ملکی اور قومی خدمت، ایثار و قربانی کی تاریخ بھی شان دار رکھتے ہوں۔

## انتقال

۲ ستمبر ۱۹۵۶ء کی صبح کو تحریک آزادی کے یہ بے باک اور نڈر رہنما حرکت قلب بند ہونے سے اچانک انتقال فرما گیا اور اس طرح جنگ آزادی کا علم بردار، میران سیاست کا مرد جبار، اخلاق و خصال کا مخلص، مجلس علم و ادب کا صدر نشین ہم سے اچانک رخصت ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ ان کا قلب اللہ تعالیٰ کی محبت میں مستغرق اور اس کی ملاقات کے لئے بے چین تھا۔ وہ اونچے درجے کے اذیاء اللہ میں سے ایک تھے۔ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی نسبت اور خلافت انھیں حاصل تھی۔ اپنے انتقال سے ایک ماہ قبل دست، اجاب مرثیہ، لڑائیوں و جمع کیا اور جہان نافی سے رخصت کی خبر دی۔ ہر قسم کے کام کا زسے کنارہ کشی اختیار فرمائی۔ دن و رات اللہ کی یاد میں مستغول ہوئے۔ اس زمانے میں بارہا عشق الہی میں یہ شہر پڑھتے ہوئے آپ کو سنا گیا۔

عشق ہمارے دھیان پڑا ہے، چین گیا آرام گیا

اب جی کا بھانا ٹھہرا ہے، وہ صبح گیا کہ شام گیا

انتقال کے بعد آپ کے جسم پر موت کے اثرات نہ تھے۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سوتے ہوئے کوئی حسین خواب دیکھتے ہوں۔ ان کے اٹھ جانے سے ملک و ملت کو نقصان ہوا۔ برصغیر پاک و ہند کے تمام سیاسی اور مذہبی حلقوں میں غم و اندوہ کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اخبارات نے جلی عنوان اور سیاہ حاشیوں سے اس اندر ہٹناک خبر کو شائع کیا اور آپ کی عظیم شخصیت پر مقالات لکھے۔

نیرا دل سال نرگس اپنی بے لوری پہ روتی ہے

بڑی مدت میں ہوتا ہے چمن میں دیدہ و پیدا

تبصرے۔ مولانا عبدالرزاق صاحب طبع آبادی نے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کے انتقال پر اپنے رنج و غم کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

مجاہد جلیل، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی جہاد آزادی

کے جلیل القدر سپاہ سالار تھے۔ مرحوم جوان تھے.....

کہ جنگ آزادی کا بگل بجا اور وہ مردانہ وار میدان کارزار میں کود پڑے

انتہائی مصائب، ناقابل بیان کڑیاں جھیلیں لیکن پیٹن کبھی سیلی نہ ہونے پانی

راہ حق میں بڑی بڑی منزلیں طے ہو گئیں، وہ منزلیں طے ہو گئیں جن سے

ادلیار، شہدار، عدلیقین، انبیار کو گزرنا پڑا تھا۔ موسیٰ کو طوفان پر ایک

جلوہ نظر آیا تھا، یوسف کو قید خانہ میں تھلی پائی تھی۔ یعقوب کو آنسوؤں میں

ڈوبنا پڑا تھا۔ ایوب نے دیوالیہ کی تختیاں چھپی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا کرم دیکھو

کہ لدھیانہ کے ایک نحیف و ناتواں بندے کو راہ حق میں یہ سارے درجے مل

گئے۔ عزم موسیٰ ملا۔ جزم یوسف ملا۔ نالہ یعقوب ملا اور صبر ایوب سے

شاد کام ہوا۔



حبیب الرحمن عزمِ حکیم کا ایک پہاڑ تھا جو ڈھکے گیا۔ جرات ،  
 بہمت کا آتش فشاں تھا، جو ٹھنڈا پڑ گیا۔ حق و عدالت کا ایک عو  
 د تھا جو ہمیشہ کے لئے چپ کر دیا گیا۔ لیکن وہ کون ہے جو کہہ سکے ”مولانا  
 حبیب الرحمن“ مر گئے۔

حبیب الرحمن مرنے کے لئے پیدا ہی نہ ہوا تھا وہ تو جینے کے لئے  
 پیدا ہوا تھا، رہتی دنیا تک جیتا رہے گا۔

حبیب الرحمن کا جسم تو بے شک لاغر تھا، مگر لاغر و ناتواں  
 جسم میں وہ روح تھی جو باطل قوتوں کے مقابلہ میں پہاڑ سے ٹوہڑے  
 اٹل اور بارگھڑا تلواروں سے زیادہ کاٹ والی، عجیب اسلامی  
 جوش تھا۔ حیرت انگیز اسلامی جذبہ تھا۔ راہ حق میں زبان سے شے  
 بولتے تھے اور خطابت اس پر نثار ہوتی تھی۔

جلیل القدر عظیم انسان ہونے پر بھی فروتنی، خاکساری کا مجسمہ  
 تھا۔ ایسا شخص تھا کہ جو اپنے عظیم رتبہ سے بے خبر، اللہ کی رحمتیں ہوں۔  
 حبیب الرحمن سچ پر محرم مسلمان تھا، غریبوں کے آگے سچا ہوا، مگر باطل  
 کا ٹھکرانے والا۔

رسالہ الحرم میں مولانا مفتی زین العابدین نے ان الفاظ میں تذکرہ کیا :-  
 مولانا حبیب الرحمن اپنے اوصاف و کمال میں ایک گلدستہ صد گل  
 اور ایک گل صد رنگ تھے۔ سیاست دانوں کے مجمع میں وہ سیاسی تھے  
 ادب کی محفل میں ادیب، صوفیا کی صحبت میں صوفی۔ ہر شخص سے اس  
 کے موضوع پر بات کرتے۔ بے حد ذہین تھے۔ مخاطب کے چہرے پر ایک  
 نظر ڈالتے ہی اس کے صفحہ دل کی تحریر پڑھ لیتے۔ گفتگو سٹھکی ہوئی اور

مائل کرتے تھے۔

مختصر لفظوں میں اپنا مضمون سننے والے کے دل میں پیوست  
کر دیتے تھے۔

امیر شریعت سید عطار اللہ شاہ بخاری نے مجاہد جلیل کی وفات کی خبر سنی تو دیر تک  
خاموشی میں ڈوبے رہے اور آہ بھر کر فرمایا۔

ایک اچھے رفیق، مونس، غم خوار، سراپا ایثار کی جدائی نے میرے  
سینے میں ایک گہرا زخم کر دیا۔ مولانا کی وفات ملک و ملت کے لئے  
اس صدی کا سب سے عظیم سانحہ ہے۔

ملک کے مشہور اخبار نویس شری رہبر نے اپنے تاثرات کا ”ملاپ“ اخبار میں اس  
طرح تذکرہ کیا ہے۔

جہاں فانی سے جانا سب کو ہے۔ لیکن جب ملک کا خدمت گار جانا  
ہے تو لاکھوں آنکھیں پر نم ہو جاتی ہیں۔ ہزاروں دل چلا اٹھتے ہیں۔ مولانا  
حبیب الرحمن لدھیانوی ایسے ہی تھے۔ انھوں نے جوانی کی دہلیز  
پر قدم رکھتے وقت اپنے سامنے رکھا تھا وطن آزاد ہونا چاہئے۔ ہندو یوں  
کو ایک متحد قوم بن کر آگے بڑھنا چاہئے۔ اس کے لئے وہ جیون بھر لڑتے  
رہے، جدوجہد کرتے رہے۔ اسلامی شرع اور مذہب کے بڑے ودوان  
تھے۔ اگر وہ چاہتے تو انگریز کا ساتھ دے کر بڑی بڑی جاگیریں حاصل  
کر سکتے تھے، لیکن ایسا کرنے کی بجائے انھوں نے حریت پسند طاقتوں  
کا ساتھ دیا۔ بار بار کی نظر بندیوں اور قید کو لبیک کہا۔ ان کے اٹھ جانے  
سے ملک کو نقصان ہوا، پنجاب کو نقصان ہوا، مجھے ذاتی بھی نقصان مرا  
”وہ ہے نہیں، اس خیال سے دکھ ہوتا ہے“



اخبار پیام وطن کے ایڈیٹر ملک کے مایہ ناز صحافی محترم مولانا عبدالباقی صاحب نے ایک تاریخی ادارہ سپر و فلم کیا جس کے کچھ اقتباسات یہ ہیں :-

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کا انتقال ہو گیا اور وہ کتاب زندگی ختم ہوئی جو ۶۴ برسوں تک جید مسلسل اور عزم مستقیم کی ضخیم کتاب تھی۔ کل جب آپ کا انتقال ہوا نماز فجر کے بعد دفعۃً طبیعت بگڑی۔ سیاسی اور مذہبی انجمنوں کا دھڑکتا ہوا دل یکایک خاموش ہو گیا

سیاست میں وہ امام کا درجہ رکھتے تھے لیکن تبلیغ دین کا جو طریقہ انھوں نے اختیار کیا وہ بالکل اچھوتا اور نرالا تھا۔ تبلیغ دین سے زندگی کی آخری ساعت تک انھیں غیر معمولی دل چسپی رہی۔ دینی تاریخی اور مذہبی مسائل پر انھیں پورا عبور تھا۔

مولانا محمد علی صاحب ناظم ختم نبوت نے آپ کی وفات پر تعزیتی پیغام بھیجا۔ مولانا حبیب الرحمن خلوص، ایثار، جرأت و شجاعت کا پیکر تھے۔ آپ کی وفات سے جو خدا پیدا ہوا ہے وہ پر نہیں کیا جاسکتا۔

مفتی عتیق الرحمن عثمانی نے ان الفاظ کے ساتھ آپ کی وفات پر تعزیت کی۔ ملک کو آزاد کرانے کی سعی و جدوجہد میں جن ہستیوں نے جان کی باری لگائی تھی ان میں رئیس الاحرار ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ وطن کے اس جانباز کی جوانی کا بہترین حصہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے میں گزرا۔ جنگ آزادی کا کوئی قابل ذکر محاذ ایسا نہ تھا جس میں مولانا

مردم پیش پیش نہ رہے ہوں۔“

مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب ناظم جمعیتہ علماء ہند نے ان الفاظ کے ساتھ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کا ذکر کیا ہے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن صاحب اپنے سیاسی شعور، جوش و عمل  
 اولوالعزمی اور جدوجہد کے امتیاز سے ہمیشہ نمایاں رہے۔ تحریک آزادی  
 میں سرگرم حصہ لیا اور اس راہ میں بارہا قید و بند کی شدید صعوبتیں  
 برداشت کیں۔

پاکستان کے مشہور صحافی شورش کاشمیری نے رئیس الاحرار کا قلمی چہرہ لکھا، جس  
 کے چند اقتباسات اس طرح ہیں:-

مولانا حبیب الرحمن راقم کے نزدیک اس دور میں اسلام کے واضح تصور  
 کا صحیح فکری منظر تھے۔ غلامی کی صفت میں جو شخص راقم کے خیال میں جدید  
 قدیم تصورات کے درمیان سنگم میں سکتا تھا وہ مولانا حبیب الرحمن  
 لدھیانوی تھے۔

راقم نے بارہا دیکھا کہ ان میں ترازو کے دونوں پاؤں کو برابر  
 رکھنے کا جو بر فطری استعداد کے طور پر موجود ہے، وہ معاملہ کی تہ کو پالیتے  
 اور گنجلو اور چہرے سے معصوم کر دیتے کہ اس کا پس منظر کیا ہے، پھر ملے پھلے  
 الفاظ میں تجزیہ کر کے سمجھاتے۔ چھوٹے چھوٹے فتنوں میں بڑی بڑی  
 باتیں ادا کر جاتے۔ وقار و متانت کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے، سنجیدگی  
 آپ کے کلام کا زیور اور بہادری آپ کے دامانِ کمر دار کی شہری جھامر۔

مولانا میں ذاتی محاسن بے شمار تھے۔ وہ جماعت کے لئے اپنی ذات  
 اور اس کی ہر بلندی کو تیاگ دینے کے قائل تھے۔ ان کی زندگی میں بیشمار  
 ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ انھوں نے اپنی جماعت کے لئے بڑے سے بڑے ایثار  
 کو گوارا کر لیا۔ دوستوں کے دوست ہی نہیں، بلکہ ان پر جی جان سے  
 پنچھاؤں بھی ہوتے۔ آپ میں غنی صلاحیت بے پناہ تھی۔

سالہا سال مجلس احرار کے صدر رہے اور نہایت طنطنے سے کام کیا  
اور جب صدر تھے تو بول چال کے نیور بھی صدارتی تھے صدر نہیں رہے  
تو صدر کے نقش قدم پر چلتے، آپ کی نظری خوبی تھی کہ آپ تابع رکھ بھی سکتے  
تھے اور رہ بھی سکتے تھے۔

مولانا شروع میں احرار کا دل سمجھے جاتے تھے۔ بعد میں ان  
کو دماغ بھی کہا جاتا تھا۔

پنجاب کے مشہور صحافی غلام رسول چہر نے اپنے جذبات کا اس طرح اظہار فرمایا:  
”دہلی کی طرف میری کشش باقی نہ رہ گئی۔ کیونکہ وہاں سے تعلق اور ہم  
رشتہ مولانا حبیب الرحمن کے ساتھ تھا۔ یہ رشتہ بھی میری صدا امیدوں  
کی طرح ٹوٹ گیا۔ اور وہ محبوب وجود اب ایسی جگہ پہنچ گیا، جہاں پہنچنے  
کے لئے موت کے دروازے سے گزرے بغیر چارہ نہیں۔“

میں نے ان کے انتقال کی خبر اخبارات میں پڑھی۔ پڑھ توئی لیکن  
غٹوں تک اس کی صحت پر یقین نہ آیا۔ مرحوم کی وجہ سے دوستوں کی ایک  
بہت بڑی دنیا آپ کے گرد و پیش پھری تھی۔ وہ انسانیت اور اسلامیت  
کے اعلیٰ خصائص کا ایک روشن چراغ تھے کہ جہاں بیٹھ جاتے تھے  
محفل روشن ہو جاتی تھی، بہادر تھے، جوانمرد تھے۔

میرے سامنے ان کی زندگی میں ابتلا کے بیسیوں مرحلے آئے  
کسی میں بھی ہراساں یا خوف زدہ یا پریشان نہ دیکھا۔ وہ میدانِ عمل  
کے شہسوار۔ خدا نے انہیں نازک سے نازک ماحول میں سچی بات  
سیلیف سے کہنے کی خالص صلاحیت عطا کی تھی۔ جو کچھ ان کی زبان پر  
جاری ہوتا تھا، خلوص اور صداقت کے باعث اس میں زندگی کی ایک



روح خاص جلوہ گر رہتی تھی۔ ان کے سامنے ہمیشہ یقین کی روشنی  
 رہی اور وہی روشنی ان کے تمام افکار و اعمال کے لئے مشعل راہ تھی۔  
 دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا محمد طیب صاحب مدظلہم نے ان الفاظ کے  
 ساتھ رئیس الاحرار کے اوصاف بیان کئے ہیں۔

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی ملک کے علمی گھرانے کے ایک اعلیٰ رکن  
 تھے۔ ان کا خاندان ملک بھر کے لئے ہادی اور مربی دین رہا اور اس  
 کے ساتھ ساتھ حریت اور آزادی کا پوری قوت اور ہمت سے  
 علم بردار رہا۔ مولانا محمد زوج اپنی خاندانی روایات کے مطابق ایک  
 زکی عالم مفکر اور راہنما تھے۔ معاملات میں گہرائی کے ساتھ سوچتے  
 تھے۔ ملک کی آزادی میں ان کا زبردست حصہ تھا۔ ہر بنیادی مسئلہ  
 میں ان کی ایک نکھری ہوئی رائے تھی، اس کے ساتھ ساتھ اسلامیت  
 اور دینی معاملات میں نہایت پختہ تھے۔ دیانت سیاست میں ان کے  
 ہاں حدود تھے۔ ان حدود کے سختی سے پابند تھے۔ با اصول اور وفادار  
 شخصیت رکھتے تھے۔ ان کے ہر قول و عمل سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان  
 کے قلب میں دین کا رسوخ کافی ہو چکا ہے۔ ان کی ہر بات خواہ وہ  
 سیاسی رنگ ہی کی ہو دین کے جذبے سے خالی نہ ہوتی تھی۔

مباحث کمرشن ایڈیٹر اخبار پرتاپ نے ان الفاظ کے ساتھ اظہار افسوس کیا۔  
 مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی چل بسے، بتا نہیں سکتا کہ ان کی موت  
 سے مجھے کس قدر صدمہ ہوا۔ وہ جتنے راسخ الاعتقاد مسلمان تھے تنے  
 ہی سچے فیشنلسٹ۔ ہر سوال کو قوم پرستی کے نادیئے سے دیکھتے تھے۔  
 نہایت موثر پکیر تھے۔ ان کی تقریر سن کر لوگ جھوم اٹھتے تھے۔ آناٹش

کے کئی موقع آئے، لیکن ان کے پایہ ثبات میں لغزش نہ آئی، نہایت خود اعتماد تھے، ان پر کڑے وقت آئے، لیکن توکل پر خدا، انھوں نے کسی کے آگے ہاتھ نہ پسارے۔

جمہوریہ ہند کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کے انتقال پر اپنے رنج و غم کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

مولانا حبیب الرحمن کی وفات سے ملک ہی کا نقصان نہیں ہوا، بلکہ میرا ذاتی نقصان بھی ہوا ہے۔ جدوجہد آزادی کے دوران ہم ایک دوسرے کے بہت قریب رہے۔ مولانا موصوف حسن عقیدے پر یقین رکھتے تھے اور حسن جرأت اور آہنی استقامت کے ساتھ اس پر قائم رہے۔ اس کے سبب میں ان کا ہمیشہ مداح رہا اور احترام کرتا رہا۔ شمالی ہند میں جو المیہ رونما ہوا اور حسن کی لپیٹ میں شدید طور پر آئے۔ مگر اس سے ان میں تلخی نہیں آئی۔ اور انھوں نے ہمت نہ ہاری۔ وہ ہندو مسلمان، سکھ سب ہی کے محترم رہے۔ وہ ایک جوان مرد کی حیثیت سے ہماری آزادی کی تحریک میں یاد کئے جاتے رہیں گے۔

حضرت مولانا محمد میاں صاحب، نظم جمعیتہ علماء ہند نے اپنے تعلق کا اظہار اور رئیس الاحرار کی عظیم نسبت کے بارے میں اپنے تاثرات کا اس طرح سے اظہار فرمایا:

مجاہد حبیل، رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن کو لدھیانوی کہا جاتا ہے کیونکہ لدھیانہ ان کا آبائی وطن تھا، جہاں ان کا جدی مکان بھی تھا اور خود ان کا بنایا ہوا مکان بھی، مگر جو سب کے لئے ہوتا ہے وہ سب کا ہوتا ہے، کسی خاص شہر کی طرف اس کی نسبت کسی تاریخی تقاضے کی بنا پر ہوتی ہے در نہ ہر شہر اس کا اپنا شہر ہوتا ہے اور وہ آگے

بڑھتے کہنے لگتا ہے

عزیز ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدایا ماست

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن کی شخصیت اسی طرح کی تھی مولانا حبیب الرحمن کا وطن اگرچہ لدھیانہ تھا۔ مگر ان کی بود و باش زمانہ طالب علمی میں درس گاہوں میں اودا خیر میں دارالعلوم دیوبند میں رہی۔ مولانا کا طالب علمی کا دور ختم ہوا۔ تو وہ ملک و ملت کے لئے اسٹیج پر نظر آتے تھے یا جیل خانہ میں بسیر کرتے تھے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن آسمانِ شہرت کے ماہتابِ آفتاب تھے اور احقر مولانا کو اس طرح دیکھا کرتا تھا جس طرح زمین کے بسنے والے چاند ستاروں کو دیکھا کرتے ہیں۔

ذہانت مولانا کا مخصوص وصف تھا جس نے آپ کو پوری جماعت میں سب سے ممتاز کر دیا تھا۔ ذہانت کے ساتھ فراست اور میاں سی بصیرت بھی ممتاز خصوصیت تھی اور کوئی بھی سمجھ دار شخص پہلی ہی مجلس میں مولانا کی ان خصوصیتوں سے متاثر ہو جاتا تھا۔

جس وصف نے مولانا کی ذہانت و بصیرت کو جوہری شان بخش دی تھی وہ جرأت، دلیری اور بہادری تھی جو حاتم کی سخاوت کی طرح مولانا کے نام نامی کے ساتھ لازوال خصوصیت بن گئی ہے جس نے مولانا کی زندگی کو ہمیشہ مصائب کے شکنجے میں گرفتار کیا۔

اے روشنی طبع کہ تو بریں بلا شدی

مولانا کے قصور کے ساتھ جس چیز کا تصور دماغ پر چھایا جاتا ہے، وہ آپ کی فراخ دلی اور فراخ حوصلگی، مدارات اور تواضع ہے جو ہر اس



شخص کے لئے عام ہوتی تھی جس کے متعلق وہم ہو جانا تھا کہ وہ کسی حیثیت میں مولانا کا ہمان ہے۔ پھر یہ مدارات عام بھی تھیں۔

بریں خوان نما چہ دشمن چہ دوست

حضرت مولانا کے ان اوصاف کی برکت یہ تھی کہ ۱۹۴۷ء کے بعد جب مولانا نے دہلی میں قیام فرمایا تو یہاں ہر فرقہ اور ہر طبقہ میں وہ ایسے ہی معروف تھے، جیسے کوئی مدت ہائیت سے دہلی میں رہتا ہو، پھر جب کچھ عرصے بعد وہ لدھیانہ تشریف لے گئے جس کے متعلق محض خاثر نامہ ہونے کا تصور نہیں تھا۔ بلکہ وہ مسلمانوں کے لئے دہشت زادہ ہے۔ وہ لدھیانہ میں ایسے مقبول تھے جیسے تحریک کے اس دور میں جب مولانا لدھیانہ کے فرماں بردار مانے جاتے تھے۔ دو ماہ ہوئے نومبر کے دوسرے ہفتے میں احقر لدھیانہ گیا۔ جہاں مولانا کے فرزند ان ارجمند مولانا محمد احمد رحمانی فاضل دیوبند علی اور علی طریقہ پر حضرت مولانا کی جانشینی کا حق ادا کر رہے ہیں تو مجھے محسوس ہوا کہ رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کی یاد اسی طرح تازہ ہے جس طرح ان کی زندگی میں تھی بلکہ مولانا کے صاحبزادگان کے پاس قیام کر کے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مولانا کی وفات نہیں ہوئی بلکہ وہ زندہ جاوید ہیں

ہرگز نہ میر دآنکہ دلش زندہ شد بہ عشق

دعا ہے اللہ تعالیٰ مولانا کے ان اخلاص کو بھی ایسی زندگی کی توفیق بخشے جو ہمیشہ فنا سے نا آشنا رہتی ہے۔

وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ

اس مختصر مقالے میں ہم نے کوشش کی ہے کہ رئیس الاحرار کی زندگی کو روشناس

کر لیا جائے۔ لیکن مجاہد جلیل رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی مکمل حیات کو بیان نہیں کیا جاسکا۔ ان کی زندگی کے ایک پہلو کو ”کتاب رئیس الاحرار“ میں اس کے مصنف محترم حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب جامی نے بڑی جانفشانی کے ساتھ بہت کچھ لکھا ہے۔ ان کی اس عظیم خدمت کو بھلایا نہیں جاسکتا۔

رئیس الاحرار کی زندگی کے حالات کچھ کرائفوں نے اسلامی اور ملی تاریخ میں ایک بہترین اور ضروری باب کا اضافہ کیا ہے۔ پورغین کو ان کی اس کتاب سے بہت فائدہ ہوگا، اودانے والے ہندوستان کے لوگ جدوجہد آزادی کی تصویر کو اس کتاب میں دیکھ سکیں گے۔ اس کتاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں گزشتہ دور کی سیاسی مذہبی تاریخ کا پس منظر اور اس کی اچھی خاصی جھلک نظر آتی ہے۔ لیکن ضرورت ہے کہ ایک ایسی کتاب مرتب کی جائے کہ جس میں رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن کی مذہبی زندگی کا صحیح عکس اور ملی خدمات کی تاریخ بیان کی گئی ہو۔ تاکہ سیاسی اور مذہبی دنیا کے لوگ ان کی زندگی کے ہر پہلو سے روشنی حاصل کر سکیں۔

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن نے ملک و ملت کے لئے مکتوبات کی شکل میں ایک علمی اور تاریخی سرمایہ چھوڑا ہے جس کو احقر نے کتابی شکل میں مرتب کیا ہے۔ یہ مکتوبات زیر طبع ہیں۔ شائع ہونے پر مکتوبات کی ایک کتاب سیاسی، مذہبی اور علمی لوگوں کے لئے ایک اہم کتاب ثابت ہوگی اور بہت سے ایسے حقائق سے پردہ اٹھے گا جن سے ابھی تک لوگ ناواقف ہیں۔

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی نے اپنے پیچھے مالِ دولت، زور و جواہر کے انبار چھوڑے۔ انھوں نے پوری زندگی ملک اور قوم کے لئے بلا کسی معاوضہ کے کام کیا۔ آزادی کے بعد بھی کسی چیز کے خواہش مند نہ تھے۔ آزادی ملنے کے ساتھ ہی اس مجاہد آزادی کا گھر ٹٹا۔ وطن چھوڑنا پڑا۔ ان کے

سلہ رحمانی صاحب کی یہ کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے۔

عزیز ورشتہ دار اس المیہ کے نذر ہو گئے۔ لیکن انھوں نے یہ سب کچھ خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ ملک میں جو کچھ ہوا، اُسے وہ انگریزی سامراج کی آخری ضرب سمجھتے تھے۔ ان کی بڑی خواہش تھی کہ ملک میں اقوام آپس میں لڑنے جھگڑنے کی بجائے آزادی کی نعمت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے متفق اور متحد ہو جائیں۔

ملک میں سرمایہ دارانہ نظام کی بجائے لوک راج قائم ہوا اور اس ملک کی باگ ڈور غریب اور دیانت دار عوام کے ہاتھ میں ہوتا کہ لوگوں کو انصاف و عدل اور سکھ چین مل سکے۔

افسوس ایسا نہ ہو سکا۔ ملک میں صوبائی، ستانی اور سینکڑوں قسم کے جھگڑے کھڑے ہوئے۔ جب جن سے ملک کی عام جنت کو نقصان ہوا اور وہ آزادی کا حقیقی لطف اٹھانے سے محروم ہو گئی۔

عوام کی بجائے سرمایہ دار پیش پیش نظر آتے ہیں اور انھوں نے خرید و فروخت کا بازار تیز کر دیا۔ آج روٹی سے لے کر کرسی تک خریدی جا سکتی ہے، جو خواب آزادی کے مجاہدوں نے دیکھا تھا۔ ابھی تک شرمندہ تعمیر نہ ہو سکا۔ آج بھی ضرورت ہے قربانی ایشیا اور جذبہ خدمت کی تاکہ آزادی کا ہمارا یہ جہاز ساحل مراد تک پہنچ جائے۔

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن کے دو چھوٹے بھائی بقید حیات بھائی :- ہیں۔ حضرت مولانا یحییٰ صاحب۔ مولانا محمد حسن صاحب

مولانا محمد یحییٰ صاحب پنجاب کے علماء میں جید اور مشہور عالم ہیں۔ جنگ آزادی میں کئی بار آپ بھی جیل گئے۔ سینکڑوں لوگ آپ کے عقیدت مند ہیں۔ ان میں وہ تمام صفات موجود ہیں جو ایک عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ میں ہونی چاہئیں۔ لدھیانہ سے اُجرڑنے کے بعد لاہور میں قیام فرمایا ہے۔ سینکڑوں کی تعداد میں لوگ صبح و شام ان سے روحانی فیض حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں۔

سے ہندوستان کی وزیر اعظم اندانی نے انہی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ایمر جنسی لگا کر ملک میں اقتصادی اور



ان کی تقریر، کردار و عمل سے عوام و خواص متاثر ہوتے ہیں۔ شکل و شبہات رئیس الاحرار کی شبیہ ہے۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کے خاص شاگردوں میں سے ایک ہیں۔ ان کی ذہانت اور علم پر شاہ صاحب کو ناز تھا۔ خدا خاندان حبیب کے اس عظیم انسان کو لمبی عمر عطا فرمائے تاکہ مخلوق الہی کو فیض روحانی حاصل ہوتا رہے۔

**مولانا محمد حسن** صاحب رئیس الاحرار رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی ہیں۔ آج کل رحیم یار خاں میں آپ کا قیام ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور ذہین عالم ہیں۔ ساری عمر تعلیم و تعلم میں صرف کردی اور اب بھی ملی اور ملکی کاموں میں مصروف نظر آتے ہیں۔ ان کے عقیدت مندوں کا بھی ایک حلقہ ہے۔ کئی ایک کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کے صاحبزادے اسی طرح دین و اسلام کی خدمات میں مصروف ہیں، جیسے وہ خود تھے۔ یہ سب لوگ حالات کی خرابی، معاشی مشکلات کا شکار ضرور ہوئے۔ لیکن ان میں سے کسی ایک نے اپنے خاندانی وقار، علم و عمل اور مذہبی طریق کار کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور پوری لگن سے اپنی اپنی جگہ ملکی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

**مولانا خلیل الرحمن** :- رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ لمبا قد، گورا رنگ، کتابی چہرہ، گفتگو اور چال میں وقار نہایت ذہین اور پایہ کے عالم ہیں۔ مشکلات کے ہر دور میں اپنے والد حضرت مولانا حبیب الرحمن کے ساتھ سایہ کی طرح لگے رہے۔ جنگ آزادی میں بہترین کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ کئی بار جیل جانا پڑا جسے انھوں نے خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ برسوں گجرات جیل اور پنجاب کی دوسری جیلوں میں بند رہے۔ لیکن ان کے استقلال میں فرق نہ آیا۔ ان کے جیل کے ساتھیوں میں آصف علی سے لے کر پرتاپ سنگھ کیروں تک شامل ہیں۔

آل انڈیا مجلس احرار کے ڈکٹیٹر رہے۔ ان کے ایک اشارے سے سینکڑوں احرار کے رضا کاروں نے انگریز کے خلاف بغاوت کی۔ آج کل پھلوڑہ جامع مسجد میں مقیم ہیں، جہاں بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ یہ شخص جنگ آزادی کا ایک عظیم مجاہد ہے موجودہ ملکی حالات کو وہ جب دیکھتے ہیں تو ان کے چہرے پر اسی چھا جاتی ہے اور ملک و ملت کے لئے ٹھنڈی آہ بھر کر چپ ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے ایک ایسا دور دیکھا ہے اور ایک ایسے دور سے گزرے ہیں جس کے حالات سن کر آج رو نگے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ خاندانی روایات کے حامل ہیں اور اپنے اسلاف کے نقش قدم پر قائم۔

۱۔ مولانا انیس الرحمن: رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن کے تیسرے صاحبزادے مولانا انیس الرحمن ہیں۔ برسوں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کی خدمت میں رہے۔ ان لوگوں میں ان کا شمار ہے جن لوگوں کو حضرت سے وابہانہ محبت و تعلق تھا اور حضرت کے خلفاء میں بڑے درجے کے اور مشہور خلیفہ ہیں۔ آپ سے سلسلہ سچیت بھی جاری ہے۔ مظاہر العلوم سہارن پور کے فارغ التحصیل ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کے مشہور شاگردوں میں آپ کا شمار کیا جاتا ہے۔ نہایت ذہین عالم اور حافظ قرآن ہیں مسائل دینیہ کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ آج کل لائل پور خالصہ کالج میں مقیم ہیں جہاں سینکڑوں بندگانِ الہی فیض روحانی حاصل کرنے کے لئے آپ کے پاس آتے ہیں۔ خود خال نہایت خوب صورت ہیں۔ رنگ گورا، مخاٹب سے جب بات کرتے ہیں تو ان کا رعب اور سیبت اس پر طاری ہو جاتی ہے۔ لوگ احترام اور عزت سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ علماء کی جماعت میں ان کا ایک مقام ہے۔

مولانا محمد طیب صاحب: رئیس الاحرار کے چوتھے صاحبزادے مولانا محمد طیب صاحب ہیں۔ گندمی رنگ، بھرا ہوا جسم، رعب دار شخصیت کے مالک ہیں۔ علوم دینیہ کے عالم اور دنیاوی اعتبار سے گریجویٹ ہیں۔ دہلی میں مقیم ہیں۔ ان کا ۱۰ گزشتہ سال ستمبر میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ۴۴



ایک الگ حلقہ احباب ہے۔ بڑے اچھے پیرایہ میں علمی، ادبی اور سیاسی مسائل بیان کرتے ہیں۔ جو لوگ ان سے واقف ہیں وہ ان کے گرویدہ ہیں۔ نمائشی کاموں سے ہمیشہ دور رہتے ہیں۔ ایک دفتر میں اچھے عہدے پر فائز ہیں۔ اپنی کوشش سے کوچہ رحمن میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جو ان کی سرپرستی میں چل رہا ہے جس سے ملت اسلامیہ کے ہزاروں خاندان فیضیاب ہیں اور وہ اپنے اس کام و کاج کی وجہ سے مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے میں عزت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ بلا وجہ کے ملی کاموں میں مصروف رہ کر عوام کے دلوں میں ان کے لئے بڑی جگہ ہے۔

**مولانا محمد ازہر:** رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کے صاحبزادے مولانا محمد ازہر صاحب ہیں۔ چیلے، دبلے، درمیانہ قد، گندمی رنگ، قبوں صورت، چال ڈھال درویشانہ۔ مقابل سے بات چیت کرنے میں چاق و چوبند۔ مدرسہ خیر المدارس جالندھر کے تعلیم یافتہ ہیں۔ مولانا خیر محمد صاحب کے مخصوص شاگردوں میں آپ کا شمار کیا جاتا ہے۔ نہایت ذہین اور معاملہ فہم لوگوں میں سے ہیں۔ سلیقہ سے سچی بات کہنے کا انھیں ملکہ حاصل ہے۔ خود دار اور بادشع ہیں۔ اپنا مخصوص حلقہ احباب رکھتے ہیں۔ ملت اسلامیہ کے لئے ان کے دل میں بڑا درد ہے۔ پہلی ملاقات میں ہی مخاطب ان کی شخصیت کا اثر قبول کئے بغیر نہیں رہتا۔

**مولانا سعید الرحمن:** حضرت مولانا حبیب الرحمن کے چھٹے صاحبزادے ہیں۔ حافظ قرآن۔ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل عالم ہیں۔ درمیانہ قد۔ گورہ رنگ، اکہرا بدن، رنگ دروپ، وضع و قطع کے اعتبار سے خوبصورت شخصیت کے مالک ہیں۔ صحت مند اور بھی نوجوان ہیں۔ نہایت ذہین اور پائے کے عالم ہیں۔ ہر بات کو قانون اور قاعدے سے سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کے ایک طبقے میں خاصے مقبول ہیں۔ مرضی اور منشا کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے۔ حکام بالا سے کام نہ لے لے اور ریشہ



پیدا کرنے میں ماہر۔ لدھیانہ جو کہ ان کا آبائی وطن ہے۔ دوبارہ واپس آئے۔ بڑی  
 جدوجہد اور محنت کے ساتھ انھوں نے یہاں پر جامع مسجد دو منزلہ داگزار کرائی  
 جو ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر اسلامی اور مذہبی مرکز کی شکل اختیار کر گئی۔ شہر میں  
 ان کا حلقہ باب بے اور بہت سے سہی خواہ ہیں۔ کسی دباؤ کے تحت کام کرنے کے  
 عادی نہیں۔ ان کی شخصیت سے ملک و ملت کو عظیم فائدہ پہنچ رہا ہے۔

**تھمد: محمد رحمانی :-** خاکسار راقم الحروف کا بھی ایسی تعلق رئیس الزحرار  
 حضرت مولانا حبیب الرحمن کے ساتھ ہے۔ ان کی اولاد میں سب سے چھوٹا ہوں۔  
 زندگی کا بیشتر حصہ اس جدوجہد میں گزر گیا کہ والد مرحوم کے نقش قدم پر چل کر ملت  
 اسلامیہ کے کسی کام آسکوں۔ اور والد مرحوم کے ان اصولوں کو جاگر کر سکوں جو کہ ملت  
 کی بہترین سرمایہ ہیں۔ سب سے پہلے اس کام کے لئے ایک اخبار لدھیانہ سے  
 (حبیب) کے نام سے بھی نکالا۔ جو عرصہ تک باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا اور ملک کے  
 بہت سے حصوں میں یہ اخبار انفرادی حیثیت سے مقبول ہوا۔ اخبار چونکہ غلامی اور  
 معیاری تھا۔ تجارتی نقطہ نگاہ کی اس کو ہوا نہ لگی۔ اس لئے سرمایہ کی کمی اور حالات  
 کی خرابی کی بنا پر یہ اہم اخبار بند کرنا پڑا۔ اس اخبار کی قی گونی اور میا کی کی بنا پر  
 پنجاب ہائی کورٹ میں اس پر مقدمہ بھی چلایا گیا جہاں اس کے مخالفوں کو منصف کی  
 کھانی پڑی۔ مگر یہ مقدمات اخبار کو بند کرنے کے باعث بنے۔ آج بھی ضرورت ہے  
 کہ پنجاب سے اس طرح کالٹ اسلامیہ کا ترجمان اخبار نکالا جائے۔ تاکہ پنجاب کے  
 لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی جاسکے۔ میں نے ہندوستان کی مشہور عربی یونیورسٹی  
 دارالعلوم دیوبند سے باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ وہاں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید  
 حسین احمد مدنی اور شیخ الادب مولانا اعجاز علی، حضرت مولانا ابراہیم صاحب اور  
 مولانا قاری محمد طیب صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند جیسے صاحب علم اور صاحب  
 لہ اہلکام انہزار مسلمانوں کو لدھیانہ میں آباد رہ چکے ہیں۔

## نسبت بزرگوں کی صحبت لی۔

تعلیم کے بعد کئی ایک برس تک حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں علمی اور روحانی فیض حاصل کرنے کی غرض سے مقیم رہا۔ رائے پور کے قیام میں مجھے حضرت کی صحبت سے علمی اور روحانی فیض حاصل ہوا۔ میں نے حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بہت سب سے سنا حضرت کو تاریخی مذہبی کتابیں پڑھ کر سنائی اور اس طرح بہت سی تصوف کی کتابیں حضرت کی خدمت میں پڑھ کر سنائے۔ کئی دن ہوا۔ رائے پور کا یہ زمانہ ایک ایسا زمانہ تھا جسے شیخ کا آخری زمانہ کہا جاتا ہے۔ اس وقت حضرت کی مجلسوں میں ایک ہفتہ کے قبل مرصوفین اور صاحب نسبت و گوں کا اجتماع رہتا تھا۔

در العظیم دیوبند اور رائے پور کی روحانی اندلی میں اس سے مجھے مذہبی۔ علمی اور فنی مسائل اور حارات سمجھنے کا موقع ملتا رہا۔ میرے ذہن میں کئی مسائل سامنے آئے۔ ایک صحیح رائے متعین کرنے کا موقع ملا۔

میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کی رہنمائی کے آخری ایام میں خدمت کرنے کا موقع ملا۔ میرے لئے والد مرحوم کے آخری دوست بہت قیمتی ثابت ہوئے۔ میں ان دونوں ان کے بہت قریب رہا اور مجھے بہت کچھ معلوم ہوا اور میں نے ان سے بہت کچھ سمجھا اور سیکھا۔

ان کے قلب مبارک میں یہ ظرا دیکھتا تھا کہ ان کا وطن جہاں کبھی لوگ اللہ کے نام کی آوازیں بلند کرتے تھے، خدا کا نام لینے والوں سے خالی ہے۔ غلوں نے اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالقادر کے مشورے سے ہمیں حکم دیا کہ ہم پنجاب میں آکر ملت اسلامیہ کی خدمت کریں اور از سر نو اسلامی حیات کی ابتدا کی جائے۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں کے حکم سے راقم الحروف محمد احمد رحمانی، مولانا خلیل الرحمن،

مولانا سعید الرحمن لدھیانہ اپنے وطن میں واپس آئے اور یہیں سے پنجاب میں مسلمانوں کی حیات جدیدہ کا کام شروع ہوا۔

اس کام میں جس قدر توجہ سابق وزیر اعلیٰ پنجاب سر دار پتاپ سنگھ کیروں نے کی۔ اس کو بھلایا نہیں جاسکتا۔ ان کی توجہ اور مدد سے پنجاب بھر میں مساجد اور خانقاہیں واکزرا ہوئیں اور ایک بار پھر پورے پنجاب میں اذان کی آواز سے فضا گونج اٹھی۔

ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں کہ اب ان مساجد اور خانقاہوں کا انتظام کیسے اور کیونکر ہو رہا ہے۔ موجودہ انتظامی ڈھانچہ اپنی کارگزاری میں کامیاب ہے یا نہیں۔ مجھے صرف اس بات کی خوشی ہے کہ جس کام کا حکم ہمیں رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن اور حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری نے دیا تھا، وہ ایک درجہ پایہ تکمیل تک پہنچ گیا اور یہ ایک صدقہ جاریہ ہے کہ جس کا ثواب ان بزرگوں کی ارواح کو یقیناً تاقیامت ملتا رہے گا۔ رئیس الاحرار کا سیاست سے لگاؤ بظاہر ان کی زندگی کا جزو نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑے پایہ کے سیاست داں ہوتے ہوئے بھی زبردست انسان صرف مذہبی انسان تھے۔ جس طرح اسلامیات کو انھوں نے سمجھا اور اسلام کی تبلیغ کی۔ سیاست اور مذہب کو جدا جدا کیا۔ یہ ان ہی کا کماں تھا۔ ان کی عظیم مذہبی شخصیت سے ملت اسلامیہ کو ہر مشکل موڑ پر رہنمائی ملی، اور بے پناہ فیض پہنچا۔ ہندو مسلم اور دیگر مذاہب کے لوگ ان کی سیاسی اور مذہبی شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

میری زندگی کی جدوجہد، دلی خواہش اور تمنا یہ ہے کہ ملت اسلامیہ ایسے افراد اور اشخاص ملت کی رہنمائی کے لئے قیادت کا کام سنبھالیں اور رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن کی طرح ملک و ملت کی بے غرض خدمت کریں تاکہ اُنے والی



منسلوں کو اسلام پر قائم رکھا جاسکے۔

رئیس الاحرار کی چار صا جزادیاں ہیں جن میں سے ایک کا انتقال ان کی زندگی میں ہو چکا ہے۔

**رقیبہ بیگم** بڑی صا جزادی ہیں۔ بڑی عالمہ، زاہدہ اور فاضلہ ہیں۔ عرصے سے راولپنڈی میں مقیم ہیں جہاں مسلم گھرانوں کی عورتیں ان سے مذہبی معلومات حاصل کرنے کے لئے آتی جاتی ہیں۔ ان کے شوہر مولانا محمد یوسف صاحب خجاب کے علماء میں مشہور عالم ہیں۔ برسرِ سے تعلیم و تعلم میں مشغول ہیں۔ ان کے شاگردوں کا خالصہ بڑا خلتہ ہے۔ دونوں میاں بیوی ملی خدمات میں ساری عمر صرف کار ہیں۔

**زبیدہ بیگم** دوسری صا جزادی زبیدہ بیگم ہیں، ان کا انتقال تقسیم وطن کے ساتھ ہی لائل پور میں بڑی بے چارگی کے عالم میں ہوا، اور ان کے انتقال سے رئیس الاحرار کو ہی نہیں بلکہ ملک بھر میں علمی دنیا کے لوگوں کو صدمہ پہنچا۔ نہایت ذہین عالمہ اور زاہدہ لڑکی تھیں، جوانی میں ہی انتقال کر گئیں۔ عرصے تک باقاعدہ ایک اسکول میں اسلامیات کی لیکچرار رہیں۔ قرآن و حدیث پر اسے عبور حاصل تھا۔ اس کے شائع شدہ مضامین اور چھپے ہوئے خطوط دیکھ کر اس کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اردو کی بہترین ادیبہ تھیں۔

ان کے شوہر غلام مصطفیٰ صاحب ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے اور بڑے ہی صاحبِ علم اور مہربان استاد تھے۔ افسوس گزشتہ چند برس ہوئے آپ بھی اچانک انتقال فرما گئے۔ زبیدہ مرحومہ کے دو بچے ہیں۔ بطل احمد اور عاترہ بانو۔ جن کی تعلیم و تربیت اور پرورش شفیق باپ اور محبت کرنے والی ماں کی طرح مولانا وزیر الرحمن اور ان کی اہلیہ نے کی ہے۔

**خاتونِ جنت :-** تیسری صاحبزادی خاتونِ جنت صاحبہ ہے۔ احاطہ کالے صاحب دہلی میں مقیم ہے۔ علومِ دینیہ کی واقف کار اور بڑے پایہ کی عالمہ ہے دہلی احاطہ کالے صاحب میں ان کا گھر مسلمان بچیوں کے لئے ایک مرکزِ تعلیم ہے۔ مسلمانوں کی سینکڑوں بچیوں نے ان سے بلا معاوضہ قرآن اور مسائلِ دینیہ کی کتابیں پڑھیں۔ قرآن پاک پڑھانے کا ان کو ملکہ حاصل ہے۔ ان کے شوہر جناب فرست حسین صاحب صدیقی بڑے پایہ کے لوگوں میں سے ہیں اور علمِ دوست انسان ہیں۔

**بلقیس قاطمہ :-** چوتھی صاحبزادی بلقیس قاطمہ ہیں۔ ریاست بھاول پور مغربی پاکستان میں مقیم ہیں۔ نہایت ذہین اور بذلہ سنج، مقررہ اور واعظہ بھی ہیں۔ ملکی اور مذہبی مسائل کو سمجھنے کا انھیں سلیقہ ہے۔ خاندان میں مقبول اور چہیتی ہیں۔ مخاطب سے بات کرتے وقت اپنی سمجھ اور گفتگو سے چھا جاتی ہیں۔ ان کے شوہر محترم حبیب اللہ صاحب ایک بڑے عہدے پر فائز ہیں۔ نہایت دیانت دار اور صاحبِ علم انسان ہیں۔ ان کے احباب ان کی شخصیت سے متاثر نظر آتے ہیں۔

**اہلیہ، شفاعت بیگم :-** رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن کی اہلیہ ہیں پوری جدوجہدِ آزادی میں سب سے زیادہ حصہ اگر کسی نے لیا تو ان کی اپنی اہلیہ شفاعت بیگم ہیں جس نے مشیت اور مشکلات کے وقت رئیس الاحرار کے دوشِ بدوش کام کیا اور کبھی انھیں احساس نہ ہونے دیا کہ ان کی گرفتاری اور جدوجہد سے اُسے کوئی پریشانی ہے۔

رئیس الاحرار کے جیل جانے کے بعد انگریزی سامراجیوں نے اس کا گھر ریورٹ، برتن، بسترے غرضکہ جو کچھ بھی تھا لوٹا اور اس عظیم عورت نے ان سب تکلیفوں کو ملکی آزادی کے لئے خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ انگریزی ظلم و تشدد کے مقابلہ میں پورے استقلال کے ساتھ اپنی جگہ پر قائم رہی اور اس ظلم و تشدد نے اُسے پاکستان میں اب بلقیس قاطمہ، ایم۔ بی۔ بی۔

انہیں مجبور کر دیا کہ وہ تحریک آزادی میں پورے زور شور سے حصہ لیں  
 رئیس الاحرار کے حلی کے زمانے اور عدم موجودگی میں سینکڑوں مجاہدین آزادی  
 شفاعت منزل حبیب روڈ لدھیانہ میں آکر ٹھہرتے۔ ان مجاہدین آزادی کو اس کد میں  
 پناہ ملی۔ پوری رازداری کے ساتھ کھڑا جاتا۔ اور اس عظیم عورت نے ملکی آزادی کے لئے  
 اپنے زیورات اور سامان تک بیچ کر مجاہدین آزادی کو پیش کر دیا۔ تاکہ تحریک آزادی  
 کا کام نہ رک سکے۔

نہایت ذہین اور صاحبِ علم عورت تھیں اور راتوں کو اٹھ کر یار گاہ ہی میں  
 سربسجود ہو جاتیں۔ لہٰذا نہ کے تمام مذہبی گھرانوں میں ان کی شخصیت کو ایک غائبہ  
 عالمہ زابدہ عورت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

اس عظیم عورت کے سامنے اس کا خاوند بیٹے، بھائی اور اس کے خاندان کے  
 چھوٹے بڑے بزرگ اندرشتہ دار تحریک آزادی میں شریک ہو کر جو۔۔۔ بیک بہت  
 اور خندہ پیشانی سے انگریزی ظلم و ستم کو اس خاندان کے لوگوں نے۔۔۔ شہتیرا۔  
 رئیس الاحرار کی بلیہ نہایت خوشی کے ساتھ اپنے ان تمام عزیزوں اور بزرگوں۔۔۔ حبیب  
 کے لئے رخصت کرتیں۔ اس کی صرف ایک مٹا تھی کہ اس کا یہ ملک غیر ملکی سامراج کی فتنہ  
 سے آزاد ہو جائے۔ غلامی کی زنجیر ہٹا لٹ جائیں اور ملک کے عوام کو اس کے سر راز  
 کرنے کا حق ہو۔ اپنی اس مٹا کے لئے سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔ ایسی باعصمت بیوہ۔  
 مان۔۔۔ اور بہن کا عنا بہت مشکل ہے۔ رئیس الاحرار کی بلیہ کا شمار ایسی عظیم عورتوں  
 میں ہوتا ہے جن کے نام تاریخ کے اوراق میں سنہری الفاظ میں لکھے جاتے ہیں۔

ہم نے اس کتاب میں رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن کے زندگی حالات  
 اور کوائف پر اکتفا کیا ہے۔ ضرورت تھی کہ رئیس الاحرار کے او سا تھیوں کا بھی ذکر کیا  
 جاتا، جنہوں نے ان کے دوش بدوش کام کیا، جن میں سے مشہور نام مولانا عطاء اللہ شاہ



بخاری۔ چوہدری افضل الحق مرحوم۔ مولانا منظر علی۔ مولانا داؤد غزنوی، مولانا حفظ الرحمن  
شورش کا شمیری جس کی جوانی جیل کی سلاخوں کے درمیان گزر گئی۔ لیکن یہ مختصر مقالہ  
اس پوری تاریخ کو بیان کرنے کا نہیں ہے۔ اس کے لئے تاریخ کی ایک پوری کتاب  
چاہئے۔ وقت نے اگر فرصت دی اور توفیق الہی شامل حال رہی تو کوشش کروں گا کہ  
ایک ایسی کتاب لکھوں جس سے ان کے ساتھیوں اور احباب سے بھی لوگوں کو روشناس  
کرایا جاسکے۔

محمد احمد رحمانی فاضل دیوبند۔ لدھیانہ  
مفتی پنجاب ۸ ستمبر ۱۹۷۷ء



## دل مردہ دل نہیں ہے

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ  
کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ  
ترا بھر پر سکوں ہے یہ سکوں ہے یا فسوں ہے  
نہ نہنگ ہے نہ طوفاں، نہ خرابی کستارہ  
تو ضمیر آسماں سے ابھی آشنا نہیں ہے  
نہیں بے قرار کرتا تجھے غمزدہ ستارہ  
تیرے نینٹاں میں ڈالا مرے غمزدہ سحر نے  
مری خاک بے سپر میں جو نہاں تھا اک شرارہ  
نظر آئے گا اسی کو یہ جہان دوش فردا  
جسے آگئی میسر مری شوخی نظارہ

حبیب قوم کے لختِ جگر عزیز و خلیل  
مری نگاہ میں شور و شش بر مبنہ شمشیریں



سات بار حیل گئے اور اپنے بزرگوں کی سنت کو زندہ کرتے رہے

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرمت تھی سیکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزند

رئیس، اہلِ حذر کے بڑے صاحبزادے مولانا خلیل الرحمن ایک جلسہ کو خطاب کر رہے ہیں

یوں بسر کی زندگی ہم نے اسیری میں جگر ہر طریقہ داخل آدابِ زندہ ہو گیا

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی



غم حبیب اور پیغام حبیب  
یہ مصرع لکھ دیا کہ شوخ نے مگر اب وزیر پر  
کنادال جھک گئے بچوں میں جب وقت قیام آیا



# تیس سالہ زندگی گھر سے جیل تک

۱۹۲۱ء کی تحریک آزادی سے لے کر لٹل حریت مجاہد جلیل رئیس الاحرار  
حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کتنی ہی  
بار جیل گئے۔ مندرجہ ذیل مضمون میں رئیس الاحرار کی زندگی کا ابتدائی  
نقش مولانا خلیل الرحمن صاحب لدھیانوی نے ترتیب دیا ہے۔ یہ اہم  
اور بنیادی مضمون قاری کی معلومات کے لئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔  
شائع کیا جا رہا ہے۔

یوں بسر کی زندگی ہم نے اسیری میں جگر  
ہر طریقہ داخل آداب زنداں ہو گیا

۱۹۲۱ء میں جب کانگریس کی تحریک عدم تعاون اور تحریک خلافت کا آغاز ہوا،  
اور دونوں میں ہی تحریک آزادی شباب پر پہنچ گئی۔ لوگ پمدانہ دار اپنے لیڈروں کی آواز  
پر بیک کہتے ہوئے جیلوں میں جا رہے تھے اُس وقت لدھیانہ کے گلی کوچوں میں ”بند  
مسلم بھائی بھائی“ ”انگریز کو بندوستان سے نکال دو“ کے نعرے لگائے جا رہے  
تھے۔ مولانا نے حالات کا جائزہ لیا اور ایک تقریر سے شہر کے لوگوں کو اپنی رہنمائی  
سے نواز۔ آپ کی ایک ہی تقریر سے شہر میں آگ لگ گئی۔ ہزاروں کی تعداد میں نوجوان  
رضا کار بھرتی ہو گئے۔ معززین شہر نے آپ کا ساتھ دیا۔ چند یوم میں آپ کی آواز پر  
ہزاروں رضا کار رسول نافرمانی کرتے ہوئے جیل میں پہنچ گئے۔ معززین شہر کو گرفتار

کر لیا گیا۔ آخر میں حکومت نے ۲۱ دسمبر ۱۹۲۱ء کی صبح کو ۹ بجے آپ کو بھی گرفتار کر لیا۔  
 آپ پر اور آپ کے تمام ساتھیوں پر مقدمہ چلایا گیا۔ اس مقدمہ میں آپ کو چھ ماہ قید  
 بامشقت اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا کا حکم سنایا گیا۔ آپ کے تمام ساتھیوں اور  
 رضا کاروں کے مقدمات کی سماعت کچہری کی عدالت میں نہیں ہوئی۔ بلکہ آپ کے مقدمہ  
 کی سماعت کے لئے عدالت کا اجلاس جیل کے اندر ہوا اور جیل میں ہی مقدمے کا فیصلہ  
 بھی سنایا گیا۔ حکومت کو خطرہ تھا کہ اگر آپ کو عدالت میں لایا گیا تو شہریوں کے بے پناہ  
 ہجوم کو کنٹرول نہیں کیا جاسکے گا۔ جیل میں رضا کاروں کے علاوہ آپ کے ساتھ شہر کے  
 معزز اصحاب میں سے مہاشہ گھسیٹا رام صاحب، مولانا محمد یحییٰ صاحب آپ کے  
 چھوٹے بھائی اور ماسٹر تاج الدین صاحب اور ڈاکٹر سید سلیم صاحب مرحوم تھے۔  
 لدھیانہ جیل میں آپ کی موجودگی تحریک آزادی کو زیادہ تیز کر رہی تھی۔ فوجوان  
 اپنے شہر کے محبوب لیڈر کے پاس پہنچنے کے لئے دیوانہ وار سول نافرمانی کر رہے تھے۔  
 جن کو گرفتار نہیں کیا جاتا تھا وہ جیل کے سامنے دھڑا مار کر پیٹھ جاتے تھے۔ حکومت نے  
 مولانا اور ان کے ساتھیوں کے مقدمات کے ختم ہونے کے ساتھ ہی ایک دن اچانک  
 آپ کو، آپ کے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب اور ماسٹر تاج الدین صاحب کو لدھیانہ  
 جیل سے انبالہ جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ تین دن تک آپ تینوں حضرات انبالہ جیل میں  
 رہے۔ انبالہ جیل سے تین دن کے بعد آپ کو اور آپ کے دونوں ساتھیوں کو میانوالی  
 جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ مولانا کو میانوالی جیل میں دس دن تک قید تنہائی میں رکھا گیا  
 اور ایسی کوٹھری میں بند کیا گیا جہاں چوبیس گھنٹہ میں لانگری (روٹی دینے والا) اور  
 بھنگی کے سوا کسی اور انسان کی صورت دکھائی نہیں دیتی تھی۔ کوٹھری کے باہر چوبیس  
 گھنٹے تک لاپٹا رہتا تھا۔ ساتھیوں کو مولانا کا علم نہیں تھا کہ جیل میں کس جگہ ہیں اور  
 مولانا کو اپنے ساتھیوں کی خبر نہیں تھی۔ غالب کا یہ شعر ہے

ہم دہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی  
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

صادق آتا تھا شاید غالب مرحوم نے بھی یہ شعر اپنی اسیری کے زمانے میں ہی کہا ہوگا۔ انگریز اور خنزیر کی خصلت بالکل ایک جیسی ہے۔ خنزیر ڈھول سے بھاگتا ہے اور انگریز پروپگنڈے سے۔ آپ کی اس قید تنہائی پر باہر عوام نے پرزور احتجاج کیا چنانچہ دس دن کے بعد آپ کو آپ کے ساتھیوں میں بھیج دیا گیا۔ اب مولانا احمد سعید صاحب مولانا سید عطار اللہ شاہ صاحب بخاری۔ پنڈت نیکی رام صاحب۔ مولانا القادر اللہ صاحب پانی پتی۔ مولوی عبد المجید صاحب سالک مدیر انقلاب۔ مولانا محمد داؤد غزنوی لالہ لیش بندھو جی گپتا اور لالہ شکر لال صاحب میا نوانی جیل میں آچکے تھے۔

ان حضرات کے علاوہ ڈیڑھ سو کے قریب اور پولیس کی قیدی تھے۔ تین چار ماہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ گزرنے پائے تھے کہ جون ۱۹۲۲ء میں تنہا آپ کو میا نوانی جیل سے دھرم سالہ جیل ضلع کانگڑہ میں منتقل کر دیا گیا۔ دھرم سالہ جیل میں اس وقت ہندوستان کے مشہور و معروف لیڈر لالہ لاجپت رائے سرگباشی موجود تھے۔ لالہ جی کے ساتھ قید کے دن بہت اچھے گزر رہے تھے کہ مولانا کی رہائی کی تاریخ قریب آگئی۔ ۲۰ اگست ۱۹۲۲ء کو آپ کی سزا کے چھ ماہ پورے ہو جاتے تھے۔ اچانک آپ کو تاریخ رہائی سے چار یوم پہلے پولیس لدھیانہ جیل میں لے آئی۔ لدھیانہ جیل میں آپ کو دوسرا وارنٹ دکھایا گیا۔ آپ کی قید کے چھ ماہ پورے ہو جانے کے باوجود لدھیانہ شہر میں ابھی لوگوں کے جذبات مردود نہیں ہوئے تھے، حکومت کو خدشہ تھا کہ ایسے حالات میں مولانا کی رہائی کہیں دوبارہ تحریک کے آغاز کا سبب نہ بن جائے۔ چنانچہ آپ پر دوسرا کیس تیار کر کے مقدمہ چلا دیا گیا۔ مقدمہ کی سماعت اس مرتبہ بھی جیل میں ہوئی اور جیل کے اندر ہی عدالت نے اس مقدمہ میں ایک سال



کی سسنا کا حکم سنا دیا۔ حکم سنانے کے بعد آپ کو واپس پولیس نے دھرم سالہ جیل میں پہنچا دیا۔ اب آپ دھرم سالہ جیل میں پہنچے تو لالہ جی سورگ باشی کے علاوہ شیخ حسام الدین صاحب امرت سری بھی موجود تھے۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد شیخ صاحب کی قید ختم ہو گئی اور وہ رہا ہو کر امرت سری پہنچ گئے۔

قید کے ساتھ ساتھ مولانا پر ایک ہزار روپیہ جرمانہ بھی ہوا تھا۔ آپ نے جرمانہ دینے سے انکار کر دیا۔ حکومت ادھر چھے ہتھیاروں پر اترائی۔ ایک شام مغرب کے بعد پولیس کی ایک بھاری جمیٹ نے مولانا کے مکان کو گھیر لیا۔ اس وقت گھر میں مولانا مرحوم کی اہلیہ اور آپ کے چھوٹے چھوٹے بچوں کے علاوہ کوئی بھی موجود نہ تھا۔ پولیس کے پاس گھر کے تمام سامان کی قرقی کا وارنٹ تھا جو آپ کی اہلیہ کو دکھایا گیا۔ آپ کی اہلیہ نے پولیس کو اپنی کارروائی کرنے کی بخوشی اجازت دے دی۔ پولیس نے گھر کا تمام سامان حتیٰ کہ روزانہ استعمال کے برتن، تو اور دست پناہ تک بھی اٹھالیا گیا۔ زمانہ پولیس کے ذریعے آپ کی اہلیہ کا زیور اور دونوں چھوٹی بچیوں کے کانوں سے بالیاں تک اتر گئیں۔ اگلے دن صبح کو یہ تمام سامان کو توالی کے سامنے نیلام کر دیا۔ حکومت نے شاید یہ سمجھ لیا تھا کہ اس کا یہ اقدام جیل میں مولانا کے ارادوں کو متزلزل کر دے گا۔ لیکن یہاں یہ حال تھا کہ سے

ادھر آؤ ظالم مہندر آزمائیں

تو تیر آزمائیں ہم جگر آزمائیں

۱۶ اگست ۱۹۲۳ء کو آپ اپنی تمام قید ختم کر کے رہا ہوئے، لدھیانہ پہنچے، گھر کی تباہی ڈیوڑھی سے ہی نظر آرہی تھی۔ بارش سے گھر کی چہار دیواری جو کچی تھی گر چکی تھی۔ سامان ضبط ہو چکا تھا۔ دیوار گر جانے سے بے پردگی ہونے لگی۔ آپ کی اہلیہ نے ساری کھینچ کر اس پر پھٹے ہوئے کپڑے، کچھ ٹاٹ کے ٹکڑے ڈال کر دو سال گزار دیئے۔ گھر میں پہلے ہی کیا

تھا، پھر جہاں پولیس تھا اسی تشکیک اٹھا کر لے گئی ہو اس گھر میں چور کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ گھر کی غربت سامان کی ضبطی آپ کے ارادوں کو متزلزل نہ کر سکی۔ آپ نے اپنی اہلیہ کے چہرے پر بھی کوئی شکن نہ پایا، بلکہ وہ اپنی زندگی کے آخری سانس تک آپ کی معاون رہیں۔ گھر کی ٹوٹی ہوئی دیوار چند دوستوں کی توجہ سے بن گئی۔ تھوڑے سے برتنوں کے ساتھ گھر کا کام چلتا رہا۔ گھر کا اجر بنا۔ سامان کی ضبطی آپ کے لئے نئی بات نہیں تھی جس سے کہ آپ یا آپ کی اہلیہ متاثر ہوتیں۔ آپ کے دادا مولانا محمد صاحب اور آپ کی اہلیہ کے والد مولانا عبدالعزیز صاحب دونوں حقیقی بھائی تھے۔ اس لئے میاں بیوی یہ جانتے تھے کہ ان کے بزرگوں نے جب ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا تھا تو ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ مکانات کو صرف ضبط ہی نہیں کیا گیا تھا، بلکہ مسماں کر دیئے گئے تھے۔ مکانوں کے علاوہ مسجور بھی مسماں کر دی گئی تھی۔ نہ رہنے کے لئے گھر تھانہ اڈرھنے کے لئے کھڑا۔ اس کے باوجود حکومت اپنے تشدد سے آپ کے بزرگوں کو نہ دبا سکی۔ اور نہ کسی لاپس سے خرید سکی۔ اس لئے ضبطی سامان کا واقعہ مولانا، ان کی اہلیہ اور ان کے تمام خاندان کے لئے تعجب خیز نہ تھا۔ خاندان کا ایک ایک فرد جانتا تھا کہ جو راستہ ہمارے بزرگوں نے اختیار کیا تھا اور جس پر ہم چل رہے ہیں اس راستے میں اس سے بھی زیادہ مصائب اور آلام پیش آتے ہیں۔ طبیعتیں ایسے تلخ واقعات سے خاندانی طور پر عادی بن چکی تھیں۔ اس لئے اس واقعہ کی تلخی کو بھی انگلیں سمجھ کر پی گئے اور جیل سے آتے ہی پھر انگریزی اقتدار کے خاتمہ کے لئے مصروف عمل ہو گئے۔

۵ اگست ۱۸۵۷ء کو چند قابل اعتراض تقاریر کی بنا پر پھر آپ کو گرفتار کر لیا گیا عدالت نے ایک سال کے لئے ضمانت طلب کی لیکن آپ نے ضمانت دینے کی بجائے ایک سال جیل میں رہنا منظور کیا۔ جیل میں آپ بالکل تنہا تھے۔ اسی جیل میں آپ سچپا جیسے



موذی مرض میں مبتلا ہو گئے اور چار ماہ تک اس مرض نے آپ کو گھیرے رکھا۔ جس کی وجہ سے آپ کی آنتوں اور معدے کا مضمہ ہمیشہ کے لئے خراب ہو گیا۔ اور آج تک آپ کی خرابی صحت کی وجہ اسی سچیش کے حالات ہیں۔ ۳۱ اگست ۱۹۴۷ء کو آپ پوری ایک سال کی قید ختم کر کے رہا ہو گئے۔ اسٹیشن پر کئی ہزار ہندو مسلمان مرد اور عورتوں کا اجتماع ہو گیا۔ صبح ۱۰ بجے کے قریب گاڑی لاہور کی طرف سے لدھیانہ پہنچی۔ مولانا کو دیکھتے ہی ہجوم نے مولانا حبیب الرحمن زندہ باد۔ انقلاب زندہ باد۔ ہندو مسلم بھائی بھائی کے پرزور نعرے بلند کئے۔ پولیس کافی تعداد میں اسٹیشن پر پہلے ہی موجود تھی۔ کپتان پولیس خود بھی انتظام کے لئے اسٹیشن پر موجود تھا۔ ایسے بے پناہ ہجوم میں سے نکال کر مولانا کو جیل تک لے جانا آسان کام نہ تھا۔ اس لئے کپتان پولیس نے ڈپٹی کمشنر کی اجازت سے مولانا کو ریوے انجن پر سوار کر دیا اور پولیس کے چند ذمہ دار افسران بھی اسی انجن میں سوار ہوئے۔ اس انجن سے مولانا کو جیل کے قریب لا کر اتار دیا گیا۔ ریوے لائن لدھیانہ جیل کے قریب سے گزرتی ہے۔ یہ اس لئے کیا گیا تاکہ لوگ اسٹیشن پر ہی دھوکے میں کھڑے رہیں اور مولانا کو پولیس اطمینان سے جیل تک پہنچا دے۔ لیکن یہاں معاملہ دوسرا نکلا، مولانا ابھی انجن ہی میں تھے کہ ہجوم بھاری اکثریت میں جیل کے دروازے پر پہنچ گیا اب پولیس اور افسران کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ مولانا کو اسی ہجوم میں سے گزار کر جیل کے دروازے تک لے جائیں۔ مشتعل ہجوم کو کنٹرول کرنا آسان کام نہ تھا۔ ہجوم کا یہ مطالبہ کہ مولانا کو ہمارے سامنے چند منٹ کے لئے تقریر کرنے کی اجازت دی جائے افسران کو تسلیم کرنا پڑا۔

ہرچہ دانا کند، کند ناداں

بیک بعد از خرابے بیمار

تقریر۔ چنانچہ مولانا نے چند منٹ کے لئے پبلک کو مخاطب کیا اور فرمایا

۱۷ اب مولانا کو پھر گرفتار کر لیا گیا اس ۸۷ گرفتاری سے گھر کے لوگوں میں اشتعال پھیل گیا۔



”عدم تشدد و جارِ بنیادی اصول ہے اس اصول کو ہمیں کسی وقت بھی بھولنا نہیں چاہئے۔ پیرامن رہتے ہوئے ہمیں ملک کی آزادی اور انگریزی اقتدار کے خاتمے کے لئے زیادہ سے زیادہ قربانیاں دینی چاہئیں۔ اس وقت ملک کو شور و مہنگامے سے زیادہ قربانی کی ضرورت ہے جو گر جتے ہیں وہ برسا نہیں کرتے۔ عمل کرنے والے شور و مہنگامے سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ اگر آپ کو واقعی وطن سے محبت ہے تو آزادی وطن کے لئے عمل کے میدان میں مظلوم بن کر حکومت کے ہر ظلم کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا پنا نصب العین بنا لو۔ مظلوم کی آہ خالی نہیں جایا کرتا۔ آپ یقین کیجئے کہ اگر ہندوستان جس کسی ایک فرد نے بھی خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو واقعی مظلوم بن کر انگریزوں کے ظلم کو اس نے برداشت کر لیا تب یہ حکومت زیادہ دیر تک اپنے ظلم و تشدد کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکے گی اور ہماری آنکھیں اپنے سامنے اس حکومت کو مٹتے ہوئے دیکھ لیں گی۔ مولانا کی اس تقریر کا ہجوم پر اور پولیس پر بھی بے حد اثر ہوا۔ سب کی آنکھیں پر غم تھیں۔ ہجوم پر کامل سکون چھایا ہوا تھا۔ کسی کے اونچے سانس لینے یا کھنسنے تک کی بھی آواز نہیں آرہی تھی۔ قریب پندرہ منٹ مولانا کی تقریر جاری رہی اور آخر میں آپ نے لوگوں کو پرامن طریقے سے گھروں کو واپس لوٹ جانے کے لئے کہا۔ ہجوم اپنے محبوب رہنما کے حکم کو مانتے ہوئے واپس چلا گیا اور مولانا کو جیل میں داخل کر دیا گیا۔

## پھانسی کی کوٹھڑی

جیل میں ابھی بہت کافی رضا کار موجود تھے۔ لیکن ان کے ساتھ افسران جیل کا سلوک بہت خراب تھا۔ اس کے علاوہ کچھ اور ایسی باتیں پیدا ہو گئیں جن کی بنا پر مولانا کا افسران جیل سے جھگڑا ہو گیا۔ رضا کاروں کے ساتھ اس بے جا سلوک کے خلاف بھی مولانا نے بہت سخت قدم اٹھایا۔ افسران جیل نے آپ کو فوراً پھانسی کی

کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ پھانسی کی کوٹھڑی میں بند ہونے کی خبر راتوں رات شہر کے ایک ایک گھر میں پھیل گئی۔ لوگ اس خبر کو سنتے ہی بے چین ہو گئے۔ شہر کے بچے یوڑھے مرد اور عورتیں سبھی مولانا سے پیار کرتے تھے۔

## عورتوں کا جلوس

ہندو مسلمان عورتیں علی الصبح پانچ چھ ہزار کی تعداد میں جمع ہو گئیں۔ عورتوں نے مردوں کو کسی بھی قدم اٹھانے سے روک دیا اور خود ایک جلوس بنا کر شہر کے بڑے بڑے بازاروں سے حکومت برباد کے نعرے لگاتی ہوئی جیل کے دروازے پر پہنچ گئیں۔ جیل کے باہر جو چیز نظر آئی تو ڈرائی۔ سول ہسپتال اور جیل لے ہوئے ہیں اس دن بہر ٹائنٹ جیل سول سرجن تھے جو مسلمان تھے۔ جیل کی طرف سے اس مستقل ہجوم کا رخ ہسپتال کی طرف ہو گیا۔ سول سرجن صاحب بھاگ نکلتے۔ لیکن اسپتال کی تمام ریسبوں، میزین، دواؤں کی شیشیاں، گملے، دروازوں کے شیٹے جو چیز بھی سامنے آئی ہجوم کی دست برد سے بچ نہ سکی۔ عورتیں ڈاکٹر کے گھر گھس گئیں۔ اس کی بیوی سے کہا، ایسے ظالم انسان کی تم بیوی ہو جس نے مولانا کو پھانسی کی کوٹھڑی میں بند کر دیا تمہیں شرم آنی چاہئے۔ سمجھ دار عورت نے ہجوم کے مزاج کو پہچان لیا تھا وہ جانتی تھی اس وقت ہجوم کو سمجھانا بے کار ثابت ہو گا۔ وہ بھی ہجوم کی ہاں میں ہاں ملانے لگی۔ چند آنسوؤں کے ساتھ پوری ہمدردی کا اظہار کیا۔ گھر توڑ پھوڑ سے بچ گیا۔

اور ہجوم مطمئن ہو کر واپس پھر جیل کی طرف چلا گیا۔ اب پانچ ہزار عورتوں کا یہ ہجوم دھرتا مار کر جیل کے سامنے بیٹھ گیا۔ افسران شہر اور جیل کے حکام عورتوں کے اس اقدام سے بہت گھبرائے ہوئے تھے۔ مولانا کو فوراً پھانسی کی کوٹھڑی سے نکال کر ان کی پہلی جگہ پر پہنچا دیا۔ پھر عورتوں کے اس ہجوم کو یہ اطلاع دی کہ مولانا کو پھانسی کی

کوٹھڑی سے نکال دیا گیا ہے۔ اب آپ اطمینان سے گھروں کو جائیں۔ جب اس  
ہجوم کو واقعی یقین ہو گیا۔ تو واپس اپنے گھروں کو لوٹا۔

## کم سن سا تھی عبدالرحمن عرف "مانا"

مولانا اب پھر رضا کاروں میں واپس آ گئے۔ اس جگہ اگر آپ کے دد کم سن  
رضا کار ساتھیوں کا ذکر نہ کیا گیا تو یہ ان کے ساتھ بہت بڑی بے انصافی ہوگی۔  
عبدالرحمن عرف "مانا" حافظ مشتاق احمدیہ دونوں بالکل نو عمر تھے۔ پندرہ سال کے  
کسی کی عمر زیادہ نہ تھی۔ جیل سے باہر ان دونوں کا ہر وقت مولانا کے پاس اٹھنا بیٹھنا  
تھا۔ ان کی محبت مولانا کے ساتھ عشق کے درجے تک تھی اور ہے۔ مگر اب آپ سے  
بہت دود پاکستان کی بستیوں میں زندگی کے دن گزار رہے ہیں۔ عبدالرحمن "مانا"  
اگرچہ ان پڑھ ہے لیکن مولانا کی صحبت میں مسلسل رہنے سے وہ ہندوستان کی  
سیاسیات کو بالکل صحیح اور ٹھیک سمجھتا تھا۔ وہ ان پڑھ ضرور تھا۔ لیکن واقعات کی  
روشنی میں اس کا ذہن صحیح نتیجے پر پہنچتا تھا۔ ارادے کا اٹل، اصولوں کا پابند۔  
۱۹۲۱ء سے ۱۹۴۷ء تک مولانا کا ساتھ دیا۔ جب کبھی کسی تحریک کا آزادی وطن کے  
کے سنے آغاز ہوا تو ایسا کبھی نہیں ہوا کہ مانا قربانی کے میدان میں کسی سے پیچھے نہ گیا ہو۔  
آزادی ہند کا یہ جاں باز سپاہی جس نے منہاسی اور تنگ دستی میں زندگی گزار کر بھی  
ات تک نہیں کی، جس کو دینے والوں نے بڑے سے بڑا لالچ دے کر خریدنے کی کوشش  
کی۔ لیکن اس کی منہاسی کے سامنے سرہانے نے ہمیشہ شکست کھائی۔ بھکاری کو سرمایہ  
اور دوست خرید سکتی ہے۔ قانون گنہگار کو ڈبا سکتا ہے لیکن جس نے شر کے خلاف  
بغاوت کر کے منہاسی کو اپنے گھر میں خود دعوت دی جو اس کی منہاسی کو کون خرید سکتا ہے  
جس نے سچے فی کو ہاتھ میں لے کر باطل قانون کو پیسے کیا جو اسے کون ڈر سکتا ہے۔ دد



سجائی پر جان کی بازی لگا سکتا ہے لیکن باطل طاقت کے دباؤ سے وہ اپنی جگہ کو چھوڑ نہیں سکتا۔ اچھی صحبت نے سچ بات کہنے کا عادی بنا دیا تھا۔ العلم و خاندن کے باب میں تو سینکڑوں نہیں ہزاروں ہی تھے اور میں جو اس وقت بھی اور آج بھی منطقی بحثوں اور فلسفیانہ موثکافیوں سے قانون کی آڑ میں باتیں کرنے کے عادی ہیں۔ لیکن عبدالرحمن مانا العلم دانست کے عملی باب سے گزر چکا تھا۔ اس لئے کسی کی علمی بحث اس کی زندگی کے رخ کو بدل نہ سکی۔

### حافظ مشتاق احمد لدھیانوی

ذہن، تعلیم یافتہ، نوجوان لکھنے پڑھنے کا دھنی۔ مولانا کو اس سے بے حد محبت، اولاد کی طرح پیار، ماں باپ کے اکلوتے بیٹے، ناز و نعم میں پرورش پائی۔ مولانا جیل میں آئے تو یہ کیسے باہر رہ جاتے۔ ماں نے چہرے سے بیٹے کے ارادوں کو بھانپ لیا۔ پوچھنے سے پہلے خدمت وطن کے لئے اجازت دے دی۔ ہار پہنائے، دو لہا بنا کر پیشانی کو ایک بوسہ دیا۔ آنکھیں پریم ہو گئیں۔ جاؤ بیٹ وطن کی آزادی کے لئے اگر جان تک بھی دینی پڑے تو پیچھے نہ موڑنا۔ ان آنسوؤں کی راج رکھنا۔ اگر تم پیٹھ موڑ کر آگے تو میں زندہ درگور ہو جاؤں گی۔ بیٹا ماں کی دعائیں لے کر جیل میں مولانا کے پاس پہنچ گیا۔ پھر جب تک لدھیان آباد رہا مولانا کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ رہائی کے بعد مولانا نے حافظ صاحب کو لکھنؤ جانے کے لئے کہا کہ وہاں جا کر سیاسی کام بھی کرو اور اپنے والد کے ساتھ کالو باری میں ہاتھ بھی بٹاؤ۔ کاروبار کا سوائے چوپٹ ہو جانے کے اور کیا بنتا تھا۔ سیاسی کاموں کی وجہ سے مہمانوں کی زیادتی، مصروفیت کی وجہ سے دکان بند۔ پونجی کب تک ساتھ دیتی۔ آخر مغلسی نے گھر میں بسیرا کر لیا۔ بڑے گھر کی گھرچن بھی تھوڑی نہیں ہوتی۔ دال روٹی چلتی رہی۔ لیکن سیاسی مصروفیتوں میں کمی نہ آئی۔ لکھنؤ میں بیٹھ کر تمام یوپی میں مجلس احرار کی شاخیں قائم کیں سو بے کا صدر دفتر لکھنؤ میں بنایا اسی صدر دفتر میں کانگریس نے جب ۱۹۳۶ء میں وزارتیں قبول کی تھیں یوپی کے تمام وزراء حافظ مشتاق سے مشورہ کرنے آتے تھے۔ وطن اجرٹنے تک مولانا کا ساتھ نہیں چھوڑا۔

# مولانا حبیب الرحمن کی فراست و ہمدردی

حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی (نور اللہ مرقدہ) ایک نرالی شان اور آن  
ہاں کے لیڈر، رہنما اور ملت کے قائد تھے۔ ان کے بعد لدھیانہ کی قیادت لب بہر ہو گئی  
اور وہ اس پروردگار کے دامن رحمت میں پہنچ گئے جہاں ان سے پہلے بڑے بڑے لوگ  
پہنچ چکے تھے۔ مرحوم کی نرالی قیادت یہ تھی کہ اس میں جوش، جذبات اور ملت کی نفسیاتی  
کیفیات کو زیادہ دخل تھا۔ ان کے جذبات میں حقیقت پسندی زیادہ اور ضمیر کی آواز کی لہریں  
کہیں فروں تھیں۔

ہیں دہلی شہر میں سب سے پہلے ان کے دل۔ جد مرحوم سے نیاز حاصل ہو۔  
یاد پڑتا ہے کہ وہ حاجی نور الہی صاحب مرحوم (حبقت فروش) کے ایک بڑے محل میں قیام  
فرمایا کرتے تھے۔ چہرہ سرخ و سفید اور نورانی، دائرہ بھی پختہ، اور اول سے آخر تک ایک  
ایک بال پر سفیدی، غالباً قالب کا طول، اپنے فرزند سے کم تھا۔ نہایت بدلتے ہوئے خوش مزاج  
اور نہ بھولنے والے بزرگ تھے۔ ایک بار مرحوم نے اپنے فرزند مولانا حبیب الرحمن صاحب  
لدھیانوی کے خلاف ایک پوسٹ بھی نکالا تھا۔ اس میں کیا تھا یہ بات دماغ سے نکل چکی ہے  
مگر یہ پوسٹر عارضی طیش اور غصہ کا مظہر تھا جس کا اثر شاید کسی نے بیا ہوا۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی بہت جلد اپنی پرتاثر تقریروں کی  
بنا پر سارے غیر منقسمہ ہندوستان میں مشہور ہو گئے اور جب موصوف نے حضرت شاہ  
عطاء اللہ بخاری مرحوم کی معیت اختیار کی اور پورا ملک ان کی گرفت میں آیا تو عموماً ہر جگہ ہی  
مذہبوں کو ایک ساتھ ہی دیکھا گیا۔ مرحوم کا خیال تھا کہ شاہ صاحب مرحوم کی جاندار تقریر  
عہ میں مدرسہ کی ہڑتال میں حضرت نور شاہ کے ساتھ ہوں۔

کے بعد میں خود بولنا ناپسند کرتا ہوں، ان کا طرز عمل بھی ان کے قول کے مطابق ہی رہا۔  
 راقم کی پوری شناسائی حضرت مرحوم کے ساتھ اس وقت قائم ہوئی جب انھوں نے دہلی میں مجلس احرار قائم کی۔ اس دور میں آپ کے فرزند مولانا عزیز الرحمن صاحب لدھیانوی جامعہ ملیہ اسلامیہ میں زیر تعلیم تھے اور اخبار الجمعیت کے دفتر میں تشریف لا کر وقت کے مسائل پر گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ مرحوم مجلس احرار کو مستحکم بنانے کے لئے بہت کوشش فرماتے رہے۔ مگر وقت کے حالات نے آپ کو دہلی میں قیام کرنے کی مہلت نہ دی اور آپ سارے ملک کے گشت میں لگے رہے۔

مرحوم نے جوشائے آخری خطبہ صدارت لاہور کی احرار کانفرنس میں دیا، اس خطبہ نے مسلمانان ہند کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور اکثر اخبارات نے اس پر خاص توجہ دی۔ خطبہ صدارت میں جہاں آپ نے مسلمانان ہند کے شعور کو بیدار کیا اور ان کو اپنا فرض یاد دلایا۔ وہاں آپ نے کانگریس کی غیر معتدل روش پر بھی دل کھول کر تنقید کی اور پھر ہندو مسلم مصالحت اور مفاہمت کی طرف آئے تو مستقبل کی پوری تصویر بے نقاب کر کے رکھ دی۔ یہیں یاد ہے کہ مرحوم کے خیالات پر جہاں عام مسلم اخبارات نے اپنا رد عمل ظاہر کیا وہاں نیشنل پریس اور ہندو اخبارات نے بھی ان کا خیر مقدم کیا۔ اگر وہ خطبہ کسی کے پاس موجود ہو تو اس پر ایک بار افسانہ نظر ڈالے، اگر وہ زندہ بھی ہو تو سوچے کہ مرحوم نے اپنے خطبہ میں جو کچھ کہا، آزادی کے دور میں اس کی کس طرح عکاسی ہوئی۔ وہ خطبہ آج بھی بہت سے گمراہ انسانوں کو شمت بدایت کا کام دے سکتا ہے۔

جب ملک تقسیم ہوا تو مرحوم دہلی چلے آئے۔ یہاں ان کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا، اور مشاعرین کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی۔ یہی شہ دور تھا جب راقم کو مرحوم سے خط ملط مونے کا موقع ملا اور ان شریک تبادلہ خیالات ہوتے رہے۔ مگر آزادی سے پہلے بھی یہ سلسلہ کچھ بڑھ چکا تھا۔ دہلی میں حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم کی تشریف آوری کا



طوطی بول رہا تھا، مرحوم کے زور خطابت کا کیا کہن۔ ایک بار جمی میں آیا کہ مولانا کے افکار و خیالات کو اعتدال پر لانے کے لئے کچھ لکھ دیا جائے، وقت کا، حوال کیا تھا، اس کا حال تو ذہنوں کی تندہ ہو گیا، مگر اتنا یاد ہے کہ راقم نے ان کے جذباتی افکار پر کچھ نازیبا الفاظ لکھ دیئے تھے۔ اس وقت حضرت سبحان البند مولانا احمد سعید صاحب نور اللہ مرقد کی نصیحت میں اخبار المجمعیتہ سہ روزہ ہی نکلتا تھا اس میں شاہ صاحب کے بارے میں نوٹ لکھ دیا گیا مگر شاہ صاحب اس پر بہت بڑے اور شاندار سلام و کلام تک چھوڑ بیٹھے، جب راقم اخبار زمزم کی ادارت کے لئے لاہور پہنچا تو مولانا حبیب الرحمن مرحوم نے مختلف طریقوں سے نصیحت کرنی چاہی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ راقم کے لئے بہت تھا کہ مصالحت ہو جاتی۔ یہ تذکرہ اس لئے کیا گیا کہ مرحوم کے محی سن اور صلح جونی کے جذبات کا اظہار ہو جائے۔

آزادی کے بعد حب مرحوم کو چہرہ رحمان میں فروکش ہوئے تو آپ کے مکان پر حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رملے پوری مرحوم تشریف لائے۔ راقم ملاقات کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھتے ہی مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم نے مرحوم سے میرا تعارف کرایا۔ انھوں نے فوراً کہا، اخبار المجمعیتہ کبھی کبھی پڑھ لیا کرتا ہوں، اکثر لوگ تو المجمعیتہ کے عاشق ہیں اور اسے بہت پسند کرتے ہیں۔ یہ بات ختم ہوئی تو بات چار کی خبریوں پر جا پڑی، راقم و پس چلا آیا۔ حضرت رملے پوری کے بارے میں جو کچھ سنا تھا وہ ان کی گفتگو سن کر صحیح معلوم ہوا۔ بڑے روشن خیروں و درویشانہ پیش بزرگ تھے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ جب وہ کسی کی بات کو صحیح پاتے تھے تو اسے فوراً قبول کر لیا کرتے تھے۔ ایک بار روزنامہ المجمعیتہ کے دفتر میں تشریف لائے اور فرمایا یہ تحریر پڑھ لیجئے۔ راقم نے اسے اول سے آخر تک پڑھا اور عرض کیا، مولانا! میں اس تحریر کو متوردا پڑھ چکا ہوں۔ وہ تحریر دراصل ایک بہت بڑے صوفی کا ایک خط تھا جو آج بھی ان کے مکتوبات میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ

مولانا اس تحریر کو ہرگز شائع نہ کیجئے، یہ مکتوب موجودہ حالات کی عکاسی نہیں کرتا بلکہ اس سے ناگوار باتوں کی ایک بحث چل پڑے گی، اگر کسی نے مکتوبات مجدد الف ثانی سے ان کا ایک خاص مکتوب بھی نقل کر کے شائع کر دیا تو پہلے صوفی صاحب کا خیال بد مزہ ہو کر رہ جائے گا۔ اس ضمن میں کچھ اور بحث بھی چلی۔ مگر مرحوم میری بات سمجھ گئے اور فرمایا اچھا اس مکتوب کو شائع کرنے کا خیال واپس لیتا ہوں۔ اس پر معاملہ ختم ہو گیا۔

آنادی سے پہلے سہ روزہ الجمعیتہ میں راقم کا ایک ناول شائع ہوتا رہا۔ تکمیل کے بعد ”انابلانس“ کے نام سے ناول کی تمام قسطیں شائع کر دی گئیں، یہ ناول ان جگہوں میں بڑا مقبول ثابت ہوا جو اسلام اور عیسائیت کے بنیادی مسائل سے دل چسپی رکھتے ہیں۔ مرحوم جب بھی لدھیانہ سے تشریف لاتے تو فرمایا کرتے کہ اس ناول کے ذریعے تو نے عیسائیت کی کڑ توڑ ٹکائی۔ انھوں نے بتایا کہ یہ ناول لدھیانہ کے عیسائی مشن کو دے چکا بدل لیکن اس بات کی قطعی امیہ نہیں کہ عیسائی مشن اس کا جواب دے سکے گا۔ یہ بھی فرمایا کہ کئی دوست عیسائی پادریوں کو ناول دے کر اس کا جواب طلب کر چکا ہوں۔ مگر جواب دینے کی کسی کو ہمت نہیں۔ اتفاق سے راقم لاہور میں اخبار زمزم سے وابستہ ہو گیا میری غیبت میں ایک مشہور عالم کے فرزند نے (وہ بھی مرحوم ہو چکے ہیں) اسے اپنے نام سے دوبارہ طبع کر لیا، مگر بعد میں لاہور پہنچ کر راقم سے معذرت خواہ ہوئے اور ان کی زیادتی معاف کر دی گئی۔ مولانا کا ارشاد تھا کہ اس ناول کا عیسائیوں کے پاس کوئی جواب نہیں۔

وہ وقت راقم کو بار بار یاد آتا ہے جب مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی، مولانا عطار اللہ شاہ بخاری اور سبحان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب اتفاق سے دفتر الجمعیتہ میں جمع ہوئے اور ان کی بذلہ سنجیوں سے پوری فضا گونج اٹھتی۔ ایک شوشہ سبحان الہند چھوڑتے، دوسرے شوشہ پر مرحوم لدھیانوی شہلے پردہ لگاتے اور تیسرا شوشہ جب بخاری کی طرف سے چھوڑا جاتا تو دونوں کی کلیاں کھل جاتیں اور تمیز کرنا مشکل

کھتا کہ تین شوشوں میں کونسا شوشہ غالب رہا۔  
 آہ افسوس! آج یہ تینوں گل و بلبل اپنی باتیں سننا کر  
 اپنے خالق کے دربار میں پہنچ چکے ہیں۔  
 خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

راقم محمد عثمان فارقلیط  
 دہلی ۸ فروری ۱۹۷۵ء



## غریبوں کے خدا کا پیغام

اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جہاد  
 جس کھیت سے وصال کو ہمیشہ ہو رہی  
 کاخ امرا کے در و دیوار ہلا دو  
 اس کھیت کے بہ خوشہ گندم کو جلا دو  
 سلطانی جمہور کا آیا ہے زمانہ  
 جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو  
 حق را بچو دے صنم آرا بطوانے  
 بہتر ہے چراغ حرم و دیر: بچا دو

میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے  
 میرے لئے مٹی کا حرم اور بنا دو



# مولانا حبیب الرحمن کی دینی فراست

ایہا الایخ العزیزہ و مستم بالعافیہ

دستی گرامی نامہ ملا تھا۔ فکر میں تھا کہ جواب لکھوں لیکن مصروفیت اور راحت پسندی موقع نہ دے رہی تھی۔ آج کچھ فرصت کے لمحات میسر آئے تو جواب لکھنے پر طبیعت آمادہ ہوئی۔ واقعہ میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا ہوں کہ کتاب ”رہنمیا الاحرار در حدیث دیگران“ غلطی طور پر شریک و سہیم بنوں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگرچہ مجھے رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں نیاز حاصل رہا اور ان کی بزرگوار شفقت بھی شامل حال رہی اور صفت بھی نہیں بلکہ جناب کے دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شرف نیاز حاصل رہا ہے لیکن اس قدر سعادت کبھی حاصل نہیں ہوئی کہ قریب سے ان کا مطالعہ کر سکتا اور اکثر و بیشتر ان کی مجلسوں اور صحبتوں سے فیض یاب ہوتا۔ البتہ ایک واقعہ مجھے یاد ہے جس کی بنا پر میں رحمۃ اللہ علیہ کی ایمانی فراست کا بہت زیادہ قائل ہوا تھا۔

۱۹۵۵ء میں میں اپنے مذہب و مسطارع حضرت مولانا حسین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حج کے لئے گیا تھا ان مقدس مقامات میں بھی ایک دوبار ملاقات ہوئی اس سفر میں ایک معظمہ کے دوران قیام میں ایک بہت معزز شخصیت نے میرے ساتھ شخصی طور پر کچھ اچھا برتاؤ نہ کیا تھا جس کا میرے دل میں بہت مخفی شکوہ تھا۔ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی شاید کسی طرح ان کے اس طرز عمل کا احساس ہو گیا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد میرے وہ مکرم ہندوستان تشریف لائے۔ میں ان سے ملنے گیا اور پھر میں ان کے اعزاز و اکرام میں مصروف ہو گیا۔ اس اعزاز و اکرام میں میں جن شخص نہ تھا اور میرا یہ تمام عمل ایک امتغای جذبہ پر مبنی تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے اپنے اس جذبہ کا کسی پر اظہار نہ کیا تھا،

اسی اثناء میں ایک روز رحمتہ اللہ علیہ کا صبح کے وقت ٹیلیفون آیا، مزاج پرسی کے فوراً  
 بعد بلا کسی تمہید اور ذکر کے فرمایا۔ میں تمہیں اس طرز عمل پر مبارکباد دیتا ہوں۔ یقیناً شرفار  
 کے انتقام لینے کا یہی طریقہ ہوتا ہے۔ میں نے اپنے جذبات کو پھر بھی رحمتہ اللہ علیہ سے چھپایا  
 اور اصل حقیقت کو رحمتہ اللہ علیہ پر واضح نہ کیا۔ لیکن اس روز سے میں رحمتہ اللہ علیہ کی  
 دینی فراست کا قائل ہو گیا تھا۔ حدیث شریف میں ہے ”اتَّقُوا مِنْ رِشَامَةِ الْمُؤْمِنِ  
 فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ“ مومن کے تاثر جانے سے ڈرتے رہا کرو، وہ اللہ کے نور کے  
 ذریعہ دیکھ لیتا ہے۔ میرا یقین ہے کہ بلا شک رحمتہ اللہ علیہ کو ایک ایمانی فراست حاصل  
 ہے اور وہ معاملات اور واقعات کو سمجھنے میں اپنی اس ایمانی فراست سے بہت زیادہ  
 کام لیتے تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ واسمہ تعالیٰ وتعمد اللہ یخسر اللہ ورضوانہ۔  
 عزیزم یہ چند کلمات ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ اگر آپ کی سائے میں اس کتاب  
 میں میری قلمی شرکت ضروری ہی ہے تو یہ کلمات شریک کتاب کر دیں۔

والسلام  
 (قاعنی) سجاد حسین  
 ۱۰ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ



ہوا ہے گو تندر و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے  
 وہ مرد درویش جس کو حق نے دے دیں انداز خسروانہ  
 (اقبال)

# یاد حبیب

موتوں روئیں گے ارباب وفا تیرے لئے

نغمہ بھر کا داغ ہے یہ ایک دودن کا نہیں

دارِ فانی سے سبھی کو جانا ہے۔ لیکن جب کوئی بزرگ شخصیت دنیا سے ہمیشہ کے لئے سفر کرتی ہے تو آنکھیں پر نیم ہو جاتی ہیں۔ دل چلا اٹھتے ہیں۔ بستیاں ویران نظر آتی ہیں اور پورے عالم پر رنجِ عالم کا ایک عالم طاری ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسے بزرگوں کا تعلق کسی خاص خاندان یا افراد سے نہیں ہوتا بلکہ پوری دنیا کے انسانوں کے لئے مشترکہ سرمایہ ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے چلے جانے سے ہر انسان کو دکھ (و تکلیف پہنچتی ہے) وہ پوری انسانیت کو نقصان ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ انسان کی بے راہ روی اور گمراہیوں کے امکانات وسیع ہو جاتے ہیں۔ رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی شخصیت ایسی ہی تھی۔ موجودہ دور میں وہ علم و فضل، تقویٰ و طہارت، نیکی و پاکیزگی کا مجسمہ تھے اور ایک ایسے سچے انسان تھے کہ جن کا ظاہر و باطن ہمیشہ یکساں رہا اور جس نے اپنی ساری عمر قومی اور ملی خدمات کے لئے وقف کر دی تھی۔ ایسے ہی بزرگوں کی موت کو (موتِ العالمِ موتِ العالم) کہا جاتا ہے۔ ان بزرگوں کی موت حقیقت میں ان کی اپنی موت نہیں ہوتی بلکہ ان کی موت پوری دنیا کی موت ہوتی ہے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن نور اللہ مرقدہ کا پنجاب ہی میں نہیں بلکہ ہندوستان کے ان مشہور سیاسی، مذہبی رہنماؤں میں شمار ہے جن کے نام انگلیوں پر گنے جاتے ہیں۔ آپ تین جولائی ۱۸۹۲ء مطابق ۱۳۱۱ھ ہجری کو مفتی اعظم پنجاب حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گھر پیدا ہوئے جو کہ وقت کے بڑے زبردست عالم اور صاحب



نسبت بزرگ تھے۔ آپ نے صرف تین ماہ کے اندر قرآن پاک حفظ کیا اور رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو لدھیانہ کی مشہور دو منزلی مسجد میں ایک ہی رکت میں چھ گھنٹے میں منیا۔ رئیس الاحرار کا خاندان مشہور علمی، سیاسی اور مذہبی خاندان ہے۔ صدیوں سے آپ کے خاندان میں علم عرفان نسلاً بعد نسل چلا آ رہا ہے آج کے زمانے میں بھی ۲۹ افراد اس عظیم الشان خاندان کے ایسے ہیں کہ جنہوں نے ہندوستان کی مشہور علمی درس گاہ دارالعلوم دیوبند سے سند فراغ حاصل کی ہیں اور اپنے اسیاہر کی طرح یہ علماء بھی ملی خدمات میں مصروف ہیں اور دیانت داری سے اپنے فرائض کو سرانجام دے رہے ہیں۔

۱۷۷۷ء کی جنگ آزادی میں رئیس الاحرار کے جہاد حضرت مولانا شاد علی قادری رحمۃ اللہ علیہ نے انگریزی سامراج کے خلاف باقاعدہ جنگ کی اور لدھیانہ فتح کیا اور سب سے پہلے ملک کی سرزمین پر مولانا کے بزرگوں نے بی قومی پرچم برپا کیا۔ فتح لدھیانہ کے بعد سنہ ۱۷۷۸ء کے آخری تاجدار بہادر شاد ظفر کی امداد کے لئے آپ دہلی پہنچے اور آخری وقت تک انگریزی سامراج کے خلاف جنگ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ہندوستانی افواج کو شکست ہوئی اور حضرت شاہ صاحب کو دہلی کی بجائے ستانہ ضلع پٹیالہ کے جنگوں میں قید کر لیا اور وہیں آپ نے انتقال فرمایا۔

۱۷۷۸ء میں انڈین نیشنل کانگریس قائم کی گئی۔ رئیس الاحرار کے دادا حضرت مولانا شاہ محمد صاحب میدان سیاست میں آئے اور آل انڈیا نیشنل کانگریس میں شامل ہونے ہمتوں دیا۔ اس فتوے کو ہندوستان بھر میں قبول ہی نہیں کیا گیا بلکہ اس کو دقت کی ضرورت اور صحیح رہنمائی سمجھتے ہوئے پانچ صد علمائے ہند نے اس کی تصدیق بھی کی۔ آج سے ۷۷ سال قبل انگریزی اقتدار سے ٹکر لینا مولانا ہی کے ہندوؤں کا کام تھا۔ ۱۹۲۱ء کی تحریک آزادی میں آپ کو پہلی مرتبہ گرفتار کیا گیا اور آزادی ہند کے

جرم میں رئیس الاحرار کو دو سال جیل میں رہنا پڑا۔ ۱۹۲۱ء سے ۱۹۴۷ء تک ملک ملت کے لئے آپ نے قربانیاں دیں اور پورے پندرہ برس قید و بند میں گزارے۔ آخری مرتبہ دسمبر ۱۹۴۷ء میں لاہور سے گرفتار آئے اور ۱۲ جولائی ۱۹۴۷ء کو ہاکے گئے۔ جون ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کا بھیانک اعلان ہوا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی پنجاب کے دونوں حصوں میں انسانی خون کے ساتھ ہولی کھیلی جانے لگی۔ رئیس الاحرار کو حالات کی خرابی کی بنا پر اپنا عزیز شہر لدھیانہ چھوڑ کر دہلی جانا پڑا اور لدھیانہ کی بجائے دہلی رہائش اختیار کرنی پڑی۔

۲۔ ستمبر ۱۹۵۶ء کی صبح کو یہ آفتاب حریت ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ ان کے انتقال سے ملک و ملت کو بھاری نقصان پہنچا۔ ان کا وجود ملت کا بہت قیمتی سرمایہ تھا۔ جو نہ ہیبت اور دینداری کے ساتھ ملکی اور قومی خدمت۔ اشارہ اور قربانی کی تاریخ بھی رکھتا تھا۔

رئیس الاحرار کے انتقال کو ۷۵ سال ہوئے کو ہیں۔ لیکن وہ کون ہے، جو کہے کہ رئیس الاحرار انتقال کر گئے، کہہ ناکہ ان کا جاری کردہ مشن آج بھی اسی طرح جاری ہے جس طرح ان کی زندگی میں تھا۔ اور خدا نے چاہا تو ان کا یہ مشن ہمیشہ جاری رہے گا۔

خدا کرے رہے زندہ سدا پیام ترا

ہر ایک دور میں چلتا رہے یہ جام ترا

مولانا محمد احمد رحمانی مفتی پنجاب

۲۷ مئی ۱۹۷۵ء لدھیانہ

# مگر حیب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

موجودہ پنجاب کی تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کا تعلق لدھیانہ کے ایک ایسے خاندان سے تھا جو نسلوں اور پشتوں سے اپنے علم و فضل اور دین و دیانت، خدمت خلق، خدمت دین، مجاہدانہ سرفروشی اور عزیمت و بلند ہمتی میں ممتاز اور اپنی ان صفات کی وجہ سے مرجع نام تھا۔ ان کے آباد اجداد میں حضرت مولانا عبد اللہ صاحب، حضرت مولانا محمد صاحب مشہور بزرگ گزرے ہیں یہ حضرات ہندوستان میں انگریزی سراج کے ابتدائی مخالفوں میں سے تھے اور انھیں کی یہ خصوصیت تھی کہ مرزا قادیانی کے دغاوی باطلہ کا صحیح دینی رد و نشانی میں ان بزرگوں نے بھرپور فرمایا۔ اس کے فتنہ عظیم کا مقابلہ اور اسلام کے تقاضوں سے اس پر کفر کا فتویٰ نافذ فرمایا۔ ان دنوں نیشنل کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت کے جواز پر بھی ۵۰۰ علمائے امت کا مشہور فتویٰ بھی انھیں حضرات نے مرتب اور شائع کیا تھا۔ یہ ۵۰۰ علماء کا فتویٰ ہندوستان کی سیاسی تاریخ کا ایک بہت بڑا واقعہ ہے۔ افسوس کہ فرقہ واریت کے شدید غلبہ نے اس کی اہمیت کے سمجھنے کا موقع نہیں دیا۔ یہ لوگ تو مولانا حبیب الرحمن کے آباد اجداد تھے۔ ان کے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد زکریا صاحب ایک قلندر صفت ارچے بسے ہوئے بزرگ پختہ عالم و درویش طبعیت انسان تھے بزرگوں اور علماء کے ہم نشین اور بڑے بڑے دندار و رنکامان وقت پر اپنے دینی دیرہ کے ساتھ مؤثر تھے۔ مجھے ابھی طرح معلوم ہے کہ مولانا محمد زکریا صاحب جمعہ کے دن محلہ موچپورہ سے اپنے گھر سے کپنی بانگ کی شاہی مسجد میں نماز فجر دکر کے تشریف لاتے تھے تو راستے میں کئی باندلوں کے دوکان دار اس خوف سے اپنی دکانیں بند کر لیتے تھے کہ مولانا ادھر سے گزریں گے۔ اگر نماز جمعہ کے قریب وقت



ہیں ہماری دکا نہیں کھلی ہوئی پائیں گے تو غنا ہوں گے۔ حضرت مولانا مرحوم، حضرت شیخ الہند  
 مولانا حافظ احمد صاحب جہتم دارالعلوم دیوبند، مولانا حبیب الرحمن عثمانی، حضرت مولانا  
 سعید محمد نور شاہ کشمیری، حضرت مولانا سبگیر احمد عثمانی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا  
 عبدالقادر قصوری، سید عطار اللہ شاہ بخاری اور ان کے شیخ طریقت پیر محمد علی شاہ  
 گورہ والے، مولانا نوح احمد صاحب پسروری، رئیس الاحرار مولانا حسرت موہانی، مولانا  
 محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا ظفر علی خاں، ڈاکٹر سر محمد اقبال، حضرت مفتی کفایت اللہ  
 مولانا احمد سعید، مولانا حفظ الرحمن اور دوسرے سینکڑوں علماء اور فضلاء کے باہم عصر  
 تھے یا ان کے بزرگ اور پیش رو سادہ پورا طبقہ ان کا ادب احترام کرتا تھا۔ مولانا حبیب الرحمن  
 کی زندگی میں ان کا خاندان، مولانا عبدالرشید مرحوم، عبدالحمید صاحب مرحوم، مفتی  
 غیاث الحسن صاحب لدھیانوی، مفتی عبدالحمید اور دوسرے بیسیوں حضرات ان  
 کے ہم عصر تھے یا ان سے چھوٹے۔ علم و فضل کے اس پہاڑ پر بارخ میں مولانا حبیب الرحمن  
 ایک سدا بہار پھول کی طرح آنکھ کھولی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل ہوئی اور پھر ابتدائی  
 عمومیں مرکز علمی دارالعلوم میں تشریف لے آئے۔ یہاں انھیں مولانا حبیب الرحمن عثمانی کی  
 تربیت اور حضرت علامہ سید محمد نور شاہ کشمیری کا فیضان التفات حاصل رہا۔ ممتاز  
 اساتذہ وقت کی رہنمائی میں تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور بڑی محنت کے ساتھ دینی علوم  
 حاصل کئے۔ ۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت میں مولانا پہلی مرتبہ گرفتار ہوئے۔ یہیں سے ان  
 کی مجاہدانہ دینی و سیاسی زندگی کا آغاز ہوا۔ ۱۹۱۹ء سے ۱۹۴۵ء تک کم و بیش  
 چالیس سال نہ صرف متحدہ پنجاب بلکہ پورا ہندوستان ان کے نفس گرم "تگ و دوئے  
 پیہم" یقین محکم، اخلاص کامل، خدمت خلق اور شعلہ بار تقریروں سے گونجتا رہا۔ وہ  
 تحریک خلافت کے جاں باز سپاہی، کانگریس کے سرگرم کارکن، مجلس احرار کے روح رواں،  
 اسلامی مدارس کے مشیر اور خیر خواہ، اپنے نصب العین کے وفادار، اپنے ساتھیوں کے

وفا دار، اپنے ساتھیوں کے غم گسار تھے۔ ۱۹۳۱ء میں کراچی کانگریس میں وہ نمایاں تھے۔  
 ۱۹۳۱ء میں جب گاندھی جی گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن جا رہے تھے  
 تو مولانا مرحوم، سید عطار اللہ شاہ بنی ری اور چودھری افضل کے ساتھ ممبئی کے ساحل  
 پر گاندھی جی کو الوداع کہہ رہے تھے۔ تحریک کشمیر نے ان کے دم سے جنم لیا۔ انگریزی زمانے  
 کی ریاستوں میں عوام کو حق خود اختیاری دلوانے کے سلسلے میں مولانا کی بڑی خدمات  
 ہیں۔ اپنے استاد حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی اور قیادت  
 سرحد، قبائل کے تعاون سے انھوں نے قادیانی تحریک کے استیصال کے سلسلہ میں ہمہ گیر  
 جدوجہد فرمائی۔ تبلیغ اسلام کا کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا جس پر مولانا نے کوئی توجہ  
 نہ فرمائی ہو۔

## مولانا کی جامع شخصیت

مولانا حبیب الرحمن کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اللہ کریم نے علم و فہم، اخلاق  
 اتمال، تہذیب و سیاست، استغناء و توکل، فہم و فراست، خدمت دین، شغف  
 قرآن کریم، تصوف و طریقت میں انھیں جامعیت نصیب فرمائی تھی۔ اسلامی مدار  
 میں پہنچ کر وہ علم اور فہم کے درمیان ایک دہریہ در عالم نظر آتے تھے اور مسائل  
 غلبہ و فقہ کی تحقیق میں اپنا وقت صرف کرتے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور  
 شاہ عبدالقادر رائے پوری کی خانتقاہوں میں پہنچ کر ذکر و شغل، مراقبہ ذلت اور  
 تزکیہ نفس پر ان کی نظر رہتی۔ دار المصنفین اعظم گڑھ اور ندوۃ المصنفین دہلی میں پہنچ  
 کر علمی اور تاریخی انکشافات سے انھیں دل چسپی ہوتی۔ اپنے گھر پر ہوتے تو علی الصباح  
 اپنے سب جہانوں اور بچوں کو جمع کر کے قرآن شریف کی تلاوت اور حضرت مولانا شاہ  
 عبدالقادر دہلوی کے ترجمہ کو سامنے رکھ کر پابندی سے تفسیر قرآن پڑھاتے۔ شاہ صاحب



دہلوی کے ترجمہ سے انھیں بڑی دل چسپی تھی۔ اس ترجمے کے دستیوں اپڈیشن انھوں نے جمع فرمائے تھے اور انھیں اچھی طرح یاد تھا کہ فلاں آیت قرآنی اور فلاں لفظ کا ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب نے کیا کیا ہے۔ شاہ رفیع الدین دہلوی نے کس طرح اس مفہوم کو ادا کیا ہے۔ اور مولانا اشرف علی تھانوی نے کیا لفظ اختیار کئے ہیں تراجم قرآن سے ان کی دل چسپی کا یہ عالم تھا کہ انتقال سے تین ماہ پہلے دفتر رسالہ دارالعلوم میں میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ سید محبوب رضوی کو بلاؤ سید صاحب آئے تو تراجم قرآن پر تفصیل گفتگو فرمائی اور ہدایت فرمائی کہ شاہ عبدالقادر کے متعدد نسخے سامنے رکھ کر ایک زائد سے زائد قابل اعتقاد ترجمہ مرتب کریں۔ میں اپنی کوشش سے اسے چھاپ دوں گا۔ افسوس ہے کہ اس سے کچھ عرصے بعد مولانا کا انتقال ہو گیا۔ اودمان کی یہ ہدایت پوری نہ ہو سکی جس پر میرے محترم رفیق جناب سید محبوب رضوی کو آج تک ملال ہے۔

مولانا لدھیانہ ابدولی میں ہر روز اپنے محلے کا گشت فرماتے۔ ہر ہندو اور مسلم پر ویسی سے علیک سلیک اور مزاج پرسی کرتے اور جس کی جو ضرورت ہوتی ہے اختیار توجہ فرماتے۔ مہمانوں کی خاطر مدارات، جیل کی زندگی میں ساتھیوں کی خدمت، بیمار ساتھیوں کی تیمارداری، ان کا خاص موضوع تھا۔ ان کی زندگی تک میں یا میری والدہ محترمہ جب بھی بیمار ہوئے تو مولانا اصرار کے ساتھ ہمیں لدھیانہ بلا کر ہمینوں کو ہمارے علاج اور پرستاری کھانے کا بار اٹھاتے۔ ایک مرتبہ میری والدہ صاحبہ کو بلا کر ڈیڑھ سال تک لدھیانہ رکھا۔ ہمینوں ان کے قیام کے لئے الگ مکان اودمان کی کل ضروریات کا تکفل فرمایا۔ میرے بزرگ مولانا سید محمد ادریس سکھوڈی جو والد محترم حضرت علامہ سید محمد نور شاہ کشمیری کے خادم خاص ہونے کے لحاظ سے حلقہ انوری کے مخدوم تھے دہلی میں بیمار ہو گئے تو مولانا انھیں اپنے گھر لے گئے اور ہمینوں ان کی خدمت کی۔



مولانا کی ۳۰ سال کی زندگی اور سیکڑوں واقعات میرے حافظہ میں ہیں۔ کون کون سا واقعہ بکھوں اور کس کس کو چھوڑوں۔ ۱۹۴۶ء میں میرے برادر مولانا سید انظر شاہ سید مدرسہ فتح پوری دہلی کے طالب علم تھے۔ اردو بازار میں حضرت مولانا کی تحریک پر پڑی۔ فرمایا کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ شام کو مجھ سے احرار کے دفتر میں مل لینا، کچھ مل گیا تو تمہیں دے دوں گا۔ در شام کو عزیز موصوف ملے تو دس پندرہ روپے احرار کے ساتھ ان کی جیب میں ڈال دیئے۔ سخاوت و فیاضی کا یہ کام تھا کہ دیسول ایسے واقعات میرے حافظہ میں ہیں۔ ان کا کوئی دست ان سے ملنے آیا، مولانا اسے نہ دیتے تھے ہیں جب وہ اٹھ کر جانے لگا تو وہ راز نے تک اسے پہنچنے آئے۔ خاموشی سے کچھ رقم اس کے حوالے کر دی۔

جرات و بے باکی، صاف بیانی میں اپنی مثال آپ تھے۔ گاندھی جی، جواہر لال اور مہاتما گاندھی سے ان کی قدر فرماتے تھے۔ ان کے مشوروں کو گوشِ دیہوش سے سننے تھے اور مولانا بے دھڑک اپنے دل کی بات ان سے کہہ دیتے اور ان کی سرگرمیوں پر انہیں ٹوکتے تھے۔ بہت سے لوگوں کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ گاندھی جی کی پرار تھیں سبھی میں جب ہم کا حارثہ پیش آیا تو مولانا مرحوم دوسرے روز گاندھی جی سے ملے اور فرمایا کہ اب اس واقعہ کے بعد آپ کی زندگی کا کوئی بھر دوسہ نہیں یا تو اپنی سبھاؤں کو ختم کر دیا مرنے کے لئے تیار ہو۔ گاندھی جی نے کہا کہ مولانا صاحب مجھے مرنا منظور ہے لیکن جو بات میرے ذہن میں ہے اسے چھپا نہیں سکتا۔ چنانچہ اس پکے ارادے کے آدمی نے موت قبول کی مگر فرقہ واریت سے سمجھوتہ نہیں کیا۔

مولانا مرحوم نے گاندھی جی کو اپنے استاد حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری سے ملنے پر بھی تیار فرمایا تھا۔ مگر گاندھی جی ۳۳ء میں گول میز کانفرنس لندن میں تھے کہ دیہندہ میں حضرت علامہ کا انتقال ہو گیا اور یہ تجویز سامنے نہ آ سکی۔ مولانا بڑوں کو باہم ملاتے

چھوٹوں کی علمی تہذیبی تربیت فرماتے اور ہر شخص کے مناسب مزاج کام میں لگا دینے کا شک تھا۔ حضرت مولانا تھانوی کے سیاسی مسلک سے مولانا اختلاف فرماتے۔ مگر گاہ بگاہ پوری نیاز مندی کے ساتھ حضرت مولانا تھانوی کے یہاں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو ساتھ لے کر حاضری دیتے تھے۔ شاہ صاحب بخاری کی طرف حضرت علامہ سید محمد نور شاہ کشمیری کو متوجہ فرمانے کا سہرا بھی مولانا ہی کے سر تھا۔ پنجاب کے متعدد سفروں میں وہ حضرت شاہ صاحب بخاری کو ساتھ لے کر حضرت مولانا انور شاہ کے ساتھ رہے اور بار بار شاہ صاحب بخاری کو لے کر علامہ کے یہاں مقیم اور ان کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے کسی دفعہ میرے سامنے شاہ صاحب بخاری سے فرمایا کہ ان کی (حضرت مولانا انور شاہ صاحب کی) باتیں غور سے سن لے۔ عمر بھر تیرے کام آئیں گی۔

حضرت علامہ انور شاہ مولانا سے ان کے گھرانے کی اولاد اور ان کے خاندان سے اس طرح مانوس تھے جیسے اپنے گھر اور خاندان سے۔ یہ واقعہ ہے کہ علامہ انور شاہ وقار و ملکیت کے ایک کوہ گراں بار تھے۔ ہر کہہ و مہ سے ان کا بے تکلف ہونا امر و شوار تھا اور نہ زندگی کے عام معاملات سے ان کا کوئی رابطہ تھا۔ مگر مولانا سے ان کی محبت یہ تھی کہ جس زمانے میں مولانا حبیب الرحمن ملتان جیل میں قید تھے حضرت علامہ بغیر کسی اطلاع کے لدھیانہ ان کے گھر پہنچ گئے، گھر پہنچے تو مردانہ میں نہ جھاڑو لگی ہوئی تھی اور نہ فرش بچھا ہوا تھا۔ حضرت علامہ نے گھر میں مولانا کی اہلیہ صاحبہ مرحومہ اور ان کی بچیوں کو کہلویا کہ جھاڑو اور فرش بھیج دو۔ جھاڑو آگئی تو اپنے خدام سے فرمایا کہ بھائی جھاڑو دو، فرش بچھاؤ۔ یہ اپنا گھر ہے، یہاں کسی بات کا تکلف نہیں۔ گھر میں کون ہے جبراً ہر اکہ ہمارے بیٹھنے کی جگہ بنائے گا؟ خود اپنا گھر سمجھو۔ میری نظروں میں آج بھی وہ منظر محفوظ ہے کہ ۱۹۳۲ء میں مولانا مرحوم کے بڑے صاحب زادے مولانا خلیل الرحمن جیل سے رہا ہوئے تو مولانا انہیں لے کر دیوبند حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنا سامنا ہوا تو



مولانا نے فرمایا کہ حضرت یہ خلیل الرحمن ہے ابھی چند روزہ ہوئے سال بھر کی مسزاجیل سے کاٹ کر آیا ہے۔ حضرت علامہ نے بڑی شفقت کے ساتھ مولانا خلیل الرحمن کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ کیوں بھائی خلیل الرحمن! یہ واقعہ یاد ہے لاؤ اپنا سراور پیشانی مجھے دو۔ جس پیشانی پر علامہ انور شاہ کا بوسہ ثبت ہے اسے کم از کم غور سے دیکھ لوں اور اس کی زیارت کرو۔

مولانا کی زندگی کی دو حقیقتیں اور قابل ذکر ہیں۔ ایک سیاست میں ان کی دیدہ وری، ذہانت، معاملات کو سمجھنے کی صلاحیت اور پس و پیش کو دیکھ کر ایک پختہ رائے قائم کرنے کی عادت۔ وہ تیس سال بعد پیش آنے والے حالات و تغیرات کی بو پہلے پالینے اور فرماتے کہ آئندہ چل کر ایسا ہوگا۔ اور ایک نہیں کئی معاملوں میں تجربہ ہوا کہ انھوں نے جو سوچا تھا وہ صحیح تھا۔ تقسیم ملک سے بار بار انھوں نے فرمایا کہ ملک کا بٹوارہ مسلمانوں کے لئے دونوں ملکوں میں مضر ہوگا۔ مسلمان اس طرح ہل ہل جائیں گے کہ انھیں اپنا وجود ہاتی رکھنا مشکل ہوگا۔ اسی احساس کے پیش نظر انھوں نے نیشنلسٹ مسلمانوں کی صف اول کی قیادت فرمائی اور تقسیم کو روکنے کے لئے، تقسیم کا مطالبہ کرنے والے مسلمانوں کے پیچھے ہوئے، بھڑوں اور جمعوں کے تشدد کا شکار بنے رہے۔ لہذا نہ میں ایک وقت ایسا آیا کہ صدیوں کی گہری مقبولیت کے باوجود لیگی طبقہ نے ان کی جان لینے کی بھی کوشش کی۔ مولانا تقسیم ملک کے جو نتائج سوچتے تھے ان سوس ہے کہ وہ بعد میں حرف بحرف پورے ہوئے۔ سکھوں میں کشمیر کے اندرونی مسائل کے جھگڑے شروع ہو گئے۔ مولانا کسی حد تک ان لوگوں کو پسند فرماتے تھے جو اس وقت کشمیر میں برسرِ اقتدار تھے۔ مولانا کو معلوم ہوا کہ مجھے کشمیر کے اس حلقے سے ہمدردی ہے جو اس وقت برسرِ اقتدار نہ تھا۔ مولانا نے ایک گفتگو میں مجھے کشمیر کے بھی سیاسی لیڈروں کے ماضی اور حال سے واقف کرایا اور فرمایا کہ تم جس طرح سوچتے ہو بات اس طرح نہیں۔ کشمیر



میں یہ کوئی اصولی سیاست کا تنازعہ نہیں بلکہ ذاتی اقتدار کی جنگ ہے۔ بعد کے حالات نے مجھے مولانا کی رائے سے اتفاق کر لے پر مجبور کر دیا۔

دوسری خصوصیت ان کی یہ تھی کہ اپنے مذہبی عقائد اور سیاسی خیالات میں پختہ تھے۔ مگر دوسرے خیالات کے لوگوں سے کھل کر ملتے امدان سے شفقت آمیز تعلق رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بہت سے خیالات کے افراد ان کے ارد گرد جمع ہوتے سیاسی بحث و مباحثے بھی ہوتے اور مذہبی مسائل پر اظہار خیال بھی۔ مولانا بھی پوری قوت کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کرتے مگر دوسروں کے خیالات بھی ٹھنڈے دل کے ساتھ سنتے۔ اور ان کی تردید میں ایسا انداز اختیار نہ فرماتے کہ ذاتی طور پر ان لوگوں کی دل شکنی ہوتی۔ مولانا وفات اور ان کا گھر سلجھے ہوئے شریف لوگوں، قومی کارکنوں، پارلمینٹ اور اسمبلی کے ممبروں، اخباروں کے ایڈیٹروں، کالجوں کے پروفیسروں، دینی مدارس کے علمائے شہر اور ان کا مرکز تھا۔ سیاسیات سے تعلق رکھنے والے اکثر لوگوں نے ان کی خدمت میں صرف اس لئے حاضری دی کہ ان کے اشعار کی روشنی میں اپنے خیالات مرتب کریں۔

مولانا کے جاننے والے اور ان کے ہزاروں عقیدت مندان ان کے انتقال پر ۱۵ برس گزر جانے کے باوجود آج تک نہیں بھولے اور سچ یہ ہے کہ وہ اتنی قیمتی زندگی رکھتے تھے کہ تاریخ میں ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ بڑی خوشی اس بات کی ہے کہ مولانا کے صاحبزادگان جو دہلی اور مشرقی پنجاب میں منقسم ہیں اچھے کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ مولانا کی قبر جامع مسجد دہلی کے شمالی رخ پر ایک مختصر سے قبرستان میں ہے۔ پچھلے برس میں ان کے مزار پر حاضر ہوا۔ ایصال ثواب کیا اور پھر دیر تک سوچتا رہا کہ کتنی بڑی زندگی کیسا نکھرا ہوا اخلاق، کتنا مضبوط کیرکٹر اور کیسی بے مثال فراست اس گوشہ قبر میں آسودہ راحت ہے۔ خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ نہیاں ہو گئیں۔

اور زمین کھاگئی آسماں کیسے کیسے

سید محمد اظہر شاہ قیصر کشمیری دارالعلوم دیوبند  
یکم اگست ۱۹۸۷ء

# ذکر حبیب

عجیب بات ہے یہ فیصلہ آج کتنا مشکل و دشوار ہو گیا کہ ہمارے لئے دورِ غلامی اچھا تھا یا وہ آزادی جس کے لئے ایک صدی ہندوستان بردا آزما رہا۔  
 ۱۹۴۷ء کے بعد جو آزادی نصیب ہوئی اور جس کے سارے میں ۱۹۴۷ء بھی شروع ہو چکا، تلخ حالات، مشکلات و مصائب، فو نریری و سفاکی، بہیمیت اور دربرگی، یتیم بچوں کا نالہ و شہین، بے آسرا عورتوں کا گریہ و بکا، لٹے ہوئے قافلے، کٹے ہوئے انسان، ہجرت، ترک وطن، ان سب کے ہوتے ہوئے کیا یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ ہمارا غلامی کا دور اچھا تھا یا آزاد فضاؤں کے یہ گھٹے ہوئے سانس؟ کچھ بھی ہو اور اس سوال کا جواب کسی انداز میں دیا جائے۔ لیکن اتنی بات تو بہر حال ہے کہ مردم خیزی کا وہ دور جس کی تابانیاں غلامی کے دور میں رونق افزا تھیں۔ آزاد ہندوستان میں تو دستک اس کا نام و نشان نہیں جماعتیں آج بھی بن رہی ہیں اور تازہ دم و زار ہیں کی بھانت بھانت کی بولیاں کانوں کے پردوں کو چیرتی پھاڑتی اب بھی سینے سے آتی ہیں۔ لیکن غیر مخلصوں کا ایک ہجوم اور اخلاص نا آشنا جماعتوں کی ایک بھیڑ جو اقتدار کی جنگ میں مصروف اور اسی مقصد کے لئے ایک کشاکش کی کیفیت منظر عام پر آگیاں وہ عہد زریں کہ فعال جماعتیں، مقصد کی لگن، مشترکہ جدوجہد، سوز و اخلاص، تپش و تڑپ۔ طبقہ علمدار ہیں ایسے نامور جن کے علم کے پھر میرے، از شرق تا غرب اڑتے جماعت کا دین کی جانب آئے تو فدائیت و جاں سپاری کے مرقعے، عزیمت و استقلال کے پہاڑ بلند ہمتی کے اٹھتے ہوئے طوفان، بہتے ہوئے دریا، فو نوار لہر، چلتے پھرتے جھکڑ، دوڑتی

ہوئی آندھیاں، اس نئی نسل کو آج کس طرح سمجھائے کہ کیا تھے۔ حبیب الرحمن لدھیانوی کون تھے؟ عطاء اللہ شاہ بخاری، چودھری افضل حق، شیخ حسام الدین منظر علی انظر، محمد علی جالندھری، ظفر علی خاں، اختر علی، عبدالمجید سالک، غلام رسول مہر اور جوانوں میں صاحبزادہ سلیمان، جانباز، آغا شورش، خلیل الرحمن لدھیانوی اور عزیز الرحمن جامی۔ ہاں ذکر رہا جاتا ہے ڈاکٹر محمد عالم کا اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو کا۔ آج اگر ان شخصیتوں کا حدودِ رجبہ بیان کیجئے یا ان کا طول و عرض! تو مباخہ آرائی کی ہمت اپنے سر لیجئے۔ سننے والے تو کیا یقین کریں گے جھٹوں نے اس کا زبان کے غبار اور بہت دور سے کھڑے ہو کر گروہ راہ کو دیکھا ہے وہ بھی اب یہ کہتے ہیں کہ وہ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا

اور یہ سب تو صرف اس ایک جماعت کا ہے جو نام کی بھی "احرار" تھی اور اس کے ارد گرد جمع ہونے والے واقعی "احرار" جن کے ذہنوں نے کبھی غلامی کو قبول نہیں کیا، جن کی رو میں ہمیشہ آزاد رہیں۔ وہ دہلی جیل میں ہوں یا ملتان دلاہور کے قید خانے میں۔ منٹ گمڑی، دھرم شالہ کے بندی خانوں میں یا سب برمتی میں۔ ان کے جسم گرفتار کئے جاسکتے تھے، مگر ان کے دلوں نے بدستور آزاد رہتے۔ وہ ضمیر کے اتنے آزاد تھے کہ طمع کی کوئی زنجیر انھیں پابند نہیں بنا سکتی تھی۔ وہ فقیروں کو ہونے کے باوجود اس قدر غیور تھے کہ ان کی غیرت قومی دلی پر حرص و آرزو کی کوئی پرچھائیں نہیں پڑ سکتی تھی۔ اس سے بیٹ کر ذرا یاد کیجئے حضرت شیخ الہندؒ کو، حکیم اجمل خاں صاحب کو، ڈاکٹر انصاری کو، مولانا ابوالکلام آزاد کو، مولانا حسین احمد مدنیؒ کو، اور کوہ آتش فشاں مولانا حفظ الرحمن کو اور ذکر کیوں چھوڑے گاندھی جی کا، موتی لال نہرو کا، جواہر لال نہرو کا، سردار پٹیل کا، گووند ملہج پنت کا، راجندر بابو کا، پتہ بھائی سیتا رامیا کا اور تشکیر پو کا، اور بیل بند سردہنی نائیڈو کا، اور انھیں بھی یاد رکھئے "فتنہ جو دو بھائی سوبھا"



سرت چند بوس، آچار یہ نریندر دیو، اچت پٹور دھن، کرپانی جی، رام منوہر لوہیا  
 اور بدنام کھنڈہ کونامے چندا ہے پرکاش نرائن اور یہ تو بھلانے کے قابل ہی نہیں  
 وجے کشمی پڈت، ارونا آصف علی، مردولا سارا بھائی۔ اور شعر میں جو شش  
 یلح آبادی، ظفر علی خاں، عبدالکریم شورش اور بے چارہ شاعر انقلاب انور صابری  
 غرض کہ کس کو بھولنے، کس کا ذکر کیجئے، یا دیکھئے تو ایک ایک ذرہ آفتاب۔ بھولنے پر  
 پر آئے تو ہر نیمرہ کسی لق و دق وادی میں جھلک کرنے والا ایک ذرہ بے نام و نشان  
 یہی قافلہ جو ہندوستان کی جنگ آزادی میں بھل بلب، دردناک چلا جاتا تھا، قیامت  
 بدیش، ہنگامہ بدست، شعلہ بخاکستر۔ انہیں میں ایک نافراموش ہونے والی شخصیت  
 بلکہ فراموش نہ کی جانے والی ہستی، رئیس الاحرار "مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی  
 المغفور کی بھی تھی۔ جن کا آفتاب زندگی سپہر ہندوستان پر طویل گردشی کے بعد  
 دلی مرحوم کے افق میں ہمیشہ کے لئے چھپ گیا۔ شاہجہانی مسجد کے زیر سایہ، نناک  
 خاک کے نیچے، عظمتوں کا ایک مینار، تقدس کی محراب، شرف و رفعت کا مہر، عزم  
 کا ہمالہ، تدبیر و تدبیر کا ایک آتش جوالہ پڑا سوتا ہے۔ اسی مسجد کے شمالی دروازے  
 پر کھڑے ہو جائیے، بندوبان سیرھیوں پر نظر ڈالئے، اس نظر کی پہلی منزل ایک  
 غیور انسان کی ابدی خواب گاہ ہے۔ سامنے سڑک اور دریمہ کلاں کے چوک ہیں۔  
 بے تاب انسان، دوڑتا، بھاگتا، ہانپتا، گرتا پڑتا نظر آئے گی۔ انہیں کیا معلوم  
 کہ اس سے متصل چار دیواری میں ایک طوفان رکا ہوا ہے۔ یہ کیا جانیں کہ ایک  
 آنکھیں جس نے پورے ہندوستان کو کبھی زیر و زبر کر دیا تھا۔ وہ یہاں آکر تھم گئی،  
 بقول شاعر

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم  
 اب جہ میں خاک انتہا یہ ہے

یہی آپ کا اور ہمارا ہندوستان محسن کشتی جس کی فضاؤں میں اس طرح گھولی گئی جیسا کہ زہر انسانی جسم کے ایک ایک رگ وریشہ میں پہنچ جاتا ہے۔ حیرت ہے اردو کے ایک شاعر نے کن تاثرات و احوال میں یہ شعر اپنے تبرکات میں چھوڑ دیا۔

ہزار شکر کہ مرنے کے بعد قدر جانی

ہزار شکر کہ مردہ مرا پسند ہوا

خیال یہی ہے کہ محسن کشتی گرد و پیش میں شاعر کا یہ خیال عام احوال و مشاہدات کے مطابق نہیں بلکہ حالت اسی معشوق طناز کی صرف بیان کی گئی ہے جس نے عمر بھر عاشق نیم جان کی ناقدری کی اور مرنے کے بعد اس سراپا اخلاص کی یاد آئی، ورنہ ظاہر ہے کہ جس جہان کے زمین و آسمان نے گاندھی جی کو کھلا دیا، جس کے ذہنوں سے آزاد اتر گئے۔ حکیم اجمل خاں غائب ہوئے۔ ڈاکٹر انصاری فراموش کر دیئے گئے اور حسرت موہانی کا کوئی تذکرہ نہیں۔ شیخ الہند ایک فراموش شخصیت اور غریب محمد علی اور ان کے بھائی شوکت علی تو متروکات سخن ہیں سے ہیں۔ اس جہان بے نشان میں شاعر کا عام تاثر لوگوں سے متعلق کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ حال بتدریج بہت دور گیا۔ طویل طویل جہد معترضہ کے بعد آئیے اب نبر کی جانب کہ "غلام ہندوستان نے اپنے ہند غلامی میں ہر جانب اور ہر شعبہ میں آفتاب و قمر پیدا کئے تھے۔ مگر آہ اے ہندوستان!! اب تو ہی وہ عظیم ملک ہے جس کا دور آزادی غلامی کی پُر صوبت گھڑیوں سے بھی زیادہ خوفناک اور تیرہ تار ہے ملدھیانہ موجود ہے، پہلے سے بہت پر رونق اور آباد، لیکن ۱۹۴۷ء کے بعد ایک عیسایہ ارجن پیدا نہ کر سکا۔۔۔ یہ سرزمین دیوبند میں دارالعلوم کی کوہ پیکر عمارت بڑھتی جاتی ہے۔ لیکن شیخ الہند، علامہ انور شاہ، مفتی کفایت اللہ اور علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا حسین احمد مدنی پھر یہاں پیدا نہ ہوئے۔ علی گڑھ کی چھاتی پر یونیورسٹی کی عمارت دندناتی ہے۔ اس کے حدود اربعہ کو لیجئے تو طول و عرض کی

پیمائش مشکل ہی بات ہے مگر کوئی محمد علی، کوئی ضیاء الدین، کوئی یاقوت علی خاں  
 پھر پیدا نہ ہوا۔ الہ آباد کے سنگم پر آج بھی لاکھوں کمٹی کے طالب علم غوطہ زن ہیں  
 مگر موتی اور جواہر کسی خوش نصیب غوطہ زن کے ہاتھ نہ لگے۔ بقول شاعر: ع  
 ”نلا تمکے ترانظارہ اے ہندوستان مجھ کو“

ساز کو دیکھا ہوگا کہ مضراب اس کے خاموش تاروں کو ایک نالہ و شیون سے  
 آگاہ کرتا ہے۔ ملک کے اسی خاموش ساز کو دوست نالوں کے مضراب سے یہی سوالات  
 پوچھ کر چھڑنے کی کمتی ناکام کوشش کر رہا ہوں، صور اسرافیل شہر خورشید کو  
 بلبل میں لاسکتا ہے، نالہ نیم شب سوتے ہوؤں کو جگا سکتا ہے۔ آہ و بکا نے سینوں  
 میں موجود دلوں کی چٹانوں کو پگھلا دیا۔ سب کچھ ہوا لیکن اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔  
 یہی رئیس الاحرار مورانا حبیب الرحمن لدھیانوی جو کم از کم نصف صدی سیاست کے  
 گرد و لہر پر آفتاب کی طرح چمکتے رہے۔ انھوں نے اس کا دوان مزم و استقلال کی  
 روانگی کے بعد غبارِ راہ بھی تپا یا ہے، — آہ! اب آج مولانا حبیب الرحمن کو  
 سمجھانے کے لئے قلم مصروفِ خرام ہے۔ ایک وقت وہ بھی تھا کہ وہ جس جماعت میں  
 ہوتے اس کا تعارف ہوتے، جہاں سے نکل جاتے ان کے پیچھے ایک آندھی دھماکہ خیز  
 انداز میں اٹھتی اور گزرنے والے کی اطلاع دیتی، بہر حال اب تو خواہی نہ خواہی یہ ناگوار  
 فریضہ بھی انجام دینا ہوگا۔ مرقوم سے متعلق کچھ یادیں ہیں شاید ان دھندلے چراغوں  
 میں کسی آفتاب کا سراغ لگ سکے۔ مگر کیا عرض کروں۔ شاعر نے کہا تھا: ع

عہد پیری شباب کی باتیں

ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

ہر ادنیٰ تصرفِ مصرعہ اولیٰ جو صورتِ حال کا صحیح ترجمان ہے، عرض ہے ع

”عہد طفلی اور شباب کی باتیں“



مولانا کو دیکھنا تو نصیب ہوا مگر خود وہ اس بد نصیب کا عہد طفلی تھا۔۔۔  
زندگی نے انہی پکڑ کر آگے بڑھایا اور طفولیت نے دھکیل دھکیل کر سن شعور تک  
پہنچایا تو مولانا گورستان کی زینت بن چکے تھے۔۔۔ الحاصل مطالعہ زندگی نامہ تمام  
مرحوم کے خدو خال سے واقفیت ناقص، پھر لکھوں تو کیا لکھوں، مختصر یہ کہ دید و شنید  
دونوں کو جمع کرتا ہوں

## ایں خانہ ہمہ آفتاب است

جن حقیقتوں کو دنیا اپنی طویل ترین زندگی میں تجربے میں لاپچی اور جی کے لئے  
عرف عام میں (سامنے کی بات) کا عنوان دیا گیا ہے، ان حقائق کو کون جھٹلا سکتا ہے  
بات یہ کہنا ہے کہ ملکی اثرات، قومی اثرات، نسلی اور قبائلی اثرات اور خاندانی روایات  
سے انسان جدا نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ ایک مسلمہ ہے جس میں دورائیں نہیں ہو سکتیں  
تو پھر مرحوم مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے اس جوش اور ولولہ جہاد بلکہ حریت  
پسندانہ جذبات کا کس طرح انکار ممکن ہے جو مرحوم کو اپنے خاندان سے درشتاٹے  
تھے۔ آپ ہی کے جد امجد مولانا عبدالقادر صاحب لدھیانوی، لدھیانہ کے پہلے شخص  
ہیں جنہوں نے ۱۸۵۷ء کی استخلاص وطن کی تحریک میں براہ راست مجاہدانہ شرکت  
کی۔ گویا کہ مولانا اس لگی ہوئی آگ کے دور سے تماشائی نہیں تھے بلکہ اپنی تمام  
توانائیوں کے ساتھ درانا اس میں کود بھی پڑے تھے۔ شہادت کسی اور کی نہیں بلکہ  
اس ہنگامہ ریز بلاخیز دور کے اس مصنف کی ہے جو سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر  
قرب ترین مشاہد بنا ہوا تھا۔ استخلاص وطن کا مشہور ڈائری نویس ”عبد اللطیف“  
اپنے روزنامہ میں رقم طراز ہے:

”ہم ہمیں روز میں از خیمہ روزہ مردمان تو تک با مولوی عبدالقادر متوطن

## لدھیانہ آمادہ ستیز شدہ“ ص ۱۷۱

یعنی، ۲ جون کو مولانا عبدالقادر کی زیر سرکردگی ٹوئک کی ایک تازہ دم ٹکڑی فرنگیوں سے متصادم ہو گئی۔ مترجم جناب خلیق احمد نظامی کا یہ اضافہ بھی قابل غور ہے کہ مولانا عبدالقادر نے لدھیانہ سے دہلی آکر مسجد فتح پوری میں قیام کر لیا تھا۔ ص ۱۹۷ مصنف و مترجم دونوں کی یہ وضاحت مولانا عبدالقادر صاحب کی شرکت جہاد کو ہر شک شبہ سے بالاتر قرار دے رہی ہے۔ معلوم یہی ہوتا ہے کہ مولانا موصوف نے صرف رسمابی شرکت نہیں کی تھی بلکہ اس رستہ خیزی دہلی میں دہلی ہی میں فروکش ہو گئے تھے، اس ہنگامہ کے بظاہر فرد ہونے کے بعد مولانا بی کی ذات گرامی تھی کہ آپ نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ لے کر اس کی سادہ اشاعت کا سر و سامان بہم پہنچایا تھا اور میں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ موصوف شعلہ بدامن ہونے کے ساتھ شعلہ زن بھی تھے اور جو آتش فشاں لاوا ان کے اندر ہی سلگ رہا تھا پھوٹ کر وہ آتش ستیاں ملک میں ٹوچ پذیر تھا۔ بہر حال ایک ایسے ماحول میں نشوونما پانے والے طفل نوخیز سے کیسے ممکن تھا کہ حریت پسندی کے اسی سودا سے اس کا سر سمایا ہو انہ ہو جو اس کے خانوادہ کی وراثت تھی!

پھر اس بات کو بھی نظر انداز نہ کیجئے کہ جس عہد میں مولانا لدھیانوی مرحوم کا عہد طفلی تاسہ شباب گزر رہا تھا وہی اس بد قسمت ملک کا وہی رستہ خیزی دور ہے جس میں آنادہ کی آگ ملک کے اندرونی حصوں میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل رہی تھی مادہ اسے بھی ملحوظ رکھئے کہ مولانا اسی سرزمین پنجاب کے ایک فرد تھے جہاں کے باشندے اپنی غنیمت پر ہمیشہ طبیعتوں کے اعتبار سے پورے ہندوستان کے مکھن کہے جانے کے مستحق ہیں۔

طالب علمی | چنانچہ وہ جس زمانے میں دارالعلوم میں طالب علمی کا دور گزار رہے تھے حضرت مولانا زکریا صاحب سہارن پوری، جن کا تعلق ”مظاہر



علوم” سہارن پور سے تھا، مصلحت وقت کہنے یا جذبات کا ٹھٹھکانا! اس علمی دینی درس گاہ کو حریت پسندی کی پرچھاؤں سے بھی محفوظ رہنے کی کوشش کی گئی تھی، پھر کھلا کیسے ممکن تھا کہ مولانا سہارن پوری اسی مناک ماحول میں پردان چڑھنے کے باوجود آزاد فضاؤں میں گرم سپرہ ہوتے۔ ادھر مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی محاصرہ طبیعت کی تیزی اور دلولوں کا عہد شباب! مولانا زکریا صاحب ہی کا بیان ہے کہ

”\_\_\_\_\_ میں جب کبھی دیوبند آتا اور مولانا لدھیانوی سے مل کر بھڑک جاتا تو وہ اپنے ایک مخصوص طنزیہ جملہ کا مجھ کو نشانہ بناتے۔“

طنز اسی جمود و تعطل پر تھا جس سے مظاہر علوم اور اس کے فرزند گزر رہے تھے یا گزارے جا رہے تھے۔ اس خاکسار کے قلم میں اب وہ تاب و حوصلہ بھی نہیں کہ اس طنز کو نقل ہی کر دے! \_\_\_\_\_ کچھ بھی ہو، اتنی بات تو واضح ہے کہ مولانا حبیب الرحمن اس دور میں اپنے اندر دعوتی رنگ پیدا کر چکے تھے اور ان کی ہنگامہ ریز طبیعت کسی مصلحتی فقدان عمل سے سنا نہ کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ پھر دارالعلوم دیوبند کا اس پر ماحولی مسترد کہ اس کا رخانہ علم و عمل کے بانی ہی نے ۱۸۵۷ء میں ان ہی بکھرے ہوئے منتشر جذبات حریت کو دارالعلوم کی شکل دی تھی۔ جن جذبات نے لاکھوں ہندوستانیوں کے لئے سہ دتن کی قربانی اور گھرو بار کی ویرانی آسان کر دی تھی، سننے کے قابل ہے یہ ایک تاریخی لطیفہ بھی کہ خود دارالعلوم پر بھی ایک ایسا وقت آیا کہ یہاں کا مصلحت پس طبقہ اس دانش گاہ کو جنگ آزادی سے دور تر رکھنے کے لئے پرتول رہا تھا۔ ٹھیک انہیں اوقات میں حضرت شیخ الہند حریت پسندی کا طوفان اپنے دوش ناتواں پر اٹھائے ہوئے تھے۔ سوچا ہی گیا کہ حضرت مرحوم کو بھی وقتی مصلحت کے اس گم سے واقف کر کے ان کی مساعی کو بھی محدود تر بنایا جائے۔ اس منصوبہ کی تکمیل کے لئے المغفور مولانا مناظر حسن گیلانی کو حضرت شیخ الہند کی خدمت میں اس پیغام کے ساتھ بھیجا گیا کہ آپ کی تحریک کے شدید



مذہب سے دارالعلوم کو بھی نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہے اور بات غلط بھی نہیں تھی بلکہ برطانیہ کے دارالعوام میں خاص دارالعلوم پر بھی سوال و جواب ہو چکا تھا اور فرنگی سیاست کے بڑے بڑے جنادری ہندوستان میں دارالعلوم کی ان تیزگامیوں پر مطلع تھے، جو اس ادارے کی سربراہ کی قیادت میں مسلسل جاری تھیں۔ القصہ مولانا گیلانیؒ جی کا بیان ہے کہ — ”تحریک سے عارضی دست برداری کے اسی پیغام لطیف پر حضرت شیخ البند نے آبدیدہ ہو کر فرمایا — ”کہ ان سے جا کر کہہ دو کہ حضرت بانی قدس سرہ (حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ) کے ان عوام پر میں سب سے زیادہ مطلع ہوں، جو اس دانش گاہ کے قائم کرنے سے متعلق تھے اور یہ بھی کہو کہ دارالعلوم درحقیقت ایک فوجی چھاؤنی ہے جس پر بانی قدس سرہ نے علم و دانش گاہ کا پردہ ڈال دیا، والقصہ بطولہا —

حاصل اس جملہ معترضہ کا یہ ہے کہ اسی فوجی معسکر میں حبیب مرحوم حبیباً بانکا مجاہد طالب علمانہ داخلہ لینے کے بعد ایک جاں سپار و خدائے حریت ثبات بن کر نہ نکلتا تو اہر کیا بنتا۔ جب درس گاہ کے چھوٹے اند بڑے حریت پسندی کی آگ کو نکل رہے تھے اندان کے نہاں خانے سے بھی آگ اٹھارے بن کر نہ نکلتی تو کیا پھر سردپانی کے ذخیرے یا ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے سامنے آتے۔ کوئی ابجھا ہوا سوال نہیں ہے، صاف ادب بے غبار حقیقت کو آخر کس لئے فلسفیانہ موثر کافینوں کے نذر کر دیا جائے، — بہر حال یہ حقیقت تسلیم کرنا ہوگی کہ مولانا کی سرآتشہ شخصیت میں ان کی خاندانی روایا دارالعلوم دیوبند کے حریت پسندانہ محرکات اور سرزمین پنجاب کی شعلہ نوائی کو خاص دخل تھا۔ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ خود کاتب الخروف کا عہد طفلی تھا اور مرحوم ایک ایسی عمارت تھے جو شباب کے دور سے گزر کر بڑھاپے کی حدود میں قدم رکھ چکی تھی، اس لئے ان کے سیاسی کارناموں و دینی خدمات کا احصاء نہ کر سکتا ہوں۔

ہم یہ تو سب جانتے ہیں کہ غالباً چالیس سال وہ ہندوستان کی سیاسی فضا  
میں ایک آندھی کی طرح گرم رفتار رہے، ہندوستان کی ایسی کون سی حریت پسند جماعت  
ہے جس سے مولانا کا قریبی تعلق نہ رہا ہو، کانگریس، جمعیتہ العلماء، خلافت کمیٹی اور آخر  
میں ان کا اڑھنا بچھونا جماعت احرار تھی، جس کے وہ رئیس الاحرار تھے۔ بارہا ان کی  
تقریروں میں سنا گیا کہ اس مؤخر الذکر پارٹی کے پچاس ہزار رضا کار تھے، جن کی قیادت  
وہ انجام دیتے۔ اس جماعت کا دائرہ کار پنجاب خصوصی طور پر اور یوپی میں سہارن پور  
میرٹھ، مراد آباد، بجنور، دہلی اور کشمیر تک سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ پنجاب بشمول ہندوستان  
کی سیاسی گتھیوں کو وہ اپنے ناخن تدبیر سے کھولتے اور ہر تحریک میں قائدانہ ان کی شرکت  
ہوتی، بالآخر آزادی کا جو خواب وہ خاندانی طور پر دیکھ رہے تھے، ۱۹۴۷ء میں اس  
کی بھیان تک تعبیر سامنے آئی۔ بھیان تک اس لئے کہ وہی لدھیانہ جوان کی جائے پیدائش تھی  
اور جہاں کے ذرے ذرے میں وہ آزادی کے نقیب کی حیثیت سے روح پھونک  
چکے تھے، — آندادی نے اسی لدھیانہ کو ایک اجڑا ہوا دیار اور ان کی آنکھوں کے  
سامنے شہر خموشاں بنا دیا۔ سوچتا ہوں کہ ان کا سوانح نگار اس دلزدہ ساغمہ  
کی تعبیر کن الفاظ و انداز سے کرے گا کہ اسی لدھیانہ میں ان کا گھرا جڑا، ان پر حملہ ہوا،  
وہ معاشی ایتروں کا شکار ہوئے۔ اپنوں نے آنکھیں چرائیں، غیروں نے آنکھیں کھائیں  
ایک کیمپ میں وہ مقیم رہے اور ایک جہا جرقہ فلع میں بعنوان ہجرت اس پاکستان میں ان کو  
امن ملی، جس کے تخیل کی پاتال پر ربیع صدی اسفوں نے تیشہ زنی کی تھی۔ ہندوستان  
کی سیاست اگر چکولے لے رہی تھی تو ان زلزلوں کا شکار کم از کم حبیب الرحمن لدھیانوی  
کو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ وہ دوبارہ ہندوستان آئے لیکن یہاں کی زمین و آسمان  
بدل چکا تھا۔ انھیں اپنی جلیل خدمات کا کوئی گراں قدر معاوضہ تو درکنار اس ساری  
فدایت کا کوئی معترف بھی نہیں ملتا تھا۔ غالباً ان کا سکون دل ہلا، ان کے دماغ



نے جواب دے دیا، ان کے عزائم ٹھٹھڑ گئے۔ ان کے دلوں نے یہ کہہ کر کلن کی چادر ہمیشہ کے لئے تان لی ہے۔

دیارِ عمر میں اب قحطِ مہر ہے فانی

کوئی اجل کے سوا مہرباں نہیں ملتا

مکرر عرض کرتا ہوں کہ سیاسی زندگی کے نشیب و فراز اور اس راہ کے پیچ و خم میں ان کی جوانی اور میباک کارناموں کے لئے خود ان کے فرزند ارجمند مولانا عزیز الرحمن جمالی کی ”رئیس الاحرار“ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

## فتنہ ارتداد قادیانیت اور اس کی سرکوبی

یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ ازہر الہند دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ علمی و دینی، سیاسی و سماجی متنوع خدمات کے کسی شعبہ میں پیچھے نہیں رہتے۔ اس درس گاہ کی تربیت، زندگی کو ایک ایسے رخ پر ڈالنے کی ضامن ہے جہاں کا فاضل بھی محدث، گاہے مفسر و داعی، امیر کارواں، مبلغ دین اور ہمہ جہت کوششوں کا امین ہوتا ہے۔ اسے مسلمہ کذاب کے مقابل فریضہ حق ادا کرتے ہوئے شمشیر بدست بھی دیکھا جاسکتا ہے اور خانقاہوں کے گوشوں میں ہر حق کے لغووں میں مصروف بھی، وہ تبلیغ دین کے لئے کمر بستہ بھی نظر آئے گا اور اس کا فیضانِ علم چار سو مروج بھی دکھائی دے گا۔ ان روایات پارینہ کی امین و محافظہ رئیس الاحرار کی ذات بھی کھلی ادھر ان کا شباب تھا، اور دوسری جانب فتنہ قادیانیت کا عروج، ان کی خصوصی جماعت نے دین کے اس سب سے بڑے ہلک فتنہ کو محسوس کیا اور احرار کی تمام توانائیاں دین محمدی کے خلاف اس کھلی بغاوت کو کچلنے کی خاطر جمع کر دی گئیں۔ پنجاب کے ایک ایک گوشہ میں ختم نبوت کے راگ اس پُر سوز لب و لہجہ میں الاپے گئے کہ



اب ۱۹۴۷ء میں ان کی بازگشت پاکستانی پارلیمنٹ میں سنی گئی۔ مولانا کے دادا مولانا شاہ محمد صاحب نے ۱۳۰ھ میں قادیانیوں کے خلاف فتویٰ دیا۔

انھوں نے قادیان کی زمین پر نعرہ حق بلند کیا اور کشمیر کے کوہساروں کی چوٹیوں تک اسے پہنچا دیا۔ مجھے یقین ہے کہ مولانا کی یہ جلیل خدمات ان کے لئے زادِ آخرت ثابت ہوں گی اور انصاف پسند مورخ کا قلم مستقبل قریب میں جب ان ذروں سے قادیانیت کے خلاف جدوجہد کا آفتاب بنائے گا تو اس کی شعاعوں میں حبیب الرحمن کے وجود کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ مقدمہ بھاول پور جس میں ان کے استاذ و دینی قائد علامہ الامام حضرت مولانا السید محمد انور شاہ انکشمیری طاب ثراہ نے حضرت مولانا شاہ محمد جیالوی کے فتویٰ تکفیر مرزا جو کہ ۱۳۰ھ میں دیا گیا تھا اور علماء دیوبند حضرت مولانا رستید احمد گنگوہی، مولانا یعقوب کے دستخطوں سے شائع ہوا تھا کے بعد امت مرحومہ کے سامنے قادیانی فرقے کو امت سے علیحدہ کرنے کی راہ دکھائی۔ مولانا حبیب الرحمن اور ان کے خاندان کی شرکت اس مقدمہ میں ایک حقیقت ہے۔ علامہ مشرقی سے دو دو ہاتھ، سرسکندر حیات خاں سے نبرد آزمانی، مختصر حیات سے جنگ و جدال، مسجد شہید گنج کے لئے تڑپ، مولانا کی خدمات کے وہ جلی عنوانات ہیں جن میں ان کے کارناموں کو تلاش کیا جاسکتا ہے اور یہ توکل کی بات ہے کہ ہندوستان میں جماعت اسلامی کی دینی بے راہ روی پر اکابر علماء کو مرکز واحد پر جمع کرنے کی پوری ذمہ داری مولانا حبیب الرحمن کے دو شاہ نواں پر تھی، پاکستان میں کچھ پہلے اور ہندوستان میں ۱۹۷۴ء میں جماعت اسلامی کی طویل قلابازیوں کے بعد اس کے چہرے سے وہ نقاب کشائی خود جماعت کے امیر نے کی اور تاریخ کے اس ہالک کو دہلی ہی کی زمین پر دہرایا گیا، اور اسی شکل و صورت میں جس میں عنایت اللہ مشرقی نے اپنے فکر کے پورے سرمایہ کو جہنما کی موجوں کے تذکرہ کیا تھا۔ اسی سے بالکل

قریب اسی ہٹی کی شاہجہانی مسجد کے زیر سایہ جماعت اسلامی نے بھی اپنے تئیں کوہوا  
 سے بھرے ہوئے غبارے کی طرح فضا میں اڑا دیا اور اس طرح مولانا حبیب الرحمن کی  
 اس دانش مندی کو تسلیم کر لیا اور ان کی عاقبت مبنی کی تصدیق کر دی جو انھوں نے  
 ۲۵ سال پہلے جماعت کے ڈھانچے کا جائزہ لینے کے بعد قائم کی تھی۔ مولانا مرحوم ایک  
 وفادار طبع ہونے کے باوجود طالب علمی ہی میں سیاسی بھیمیلوں میں اس طرح الجھ کر رہ گئے  
 تھے کہ طالب علمی کی واقعی مراعات وہ قائم نہ رکھ سکے، مگر اس کے باوجود وہ فطری طور پر  
 علمی ذوق کے آدمی تھے۔ صبح کو ان کے یہاں حضار مجلس کے سامنے ایک تفسیری نشست  
 ہوتی جس میں قرآن مجید کے متعدد تراجم پڑھے جاتے اور مولانا تفسیری نکات اہتمام سے  
 بیان فرماتے۔ حضرت شاہ عبدالقادر الدہلوی کے ترجمہ سے انھیں عشق تھا اور اس  
 پایزہ والہائی ترجمہ کے مسلسل مطالعہ سے اس کی گہرائی و گیرائی بہ تمام واقفیت رکھتے۔  
 عام مجلسوں میں بھی آیات قرآنی اور حضرت شاہ صاحب کے اقادات کو جاذب انداز میں پیش  
 فرماتے، اپنے استاد حضرت علامہ کشمیری کے ارشادات پر بھی عبور تھا اور جابجا ان کا افادہ  
 فرماتے، سیاسی بھیمیلوں کے باوجود دعوتی رنگ بھی ان پر غالب تھا، اور غیر مسلم حلقہ کو اسلام  
 کی خوبی و زیبائی پر مطلع کرنے کی تڑپ سے خالی نہیں تھے۔ آزاد ہندوستان میں جب فرقہ  
 پرستی، ذہنیوں کو اٹھل پھٹل کر رہی تھی، اور مسجد کے بلند بالا میناروں سے اذان کی آواز  
 بھی فرقہ پرستوں کو ناگوار گزرتی تھی تو مرحوم مولانا نے ان ناگوار جذبات کو ایک عجیب انداز  
 میں ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اذان کا ہندی ترجمہ شائع کیا اور غالباً اس کے ساتھ مختصر  
 تشریح بھی، خاص اشاعت غیر مسلم حلقے میں کی گئی اور بتایا گیا کہ خدا کی عبادت کے لئے  
 یہ دعوت خود اپنی تعبیر میں کتنی شیریں اور کتنی لطیف ہے، مولانا کی یہ کوشش برائے  
 کار آئی اور اذان کی آوازیں سے بدگئے والا طبقہ ان حلاوت آمیز کلمات کا مٹھا اس  
 خود محسوس کرنے لگا۔ — غیر مسلم دوست و احباب کا وسیع ترین حلقہ جو مولانا نے اپنی



ذاتی صلاحیتوں سے بنایا تھا، اسے اسلام کی خوبیوں پر مطلع کرتے اور اس طرح بلاوجہ  
بدگمانی کی بنا پر اس تکمیلی اور بھرپور کو دور فرماتے جو مختلف مذاہب میں دیدہ و دانستہ  
اسلام کے خلاف پیدا کر دی گئی ہے۔

عجیب بات ہے کہ جس طرح بعض ملکوں اور علاقوں کی خصوصیات  
**خطابت** وہاں کے باشندوں سے اس طرح مربوط ہو کر رہ گئیں کہ  
ان روایات سے منفک کر کے وہاں کے باشندوں کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اسی  
طرح بعض اداروں و علمی درس گاہوں کا حال ہے کہ ان کے زیر دامن تربیت پانے والے  
بعض اپنی انفرادی خصوصیت رکھتے ہیں۔ جماعتی زندگی میں بھی اس کے نمونے دیکھے میں  
آتے ہیں، غرضیکہ احرار پارٹی پنجاب جس کا مسقط الرأس ہے اس پارٹی میں جمع ہونے  
والے اور خصوصاً اعلیٰ سطح کے افراد غالباً کوئی ان میں بدقسمت ہو گا جو خطابت کے جوہر  
سے خالی ہو۔ سید عطار اللہ شاہ بخاری کی سحر آفریں خطابت، مظہر علی انصاری دکنی دکنیہ نہ بحث  
عماحب زادہ سید فہیم الحسن، قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور چھوٹے بڑے تقریباً  
تمام ہی اجپاری ایک پر جوش خطابت کا حامل و مکمل نمونہ تھے۔ ہر ایک کا زمانہ جہاں اور طرز  
نرالا تھا، غالباً ۱۹۳۵ء تا ۱۹۴۵ء کا زمانہ ہے جب ہندوستان کی سیاسی زندگی بڑی  
تیز تھی۔ کروڑوں بدل رہی تھی۔ وزارتی کمیشن اور اس سے پہلے ایک کمیشن اور پھر لارڈ  
وینس کی شملہ کانفرنس۔ ست کے منظر عام پر ایک منظر کے بعد دوسرا منظر سامنے آ رہا تھا  
یہی وہ وقت تھا جب مسلم لیگ اپنے اس دعوے کو کہ وہی ہندوستان کے مسلمانوں کی نمائندہ  
ہے، واقعات و شواہد سے مستحضر کرنے کے فکر میں لگی ہوئی تھی اور عیساکہ سیاسی  
چکر بازیوں کا عام حال ہے خاص اس جزیر میں بھی یہ جماعت اپنے گھناؤنے ہتھیار  
قوت و سرعت سے استعمال کرتی۔ قوم پرور جماعتیں اور قوم پرور مسلمان زور پر تھے۔ جگہ  
جگہ اکابر سیاست کو پامال کیا جا رہا تھا۔ غالباً شملہ کانفرنس کی واپسی پر مولانا ابوالکلام



آزاد علی گڑھ اسٹیشن پر دھڑلے گئے اور جو علوان و بدتمیزی ریلوے پلیٹ فارم پر برپا کی  
 گی اس سے سیاست کا سارا پانی ہی گدلا ہو گیا۔ مولانا حسین احمد صاحب مدنی، مولانا  
 حفظ الرحمن اور ان کے تمام ارکان جماعت ہندوستان کے طول و عرض میں ان پتیرہ  
 دستیوں کا شکار تھے۔ یہی وہ وقت تھا کہ راقم دہلی میں طالب علم تھا۔ میں نے یہ منظر  
 دیکھا کہ یٹیاران کے ایک جلسہ میں جس میں مولانا حفظ الرحمن مرحوم خطاب کرنے والے  
 تھے، دہلی کی مسلم لیگ کے سربراہ شیخ عبدالسلام مرحوم نے اپنی فوج نہ ہونے کی قیادت  
 کرتے ہوئے جلسہ میں جو بڑبڑاڑ کی وہ اب بھی یاد ہے۔ — غرض کہ لیگ کی اس  
 سیاست نے ہندوستان کے وسیع ترین علاقے کو قوم پرور ہتھیوں کے لئے مفتک بنا ڈالا۔  
 تھا۔ اس وقت دہلی میں ایک خاص جلسہ اس مقصد کے لئے ہونے والا تھا کہ قوم پرور  
 مسلمانوں کا نقطہ نظر بھی فرنگی سیاست کے کشتی بانوں کے سامنے آئے۔ یہ جلسہ اپنے مقصد  
 کے اعتبار سے واقع تھا اور مسلم لیگ اسے اپنے لئے ایک بڑا چیلنج تصور کرتی تھی۔ خوب یاد ہے  
 کہ دہلی میں غالباً اس جلسے کے لئے کئی بار اہتمام کیا گیا۔ اکابر جمعیت میں سے کوئی استہور  
 اور غیر مرد و ستا ایسا نہیں تھا جو اس وقت دہلی میں موجود نہ ہو۔ مگر مشین کار ڈکے حواس  
 مردوں نے بار بار کی کوشش کے باوجود جلسہ کا انعقاد ناممکن بنا دیا۔ پھر جبے معذور  
 نہیں کہ کیا ہوا۔ ۱۳۵۷ھ میں ایک روز جامع مسجد کے سامنے اردو پارک میں ایک  
 عظیم ترین اجتماع کا اعلان ہوا۔ جس میں جمعیت علماء کے ساتھ اور پارٹی کے کئی دستہ  
 شریک ہوئے۔ سادات کو ایک اسٹیج پر جواہر لال، سر ڈائریس بلکہ کانگریس کے چوٹی کے لیڈر  
 اور دوسری جانب قوم پرور حلقہ کا اہم باب اسید عطار اللہ شاہ بخاری کی سمرائگی  
 خطابت کا یہ عجیب منظر تھا کہ تمام رات محافل کو نہ صرف اپنی بات سنائی بلکہ شاہ صاحب  
 نے سینے والوں سے پاکستان کی محفلت میں ہاتھ اٹھوا دیئے تھے۔ — برصاں  
 عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قوم پرور مسلمانوں کو اپنے خاص نقطہ نظر کو عوام میں پہنچا

کے لئے ہمیشہ احرا پاشی کی ضرورت پیش آتی تھی۔ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ احرار میں  
بعض مقرر تھے اور سب کے خطابت کے رنگ جدا جدا تھے۔ البتہ بعض ارباب خطابت  
سید ظار اللہ شاہ بخاری کے ساتھ اندازہ کی کامیاب یا ناکام نقل کرنے کی کوشش  
کرتے۔

مولانا حبیب الرحمن لڑھیانوی کی تقریر اور خطابت بھی ایک امتیازی وصف لئے  
ہوئے تھی، وہ بالعموم کرسی پر بیٹھ کر تقریر کرتے اور ان کی خطابت کی غزل شروع ہوتی۔  
غزل کی طرح ہر مصرعہ جدا ہوتا۔ لب و لہجہ کی شوکت، بھاری بھر کم انداز، جس بات کو کہتے  
دقیع انداز ہیں! جس مصرعہ کو اٹھاتے تو قیامت بنا دیتے۔ ایک مصرعہ سنانے کے بعد  
اپنے داہنے ہاتھ سے دائرہ کی موڑتے اور ہونٹوں میں دبا لیتے۔ وہ دوران خطابت اس  
نانا اندازہ بھی لگاتے کہ مجمع ان کی منشور غزل سے کس حد تک متاثر ہو رہا ہے، —  
ٹھیک ان اوقات میں چشمہ کے نیلگوں گھاس کے عقب سے وہ اپنی عقابی نظروں کو انہاں  
کے قبس میں روانہ کرتے اور اس احتساب کے بعد مصرعہ ثانی اٹھاتے۔ تقریر پنجابی  
ہوتی یا اردو میں ہوتی، وہ بین الاقوامی سیاست پر تبصرہ کرتے کے بعد اچانک مجمع سے  
کہتے:-

”میں دریافت کرنا چاہتا ہوں، جو بات میں کہہ رہا ہوں ٹھیک ہے یا غلط“  
کبھی کبھی اپنی پارٹی کی عظیم اکثریت کا بیان کرتے تو لہجہ کی پوری قوت و استحکام کے  
ساتھ فرماتے:

”میرے پاس نصف لاکھ تعداد میں رضا کار ہیں۔ یہ ہندوستان کی تمام  
قوم پرور پارٹیوں میں ایک منفرد خصوصیت ہے“  
درنگی سیاست کے تار پود کو بکھیرتے، ملکی سیاست پر تبصرہ ہوتا اور بین الاقوامی سیاسی  
دروجز کی نشان دہی کرتے۔ تقریر کا اختتام بھی بہت ایسا تھا۔ وہ عام مقررین کی طرح

خاتمہ پر دھیرے دھیرے پیچنے کے عادی نہیں تھے، بلکہ اچانک کسی جملہ کو پہلے سے زیادہ  
 پرشکوہ انداز میں کہتے اور دفعۃً کرسی سے اٹھ جاتے۔ وہ دارالعلوم دیوبند میں آخر  
 زندگی میں آئے اور یہ سفر ان کی زندگی کا آخری سفر تھا۔ شام کو بعد عصر مسجد کے وسطی  
 دروازے میں ایک کرسی پر بیٹھ کر طلباء کو خطاب فرمایا، جس میں تمام اکابر دارالعلوم  
 حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اودان کے استاذ حضرت مولانا اعجاز علی صاحب  
 رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ راقم اس وقت مسجد کے اندرونی حصہ میں ان کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا  
 ان کی گردن کے عقبی حصہ میں کھڑی ہوئی پڑی ان کی موت کا اعلان کر رہی تھی۔ وہ حسب  
 دستور تقریر سے بے تابی کے ساتھ اٹھتے تو زبان حال یہ کہہ رہی تھی ہے

باتیں ہماری یاد میں باتیں بچہ ایسی نہ سنئے گا

کہتے کسی کو سنئے گا تو دیر تک مردھنئے گا

مرحوم بلا کے حاضر جواب تھے اور کسی وقت ان کو خاموش

**حاضر جوابی**

کرنا ممکن نہیں تھا۔ مولانا سلطان الحق صاحب ناظم

کتب خانہ دارالعلوم دیوبند کا بیان ہے کہ ایک بار غالباً لکھنؤ یا مراد آباد میں کوئی کانفرنس  
 ہو رہی تھی جس میں دیوبند سے بھی شرکار کی ایک جماعت حازم سفر ہوئی۔ سہارن پور سٹیشن پر  
 شام کی گاڑی سے سفر تھا، اچانک پنجاب سے آنے والی گاڑی میں مولانا حبیب الرحمن  
 لدھیانوی مرحوم اودان کے رفیق سفر ایک ڈبے سے نمودار ہوئے اور اسی گاڑی سے روانہ  
 ہو گئے جس میں دیوبند کے شرکار بھی تھے۔ لکسر کے اسٹیشن پر گاڑی میں کافی تاخیر ہوتی ہے  
 اور عموماً مسافر شب کا کھانا یہیں لیتے ہیں۔ دیوبندی شرکار نے دسترخوان بچھا یا اللہ ہر ایک  
 نے اپنے زاد راہ کو کھول کر دسترخوان پر چن دیا۔ مولانا سلطان الحق صاحب اپنی تمام نیاز مندوں  
 کے باوجود کہنے میں بہت ہری اور سننے میں وسیع الخوصلہ ہیں، وہ اس منظر کو دیکھ کر بے قابو  
 ہو گئے اور بولے کہ:



۷ مولانا با آپ میں اور مولانا مدنی میں بس یہی تو کمی ہے، اگر مولانا مدنی

جیتے تو جماعت کے بغیر کبھی لقمہ نہ توڑتے ؟

مولانا سلطان سمجھتے تھے کہ یہ ایک تیرہ جے جو بالیقین نشانے پر بیٹھے گا۔ لیکن مرحوم رئیس الاحرار نے ایک تیز درقہ پہ لٹایا اور فرمایا ————— ”غلط کہتے ہو، مجھ میں اندہ مولانا مدنی میں اگر صرف اتنا ہی فرق ہوتا تو اس کی کوئی کبھی کا پوری کر چکا ہوتا“

اس حاضر جوابی کے ساتھ طبیعت میں بڑی بے تکلفی و دار فٹلی تھی جس میں پنجابی روایات کو بھی خاص دخل تھا۔ ان کا قلب اپنے اساتذہ کی عظمت اور اہل اللہ کے احترام سے لبریز تھا۔ مگر یہ احساس عظمت مصنوعی تکلف کی شکل کبھی اختیار نہ کرتا۔ ایک بار دیوبند میں دیکھا کہ وہ دفتر اہتمام میں گاؤں تکیہ پر اپنے خاص انداز میں لیٹے ہوئے تھے، ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پر رکھی ہوئی تھی۔ دونوں ہاتھ گردن کے نیچے تھے اور ان کی خطابت کا آہستہ بلند یوں سے نیچے گرا ہا تھا اور سامعین میں حضرت مستم صاحب کے علاوہ خود ان کے استاذ حضرت مولانا اعجاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد امجد علی صاحب بلیاوی بھی تھے۔ رائے پور کی خانقاہ میں بعد مغرب انھیں اس حال میں بھی پایا کہ ان کے پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ رائے پور سے ایک چارپائی پر تشریف فرما تھے اور مقابل کی دوسری چارپائی پر مرحوم رئیس الاحرار اپنی مخصوص بے تکلفی کے ساتھ لیٹے ہوئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ ان کا دل دوماغ نہ صرف احساس عظمت کا آشیانہ بلکہ اپنے اساتذہ اور اکابر دین کے ساتھ دار فٹلی اور عقیدت کا دل کش مرقع تھا، وہ اساتذہ کی اولاد بلکہ ان کے متعینین سے بھی محبت و اخلاص کا معاملہ کرتے۔ دہلی میں ایک بار ان کے ایک صاحبزادے نے ہندوستان کے ایک با عظمت صاحبزادے کی شان میں کوئی ناروا بات کہہ دی، وہ تیزی کے ساتھ اٹھے اور اپنے پاؤں کا جوتا اٹھا کر بے تکلف اپنے اس بچہ پر پل گئے۔ یہ تعبیر صورت واقعہ کی حقیقی ترجمانی کے



میں شریک تھا۔ اس وقت مولانا آزاد کی سیاست گاہ پر ماسٹر مار اسنگھ، سر چند دلال ترویدی  
 لالہ بھیم سین پٹیر، پنڈت جواہر لال نہرو، پرنسپال سنگھ کیروں اور پنجاب کے بہت سے زعمار  
 ملاقات کے منتظر تھے۔ اجمل خاں صاحب نے ہم طلباء کو بتایا کہ مولانا غسل صبح گاہ میں  
 مصروف ہیں۔ کچھ وقفہ کے بعد مولانا آزاد نے طلباء کو باریابی کا موقع عنایت فرمایا۔  
 طلباء کی یہ جماعت اندر قدم رکھ رہی تھی اور مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی مرحوم اندر  
 سے باہر تشریف لارہے تھے۔ اس وقت انھوں نے ایک چٹریب تن فرما رکھا تھا  
 سر پر سرخ رومال اور وہی طویل و عریض چشمہ ان کی آنکھوں پر! مشافہہ نہ ہو میری ان  
 کوششوں کے باوجود مرحوم کی اچانک چھپ نظر پڑ گئی، الامان! حفیظ!! ان کا اس  
 وقت کا بزرگانشہ عتاب آسمانی قہر سے کم نہیں تھا۔ وہ اس پر بہت ناراض تھے کہ تم اس  
 ذلیل انداز میں ملاقات کے لئے کیوں آئے۔ ان کا چہرہ تمہارا یا تھا اور حسب دستور گرج  
 رہے تھے۔ پھر ان طلباء سے مجھے جا کیا اور مولانا ابوالکلام آزاد کی خدمت میں براہ راست  
 لے کر پہنچے اور اپنے خصوصی انداز میں فرمایا:

”آپ اسے پہچانتے ہیں؟ یہ ہندوستان کے دینی و علمی کارواں کے

قافلہ سالار خاتم المحدثین مولانا انور شہا کشمیری کا چھوٹا بچہ ہے“

مرحوم جب کسی کا تعارف کراتے تو بے حد دقیق کلمات استعمال فرماتے۔ یہ منظر بھی بار بار

دیکھا کہ وہ اپنے مکان پر تشریف فرما ہیں۔ فون آیا، انھوں نے جواب کے لئے اٹھایا اور سائل  
 کے جواب میں جواباً فرماتے:

”میں مولانا حبیب الرحمن بول رہا ہوں“

”تکلف بر طرف اپنے بچوں کو بھی مولانا کے ساتھ خطاب فرماتے۔“

مرحوم کی باتیں بھی عجیب و غریب ہوتیں۔ غالباً پہلے عرض کر چکا

ہوں کہ وہ شخصیتوں کے احتسابی جائزہ میں بے نظیر واقع

**سخن و لنواز**



واقع ہوئے تھے۔ ایک باریہ خاکسار دہلی میں نظام الدین اویار تانگہ پر جا رہا تھا دوسری جانب وہ کاریں واپس تشریف لارہے تھے خدا جلنے انھوں نے مجھے کس طرح دیکھ لیا، تانگہ کے بالکل قریب کار رک گئی اور مولانا دروازہ کھول کر صاف دستھری ٹرک پر نکل آئے۔ علیک سلیک کے بعد میرے اس سوال پر کہ آپ کہاں سے تشریف لارہے ہیں؟ فرمایا۔۔۔ "مولوی یوسف امیر جماعت تبلیغی کے پاس گیا تھا۔ اس سے کہہ کر آیا ہوں اپنی جماعت میں مولوی اویلیڈ رول کو مت گھسنے دینا، ورنہ تیری ساری تحریک دعوت تباہ ہو جائے گی۔"

ایک مرتبہ ریو بند میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"میں نے مولوی یوسف امیر جماعت تبلیغ سے پوچھا کہ یوسف مجھے صحیح صحیح بتا تیرا خواہر لال کی حکومت کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اس پر مولوی یوسف بولا کہ مولانا ہر رات میں تہجد کے بعد دعا کرتا ہوں کہ "اے اللہ! اگر خواہر لال کی حکومت آپ کے لئے پسندیدہ ہے تو اسے نشانے طویل عطا فرما اور اگر نا پسندیدہ ہے تو اس میں اصلاح فرما دے۔"

فرماتے تھے کہ میں نے یہ بات خواہر لال کو سنائی تو اس نے پر زور قہقہہ لگایا۔ آنا دہشتان میں بندت جی کے وزارت جی جاہ و جلال سے ان کی بے تکلف طبیعت نے کبھی مرعوبیت قبول نہیں کی تھی۔ خواہر لال کی بھی اپنے خاص علم کو ہدایت تھی کہ مولانا جب اور جس وقت ملاقات کرنا چاہیں ان کی آمد و رفت کو عام ملاقاتی ضابطوں سے مستثنیٰ رکھا جائے۔ واقف کاروں کا بیان ہے کہ وہ جاتے اور خاص اس صوفے پر جا کر خواہر لال سے قریب بیٹھ جاتے جو پٹت جی کا مخصوص تھا۔ اور پوری بے تکلفی سے ان کے کاندھوں کو پھٹپھٹاتے ایک ہنسنے فرمایا:

”پنڈت جی کا میاب حکومت کے خیال میں مت رہنا، ہندوستان کی موجودہ ترقی ان دو تین بزرگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے، جو آپ کے ملک میں تشریف فرما ہیں (اشارہ حضرت مولانا مدنیؒ) اور حضرت رائے پوریؒ کی جانب تھا) کبھی کبھی ان کی خانقاہوں میں حاضری دے کر نیک دعائیں لے آیا کرو!“

جواب لال اس نیک مشورہ پر مسکرا کر رہ گئے۔ دلی کے سرکاری دفاتروں میں پہنچ جاتے تو اوپے بندے داروں کے کاندھوں پر اپنا دست شفقت رکھ کر ”بیٹا“ کے ساتھ خطاب ہوتا، اور بلاشبہ اس دل نشین آواز اور سخن دل نواز سے رُکے ہوئے کام اندر شفقہ کار میں پڑی ہوئی الجھنوں کو چٹکیوں میں حل کر لیتے۔ راقم الحروف جب دیوبند سے فارغ ہوا تو ایک بار دلی میں اپنے مکان پر ٹھہرے فرمایا کہ اب کیا کرے گا؟ میں نے عرض کیا کہ آپ کا جو مشورہ ہو، — فرمایا:

”اگر میرا مشورہ مانتا ہے تو کھتولی غلغ مٹھ کر چل، وہاں زمین کا

ایک قطعہ لے دوں گا، چھپر ڈال لے، اور مدرسہ ”انورہ“ کا افتتاح

کر دے، میرے دو بیٹے محمد احمد اور سعید الرحمن تیرے ساتھ رہیں گے۔“

اس عجیب و غریب تجویز پر میں سالت و سامت رہ گیا، مولانا نے حسب دستور دائرہ کی خم دے کر دانتوں میں دبایا، اتنی نظریں میرے چہرے پر ڈالیں اور فرمایا اچھا تیرے سمجھ میں نہیں آئی، چلی کوئی اور بات کر!۔۔۔

خدا نے تمہارے لئے انھیں سیاست و فراست اور تدبیر

اصابت رائے | تدبیر کی جو غیر معمولی صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں اور جن سے

وہ ملکی مسائل میں کام لیتے ان کی تو عام طور پر شہرت ہے، مجھے تو یہ بتانا ہے کہ مردم عام معاملات میں بھی اصابت رائے اور عاقبت اندیشی کے جوہر سے غانی نہیں تھے، چنانچہ

طالب علمی سے فراغت کے بعد میرے شفیق استاد داد خان صاحب نے مولانا قاری صغریٰ صاحب مرحوم نے شہرت مولانا فخر الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں خاکسار کا پیغام دیا۔ ان ہی دنوں دہلی کا سبز ہوا تو مرحوم مجھ سے دریافت فرماتے لگے کہ شادی کے بارے میں کیا سوچا ہے؟ میں نے قاری صاحب مرحوم کی اسی تجویز کا ذکر کیا۔ سنتے ہی ایک سترہ تین شخصیت کا نام لے کر فرمایا کہ ”وہ اس میں مخالف رہیں گے اس لئے اس خیال کو چھوڑ دو“

بعد کے واقعات، نے مرحوم کی اصابت رائے کی تصدیق کر دی۔ انہیں خانوادہ انوری کے ساتھ غیر معمولی شفقت تھی۔ مجھے اپنی زندگی میں کوئی ایسا موقع یا دن نہیں پڑتا کہ ان سے ملاقات ہوئی ہو اور انہوں نے خالی ہاتھ آنے دیا ہو۔ والدہ مرحومہ ایک زمانہ میں لدھیانہ کے مشہور میڈیکل ہسپتال میں زیرِ علاج تھیں، رقم بھی ان کے ساتھ تھی۔ اتفاقاً عید وہیں آگئی۔ مولانا مرحوم نے جس طرح کے مہوسات اپنے بچوں کے لئے تیار کیے اس سے زائد قیمتی اور اعلیٰ خاکسار کے لئے بھی تیار کئے اور جب امر تقویٰ کے اظہار کے لئے قلم حرکت کرتا ہے تو یہ اختیارات اپنے والد ماجد قدس سرہ علامہ کشمیری کا وہ مشہور قول یاد آتا ہے:

”مجھے ہندوستان میں صرف دو ہی دفن دار خاندان ملے، ایک جمیور

میں مولانا مشیت اللہ صاحب مرحوم اور پنجاب میں مولانا

حبیب الرحمن لدھیانوی کا۔“

آج کل اب یہ دونوں تودہ خاک کے نیچے مدّت خواب ہیں۔ اور ”خانوادہ انوری“ کے منصبین کی فہرست میں ان اہم شخصیتوں کا فقدان ہے۔ والد ماجد بڑی مولانا حبیب الرحمن مرحوم کے ساتھ خاص تعلق رکھتے۔ مرحوم جس زمانے میں جیل میں ہوئے اور والد ماجد کا پنجاب کا سفر ہوا تو یہ ناممکن تھا کہ لدھیانہ میں مولانا حبیب الرحمن کے مکان پر



قشریہ فرمانہ ہوں شورش دارالعلوم کے بعد جب کشمیر سے دیوبند مراجعت فرما رہے  
 تھے تو اس زمانے میں مولانا مرحوم ملتان سینٹرل جیل میں اسیر تھے۔ والد مرحوم نے ملتان  
 کا سفر فرمایا اور جیل ہی میں ان سے ملاقات فرمائی۔ اب اخلاص و محبت، بزرگانہ شفقت و  
 مودت کے یہ بلند و بالا مینار زمین کے برابر ہو چکے اور ان کی تصاویر کی وساطت سے جو  
 پس ماندہ محروم قسمت حلقے کے ذہنوں میں ہے صرف اتنا سن لیتے ہیں  
 سے ڈھونڈو گے ہیں ملکوں ملکوں، ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم  
 بغیر موجس کی حسرت و غم اے ہم نفسودہ ثواب ہیں ہم  
 النظر شاہ۔ ۳۱ جنوری ۱۹۷۵ء



## تجلی کا پھر منتظر ہے کلیم

دلِ طور سینا دُفاراں دو نیم	تجلی کا پھر منتظر ہے کلیم
مسماں ہے توحید میں گرم جوش	مگر دل ابھی تک ہے زنا پر پوش
تدین، تصوف، شریعت، کلام	بتانِ عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی	یہ امت روایات میں کھو گئی
وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مرد	حمیت میں یکتا محبت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا	یہ سالک مقامات میں کھو گیا

بھی عشق کی آگ اندھیر ہے  
 مسماں نہیں راگھ کا ڈھیر ہے  
 حبیب بہ زبان اقبال

# مولانا حبیب الرحمن حضرت عمر فاروق کے کردار کا عکس ہے

امیر الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ قرونِ اولے کے مجاہدین کا مجسم نمونہ تھے۔ ملک کو غیر ملکی پنجہ استبداد سے چھڑانے کے لئے قیہ و بند کی صعوبتوں کو بیک کہا اور ہر قسم کی قربانی کو لبیک کہنے سے کبھی گریز نہیں کیا۔ اس سلسلہ میں نہ صرف غیر ملکی حکمرانوں کے خلاف وہ ہمیشہ بہادر رہے بلکہ خود اپنوں کی مخالفتوں اور ایذا رسانیوں کا بھی نشانہ بنے رہے۔ ان میں یہ خوبی تھی کہ ان کو صبر کے ساتھ برداشت کرتے اور خندہ پیشانی کے ساتھ پریشان کن حالات کا سامنا کرتے رہے۔

مجھے اس بات پر فخر ہے کہ انھوں نے میری سیاسی تربیت اور رہنمائی پر خصوصی توجہ مبذول فرمائی۔ غلطیوں پر تنبیہ اور صحیح عمل پر داد تحسین سے ہمت افزائی ان کی خاص عادت تھی۔ وہ بلا کسی جھجک کے حق گوئی میں پس درپیش نہ کرتے تھے۔ وہ صائب سیاست داں اور مستقل مزاج رہتا تھے۔ ان کی زندگی کے واقعات اس کے شاہد ہیں کہ قدرت نے انھیں بصیرت، تدبیر، معاملہ فہمی اور دور بینی کی اعلیٰ صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں۔

انھوں نے مجلس احرار ہند کے صدر کی حیثیت سے اپنے فرائض کو جس طریقہ پر انجام دیا اور ضبط و نظم کو جس صورت میں قائم رکھتے ہوئے مخالفتوں کے طوفانوں کا مقابلہ کیا اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے۔ کم ہے۔ حضرت امیر شریعت مولانا سید

عطا اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے تعلقات بہت زیادہ گہرے تھے، اور حضرت شاہ صاحب ان کی رہنمائی اور عملی حقیقتوں سے غیر معمولی طور پر متاثر تھے۔ اس لئے ان کی رائے کے مطابق عمل کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ آج بھی میرے کانوں میں حضرت شاہ صاحب کے الفاظ گونج رہے ہیں۔ انھوں نے ایک موقع پر حضرت مولانا صاحب کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ مولانا حبیب الرحمن حضرت عمرؓ کے کردار کا عکس ہیں میرا متعدد بار کا مشاہدہ ہے کہ احرار کے اجتماعات کے موقع پر ہمیں مذاق ہو رہا ہے۔ کہ حضرت مولانا قسطنطین لے آئے تو سب مودب ہو گئے اور ایسا معلوم ہوا کہ پوری مجلس ان کے رعب اور نبرہ کی سے متاثر ہے۔

درحقیقت مولانا مرحوم کی زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب ہے۔ ان کا یہی کردار بے داغ اور اتنا اعلیٰ تھا کہ اس کی بنا پر ان کا مقام ہندوستان کے چوٹی کے لیڈروں کی صف میں رہا۔ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ راشٹریا مہاتما کانڈو جی ہوں یا پنڈت جواہر لال نہرو ہوں، مولانا ابوالکلام آزاد ہوں یا سبھاش چندر بوس، سردار پٹیل ہوں یا ڈاکٹر راجندر پرشاد ہوں۔ ہر ایک ان کی عزت و قدر کرتا تھا اور مولانا مرحوم حسبِ عادت ان سے صاف گوئی کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے۔

اس موقع پر ایک واقعہ کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں۔ انفرادی سبب گروہ کی تحریک کے زمانے میں لکھنؤ سے مجھے مسٹر وھی احمد مرحوم نے تاروے کر بلایا اور بتایا کہ مسٹر رفیع احمد قادیان مرحوم کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ قادیان صاحب سے میری ملاقات ہوئی۔ انھوں نے فرمایا کہ اس تحریک میں احرار بھی حصہ لے رہے ہیں لیکن ان باتوں کی طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے۔ میری رائے اور مشورہ احرار لیڈروں تک پہنچا دیا جائے۔ جس کا میں نے وعدہ کیا اور لدھیانہ حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے جو گفتگو ہوئی تھی عرض کی۔ تب مولانا مرحوم نے ان لیڈروں کے اجتماع



کالاہور میں انتظام فرمایا کہ جو جیل سے باہر تھے۔ بحث و تمحیص کے بعد قدوائی صاحب  
 سے مل کر مزید گفتگو کرنے کی تجویز منظور ہوئی۔ حضرت مولانا مرحوم اور میرے یہ کام  
 سپرد کیا گیا۔ لیکن واپس پر میں بیمار ہو گیا اور سپہارن پور سے حضرت مولانا پہلے لکھنؤ  
 جا کر قدوائی صاحب سے ملے اور پھر قدوائی صاحب نے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب  
 وغیرہ سے جو جیل میں تھے مولانا مرحوم کی ملاقات کا انتظام کیا۔ چنانچہ بات چیت  
 کے بعد ایک مسودہ تیار ہوا جس کی آخری منظوری مہاتما جی سے منگوانے کا پروگرام بنا۔  
 ان تجاویز میں ایک بات یہ بھی ملے پائی تھی کہ غیر ملکی حکومت سے اگر کسی وقت کوئی غلط  
 ہوگی تو اس میں احرار کے نمایندگان کو بھی شامل کیا جائے گا۔

لیکن اس گفتگو کی بات الہ آباد کی سی آئی، ڈی کو معلوم ہو گئی۔ چنانچہ مولانا  
 مرحوم کو واپسی پر لاہور میں اور قدوائی صاحب کو لکھنؤ میں گرفتار کر لیا گیا۔ اگر کہیں اب  
 نہ ہوتا تو ملک کی صورت آج کتنی مختلف ہوتی یہ نہیں کہہ جاسکتا۔

مولانا مرحوم کی کئی اہم موقعوں پر رہنمائی نہ سرگرمیوں کی اور بھی کئی مثالیں پیش  
 کی جاسکتی ہیں۔ ایام مانسی کا تصور کرتا ہوں تو بہت سے واقعات آنکھوں کے سامنے  
 جاتے ہیں۔ کبھی فرصت میں ضرور کچھ لکھوں گا انشاء اللہ۔ اس موقع پر تو اسی پر کتنا  
 ریتا ہوں۔ برادر محترم مولانا عزیز الرحمن صاحب جامعہ کا حکم نامہ ملا۔ اس لئے یہ پسند  
 منظور کر کے بھیج رہا ہوں۔ بحث کا زمانہ نہ ہونے کے باعث فرانسس منشی کی انجام دہی کی  
 مصروفیات سے اتنا وقت بھی بہ دشواری نکالنے میں کامیاب ہوا ہوں۔

محمود علی نماں

وزیر اوقاف، حکومت یوپی۔ لکھنؤ

۲۸ فروری ۱۹۴۵ء

## حبیب ہند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیز گرامی مولانا عزیز الرحمن جامی اپنے والد محترم مولانا حبیب الرحمن رحمہ اللہ کے بارے میں دوسرے لوگوں کے تاثرات پر ایک کتاب ترتیب دے رہے ہیں۔  
ظاہر ہے کہ اس میں بڑے لوگوں کے خیالات و تاثرات درج ہوں گے اور میں  
حضرت مرحوم کے سامنے صرف ایک کارکن اور طالب علم تھا، پھر میں کیا اور حضرت  
رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق میرے تاثرات کیا ؟

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت رئیس الاحرار کی ذات گرامی کے بارے میں اگر  
کسی کے تاثرات قلبی اور حقیقی ہو سکتے ہیں تو وہ ایک قومی کارکن ہی ہو سکتا ہے، کیونکہ  
مولانا لدھیانوی کی انسانی عظمت اور اسلامی اخوت کے گہرے جذبات کو بے پردہ  
دیکھنے اور برتنے کا موقع بڑے لوگوں کے مقابلے میں چھوٹے کارکنوں کو بہت زیادہ ملتا  
بلاشبہ کے عرض کر رہا ہوں کہ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے شکار  
ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے بڑے لوگ بھی تھے۔ لیکن بلالؓ و عمارؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
کی انسانی عظمت کا جس کھلے رنگ میں مشاہدہ کیا وہ بس اپنی خوش قسمتوں کا حصہ تھا۔  
یہی وجہ ہے کہ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کے بعد بڑے لوگ تو باہوش و  
حواس زندہ رہے لیکن بلالؓ و اہودرؓ زندگی سے بیزار ہو گئے۔

میں مدرسہ عالیہ فتح پوری کا ایک طالب علم تھا کہ مجھے اپنے محلہ کٹرہ شیخ چاند کی  
ایک تقریب میں مولانا کو پہلی بار قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔  
یہ غالباً ۱۹۳۹ء کا واقعہ ہے۔

دل کنویں پر علاقہ کی مجلس احرار کا جھنڈا بہانے کی رسم مولانا مرحوم نے دئی۔  
 میں اس وقت علاقہ کی احرار کا سکریٹری تھا، اس کے بعد چار پارٹی مہینے میں  
 گرفت کر لیا گیا۔ مورثا نے نہایت بے تکلفی اور محبت سے فرمایا  
 اچھا، تم سکریٹری ہو، آؤ، میرے پاس آؤ۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ مولانا کے ان جملوں میں کتنا پیار تھا، کتنے خلوص تھا، ان  
 کتنے اثر تھا۔ مولانا کے اس پیار نے مجھے احرار کی سرشت وردی پہنا دی۔ میرے ٹھکانوں  
 میں دونوں قسم کے خیالات موجود تھے، سخت قسم کے احمدی اور جمعی بھی تھے۔  
 نہایت کٹر قسم کے مسلم بھی تھے۔

میرا مذاق اڑا پا گیا، برا بھلا بھی کہا گیا، لیکن حرار کی سرخ وردی پہن کر میں بلا  
 مارچ کرتا تھا، کیونکہ مورثا کی حوصلہ افزائی اور محبت نے مجھے دیوانہ بنا دیا تھا۔  
 ساتھ دلی کے اچھے اچھے گھرانوں کے لڑکے بھی اسی فیشن میں نہایت

تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مولانا مرحوم اور احرار کے دوسرے رہنماؤں کی اس شخصیت  
 کا جواب نہیں تھا۔ ان حضرات نے مسلم غور کو قومی تحریکات میں شامل کیا، انہوں نے  
 آگے بڑھایا، اٹھنا کاروں میں لیڈری کی صلاحیت اور حوصلہ پیدا کیا اور علم لڑواں  
 انہی حضرات کی عوامی محبت سے میدان میں نکلے۔

ہمارے علماء کرام اپنی مذہبی عقیدت سے ایک طبقہ کو غور متاثر کرتے تھے لیکن  
 عوامی جوش و خروش اسی تحریک کی بدولت پیدا ہوتا تھا۔

حضرت لدھیانوی کا وہ دور جو سیاسی رہنمائی، تدریس و جرأت اور قربانیوں کا  
 بے مثال دور تھا، اس کا بڑا حصہ راقم نے دور سے دیکھا، البتہ شگبہ کے انقلاب  
 کے بعد جب مولانا نے دلی میں قیام فرمایا، اس وقت مجھے مولانا کی محبت بھری صحبتوں  
 سے فیض حاصل کرنے کا کافی موقع ملا۔ اس دور میں کئی دفعہ مولانا نے مجھ سے فرمایا:



”مولوی صاحب! میرے پاس مسلم دوات لے کر بیٹھ جاؤ، میں لکھنے پڑھنے سے آدمی

نہیں ہوں، بعض مذہبی مسائل پر میں نے بہت کچھ سوچا ہے اسے میں لکھوانا چاہتا ہوں۔“  
مولانا مرحوم مذہبی مسائل پر بھی جب اپنے مخصوص انداز میں چند جینچے تلے جملے فرمایا کرتے تھے  
تو ان میں بڑی دینی بصیرت اور دینی فہم نظر آتا تھا۔ لیکن افسوس کہ میں مولانا کو وقت نہ دے سکا۔

غائب شہد کا واقعہ ہے کہ ماہنامہ دارالعلوم میں میرا ایک مضمون ”حیات النبی“ پر

چھپا تھا۔ مولانا نے اس مضمون کو پڑھا۔ اس کے بعد میں مولانا کو راستہ میں مل گیا،

حسب عادت مولانا میرا بازو دیکھ کر اپنے ساتھ لے گئے۔ دولت خانہ پر مجھ سے فرمایا، تم کہاں

بھنس گئے ہو؟ یہاں سے پاس کیوں نہیں آتے۔ تم نے حیات النبی پر اچھا مضمون لکھا ہے لیکن

یہ تو بتاؤ کہ حیات النبی کی حقیقت کیا ہے؟

جہاں تک روح کا تعلق ہے وہ تو مومن اور کافر دونوں کی مرنے کے بعد بھی زندہ

رہتی ہے، جسم بعض صالح کار کا بھی قبروں میں محفوظ رہتا ہے،

مولوی صاحب! میں نے بہت غور کیا کہ پھر حیات النبی کی حقیقت کیا ہے؟ تو بھائی

میرے سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اپنی امت کی طرف حیات ظاہری

سے بھی زیادہ نبوت کے ساتھ آج بھی جاری ہے۔

یہی حیات النبی کی حقیقت ہے

پھر مولانا مرحوم نے حضرت مجدد صاحب کے ایک مکتوب کا حوالہ دے کر فرمایا:

”میرے صاحب نے توجہ انی الحق اور توجہ الی الخلق پر ایک مکتوب میں بڑی وضاحت سے

لکھا ہے، بھائی اب اس مسئلہ پر دوبارہ لکھو۔“

دعائی میرے سامنے ایک نئی راہ کھل گئی تھی،

مولانا مرحوم اخلاقی جہات میں بھی اپنے ہم عصروں کے اندر ممتاز مقام رکھتے تھے،

اس سلسلہ میں ایک واقعہ مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔

دہلی کے ایک دینی مدرسہ کا سالانہ جلسہ تھا، جماعت کے دوسرے بزرگوں کے  
 علاوہ حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ بھی موجود تھے۔ انہوں نے اپنی کچھ راضی دینی  
 مدرسوں اور جماعتوں کے لئے وقف کی تھی۔

جلسہ میں مولانا احمد سعید صاحبؒ نے اپنے مخصوص لچھے دار انداز بیان میں  
 ان رئیس صاحب کی تعریف کی، شاید اس مدرسہ کے ہستم صاحب نے مولانا سے کہا تھا  
 کہ آپ ان رئیس صاحب کو میرے مدرسہ کی نائب بھی توجہ دلائیے گا۔ اس لئے مولانا  
 نے ان کی فیاضی کو سراہا اور تعریف کی،

مولانا کے بعد رئیس ان حرا رکھڑے ہوئے اور قرآن کریم کی فضیلت بیان کرتے  
 ہوئے جہل میں آگئے اور فرمایا:

”اسلام نے اس امت کو بہت کچھ دیا ہے، یہ امت اس کا حق ادا  
 نہیں کر سکتی، پھر اسلام کی خدمت پر دولت مندوں کی تعریف  
 کیوں کی جاتی ہے۔“

رُہا پے اور بیماری کی نقابت کے باوجود وہ لشکر کا شیر گرجنے لگا اور علماء کرام کی متغنا  
 و رتن امت کا سبق دے کر بیٹھ گیا۔ میں نے مولانا احمد سعید کی طرف دیکھ کر ان پر  
 یا اثر ہے تو مولانا سر جھکائے مسکرا رہے تھے۔

یہ چند سطریں ایک نیاز مندر کے مخلصانہ تاثرات ہیں، درمیان کہاں اور وہ  
 شہید دل عالم دین اور خود دار مجاہد وطن کہاں ؟  
 رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ

آج ہم، ملک سے غریبی ہٹاؤ کا نعرہ سنتے ہیں لیکن وطن دوستی کی ان مثالوں کو  
 مٹانے کے درپے ہیں جو مثالیں یہاں کے خواص و عوام لیڈر زیل اور ضبٹا گویا ننداری  
 سادگی اور قربانی کا سبق دیتی ہیں۔

بچہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ملک سے غریبی کیسے دور ہوگی جب کہ اوپر سے لے کر نیچے  
 تک مفاد پرستی اور تعیش کی زندگی کا دور دورہ ہے۔

آزادی کی تاریخیں لکھی جا رہی ہیں۔ آزادی اور جمہوریت کے جشن منائے جا رہے  
 ہیں مگر نہ ابوالکلام آزاد کا ذکر ہے، نہ حسین احمد مدنی اور حبیب الرحمن لدھیانوی کا۔  
 جس نے زندگی کا تمام سرمایہ وطن عزیز کی آزادی پر قربان کر دیا۔ جیلوں میں اپنی صحت  
 برباد کی۔ اپنا گھر بار لٹا کر اپنے آپ کو سربلندی بنالیا۔

کیا ہمارے جمہوری حکمران اس پر توجہ کریں گے کہ آزادی کے جن پر جانوں کو  
 ہر سطح پر قربان کیا جا رہا ہے انھیں آگے لایا جائے۔ ان کی قربانیوں کو اجاگر کیا جائے  
 ان کی زندگی کو بطور سبق کے نئی نسلوں کو پڑھایا جائے۔

اخلاق حسین قاسمی دہلوی ناظم جمعیتہ علماء ہند دہلی  
 ۲۷ جنوری ۱۹۷۷ء



## یہی ہے شان قلندری

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

میرا عیش غم، میرا شہد سم، میری بود ہم نفس عدم  
 تیرا دل حرم، گردِ غم، تیرا دیں خریدہ کا فری  
 دم زندگی، رم زندگی غم زندگی، سم زندگی  
 غم رم نہ کر، سم غم نہ کھا کہ یہی ہے شان قلندری  
 (اقبال)



# ایسی جنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی

پچاس برس پہلے کا تصور کرتے ہی ذہن و دماغ میں ایک عظیم کش مکش ایک عظیم  
سیاسی جدوجہد اور ایک عظیم انقلابی بیداری کے نقوش ابھرتے ہیں۔

یہ وہ دور تھا جب ہندوستان کی سرزمین مقدس ایک جہنم زار بن چکی تھی۔  
پاروں طرف بغض و منافرت کا واساک رہا تھا۔ برٹش حکومت کے یہاں نہ جو ر و تشد  
نے بھڑکتے ہوئے ستھلوں نے پورے ماقول کو جھلس کر رکھ دیا تھا۔ ایک طرف جذبہ وطنیت  
ورسوز بغاوت سے کھجکتے ہوئے انسانوں کے دماغ تھے اور ایک طرف توپ و تنگ  
کے کھلے ہوئے دھانے تھے۔ ایک طرف قہر و جبروت کی حکمرانی تھی اور ایک طرف ہزار ہا بیکسوں  
و غلاموں کے برہنہ سینے تھے۔ ایک طرف وحشت اور بے ہریت سے بھری موت کا مورچہ  
دن آتش میں تھیں اور ایک طرف توکل علی اللہ اور نور ایمان سے دھلتی ہوئی ہزار ہا بیکسوں  
روئے والی تابناکیاں تھیں۔

ایسے حوصلہ شکن اور موت فرسا ماحول میں فرنگی، قتل راہ کو پیچھا دینے کے لئے دن  
و گ آگے بڑھ سکتے تھے جن کے ارادوں میں پہاڑوں کا استقلال دیاؤں کا لڑا شر  
ور میں انوں کی سی وسعت تھی۔ جن کے کرداروں میں بلندی و پاکیزگی اور فوں کی قوت  
نہاں تھی۔ جنہیں رواداری، روشن خیالی، وسعت نظر قلب پر سوز، محبت اور انسان دوستی  
نہشہ میں لی تھی۔

مولانا حبیب الرحمن لڑھیا لویٰ ایک ایسے ہی خاواد ذہم و فضل کے چشم و چراغ  
تھے۔ جس کے کردار اور فکر و عمل سے تاریخ نے خیم لیا ہے۔ ان کے پروردگار حضرت مولانا  
شاہ عبدالقادرؒ ۸۵۷ھ کی جنگ آزادی کے وہ مجاہد تھے جنہوں نے انگریزوں کے خلاف

فتویٰ دے کر معذرت اہل و عیال لڑائی میں شرکت بھی اور ایک بار شہر لدھیانہ میں متوازی حکومت قائم کر دی تھی۔ پھر آپ کے دادا حضرت مولانا محمد صاحبؒ بھی زندگی بھر جہادِ حق کی علم برداری کرتے رہے۔ آپ کے دادا مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے بھی تادمِ آخر اسی شہر کو فرداں رکھا۔ گویا آزادی کا یہ جذبہ گھر کی پرانی روایت بن گیا تھا۔

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی جس دور میں پیدا ہوئے تھے اس نے جہادِ گاندھی، لالہ لاجپت رائے پنڈت جواہر لال نہرو، سردار پٹیل، مولانا آزاد، رفیع احمد دال، آصف علی، ڈاکٹر انصاری، حکیم اجمل خاں صاحب، مولانا محمد علی جوہر، مولانا احمد سعید صاحب، ورشیخ الاسلام مولانا حسین احمدؒ وغیرہم کو دنیا کے سامنے پیش کیا تھا، ادویہ پوری کی پوری صفائی ایسے ہی ”دلوزادانوں“ کی صفائی، جس نے نفی سے اثبات کے عظیم مہکل اور تھی دامنوں سے عظمتوں کے مجرّ العقول گنبد تعمیر کر دیئے تھے۔

مولانا ۱۹۱۳ء میں کانگریس میں شامل ہوئے اور پنڈت جواہر لال نہرو کے

الفاظ میں :-

”وہ ایک جہادِ سچائی کی حیثیت سے ہماری جنگِ آزادی کی

تحریک میں ادا کئے جانے کے قابل ہیں“

”اگست ۱۹۲۲ء میں مولانا کے گھر کے تمام سامان کی نیلامی“ ۱۹۲۹ء میں لدھیانہ

شہر میں گورنر پنجاب کے گورنری دربار کا بائیکاٹ“ ۲۶ جنوری ۱۹۲۹ء کو ڈپٹی کمشنر

کارنر سے فون پر گفتگو“ ۱۹۳۱ء کے کانگریس اجلاس میں کامل آزادی کی تحریک پر بحث۔

یہ مارنے والوں کی حمایت میں گاندھی جی سے شدید تکرار اور پنڈت نہرو کے خیال کی تائید

”۱۹۳۸ء میں عدالت کے دو برو بیان“ نہرو حبیب خط و کتابت“ ”کرپس“

جہادِ گاندھی، سو بھاش چندریوس، مولانا ابوالکلام آزاد اور محمد علی جناح جیسی ہستیوں

سے مولانا کی خط و کتابت اور ملاقاتیں ایک تاریخی اہمیت رکھتی ہیں اور یہ وہ کارنامے ہیں

جنہیں آنے والا مورخ یقیناً فراموش نہیں کر سکے گا۔ جہاں شہ کرشن ایڈیٹر روزنامہ  
پتاپ رقم طراز ہیں :-

”بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ جنوری ۱۹۴۷ء میں جہانما گاندھی جی  
نے مرن بہت کیوں رکھا مولانا حبیب الرحمن نے مجھے سنایا کہ وہ جہانما  
جی کے پاس گئے اور کہا ہمارے دوستش جانے کا انتظام کر دیں ،  
میرے جیسے لوگ پاکستان میں رہیں یہ خارق از بحث ہے اور ہندوستان  
میں ایسے حالات پیدا ہو رہے ہیں کہ ہمارا رہنا مشکل ہے جہانما جی  
نے کہا آپ کے سوال کا جواب کل دوں گا۔ دوسرے دن انھوں نے  
بھوک ہڑتال کا اعلان کر دیا۔“

لیکن اتنی عظمت اور اتنی رغبت کے باوجود مولانا کی ذات سوس عز و جاہ سے  
ہمیشہ بے نیاز رہی۔ اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں ان کو کتنے ہی جاں سوز مراہل سے  
گزرنا پڑا۔ پے بہ پے قید و بند کی صعوبتیں بھیلنی پڑیں۔ مگر انھوں نے ہر جادوہ دشوار  
کو نہایت خندہ پیشانی سے عبور کیا۔ عصاب و آلام کی زبردست سے زبردست یوشن  
بھی ان کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہ کر سکیں۔ ۱۹۴۷ء کی فرقہ وارانہ  
آگ کی لپٹوں نے جب لہر صیانہ ستہر کو گھیرا تو مولانا کو بھی اپنا آبائی وطن اور گھربار  
سبھی کچھ چھوڑنا پڑا۔ لیکن ان کی زبان پر کبھی بھی بے مہر یاران وطن کا شکوہ نہیں  
آیا۔ ان کی زندگی عبور و رضا اور جواں مردی کا مکمل نمونہ تھی۔ بقول پنڈت جواہر لال نہرو :-  
”میں نے مولانا حبیب الرحمن لہر صیانہ قوی فی ہمیشہ اس لئے عزت و  
تحریر کی کہ ان میں اپنے عقیدے پر مستقل مزاجی اور مضبوطی سے قائم  
رہنے کی جرات تھی۔“

مولانا بیک لمحہ ایک منظر ایک سیاسی رہنما اور ایک عظیم انسان تھے۔ انھوں نے



میں غفلت کے سرشاروں کو اتنی طاقت سے جھنجھوڑا کہ ان میں سویا ہوا حب الوطنی کا لہجہ  
ہوا جذبہ جاگ اٹھا۔

آخر میں مولانا کے فرزند جلیل جناب عزیز الرحمن صاحب جامی لدھیانوی  
ڈاکٹر تبیلہ سماجی مرکز اردو دی شیر فگن مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اپنے  
والد کی سوانح ”رہنمائی ال تراجم مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی“ مرتب کر کے نہ صرف  
ان کی زندگی کو روشن اور واضح طور پر پیش کیا ہے بلکہ ہندوستان کی جنگ آزادی  
کے ایک سارا کے کارناموں کو بجا کر دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی بہت سی تاریخی  
نہروں کو بھی پورا کیا ہے اور آئے زمانے دوسری تاریخ جنگ آزادی کے مورخ  
کی زبردست مدد کی ہے۔ اس کو اس کتاب سے بہت سے دستاویزی ثبوت مل سکیں گے  
جن سے مسلمانوں پر ہندوستان کو تقسیم کرانے کے یہود اور یکطرفہ الزام کی نفی و  
تہذیب مورتی ہے۔

اطہر صدیقی ندوہ بند  
۱۳ اگست ۱۹۶۱ء

## نری خاک میں ہے اگر شر

نری خاک میں ہے اگر شر تو خیالِ فکرِ غنا نہ کر  
کہ جہاں میں تانِ شیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری  
نہ ستیزہ گاہ جہاں نہی، نہ حریت پنچہ فگن نے  
وہی قدرتِ اسدِ الہی، وہی رحمتِ دہی ہستی  
کرم اے شہِ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظرِ کرم  
وہ گرا کہ تو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغِ سکندری

# حبیب دوست کی پیشین گوئی

مولانا حبیب الرحمن صاحب سے مجھے نیاز منسل ہوا۔ نیوسنٹرل میں ۱۹۳۲ء میں تو پچیس ماہ کی قید کاٹ کر رہا ہو گیا مگر مولانا صاحب کی قید میں ایک دفعہ کجرات جیل میں بھی رہنے کا اتفاق ہوا۔

ان دنوں کی حبیب یاد آتی ہے تو ایسا لگتا ہے کہ ہماری زندگی کے دو سنہ سے ملتی تھیں۔ ایسی بستیوں کے ساتھ جیل میں ہی نفیب ہو پاتا تھا جن کی صحبت سے ممتی تھی وہ مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ چنانکہ بزرگ تھے اور جیل کے غیرہ ان کی عزت کرتے تھے۔ ہم لوگوں کے کام میں دل چسپی لیتے تھے۔ سن کوئی وقت ہوتی تو ان کے ذریعے دور کر لیتے۔ اکثر جیل میں سیاسی پیش رفتی تو مولانا اپنی وضاحت کرتے کہ ہم مسلمان ہو جاتے۔ جہاں تک اصول ملحق تھا شاید مولانا ان چند لیڈروں میں سے تھے جن کے اصول بدلتے نہیں تھے۔ وہ موقع پرستی اور موقع پرستوں سے نفرت کرتے تھے۔ ملک کی آزادی کے لئے ہائی کو کم نہیں سمجھتے تھے۔ وہ ایک پتہ مسلمان اور بیکہ بندوستانی تھے۔ ملک آزادی کا مولانا کو پٹا یقین تھا۔ وہ کبھی ڈمگائے نہیں۔ کہتے تھے ہماری زندگی میں ملک آزاد ہوگا۔ ایسا ہی بنا بھی، مگر اسوس ملک کے جو کڑے ہوئے اس نے آزادی کے مزے کو کراہی کر دیا۔ پائیمیشن کے بعد مولانا صاحب اپنا دامن تیر

ہل آئے تھے۔ اس کا ان کے دل پر بڑا سدا تھا۔ یہاں حبیب بھی ملاقات ہوئی۔ ماہر ہوتا تھا کہ وہ یہاں آکر خوش نہیں تھے۔ مجھے افسوس ہے کہ آزادی کے بعد حبیب ہاں ان کو مجیداً آنا پڑا تو ان کو وہ ممت نہیں ملا جو ان کا تھا۔ موقع پرستی کا زہر

ہو گیا اور حقیقی وطن پرست لوگوں کو پیچھے دھکیل دیا گیا۔

خیر۔ مگر ان کو شکوہ نہ تھا۔ گو ان کے دل پر گہرا اثر تھا ان سب باتوں کا۔  
یہاں آلے کے بعد اکثر میرے پاس آ جاتے اور کچھ اپنے دل کی کہہ جاتے کچھ سن  
جاتے۔ مگر ماحول ان کے موافق نہ رہا۔ جب بھی ملتے تو مجھے گلے لگا لیتے۔ کہتے تم  
نہیں بدے ڈاکٹر۔ بہت لوگ بدل گئے۔ میں کہتا کہ آپ کے قدموں کی برکت ہے۔ میں  
نہ بدلوں یہ ہی خدا سے دعا مانگتا ہوں۔

بھائی عزیز الرحمن بھی مجھ پر عنایت رکھتے ہیں۔ یہ ان کی مہربانی ہے مگر میں ہمیشہ  
اپنے کو اور جماعت کو قصور وار تصور کرتا ہوں کہ ہم بہت غصے سے ہیں چلے گئے اور  
اپنے اصولوں کو بھی بھول گئے اور ان اصولوں پر چلنے والوں کو بھی بھول گئے۔  
آج جو ملک کی حالت ہے وہ دیکھنے سے پہلے ہی مولا نا چلے گئے۔ اگر آج وہ  
ہوتے تو یقیناً ملک کی بد قسمتی پر چار آنسو بہاتے، خدا ان کو جنت نصیب کرے۔  
کاش ہم لوگ ان کے نقش قدم پر چلنے کی عداوت پیدا کر سکیں۔

خادم بدھ دیو سنگھ۔ دہلی

۲۵ جنوری ۱۹۷۷ء

## دیدہ و رپیدا

جہان بینی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی  
جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا  
ہزاروں سال زنگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے  
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ و رپیدا

(اقبال)



# رئیس الاحرار

دیکھنے میں تو یہ ایک مضمون کا عنوان معلوم ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت یہ ایک کتاب ہے جسے مولوی عزیز الرحمن جامعی نے مرتب کیا ہے جس کی قیمت پانچ روپے ہے اور جو قلعہ سیما جی مرکز بارہ درسی شیرانگن دہلی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ لیکن میں اسے ایک مضمون کا عنوان ہی تصور کرتا ہوں اور اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہوں۔

مولانا حبیب الرحمن لہیائی نوی مرحوم کی شخصیت قیامت کی محتاج نہیں۔ وہ ہماری قومی زندگی کے ایک ممتاز فرد تھے۔ فکر و عمل کی بیباکی ان کا خاص وصف تھا۔ حیات ملی کی تاریخ میں ان کے گفتار و کردار کی جرأت آموزی نے اپنے لئے جگہ بنائی ہے۔ مولوی عزیز الرحمن نے ان کی سوانح کا خاکہ پیش کر کے آنے والے مورخ کے لئے بڑی آسانی پیدا کر دی ہے۔

یہ کتاب جس کا عنوان اس مضمون کا عنوان ہے بعض لحاظ سے دستاویزی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سے علماء لدھیانہ کی راست بازی اور حق پرستی کی داستان جریہ عالم پر ثبت ہوگئی ہے۔ انھیں علماء کے خانوادہ سے مولانا مرحوم کا تعلق تھا۔ مولانا نے اپنے خاندان کی شان دار روایات کو بڑی بے جگری کے ساتھ زندہ رکھا۔ فتویٰ نصرة الابرار کی تاریخی اہمیت کا اندازہ بھی اس کتاب کے مطالعہ سے خوب ہوتا ہے اور علماء لدھیانہ کا وہ موقف بھی بخوبی سمجھ میں آجاتا ہے جو علی گڑھ کے سیاہی موقف کی ضد تھا۔

اس کتاب میں ایک ضمنی عنوان ہے موازنہ سیدین، اس کے تحت کسی منکر کے قلم سے سرسید احمد خاں اور سید جمال الدین افغانی کی نظریاتی آئینہ کشی کا



کبھی کوئی تحریک نہیں شروع کی گئی تھی۔ دونوں تہذیبوں کا بنیادی اختلاف اپنی جگہ برقرار تھا۔ سیاست کے نشیب و فراز کے ساتھ یہ اختلاف کبھی دب جاتا تھا اور کبھی ابھرتا تھا اور اس طرح اختلاف وراثی اور کانشیب و فرزند قوم رہتا۔ ہندوستان کے قوم پرست (ان قوم پرستوں میں خاص سیکولر نقطہ نظر کے حامل محسن چندر انور۔ ہی رہے ہوں گے) اس بلندی اور پستی پر کبھی خوش ہوتے تھے اور کبھی ریکارڈ دوسرے کو مورد الزام ٹھہراتے تھے۔ سیاسی ہنگاموں میں اس کی فرصت کسے ملتی تھی کہ وہ اس مرض کا سبب تلاش کرے اور اسے دور کرنے کے لئے قومی پیانے پر کوئی سوچی سمجھی تحریک چلائے، نتیجہ وہی ہوا جو ہونا تھا۔ یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کا ہندو اختلاف قائم رہا اور جب اہم فیصلہ کا وقت آیا تو ہندوستان کی تقسیم عمل میں آگئی۔

اس کتاب میں تقسیم ہند کا سیاسی پس منظر سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، مگر اس کی نوعیت ناقضاتی ہے۔ فکری و ذہنی کم ہے اور ظاہر ہے کہ کسی کی سوانح حیات و افکار ہی کا ذخیرہ ہوتی ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ مولانا مرحوم جیسا صاحب فہم و فراست کیسے اس اہم مسئلہ کو نظر انداز کر گیا اور مرتب نے کس طرح اسے گوارا کیا کہ اس بنیادی مسئلہ کو فراموش کر دے۔ خاص طور سے اس لئے بھی کہ آج تقسیم ہند کے تیرہ سال بعد بھی کم و بیش وہی صورت حال ہے جو تقسیم سے پہلے تھی۔ کانگریس پہلے بھی قومی ہم آہنگی کے میدان میں ناکام رہی تھی اور آج بھی وہ اسی صورت حال سے دوچار ہے۔

افغانستان میں غازی امان اللہ خاں کے خلاف جب بغاوت کرائی گئی اور طاقت نا انڈیش ملاؤں نے جب مذہب کے نام پر غازی کے خلاف جہاد بول دیا تو مرکزی خلافت کمیٹی بھی اس رو میں بہہ گئی اور اس کے رہنماؤں نے اپنی سادہ لوحی کے سبب انگریزی سیاست کے ہاتھ میں کھیلنا شروع کیا تو مولانا حبیب الرحمن



لدھیانوی مرحوم کی فراست نے معاملہ کی اصل نوعیت کو سمجھ کر مرکزی خلافت کمیٹی کی  
 گرمی کا پروہ فاش کیا۔ اس وقت مولانا مرحوم پنجاب خلافت کمیٹی کے سکریٹری کی  
 حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ اس طرح مرکزی خلافت کمیٹی اور پنجاب خلافت کمیٹی  
 میں کشمکش شروع ہو گئی، یہاں تک کہ ۱۹۲۸ء تک ہر دو رپورٹ کے مسئلہ پر یہ کشمکش  
 اتنی شدید ہو گئی کہ پنجاب کمیٹی ختم ہو گئی۔ اس پورے ہنگامے کے دو پہلو بہت  
 اہم ہیں (۱) مولانا آزاد اور ہلی برادران کا اختلاف مسئلہ افغانستان کے سلسلہ میں  
 اور (۲) مولانا حبیب الرحمن کا موقف غازی امان اللہ کی حمایت میں، اس سے متعلق  
 کتاب مذکور میں چند خطبے ہیں جو دستاویزی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ خطوط چونکہ پہلی بار  
 سامنے آئے ہیں اس لئے کتاب کی اہمیت و افادیت تاریخی نقطہ نظر سے بڑھ گئی ہے  
 انقرض رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، اگر ایک طرف مولانا  
 مرحوم کی سوانح حیات اور ان کے مجاہدانہ کارناموں کی داستان ہے تو دوسری طرف ہماری  
 قومی تحریک کے بعض ایسے گوشوں کو سامنے لاتی ہے جو تاریخی لحاظ سے دل چسپ  
 اور سبق آموز ہیں، خاص طور سے پہلی گول مینر کانفرنس کے موقع پر ہمارے ملک کے  
 بعض قومی و نیم قومی لیڈروں کا سیاسی دیوانہ پن اور ان کی عبرت ناک تنگ نظری  
 اتنے واضح طور پر پیش کی گئی ہے کہ وطن دوستی اور قوم پرستی کے جذبہ کو شرم آتی ہے  
 مولانا آزاد نے اپنی کتاب ”ہماری آزادی“ میں بعض اہم واقعات اور ان  
 سے پیدا ہونے والے تاریخی نتائج کی طرف محض اشارے کر دیئے ہیں۔ اس کتاب  
 میں بعض تفصیلات ایسی ہیں جن سے ان اشاروں پر خاصی روشنی پڑتی ہے

ضیاء الحسن فاروقی

پرنسپل جامعہ کالج - جامعہ ملیہ اسلامیہ - ادکھائی دہلی

۱۹ جولائی ۱۹۶۲ء

# رئیس الاحرار منٹگمری جیل میں

دسمبر ۱۹۴۷ء کا ذکر ہے۔ راتم اور کچھ دوست منٹگمری سنٹرل جیل میں قید کے دن گزار رہے تھے کہ ایک اخلاقی قیدی جو ہماری خدمت پر مامور تھا، کمرہ میں دوڑا دوڑا آیا اور کہا لیجئے افغانستان کے ایک بڑے وزیر بھی قیدی بن کر آگئے ہیں انھیں شہری قیدیوں کے وارڈ میں رکھا گیا ہے۔ ہم میں سے تقریباً سب نے اس کی بات سنی اور سنی ایک کر دی۔ کیونکہ ایک تو اس کے متعلق ہمارا خیال یہ تھا کہ دہلوی ہونے کے باعث نگل سے بلبل کے پر باندھتا ہے اور دوسرے ہم اس وقت بھوک ہڑتال کی اسکیم بنانے میں اس قدر محو تھے کہ ہمارے لئے کسی وزیر کا اسیر بن جانا کوئی محنت نہیں رکھتا تھا، اور یوں بھی یہ بات کچھ عجیب نہیں تھی کہ افغانستان کا وزیر یہاں کیوں بہر حال، ایک بات تھی ہوئی۔ کچھ دن گزرے تو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ جی آپ لوگوں کو مولانا حبیب الرحمن سلام کہتے ہیں۔ احسن عثمانی نے جلدی میں پوچھا کیا ملاقات کے لئے قشرین لائے ہیں یا کہا نہیں وہ تو مفتہ عشرہ سے سرکاری جہان ہیں۔

”سرکاری جہان ہیں“

”جی ہاں“

یہیں سے یہ عقدہ کھسکا کہ افغانستان کے وزیر ہونے کا اشتباہ بھی آپ ہی پر کیا گیا تھا، مولانا کی دراز قامتی، دراز ریشی بارونق چہرہ، چال میں نمکنت اور حجازی عبا کے پہناوے نے اخلاقی قیدیوں کو مغالطے میں ڈال دیا اور کچھ انھوں نے اپنی خاص قسم کی نفسیات کے تحت بنایا کہ افغانستان کا وزیر قیدی بنایا گیا ہے۔ جن لوگوں

کو جبر خانے میں سیاسی کلاس کے قیدیوں سے ملی جلی زندگی بسر کرنے کا اتفاق ہوا ہے وہ خوبی جانتے ہیں کہ اس طبقہ کی نفسیات کیا ہوتی ہیں۔ ان کے یہاں رانی کا پہاڑ بنا لینا اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو افسانوی رنگ دینا دن رات کا مشغلہ سمجھا جاتا ہے۔ مولانا کے مشتق و سہیل دوستان ہونے کی ثبوت "نے سر پر نکالے، تو پھر طرح طرح کی باتیں بھی ساتھ ہی مانگ دی گئیں۔

خود ہمارے مشتق (قیدی خدمت گزرا) نے ہم سے بیان کیا،  
صاحب کیا پوچھتے ہو، جرمنی کے ساتھ سمجھوتہ کیا تھا، بھید کھل گیا  
اور اب دھڑلے گئے ہیں۔

خود اس بے چارے کے خیال میں، افغانستان بھی برطانوی ہند کا ایک صوبہ تھا اور افغانستان قومی راہنما، جو قانون و دفاع ہند کے ماتحت مانوڑ تھے، — مولانا کو منہ پر ہیں آئے ہونے پانچ چھ ہفتہ گزر گئے، لیکن ہمارے اور ان کے درمیان سنگ و سخت کی دیواروں کے علاوہ، قانونی دیواریں بھی مزاحم تھیں، اور حکام نے سکھانے کی آنکھائی کی وزارت کے احکام کی متابعت میں ہمارے اور ان کے قبل جول کی تمام راہیں مسدود کر رکھی تھیں — !

چند ہی دنوں میں مولانا کے رعب و دب، ٹھٹھا باٹھ، سچ دھج اور چال ڈھال نے طلسم ہوش ربا کے بعض پیراسر اسکرذاردوں کی طرح قیدیوں میں ایک خاص معرہ کی صورت اختیار کر لی اور وہ عموماً آپ کا ذکر عقیدت و احترام، خوف و ہراس اور ہیبت و حیرت سے کیا کرتے۔

ہم نے بھی اس میں اصناف ہی مناسب سمجھا اور اپنی طرف سے، زیب داستان کی سرخیاں ہینا کر دیں — !

دواڑھانی ماہ کی تنگ و دو کے بعد چوری چھپے ملاقات کا موقع پیدا ہو گیا



اور جیل خانے کے عقی حصہ میں راقم سے ملاقات ہو گئی۔ نہایت محبت سے معاف کیا۔  
 پوچھا کہ وہ لکھا پڑھی کا حال کیسا ہے۔ عرض کیا، شاعری پڑھتا ہوں، نثر لکھتا ہوں۔  
 فرمایا کیا لکھ رہے ہو؟

”احرار رہنماؤں کے سوانح زندگی“

”تمہیں کیا معلوم“

”بہت کچھ معلوم ہے، کچھ آپ مدد فرمائیے۔ اندر ہاں آپ کے ابتدائی حالات  
 کی تفصیلات درکار ہیں۔“

”میرے حالات یہ“

”جی ہاں“

لکھنؤ میں جمعہ مارچ نے کہا، ذرا جلدی فرمائیے داروغہ جی آرہے ہیں، مصدقہ  
 کیا، اور ہم ایک ہی جیل میں رہتے ہوئے ایک دوسرے سے الگ ہو گئے اور وہ لمبی لمبی  
 دیواریں ہمارے درمیان حائل ہو گئیں جو سنٹرل جیل منٹگری میں ایوان انصاف کی  
 سنگ دلی کا پتہ دیتی ہیں۔

کوئی پندرہ روز کے بعد ہمیں ایک کانپنی ملی، جس میں آپ کے لکھوائے ہوئے  
 حالات زندگی کا ایک دلائل و ثبوت تھا۔ پیشانی پر مرقوم تھا، میں کیا اور میرے حالات  
 زندگی کیا، چند واقعات ہیں، جو اس لئے لکھوائے دیتا ہوں کہ پڑھنے والوں کو  
 خبر ہو۔

یہ صحیح ہے کہ انسان کو بہت سی چیزیں سماج میں تجربہ و تعلیم سے ملتی ہیں۔ لیکن  
 بعض خصائص طبعی طور پر ایسے بھی ہوتے ہیں جو خاندان سے ورثہ میں ملتے ہیں اور اللہ  
 تعالیٰ کے لطف عمومی سے طبیعت کا حسن بن کر فطرت ہو جاتے ہیں۔ مثلاً مولانا جلیل الرحمن  
 کے پردادا حضرت مولانا عبداللہ اور صاحب رحمۃ اللہ علیہ پنجاب میں تنہا بزرگ تھے

جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف لڑھکیا نہ میں فتویٰ دیا اور چند روز کے لئے شہر میں متوازی گورنمنٹ قائم کی۔

آپ کے دادا حضرت مولانا محمد علیہ الرحمۃ نے اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس علم کو بلند رکھا۔ اور جب کانگریس نے اپنا ابتدائی ڈھنچہ تیار کیا تو ہنسن و جھانکنے کے غلام سے بھی ان کے حق میں فتویٰ دیا اور خود بھی اپنی بصیرت کی روشنی میں فرمایا کہ مسلمانوں کے لئے کانگریس کی شرکت جائز ہے۔ دراصل مرتدوں ان بزرگوں میں سے تھے جنہیں مشیتِ ربوبی اپنی شمع نور سے اطاعت و بندگی کے صلہ میں اجالا کرتی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ صفحہ ہستی پر برطانیہ سے بڑھ کر مسلمانوں کا کوئی دشمن نہیں اور وہ سمجھتے تھے کہ ہندوستان میں جو حالات پیدا ہو گئے ہیں ان کے پیش نظر ہندو مسلمہ کے اشتراک ہی سے برطانوی ظلم و فسق میں خلل ڈالا جاسکتا ہے۔

!!۔۔۔ انگریز دشمنی کا یہ ہڈی بھریا مولانا حبیب الرحمن کو ورثہ میں ملا ہے، اور یوں کہنا چاہئے کہ ان کی زندگی کے غن صرارِ بے کا ایک جزو ہے حتیٰ کہ ان کے خون کی گردش ہی اس سے قائم ہے اور طبیعت کا حسن بن کر فطرت کی نیوین کیا ہے اور یہی جذبہ آپ کی اولاد کے رگ و پے میں بھی جاری ہے۔

قدرت نے آپ میں بہت سے خصائص جمع کر دیئے ہیں۔ وہ غلام کی محفل میں بیٹھ جاتے ہیں تو خنک لفظوں سے چشمہ صافی کی موجوں سے ایسے موانی ٹپکے پڑتے ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک درویشِ مدرکہ دل سے پڑھتے ہوئے اسرارِ رموز بیان کر رہا ہے۔

سیاست کے یورپی جوڑے تو سمجھنا سہل نہیں۔ ہمارے غلام کی ایک کوتاہی ہے کہ وہ جہاں انگریزی زبان سے نا بلد ہیں وہاں انہیں یہ سبھی معلوم نہیں کہ اس سیاست کے دائرے سے کیونکر بچا جاسکتا ہے۔ وہ دراصل چودھویں صدی کے اس زمانے

میں قرن اول کے معاشرے تصور کی فضا میں گھوم پھر رہے ہیں اور راقم کا عقیدہ ہے کہ جو پانی بہہ چکا ہو اسے واپس لانا محال ہے، محال کیا بلکہ حلیتی ہوئی زندگی کی طرح اس کا کوئی نقش بھی واپس نہیں لایا جاسکتا۔

مولانا ابوالکلام آزاد کو تو چھوڑیے کہ وہ جامع کمالات ہونے کے باعث علماء میں ایک استثنائی مرتبہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے انگریزی زبان کو سیکھا۔ اور پھر اس کے علم و نظر کے ہر گوشہ پر قابو پا لیا۔ دوسرے راقم کے نزدیک وہ اس دور میں اسلام کے واضح تصور کا صحیح فکری منظر ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ ان کے برابر نہیں۔ علماء کی صف میں جو شخص راقم کے خیال میں جدید و قدیم تصورات کے درمیان منظم بن سکتا ہے وہ مولانا حبیب الرحمن ہیں اور راقم نے بابا دیکھا کہ ان میں ترازو کے دونوں پلڑوں کو برابر رکھنے کی بڑی نکتہ استعداد کے طور پر موجود ہے۔

وہ معاملہ کی تھانہ کو پا لیتے اور گفتگو کے انداز سے معلوم کر لیتے ہیں کہ اس کا پس منظر کیا ہے؟ اور پھر بلکہ پھلکے انداز میں اس کا تجزیہ کر کے سمجھانا چاہتے ہیں۔ گو انھیں ابوالکلام کی ششستہ زبان نہیں ملی اور نہ بخاری کی طرح بیان کی افسانوی شوخی ان کا شیوہ گفتار ہے، لیکن چھوٹے چھوٹے فقروں میں بڑی بڑی باتیں ادا کر جاتے ہیں اور ادیبانہ ہونے کے باوجود ادب کا وقار و متانت ہاتھ سے نہیں دیتے۔ سنجیدگی آپ کے کلام کا زیور ہے اور بہادری آپ کے دامن گرد کی سنہری جھال ہے۔

کمرپ جب پہلی دفعہ ہندوستان آیا تو میاں افتخار الدین کے مکان پر آپ سے ملاقات ہوئی۔ ہندوستان کی سیاست پر ایک گھنٹہ گفتگو ہوئی، اور جب رخصت ہونے لگے تو اس نے کہا۔ آپ مجھے ایک مرتبہ پھر ملے گا۔ میں پروگرام کے مطابق آج کلکتہ جا رہا ہوں۔ اگر آپ وہاں پہنچ جائیں تو مجھے اپنے مقصد کے لئے کئی گم شدہ راہیں مل سکتی ہیں اور پھر اس نے بعض صحافی حضرات کو ملاقات میں بتایا کہ مجھے مولانا کی گفتگو نے



نہایت متاثر کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت تک میں جن ذہین ہندوستانی سیاست دانوں سے ملا ہوں ان میں مولانا ایک سربراہ آوردہ سیاست داں ہیں۔

مولانا میں ذاتی محاسن بے شمار ہیں۔ مثلاً وہ جماعت کے لئے اپنی ذات اور اس کی ہر بلندی کو تیاگ دینے کے قائل ہیں اور ان کی زندگی میں بے شمار ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ انہوں نے جماعت کے لئے بڑے سے بڑے ایثار کو بھی گوارا کر لیا۔ دوستوں کے دوست ہی نہیں بلکہ ان پر حجبی جان سے بچھا در بھی ہوتے ہیں۔ آپ کی تنظیم صحت بے پناہ ہے لیکن اب وقت کے صدموں نے انہیں کسی حد تک "تن آسان" بنا دیا ہے۔ سوچتے ہیں، کرنا بھی چاہتے ہیں اور من میں آرزوئیں بھی شعلہ بن کر لہراتی ہیں لیکن پھر مسلمانوں کی سیاست کے مرزوعہ ویران پر نظر ڈالتے ہیں تو اقبال کی زبان میں یہ کہہ کر حجب ہو جاتے ہیں کہ ع

مرا چہ حاصلے کشت خرابے

اقبال کی زبان میں — نہیں بلکہ اپنے تصور کی زبان میں — یہ کیوں کہ آپ اور شاعری دو مختلف چیزیں ہیں اور نہ معلوم قدرت نے آپ سے اس ذوق کو کیوں سلب کر لیا ہے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہیں کہ ان کی طبیعت چہروں کی رعنائی سے لے کر ادب کی خوبصورتی تک کی فائدہ دہی ہے اور ان کی زندگی کا بیشتر حصہ شعر و نغمہ کی مجلس آرائی میں صرف ہوتا ہے۔ مگر مولانا حبیب الرحمن سرتاپا، شاہ جی کاغداد میں نہ شعر سے دل چسپی نہ حسن سے لگاؤ نہ نغمہ سے اٹکاؤ اور نہ زندگی کے جمالیاتی ڈھانڈوں سے رغبت۔ ایک خشک انسان جس کا نغمہ بانگ صلوٰۃ، جس کا حسن چہرہ محراب اور جس کی معراج رسن و دار کی تماشا آرائی ہے۔

سالہا سال آل انڈیا مجلس احرار کے صدر رہے اور نہایت طنطنہ سے کام کیا۔ جب صدر تھے تو بول چال کے نیور بھی صدارتی تھے۔ اب صدر نہیں تو صدر کے

نقش قدم پر چلتے ہیں۔ یعنی یہ آپ کی فطری خوبی ہے کہ آپ تابع رکھ بھی سکتے ہیں اور تابع رہ بھی سکتے ہیں۔ ان لوگوں کی طرح نہیں جو اقتدار کے منصب سے ہٹ خفگی انتاد کی نقش آرائی پر اتر آتے ہیں، جیسا کہ بعض لوگوں میں دیکھا گیا اور ابھی پچھلے دنوں احرار کو ایک ایسا مہلک صدمہ سہنا پڑا ہے۔

آپ نے ۴۵ برس کی عمر میں دس سال چھ مہینے، قید خانے میں گزارے ہیں اور یہ زندگی کا پانچواں حصہ ہے۔ لطف یہ کہ ہندوستانی بھی کائنات انسانی کی کھوپ کا پانچواں حصہ ہے۔

عام حسابی قاعدے کی روش سے دیکھا جائے تو ہفتہ میں ڈیڑھ دن آپ نے جیل خانہ کی نذر کیا ہے اور دن رات کے چوبیس گھنٹہ میں پانچ گھنٹے ایسے ہوتے ہیں جو زنجیر و سلاسل کی بستگی میں کٹے ہیں۔

— آپ کی طویل قید پانچ برس کا وہ زمانہ ہے جو آپ نے اس دفعہ قانون دفاع ہند کے تحت بسر کیا اور استقلال کے ماتھے پر شکن تک نہ ابھری — لیکن اس قید نے جہاں آپ کی صحت پر برا اثر ڈالا ہے وہاں دماغ میں عفو و درگزر کا خانہ بھی قدرے مشعل ہو گیا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ شبنم کی جگہ انگارہ نے لے لی ہے۔ مولانا — شروع شروع میں احرار کا دل سمجھے جاتے تھے — لیکن اب انھیں دماغ بھی کہا جاتا ہے۔

افکار نے درست ہی کہا ہے

زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے  
انہی کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری  
شورش کا شمیری  
۲۱ نومبر ۱۹۴۷ء

# رئیس الاحرار کا قلمی چہرہ

سیاست ان کی گھٹی میں ٹیری ہے۔ اور اگرچہ آج وہ عملاً سیاسیات سے بے تعلق ہیں، مگر سیاست کئی پشتوں سے ان کا عنوان تھیات رہی ہے اور دہلی کے کوچہ رحمن میں گوشہ نشین ہونے کے باوجود ان کا دماغ وہی سوچتا ہے جو ایک حریت پسند اور مجاہد کے دماغ کو سوچنا چاہیے۔ ہمارے نزدیک ہندوستان و پاکستان کے لیڈروں میں ان کا شمار آج بھی اگلی صف کے لیڈروں میں ہونا چاہئے۔ اور ان کے تاریخی وصف سے تو انکار ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ ان ممتاز افراد میں ہیں جن کے خاندان نے چار پانچ پشتوں تک برطانوی اقتدار کا جم کر مقابلہ کیا اور یہ ایک عبرت ناک حقیقت ہے کہ کوچہ رحمن میں ان کی زندگی ایک برے اور تاریخی ہنگامے کی ایک کمزور آواز بن کر رہ گئی۔ جبراً سرلمبی سفید درڑھٹی، لمبا کرتا، بھاری بھرکم مرغوب کن آواز، ان کی عظمت اور بزرگی کا پتہ دیتی ہے اور خاص طور پر ان کی آواز تو آج بھی ایک خطیب شہیر کی بنی بنا آواز معلوم ہوتی ہے۔ جو پھیلتی ہے، چھا جاتی ہے اور ماحول کو مغلوب کر لیتی ہے۔ پنجاب نے بہت سے خطیب پیدا کئے اور بلاشبہ مولانا غلام الدین شاد بخاری ایک بڑے مثل مقرر ہیں۔ لیکن مولانا حبیب الرحمن کی آواز نے ان کی خطابت میں خطابت کی جوشان پیدا کی وہ کسی میں پیدا نہ ہو سکی۔ ایک زمانے میں مشہور تھا کہ مولانا کا رنگ اگر کسی جلسہ پر ایک بار جم جائے تو کبھی پھیکا نہیں پڑ سکتا تھا، مولانا بہرہ رپورٹ کے حامی تھے مخالفین کی کوشش ہوتی تھی کہ مولانا کی تقریر سے پہلے جلسہ ویرم برہم کر دیا جائے۔ اس لئے کہ اگر وہ بولے تو بس ان کا طوطی یا طوطا بولنے لگے گا۔ مولانا کی زندگی بجائے خود مجاہدہ حریت



کی ایک تاریخ ہے۔ اور اس واقعہ سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مولانا ظفر علی امدان کے ”زمیندار“  
 نے پنجاب میں شاہ میر احمد اکابر کا جو گروہ پیدا کیا اس میں مولانا حبیب الرحمن کا مقام  
 بہت بلند تھا۔ مولانا میں بذاتہ بہت سی خوبیاں تھیں۔ لیکن ”زمیندار“ کے حلی عنوان سے  
 نے مولانا کو پنجاب کی عوامی زندگی کا ایک حلی عنوان بنانے میں کوئی کسر اٹھ نہ رکھی یہ سید  
 وفاق تھا کہ پرانے مسافروں و اتحادیوں کے ذریعہ سے اور مولانا حبیب الرحمن اور ان کے  
 رفقاء مجلس احمدیہ کے قیام پر جموں ہوسے۔ مجلس احمدیہ کے قیام کے بعد اگرچہ دوسری  
 افسس حق اور مولانا ظفر علی امدان اس کے دل سے دور نہ تھے اور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری  
 گریس کی زبان تھے، تو یہ خیال ہے کہ مولانا حبیب الرحمن اس سے نفیہ تھے اور مجلس احمدیہ  
 کو وطنی مفاد کا ہم جنم بنانے میں مولانا کا حصہ سب سے زیادہ تھا۔ مجلس احمدیہ  
 مگر سس کے ذریعہ بھی اس سے دور تھی لیکن وطن لوجب اور جس دور میں قسریہ  
 موبانے والوں کی ضد و متضاد آئی مولانا حبیب الرحمن اپنے ساتھیوں سمیت بھی رات  
 سے پیچھے نہ رہے۔ خیال ہو سکتا تھا کہ تقسیم کے بعد مولانا ستیا پاستان میں رہتے اور  
 بات بھی یہ ہے کہ بھاول پور نے ان کے لئے اپنی آغوش و ابھلی کر دیتی تھی، مگر کچھ بات  
 ایسی تھی کہ مولانا وہلی آگے اور جو راہ ان کے بزرگوں نے اور انھوں نے اختیار کی تھی  
 اس پر پورے توڑیں اور بکسانی کے ساتھ قائم رہتے۔ وہلی میں اب ان کی صحت اچھی نہیں  
 رہتی اور ان کے مشاغل بھی زیادہ روحانی اور مذہبی ہیں۔ پھر بھی اب جو وہ اپنی شیخ کی  
 صحبتوں میں فرماتے ہیں وہ ان کے تجربات کا عطر اور جوہر ہوتا ہے۔ مولانا کا وطن لہریہ  
 ہے اور حالات کی اسے ستم بانی ہی کہئے کہ وہ ہندوستان میں رہ کر یہ وطن ہیں اور  
 اپنے آبائی وطن سے دور ہیں۔

ماہ انصاری

۲۸ جون ۱۹۷۵ء

# ہوا کارخ ذرا بد لے تو سب کچھ جان جاتے تھے

مولانا حبیب الرحمن کی تاریخ ہماری جدوجہد آزادی کی پوری تاریخ ہے جس کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے پہلا حصہ ان کے بزرگوں کی تاریخ کا جو حصہ کی پہلی جنگ آزادی سے شروع ہوتا ہے اور دوسرا وہ حصہ جو مولانا کی اپنی زندگی سے تعلق رکھتا ہے اس میں ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۷ء تک کی تاریخ آتی ہے۔

آج مولانا کے انتقال کے بعد جب میں پلٹ کر ماضی کی طرف دیکھتا ہوں اور اس میں مولانا کی تصویر ان سے پہلی ملاقات اور تعلقات کی ابتداء کو تلاش کرتا ہوں اور پھر اس وقت سے اب تک کے واقعات کا جائزہ لیتا ہوں تو وہ مجھے ایک اچھی خاصی کتاب کا مواد نظر آتا ہے۔

مولانا کو سب سے پہلے میں نے ایک احرار لیڈر کی حیثیت سے جانا اور ابھی میرا سیاسی شعور کا آغاز ہوا تھا کہ میں نے ان کو احرار کے جلسوں میں تقریر کرتے ہوئے سنا مولانا کے جلسوں میں بے پناہ جھوم ہوا کرتا تھا۔ وہ جلسوں پر چھا جاتے تھے اور حاضرین میں سے کوئی جلسے کو درمیان چھوڑ کر نہ جاسکتا تھا، جلسوں میں جو کچھ کہا جاتا اسے سمجھنے کی مجھے تمیز نہ تھی لیکن اتنا جانتا تھا کہ یہ جلسے اس لئے ہوتے ہیں کہ انگریز کو ہندوستان سے نکلانا ہے میری دل چسپی کا موجب اور جلسوں میں شرکت کا سبب تھا۔

جلسوں میں شرکت کا یہ سلسلہ جاری رہا اور رفتہ رفتہ جلسوں کی تقریریں سمجھ میں آنے لگیں۔ مولانا کی تقریریں سننے کا اکثر موقع ملا اور میں نے محسوس کیا کہ ان کا انداز خطابت

احرار اور جمعی لیڈروں میں منفرد تھا، چھوٹے چھوٹے حملے۔ نشر کی طرح نوکیلے دل کی گہرائیوں تک اترنے والے۔ صاف و سستہ زبان۔ آواز گرج دار۔ الفاظ کے مفہوم کے مطابق تقریر میں نشیب و فراز۔ لہجہ عموماً پر جوش ہوتا۔ ایک ایک جملہ اس طرح ادا کرتے کہ جیسے سامعین کو سمجھا رہے ہوں۔

جب طاب علما نہ زندگی کا خاتمہ اور عمل زندگی کا آغاز ہوا۔ ذوق کی تسکین کے لئے سیاسی لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا شروع ہوا تو یوپی کی مجلس احرار کے صدر فوہب زادہ محمود علی خاں کے یہاں مولانا کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا اور جلسوں کے بعد ان کی محفلوں میں شرکت کی سعادت بھی حاصل ہوئی اور میں نے محسوس کیا کہ مولانا کی محفلوں اور عوامی اسٹیج میں کوئی فرق نہیں وہ جو باتیں وہاں کہتے تھے وہی محفلوں میں کہتے تھے اور یہ چیز بعد کو میں نے محسوس کی اور اب گزشتہ چند سالوں تو میرا یہ احساس بالکل پایہ تصدیق کو پہنچ کر اپنی جگہ مستحکم ہو گیا کہ مولانا کا ظاہر و باطن ایک رہا۔ ان کی سیاست اور نظریات سے کسی کو ایک لاکھ اختلافات ہو سکتے۔ لیکن یہ بات شاید ان کا بدترین مخالف بھی نہ کہہ سکے گا کہ مولانا نے اپنے ضمیر کو دھوکہ دیا، یعنی انھوں نے کبھی بھی کوئی ایسا کام کیا جس کو وہ غلط خصوصاً مسلم عوام کے لئے مسرت رسال جانتے تھے۔

یوں تو انھیں مسلمانوں کی اکثریت کی سیاست سے اختلاف رہا۔ لیکن انھوں نے دیانت داری کے ساتھ اختلاف کیا جس راہ کو انھوں نے اپنے نزدیک درست سمجھا اس پر چلتے رہے کسی کو اگر وہ ناپسند تھی تو ہوا کرے۔ انھوں نے کسی کی پسند یا ناپسند کو کبھی پروا نہیں کی اور مولانا کی زندگی میں ایک آدمہ نہیں متعدد موڑ ایسے آئے کہ جب انھوں نے انسانوں کی بھیڑ سے الگ راستہ اختیار کیا اور یہی نہیں مولانا نے اپنے قریبی دوستوں اور ہر وقت کے ساتھیوں سے اختلاف کیا، مگر صدق دلی اور



سجائی کے ساتھ۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کا فیصلہ سننے کے لئے پورا ملک بے چین تھا۔ میں سہارن پور میں مرزا اوصاف بیگ کے مکان پر رات کو سوانا بجے ہندوستانی میں خبریں سننے کے لئے بیٹھا تھا کہ مولانا بھی تشریف لے آئے۔ وہ بھی خبریں سننے کے لئے آئے تھے۔

جب ریڈیو پر یہ خبر سنائی گئی کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی نے پنجاب کی تقسیم کی تجویز پیش کی ہے تو مولانا کے منہ سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے ”کانگریس نے اپنی تاریخ کا سب سے غلط فیصلہ کیا ہے“ سب حیرانی سے مولانا کا منہ تکتے لگے۔ مولانا نے کہا ”میں صحیح کہہ رہا ہوں، آپ لوگ دیکھیں گے کہ اب اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بنگال کی تقسیم کا بھی مطالبہ کیا جائے گا اور کانگریس کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ پورا ملک تقسیم ہو جائے گا۔ کانگریس نے اپنے ہاتھوں اپنے پیروں پر کھاروی ماری ہے۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ اس کے بعد ملک کس طرح تقسیم ہوا اور تقسیم کے کس قدر تباہ کن اثرات رونما ہوئے آج جب مولانا کی یہ بات مجھے یاد آتی ہے تو میں ان کی سیاست دانی اور دور بینی کا قائل ہو جاتا ہوں۔

چونکہ میں نظریاتی اعتبار سے مولانا کا ہم خیال تھا اس لئے مجھے دن بدن مولانا سے قربت حاصل ہوتی گئی اور میں بالواسطہ طور پر مولانا کے نظریات کا ترجمان بن گیا اور اس کے بعد مولانا کے انتقال تک مولانا سے تعلقات رہے۔ وفات سے دو روز قبل ملاقات ہوئی تو اس میں بھی اس دور کا ذکر آگیا۔ مولانا ہمیشہ مجھ سے اسی قدر محبت سے پیش آئے۔ جیسے اپنے بچوں سے آتے تھے۔ حالانکہ اس دور میں کئی ایسے مواقع آئے کہ نجی گفتگو اور پرائیویٹ محفلوں ہی میں نہیں بلکہ سیر اخبار میں نے مولانا سے اختلاف کیا۔ لیکن کیا مجال ہے کہ مولانا کی پیشانی پر کبھی بل آیا ہو ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملے بلکہ مجھے ہی الٹی شرمندگی

ہوتی رہی، خصوصاً اس وقت جب مولانا کہتے تھے تو آج کل ہم سے ناراض ہو۔ کبھی مولانا سے ملے ہوئے دیر ہو جاتی اور راستے میں ملاقات ہوتی تو بڑی محبت سے شکایت کیا کرتے۔

مولانا کی عمر اس وقت سترہ بھری کے مطابق ۶۷ برس کی تھی۔ اس میں سے لگ بھگ تیرہ برس یعنی عمر کا پانچواں حصہ انگریزوں کی جیلوں میں گزرا تقریباً بیس برس کی عمر سے سیاست میں حصہ لینا شروع کیا اور پھر ہندوستان کی جنگ آزادی کے اس دور میں بڑی جدوجہد کا فیصلہ کن دور تھا وہ آزادی خواہوں کی صف اول میں تھے۔ مولانا کے مقدمہ اور پنجاب کی سیاست میں انھیں جو دخل تھا اس میں انھیں اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ جب شکستہ میں شملہ میں دیول کا نفرین ہوئی تو مولانا آزاد کے کہنے پر وزیراعظم پنجاب ملک حضرتیات نے بذریعہ تار ان کو روک لیا اور وہ فوراً شملہ پہنچے اور مولانا آزاد کے مشوروں میں شریک رہے مولانا آزاد آپ پر بہت بھروسہ کرتے تھے اور انھیں پنجاب میں مولانا آزاد کی پالیسی کا علم بردار کہنا سکتا ہے۔

ہندوستان کو آزادی ملی اور ان کے آباد اجداد کی قربانیاں رنگ تولائیں، مگر ہندوستان تقسیم بھی ہو گیا اور واقعات کی سب سے بڑی ستم ظریفی یہ ہوئی کہ آزادی اس طرح آئی کہ مولانا کو گھریا تک چھوڑنا پڑا۔ ملک تقسیم ہو گیا اور جس تقسیم کے مولانا مخالف تھے ایک بار انھیں گھریا چھوڑ کر لے دیا نہ سے اسی تقسیم شدہ حصہ میں پناہ لینے کے لئے مجبور ہونا پڑا۔ بھادلوپور میں قیام کیا۔ لیکن وہاں زیادہ عرصہ نہیں ٹھہرے اور دہلی تشریف لے آئے پھر مرتے دم تک دہلی میں رہے۔

مولانا کی بہادرانہ اور وطن پرورانہ زندگی کا ایک مضمون نہیں ایک کتاب کا موضوع

ہے۔ کاش میرے لئے کبھی یہ ممکن ہو سکے

نانا نصاری

۱۶ ستمبر ۱۹۷۵ء

## ذہین رہنما

مجاہد حبیل، رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن کو لدھیانوی کہاجاتا ہے کیونکہ لدھیانہ ان کا آبائی وطن تھا، جہاں ان کا جدی مکان تھا اور خود ان کا بنایا ہوا مکان بھی۔ مگر جو سب کے لئے ہوتا ہے وہ سب کا ہوتا ہے کسی خاص شہر کی طرف اس کی نسبت کسی تاریخی نقائصے کی بنا پر ہوتی ہے۔ درنہ ہر شہر اس کا اپنا شہر ہوتا ہے اور وہ آگے بڑھے تو کہنے لگتا ہے

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدار ماست

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن کی شخصیت اسی طرح کی تھی، مولانا حبیب الرحمن کا وطن اگرچہ لدھیانہ تھا مگر ان کی بود و باش لمانہ طالب علی میں درس گاہوں میں اور آخر میں دارالعلوم دیوبند میں رہی۔ مولانا کا طالب علی کا دوزختم ہوا۔ تو وہ ملک و ملت کے لئے ایٹم پر نظر آتے تھے یا جیل خانہ میں بسیر کرتے تھے۔

۱۹۴۷ء تک مولانا حبیب الرحمن کی عمر کا جتنا حصہ گزرا اسی طرح گزرا، احقر نے دارالعلوم دیوبند میں عربی شروع کی اس وقت مولانا فارغ ہو چکے تھے۔ مولانا دارالعلوم دیوبند سے چلے آتے تھے مگر ان کے نام کی شہرت دارالعلوم میں باقی رہی اور وہ برابر بڑھتی ہی رہی، یہاں تک کہ مولانا کسی مخصوص حلقے کے نہیں، بلکہ پورے ہندوستان کے مسئلہ رہنما ہو گئے۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد احقر کی عمر کے چند سال آدھ شاہ آباد صوبہ بہار میں گزرے اور عمر کا قیمتی حصہ مراد آباد میں ختم ہوا۔ اس پورے عرصہ میں



مولانا موصوف کا قریب میسر نہیں آیا۔ مولانا آسمان شہرت کے آفتاب مہتاب تھے اور احقر مولانا کو اسی طرح دیکھا کرتا تھا جیسے زمین کے بسنے والے چاند ستاروں کو دیکھتے ہیں۔  
 مجھے مولانا کا قرب دسمبر ۱۹۴۷ء کی آخری تاریخوں میں میسر آیا۔ جب مولانا کو  
 بانیہ ہوائی جہاز مغربی پاکستان (غالباً بھاول پور) سے لکھنؤ بلایا گیا۔ جہاں ہندوستان  
 کے مسلمانوں کی وہ مشہور تاریخی کانفرنس ہو رہی تھی جس کو ”آزاد کانفرنس“ کہا جاتا  
 ہے۔ کیونکہ اس کے محرک حضرت مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ

لکھنؤ سے مولانا دہلی تشریف لائے اور جمعیتہ العلماء کے دفتر کی پشت پر اس  
 مکان میں قیام فرمایا جو آج کل حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب کا زمان خانہ ہے۔  
 حاجی محمد فاروق صاحب سوداگر لیدر کو مولانا سے تعلق پہلے سے تھا۔ اس زمانے میں  
 ان کی خصوصیت یہ یہاں ہو گئی۔ احقر کو بھی مولانا کو زیادہ قریب سے دیکھنے کا اتفاق اسی  
 وقت سے ہوا۔

اگست ۱۹۴۷ء میں ہندوستان تقسیم ہوا۔ مغربی اور مشرقی پنجاب کی آبادیوں  
 کا تبادلہ ہوا۔ مشرقی پنجاب کے تقریباً تمام ہی رہنماؤں کو جو تقسیم کرنے والے تھے، مغربی  
 پنجاب جانا پڑا۔ ان میں سے بہت سے ذہنی طور پر پاکستانی سانچے میں ڈھل گئے اور جو  
 ذہنی طور پر نہیں ڈھل سکے وہ عملاً اس سانچے میں کھپ گئے۔ مگر مولانا حبیب الرحمن کی  
 شخصیت وہ تھی جو آخر تک اپنے عقیدہ اور خیال پر قائم رہے۔ ان میں مستقل مزاجی کے  
 ساتھ قائم رہنے کی بڑی جرأت تھی اور یہی ایک رہنما کی وہ بختگی ہے جو تاریخ جاوید کا  
 نقش سیات بنا کرتی ہے۔ حضرت مولانا کی سوانح حیات مرتب کرنا تو حضرت موصوف  
 کے صانع اور رشید اخلاف کا کام ہے جن کو واقفیت بھی احقر سے زیادہ ہے اور  
 خدا نے قوت تحریر بھی احقر سے زیادہ عطا فرمائی ہے۔ احقر کے سامنے تو چند بنیادی  
 اوصاف ہیں جن میں مولانا کو امتیاز حاصل تھا۔

(۱) ذہانت۔ مولانا کا مخصوص وصف تھا جس نے آپ کو پوری جماعت میں سب سے زیادہ ممتاز کر دیا تھا۔ ذہانت کے ساتھ فراغت اور سیاسی بصیرت بھی ممتاز خصوصیت تھی اور کوئی بھی سمجھ دار شخص پہلی ہی مجلس میں مولانا کی ان خصوصیتوں سے متاثر ہو جاتا تھا۔

سیاسی بصیرت کو مولانا دن بدن ترقی بھی دیتے رہتے تھے چنانچہ نہ صرف مولانا کا معمول تھا بلکہ احقر جیسے کاہل اور مطالعہ اخبار کے بارے میں جان چور خدام کو تنبیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص مخالف اخبارات کو پابندی سے نہیں پڑھتا وہ کبھی قوم کی خدمت بیدار مغزی سے نہیں کر سکتا۔

مولانا فرمایا کرتے تھے ایک سیاسی رہنما کا نماز صبح کے بعد سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ مخالف اخباروں کو دیکھے۔

۲۔ جس وصف نے مولانا کی ذہانت و بصیرت کو جوہری شان بخش دی تھی، وہ جرأت، دلیری اور بہادری تھی جو عالم کی سخاوت کی طرح مولانا کے نام نامی کے ساتھ لازماً ان خصوصیت بن گئی ہے جس نے مولانا کی زندگی کو ہمیشہ مصائب کے شکنجے میں گرفتار کیا۔

اے روستی رطیع کہ تو بر من بلا شری

۳۔ مولانا کے تصور کے تصور کے ساتھ جس چیز کا تصور دماغ پر چھایا جاتا ہے وہ آپ کی فراخوصلگی، مدارات اور تواضع ہے جو ہر اس شخص کے لئے عام ہوتی تھی، جس کے متعلق وہم ہو جاتا تھا کہ وہ کسی حیثیت میں مولانا کا ہمنام ہے پھر یہ مدارات ام بھی تھیں۔

بریں خاں یمن چہ دشمن چہ دوست

حضرت مولانا کے ان اوصاف کی برکت یہ تھی کہ ۱۹۴۷ء کے بعد جب مولانا نے

دہلی میں قیام فرمایا تو یہاں ہر فرقہ اور ہر طبقہ میں وہ ایسے ہی معروف تھے۔ جیسے کوئی  
 مدت ہمارے دہلی میں رہتا ہو۔ جب کچھ عرصہ بعد وہ لدھیانہ تشریف لے گئے۔  
 جس کے متعلق محض خازن رہنے کا تصور ہی نہیں تھا بلکہ وہ مسلمانوں کے لئے دہشتناک  
 ہے وہ لدھیانہ میں ایسے ہی مقبول تھے جیسے تحریک کے اس دور میں جب مولانا لدھیانہ  
 کے زمانہ امانے جاتے تھے۔

دو ماہ ہوئے تو میرے دوسرے ہفتہ میں احقر لدھیانہ گیا، جہاں مولانا کے  
 فرزندانِ ارجمند مولانا محمد رحمانی فاضل دیوبند اور مولانا سعید الرحمن صاحب  
 حضرت مولانا کی جانشینی کا حق ادا کر رہے ہیں تو مجھے محسوس ہوا کہ رئیس الاحرار  
 حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کی یاد اسی طرح تازہ ہے جس طرح ان کی زندگی  
 میں تھی۔ بلکہ مولانا کے صاحبزادگان کے پاس قیام کر کے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ  
 مولانا کی وفات نہیں ہوئی بلکہ وہ زندہ جاوید ہیں۔

ہرگز زمیر نہ آنکہ دلست کہ زندہ ستدہ عشق

وہا ہے اللہ تعالیٰ مولانا کے ان اخلاف کو بھی ایسی زندگی کی توفیق بخشے جو

میشہ فن سے نا آشنا رہتی ہے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز

(مولانا) محمد میاں ناظم جمعیتہ علماء ہند

۱۶ مئی ۱۹۵۲ء



حبیب قوم کے لختِ جگر عزیز و خلیل

مری نگاہ میں شورشِ برہنہ شمشیریں



# اس جماعت کے تھے سردار حبیب الرحمن

یہ سکرے سے پہلے کی بات ہے کہ عروسِ آزادی کو پنجہ افرنک سے نجات دلانے میں جس جماعت نے دن کا آرام اور رات کی نیند حرام کی تھی۔ اس جماعت کا نام مجلس احرار اسلام ہند تھا۔ جو افضل حق، سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا مظہر علی انظر سے عبارت تھی۔

آج ہندوستان عروسِ آزادی سے ہم کنار ہے۔ لیکن سردار بھگت سنگھ کو دارِ پرنسپال نے اذرِ محبانِ وطن پر لٹھیوں سے مشقِ ستم کرنے والے دندنا رہے ہیں۔ غدار سنگھوں میں دادِ غیش دے رہے ہیں اور غ

”جس جماعت کے تھے سردار حبیب الرحمن“

اس کے رعنا کاروں اور فدا کاروں کے لئے سر چھپانے کے لئے بھی جگہ نہیں۔ اور وہ بکالی کی بھیک مانگنے پر مجبور ہیں۔ اللہ نے نتیجہ پیکارِ انقلاب سے جو لوگ آشتائے وقارِ بشریت تھے منزلِ انجمنِ ملی جو رفقِ سفر نہ تھے

افسوس! ”مجلس احرار ہند“ کی یاد ایک خوش گوار عہد کی خوش گوار یاد بن کر رہ گئی ہے۔ اس کے ”مجاہدانہ“ کارنامے پرانے اخبارات کی فائلوں میں دفن ہو کر محو ہو گئے ہیں اور اس کے سردار مولانا حبیب الرحمن ”شاہجہاں آباد“ (دہلی) کی جامع کے پہلو میں خاک میں نہاں ہیں۔ آہ! سے

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ نہاں ہو گئیں  
سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں

سردار احرار مولانا حبیب الرحمن کا خاندانی تعلق افغانوں سے "شاہ زماں خاں" کے عہدِ زوال سے چلا آ رہا ہے اور شاہ زماں وہی افغان غازی بادشاہ تھے جو انگریز کو ہندوستان سے نکالنے کی قسم کھائے ہوئے تھے اور جب سلطان ٹیپو کی امداد کے لئے عازم ہند ہو کر لاہور پہنچے تو ان کے خلاف "ولنلی" کے ایجنٹ میر ہندی عسلی مراد آبادی نے ایمان کو اکسایا اور قلب ایشیا میں شیعہ دینی منافرت کی آگ روشن کی تھی۔ جس کے نتیجے میں احمد شاہ درانی کے اس بہادر اور انگریز دشمن پوتے کو نہ صرف سبقت و تخت سے بلکہ بصارت سے بھی محروم ہونا پڑا۔ آہ

آپ کہتے ہیں یہیں فیروں نے مہربا د کیا  
بندہ پروریہ کیس اپنوں کا ہی کام نہ ہو

"غازی" سردار احرار مولانا حبیب الرحمن سے اس وقت سے متعارف ہے جب کہ مولانا تحریکِ خلافت میں انگریزوں سے برسرِ جنگ تھے اور ان کے والد حضرت مولانا محمد زکریا صاحب ان کی سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے ہر وقت فکر مند رہتے تھے۔

سردار احرار مولانا حبیب الرحمن ایک نہایت پاک باز اور پابندِ صوم و سداۃ متین و سنجیدہ بزرگ تھے اور ان کے برعکس "غازی" نہایت رنگین مزاج واقع ہوئے تھے۔ اس لئے کبھی کبھی کسی انجھے ہوئے جماعتی مسئلے کو سلجھانے کے لئے چند گنتوں کے لئے باہم بیٹھ جانے کا موقع مل جایا کرتا تھا۔ لیکن مسلسل ان کی محفل میں غازی کی بیٹھنے کا کبھی شرف حاصل نہ تھا۔ تاہم سیاسی خیالات میں غازی ہمیشہ ہی سردار احرار مولانا حبیب الرحمن کے ہم فکر اور ہم خیال ہی رہے ہیں۔ ایک مرتبہ پٹیلہ میں احرار و رکردوں کی کانفرنس کانگرس میں شمولیت کے مسئلہ پر ہو رہی تھی۔ اس پر تمام احرار کارکن کانگرس کے خلاف اور اس سے قطع تعلق کرنے پر بضد تھے۔ لیکن سردار احرار مولانا حبیب الرحمن کا فرمان تھا کہ احرار وہی ہو سکتا ہے جو کانگرس بھی ہو۔ اگر احرار ہی کانگرس نہیں تو پھر اس میں اور

مسلم لگی اور ایک فرقہ پرست میں باقی کیا فرق رہ جاتا ہے۔ اس کا نفرنس میں سردار احرار مولانا حبیب الرحمن کے ہم نوا غازی کے علاوہ دوسرے بزرگ ملک نصر اللہ خاں عزیزیات ایڈیٹر مدینہ تھے اور آخر کار تمام کا نفرنس نے مولانا حبیب الرحمن اور ان کے چند ساتھیوں کے دلائل کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور کانگریس میں شمولیت کا فیصلہ کیا گیا۔

سردار احرار مولانا حبیب الرحمن کی ایک خوبی تو معاصرین میں امتیازی شان رکھتی تھی۔ جس کے حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ اور تمام حریت پرست پارٹیوں کے رہنما قائل تھے۔ وہ یہ تھی کہ خدا کی مخلوق کی خدمت کو وہ ہر حالت میں انجام دینا اپنا فرض سمجھتے تھے جیل میں اپنے قیدی دوستوں کی خدمت میں سرت محسوس کرتے تھے اور جیل سے باہر اپنے غریب تاراج اور غلصہ رضا کاروں کی خدمت کو اور سردار احرار کی خدمات اور خوبیوں کے بیان کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے اور ”غازی“ کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اس مختصر مکتوب میں ان کی خدمات اور خوبیوں کو قلم بند کر سکے

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

اور یہ چہ سطور بھی وہ اس لئے سپرد قلم کر رہے ہیں کہ وہ اپنے مرحوم رہنما کے ذکر ”حبیب“ کے ثواب سے محروم نہ رہ جائیں۔ در ”غازی“ ان تمام حالات کو کتابی صورت میں قلم بند کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ خدا توفیق دے۔ آمین۔

سردار احرار کے فرزند رشید مولانا عزیز الرحمن نے ضروری ایک کتاب ”رہنمای الاحرار“ کے لئے شائع کی ہے لیکن وہ سردار احرار کی عوامی زندگی پر کیا حقہ روشنی نہیں ڈالتی۔ ان کی عوامی خدمات اور عوامی زندگی پر ان کے کسی احرار دوست کا لکھا زیادہ ضروری اور مناسب تھا۔ اللہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ خدمت ”غازی“ انجام دینے کی کوشش کرے گا۔ خدا سردار احرار مولانا حبیب الرحمن کی معفرت کرے اور ان کے صدقے میں غازی جیسے گہنگاروں کی بھی خدا مغفرت کرے

غازی — ۱۷ مئی ۱۹۶۳ء

آمین



# جس نے تاریخ عالم سے سلطنت برطانیہ کو مٹا دیا

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن لہریہیافوس کوہیم سے جدا ہوئے کچھ دن اوپر پرنسپل مس بیت چکے ہیں۔ ہر سال اس مدت میں اضافہ ہوتا چلا جائے تاکہ صبر و ہمت بیت جائیں کی اور مولانا مرحوم کی لحد کا نشان تک باقی نہیں رہے کہ مٹ کے نقش و نگ کے تمام گھر دورے زمانے کی بے اعتنائی اس طرح دند ڈائے گی، گویا یہاں کبھی کسی کا مڑا ہی نہیں تھا۔

لیکن دہلی کی سرزمین ہمیشہ گواہی دیتی رہے گی کہ میرے وطن پر منور ایک ایسا انسان آرام کر رہا ہے جس نے انگریزی سامراج سے ٹکر کر اپنا سر نہیں بھوڑا بلکہ تاریخ عالم سے سلطنت برطانیہ تک مٹا دیئے۔

جب وہ گرج کر بیٹے تو باطل کی صفوں میں انتشار پھیل جاتا جب وہ احکام شرعیہ پر اپنا فیصلہ دیتے تو یوں معلوم ہوتا جیسے عمر فاروق ہیں کہ دین سے انحراف کرنے والوں کو تنبیہ کر رہے ہیں۔ ان کی پیشانی کی شکنتوں سے برطانوی سامراج پر سیکڑوں شکن پڑ جاتے اور جب وہ مسکراتے تو سنت نبوی کی روشن قدلیں اور چمک اٹھتیں۔ یہ تھے مولانا حبیب الرحمن، ان سے میری پہلی ملاقات ۱۹۲۵ء میں جاندھر کے ایک گاؤں نکودر میں ہوئی۔ یہاں ان دنوں عارضہ عربیہ کا سالانہ جلسہ مہم باہمت اس ملاقات کی تفصیل زیر طبع کتاب تاریخ امیر شریعت میں آئے گی۔

سیاسی اعتبار سے یہ دن پاک و ہند کی آزادی کی جدوجہد کے دن تھے۔ انگریزی سامراج سے ٹکر لینے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ یہی ٹکر آگے چل کر نمکین ستیہ گره کے نام سے مشہور ہوئی۔

## مجلس احرار اسلام کا قیام

۱۹۳۱ء کے آخر میں۔ باب میں جیل سے واپس آیا تو ملک کے حالات اور غلام  
 ابرہہ سرت کشمیر میں ڈوگرہ شاہ منظم سے تنگ آئے ہوئے مسلمانوں کی بیخ و بکار سے  
 پاک و ہند کے مسلمان آپس سے باہر ہو رہے تھے اور غیر مسلم اخبارات کی بے ہنگم فرقہ  
 پرستی نے حریت پسند طبقے کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا تھا۔ دوسری طرف ہندوستان کانٹیننسٹ  
 ہندو کشمیر کی آنا دی کے لئے مر۔۔۔ والے عوام کو احترام کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ ایسے ہی  
 حالات تھے کہ جولائی ۱۹۳۱ء میں لاہور اسلامیتہ کالج کے جدیدہ ہال میں مجلس احرار  
 اسلام کا پہلا اجتماع ہوا۔

راقم الحروف خواجہ عبدالرحیم عاجز کی معیت میں اس تاریخی اجلاس میں شامل ہوا  
 یہ دوسرا واقعہ تھا کہ مولانا مرحوم سے میری ملاقات ہوئی جو اس اجلاس کی صدارت  
 فرما رہے تھے۔ اس اجلاس کے اختتام پر وہ مجلس احرار اسلام کے صدر منتخب ہوئے۔  
 ان کی صدارت میں مجلس احرار اسلام نے کشمیر کی آزادی کے لئے جو خدمات انجام  
 دیں تاریخ اسے کبھی نظر انداز نہیں کر سکتی۔

## لاہور پورسٹل جیل

ریاستی حکام اور مجلس احرار اسلام کے درمیان لڑائی نے طول کھینچا تو  
 ڈوگرہ شاہی اپنے انگریز آقاؤں کے در پر سر بسجود ہوئی۔ چنانچہ فرنگی قانون اپنی سنگینوں  
 سے لیس ہو کر احرار رضا کاروں کے سینوں پر چڑھ دڑا۔ اور جب مسلمانوں کے سینوں  
 نے انگریز سنگینوں کے منہ موڑ دیئے تو دونوں حکومتیں احرار رہنماؤں کے سامنے پیر انداز  
 ہو گئیں اور صلح کے لئے تمام احرار رہنماؤں کو پنجاب کی مختلف جیلوں سے پورسٹل جیل

لاہور میں اکٹھا کیا گیا۔ ان میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم۔ مولانا حبیب الرحمن مرحوم۔ مولانا منہر علی اظہر شیخ حسام الدین مولانا احمد علی مرحوم، مولانا محمد چریغ گوہر داں دالاماسٹر محمد شفیع مرحوم قابل ذکر ہیں۔ باہر سے حکومت کے ایما پر مولانا مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ صبح کی بات چیت کے لئے تشریف لائے۔ ایک پندرہواڑے کی مسلسل ملاقاتوں کے بعد خود کشتی کنارے سے دور ہی۔ راتم چونکہ ورکنگ کمیٹی کا ممبر نہیں تھا لہذا ان لوگوں سے میری ملاقات نہ ہو سکی۔ صبح کی گفتگو کی ناکامی کے بعد حضرت مولانا حبیب الرحمن حکام جیل کی اجازت سے مجھے اپنے پاس لے آئے۔

ان دنوں کافی دیر تک مولانا مرحوم کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا۔ انھیں قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا بھی یہ سنہری موقع ملا جسے میں نے کسی طرح ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ مولانا مرحوم جس طرح باہر سے اچلے تھے۔ ان کا اندر بھی ویسے ہی صاف ستھرا تھا۔ وہ فرقہ پرست ہندو مسلم کے بھی ویسے ہی دشمن تھے جتنا کہ انھیں انگریز سے۔ یہ تھا۔ وہ اپنے رشتہ کاروں سے اسی قدر محبت کرتے جس طرح ایک جرنیل کو اپنی فوج سے ہونی چاہئے۔ ان کی سادگی ان کے وقار کی طنائیں نکھارے رہتی تھی۔ سماعت کے مصنوعی رسم و رواج نے انھیں ہمیشہ اپنا دشمن قرار دیا اور یہی وجہ تھی کہ کسی نئے سوراخ کی روشنی انھیں اس نہ آئی۔ وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ

میں ناخوش و بیزار ہوں مردم کی سلوں سے

میرے لئے مٹی کا حرم اور بناؤ

خیالات کے جہوم سے اگر ان واقعات کا انتخاب کرنے بیٹھوں جن کے مجتہد کرنے سے تاریخ احرار اور داستان حبیب الرحمن مرتب ہو سکتی ہے تو مجھے ڈر ہے قانون مجھ سے بھی ناماعن ہو جائے گا۔ تاہم ان ایسے بہادروں کو خراب عقیدت پیش نہ کرنا



ان کی وفاؤں سے مذاق کرنا ہے جو ہمیشہ جفاؤں سے مذاق کرتے رہے ہیں۔

اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے غیر ملکی سامراج کے خلاف علم بغاوت بکثرت کیا اور پھر دارورسن کو دعوت دی۔ جیل خالوں کو عمر بھر آباد کئے رکھا۔ فرنگی رانفلوں کی گولیاں دیوار بن کر ان بزرگان دین کے راستے میں حائل ہوئیں۔ مگر ان محب وطن لوگوں کے قدم اپنی منزل کی طرف ٹہکتے چلے گئے۔ ان کی موت اپنے بعد آنے والی نسلوں کے لئے سنگ میل بن کر آج بھی راستہ دکھا رہی ہے۔

خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

مورخ کا قلم زمانے کا دل اور اپنے پرانے، قانون مولانا حبیب الرحمن ایسے ہزاروں محب وطن لوگوں کو بھول سکتے ہیں لیکن پروردگار اپنے بندوں کو جنہوں نے بندگی کی اپنے پروردگار کی اور عاقبت رسوخانا اپنے پالنہ ہارگو۔ ان کی گردنیں صرف اسی کے سامنے جھکیں انھوں نے قانون مانا صرف اپنے رب کا۔ یقیناً قیامت کے دن بلند درجات کے مالک ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اور ہم سب کے حال پر رحم فرمائے !

جاں باز مرزا۔ لاہور

۶ ارمی ۱۹۶۵ء



دارورسن

قد و گیسو میں قیس و کوہن کی آزمائش ہے

جہاں ہم ہیں وہاں دارورسن کی آزمائش ہے

(غالب)

# سید الاحرار

دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھرائے

بیٹھے بیٹھے ہم کیا جانے کیا یاد آیا

لوگ جھین رتیں الاحرار کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ میں انھیں سید الاحرار  
 کہتا تھا۔ مجھے فخر ہے کہ ان کی صحبت کی کیا اثر اور شفقت کے سایہ تلے دیر پا مجھے کام  
 کرنے کا موقع ملا۔ ان کی پر خلوص رہنمائی میرے لئے ہر کام پر ہدایت و سلامتی کا موجب  
 ہوئی اور انشاء اللہ تعالیٰ تا زندگی یہ امید و رخشاں ہے۔ میں دلی مسرت اور فخر و  
 وقار کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مجھے ہمیشہ ہر حال میں ان کا خلوص و اعتماد حاصل تھا اور  
 کسی دوسرے خوش نصیب کو شاید ہی حاصل ہوا ہو۔ مولانا کی زندگی کا ہر گوشہ مجھ پر  
 بے نقاب تھا۔ میں پورے ذوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مولانا صرف سیاسی قائد اور  
 مجاہد ہی نہیں تھے بلکہ وہ ایک بہت ہی عظیم المرتبت روحانی پیشوا بھی تھے۔ دماغی لحاظ سے  
 وہ اعلیٰ پایہ کے صاحب بصیرت سیاست داں تھے۔ عملی لحاظ سے بے مثل صاحب  
 ایشاد۔ جلیل القدر مجاہد تھے۔ قلبی لحاظ سے وہ بہت ہی بلند مقام پر فائز تھے اور دینی  
 کامل تھے۔ ان کی ساری زندگی اور جدوجہد خدمتِ خلق اور رضائے الہی کے لئے تھی۔  
 ایک بار نزدیک سے جس کسی نے آپ کو دیکھ لیا ہمیشہ کے لئے آپ کا غلام بے دام ہو کر رہتا  
 تھا۔ آپ نے اپنی قربانیوں اور خدماتِ جلیلہ کا صلہ کبھی بھی کسی حالت میں لینا پسند نہ کیا۔  
 ہم نے بارہا دیکھا کہ صاحبانِ اقتدار اور مسند نشینانِ تخت و تاج نے حسن عقیدت سے  
 مجبور ہو کر ان کی حق گوئی و بے باکی اور ملکی دلی خدمات کے صلہ میں مسند ہائے اعزاز اور  
 خلعت ہائے زر نگار پیش کیں لیکن اس درویشِ کامل نے ان کو ہمیشہ پائے استحقاق سے

ٹھکرادیا۔ علامہ اقبال مرحوم نے شاید آپ ہی کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ لکھا :-

داراؤ سکندر سے وہ مردِ فقیر ادنیٰ  
ہو جس کی فقیری میں ہوئے اسدا قلہی  
آئینِ جواں مرداں حق گوئی دے باکی  
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رو باہی

آپ فرمایا کرتے تھے کہ میری ہر کارگزاری پر دردِ کارِ عالم کی خوشنودی اور اس کی مخلوق کی خدمت کے لئے ہے۔ اس کی عبادت میں سے سب سے اعلیٰ عبادت خدمتِ خلق ہے۔

برطانوی سامراج کے سینے پر سب سے بڑی چوٹ دوسری جنگِ عظیم کے میدانِ لاہور پڑی جس کے بعد برِ عظیم ہندوستان سے اس کا کوچ ناگزیر ہو گیا تھا۔ اس چوٹ کا پلان مولانا کے ذہن رسا کا نتیجہ تھا جو ان کے دماغ سے نکل کر میرے سینے میں آیا اور میں نے اسے نیتا جی سبھاش چندر بوس کے دل و دماغ میں نقش کیا جسے اکھنوں نے محاذِ جنگ میں پہنچ کر پورا کیا۔ نیتا جی سبھاش چندر بوس جب تک زندہ رہے مولانا کے عاشقِ صادق بن کر رہے۔ ۱۹۴۷ء میں اگرچہ مولانا دھرمسالہ جیل میں نظر بند تھے لیکن ان کے افکار کی لائن کو میں ری پبلکن سوشلسٹ آرمی کے ساتھ مل کر پورا کر رہا تھا۔ مولانا نے فرنگی سامراج کو اس برِ عظیم سے نکالنے کے لئے ہر طبقہ کے لوگوں سے حیرت انگیز اور عظیم ترین کام لئے۔ حتیٰ کہ کوئی مجذوب اور صوفی، کوئی درویش اور غابدو نہاد ایسا نہیں مولانا نے جس کے پاس پہنچ کر ملک کی آزادی کی بھینک نہ مانگی ہو۔ اور ان کو اپنی کارگزاریوں کی کامیابی کے لئے دعا گو نہ بنایا ہو۔ میں ان میں سے اکثر کو جانتا ہوں۔ کچھ ان میں سے آج بھی زندہ ہیں۔ مولانا ہر شہر، ہر قصبہ، ہر دیہات کے اہل قبور بزرگوں کے مزارات پر بیٹھ کر مراقبہ کے ذریعے ان کی ارواح سے بھلی ملک کی



آزادی کے لئے دعاؤں کی بات کرتے تھے۔ بالآخر مولانا کی زندگی کا بہت ہی بڑا مشن ان کی نظروں کے سامنے ہی کامیاب ہوا۔ ملک آزاد ہونے کے بعد ان کے سامنے امن عامہ اور انسانیت کی سلامتی اور ترقی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو سچا مسلمان بنانے اور دعوتِ اسلام کو عام کرنے کا مشن تھا۔

تقسیم ملک کے بعد مولانا بھاول پور میں تھے۔ بین ان سے ملنے کے لئے گیا، تو فرمانے لگے۔ شاہ جی! خواجہ معین الدینؒ کون تھے؟ اور ان کے کون سے ایسے کارنامے تھے جن کے باعث وہ سلطان الہند مشہور ہوئے؟ میں اس سوال کا مطلب بھانپ گیا۔ عرض کیا۔ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ فرمانے لگے کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو کامنامہ اس ملک میں آکر انجام دیا۔ اگر ہم آپ اس کو دہرا نہیں سکتے تو پھر مسلمان کہانا افضل ہے۔ چلو چشتیؒ نے جس سرزمین پر پیغامِ حق سنایا اور خداتِ پاتِ پات کو چھوڑا اور چھیت چھات کو توڑا۔ اور انسانیت کو اونچا کر کے اسلام کا نام روشن کیا۔ ہم بھی ان کے مشن امن و سلامتی کو آج کے ہند میں روشن کریں۔ میں اس دعوت پر سوچتا رہ گیا۔ اور مولانا سرزمین دعوت سلطان الہند میں چلے گئے۔ میں سمجھا۔

ابن سعادت یزد در بازو نیست

تانا بخشد خدائے بخشندہ

مولانا کی منظرِ عجائب پر غرائبِ شخصیت نے سچ چچ حضرت خواجہ اجیریؒ کی راہ پر سعادت اختیار کر کے دکھادی جس کا ایک منظر آج انجمنِ اسلامیہ پنجاب ہند ہے۔ ادھر حضرت سید الاحرار اس عالم ناپائیدار سے عالم بقا کی جانب تیار یوں میں مشغول تھے۔ ادھر میں قلب و دماغ کے اضطراب میں بے چین تھا۔ اور اپنے ارادتمندوں کے دیہاتی دورہ میں سفر پر تھا۔ تحصیل جڑانوالہ کے ایک دیہات میں مولانا کی آخری شب

کے آخری حصہ میں محو خواب تھا کہ حضرت موچپورہ ٹانچی کے میدان میں ایک بہت بڑے  
 جلسے سے خطاب کے بجائے اپنے گھر شفاعت منزل کو آ رہے تھے۔ میرے علاوہ اور بھی  
 بہت سے نئے اور پرانے احباب ساتھ ساتھ تھے۔ میں بہت عرصہ کے بعد شفاعت  
 منزل کی جانب جا رہا تھا۔ شفاعت منزل کے احاطے میں ہم داخل ہوئے تو اس میں  
 ایک خوبصورت باغیچہ کے اندل ایک مختصر سا خوبصورت بنگلہ جو بالکل نیا تھا نظر آیا۔  
 مولانا کھٹ سے اس بنگلہ کے ایک کمرے میں داخل ہو کر آرام فرمانے لگے اور مجھ سے  
 فرمایا۔ شاہ جی! بی بی (حضرت مولانا کی اہلیہ صاحبہ) سے مل آؤ میں حضرت کا  
 ارشاد پا کر باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں، شفاعت منزل کے ساتھ ایک اور چہار منزل وسیع  
 نگر پرانی عمارت بھی کھڑی ہے اور اس کے ارد گرد ایک وسیع باغ ہے۔ میں اس کی  
 دوسری منزل میں داخل ہوا تو مرحومہ بی بی صاحبہ درویشانہ کھدر کے لباس میں ہوں  
 ذکر اللہ میں مصروف ہیں۔ میں نے بعد آداب و نیاز سلام کیا۔ انھوں نے دعائیں دیں  
 اور میرے سر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے بڑے جذب کے ساتھ فرمایا: شاہ جی دیکھو  
 تمہارے مولانا صاحب وہاں رہتے ہیں۔ یہاں نہیں آتے۔ بات ختم ہوتے ہی اس عمارت  
 کی دو منزلیں بڑے زور اور گرج سے نیچے گریں اور خون سے میری آنکھ کھل گئی۔ اس کے  
 بعد بھی میں پانچ روز تک سفر میں رہا۔ لیکن دل کی دنیا میں ایک سخت کرب و اضطراب  
 تھا۔ آخر میں دیہات سے نکل کر لائل پور آیا تو وہاں ایک دوست نے درویش کامل،  
 مجاہد حلیل سید الاحرار مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر طلال  
 کی خبر سنائی۔ اپنے اضطراب بے پایاں کی ساری وجہ سمجھ میں آ گئی۔

مجھے اپنے عزیز القدر برادر جنرل سکریٹری انجمن اسلامیہ پنجاب مولانا محمد احمد  
 رحمانی کی جواں ہمتی اور سعادت مندانہ طبیعت سے امید ہے کہ مولانا کے انتقال سے  
 ان کے عظیم مشن کی جو منزلیں گر گئی تھیں وہ انھیں پایہ تکمیل تک پہنچا کر دم لیں گے۔

”ہمت مردانِ مددِ خدا“ کے مصداقِ قدرتِ میرے اس بھائی اور عزیز کی حیرت انگیز مدد کرے گی۔ ہمت و استقامت کی دولت بے پایاں مولا کریم اس عزیز کے ہمراہ فرمائے۔

اپنی حالت تو اس شعر کے مصداق بن کر رہ گئی ہے۔

نزدہ دنیا ہے، نزدل ہے، نزدہ بادہ نہ ہے ساقی

فقط اک درد ہے زندہ فقط اک یاد ہے باقی

سید محمد سلیمان احمد سکیم بکٹی۔ علاء پوری مہتمم

۱۶ مئی ۱۹۶۲ء



## لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

خودی کا سر نہاں لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ خودی ہے تیغِ فناں لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ  
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے، صنم کدہ ہے جہاں لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ  
کیا ہے تونے ضرور کا سودا، فریب سود و زیاں لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ  
یہ مال و دولت و دنیا یہ رشتہ پیوند، بتان و ہم و گماں لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ  
خرو ہوتی ہے زمان و مکان کی زنجاری، یہ زمان نہ مکاں لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ  
یہ نعمہ، فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند، بہار ہو کہ خزاں لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ  
اگرچہ بت میں جہالت کی آستینوں میں۔ مجھے ہے کلمہ اذان لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

اقبالؒ

۱۔ اس سلسلہ میں مولانا منظور نعمانی کا مضمون پڑھئے تاکہ معلوم ہو کہ رئیس الاحرار کس درجہ کے صاحبِ مال بزرگوں میں تھے۔



# رئیس الاحرار کی دو باتیں

دسمبر ۱۹۴۷ء میں مولانا آزاد مرحوم کے زیر صدارت مسلمانان ہند کی ایک عظیم الشان کانفرنس مکھنو میں ہوئی تھی۔ یہ تقسیم اور اس سے پیدا ہونے والے خونی ہنگاموں کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کی پہلی بڑی کانفرنس تھی اور اپنے موضوع و مقصد کے لحاظ سے بھی بہت اہم تھی۔ حافظ محمد ابراہیم صاحب جو اب مرکزی کابینہ کے رکن ہیں اور اس وقت ہماری ریاست اتر پردیش کے وزیر تھے۔ وہ اس کانفرنس کی استقبالیہ کے صدر تھے۔ مولانا حفظ الرحمن اور حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ اس کے خاص داعیوں میں تھے۔ آپ کے والد ماجد (مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی مرحوم) اور آپ کے سب گھروالے مشرقی پنجاب کے لاکھوں مسلمانوں کے ساتھ پاکستان دھکیل دیئے گئے تھے۔ اس لئے اس کانفرنس میں مولانا مرحوم کی شرکت کی کوئی توقع ہی ہم لوگ نہیں کر سکتے تھے، بلکہ کانفرنس کے دفتر سے رابطہ کے باوجود میں نے یہ سنا بھی نہیں تھا کہ مولانا کو بلانے کی بھی کوئی کوشش کی گئی ہے۔ کانفرنس شروع ہو چکی تھی اور ایک کام اور پروگرام کے تحت ہم چند دوستوں نے کانفرنس کے قریب ہی ایک جگہ ڈیرہ ڈال لیا تھا اور پورا وقت ہمارا وہیں گزرتا تھا۔ غالباً کانفرنس کا پہلا ہی دن تھا۔ میں کسی ضرورت سے ظہر کے وقت مکان پر آیا۔ اس زمانہ میں میری رہائش احاطہ سلیمان قدریں تھی جب میں کانفرنس کی طرف جانے کے لئے اپنے مکان سے چل کر رہانے والی سڑک پر آیا (جو مکھنو کے اسٹیشن چار بارغ سے رکاب گنج ہوتی ہوئی گول دروازہ اور اس کمپنی باغ تک چلی جاتی ہے جہاں کانفرنس ہو رہی تھی) تو میں نے سنا کہ کوئی میرا نام لے کر زور زور سے آوازیں دے رہا ہے۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک ٹانگہ میں ہمارے مولانا مرحوم آ رہے تھے

میں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور سوچنے لگا۔

ابن کہ مے بیٹم بہ بیدار دلیست یارب یا بخراب

میں شوق میں بے تابانہ تانگہ کی طرٹ بڑھا مولانا نے تانگہ رکھ لایا اور اتر کے پہلے بغل گیر ہوئے۔ اللہ نے ان کو بڑا مضبوط دل دیا تھا۔ مگر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے ہیں بھی ساتھ ہی تانگہ میں سوار ہو گیا۔ مولانا نے بتایا کہ مولانا حفظ الرحمن صاحب نے دو تین تار دیئے تھے کسی طرح آگیا ہوں۔ ہوائی جہاز سے میں کل دہلی پہنچ گیا تھا بہت کوشش کی کہ اس وقت لکھنؤ کے لئے ہوائی جہاز مل جائے۔ لیکن انتظام نہ ہو سکا۔ مجبوراً ٹرین سے آنا پڑا اور اسی وجہ سے دیر ہو گئی۔ اس سلسلہ گفتگو میں فرمایا بھی مولوی منظور صاحب! ہندوستان و پاکستان میں ان دنوں جو کچھ ہوا۔ اس سے مجھے بس یہ ملا ہے کہ شرک کی ساری رگیں کٹ گئیں اور اتحاد مذہب دل کے کسی گوشہ میں کسی سے کوئی ابید اور کوئی اندیشہ نہیں رہا ہے۔ سب کو دیکھ لیا۔ پھر حجب کا نفرنس میں تقریر فرمائی، تو اگرچہ اس کا موضوع دوسرا تھا۔ لیکن اس میں بھی یہ بات بڑی صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان فرمائی۔

۱۹۴۸-۴۹ء میں ایک دفعہ لکھنؤ تشریف لائے۔ ہندوستان کے سیاسی

حالات اور ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل و مشکلات کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ کانگریس اگر مسلمانوں کو نہیں اپنائے گی اور ان کا خوش دلانہ تعاون حاصل نہیں کرے گی تو ہندو فرقہ پرست طاقتیں اس کو فنا کر دیں گی۔ اب وہ صرف مسلمانوں کو اپنا کر بچ سکتی ہے۔ اس کے لئے صرف یہی راہ ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے لئے صرف یہ راستہ ہے کہ وہ کانگریس کو اپنائیں اور اس کے نظام میں داخل ہوں۔

منظور احمد نعمانی۔ لکھنؤ۔ یوپی

۱۶ مئی ۱۹۶۲ء دفتر الفرقان لکھنؤ

# حبیب قوم

قَدْ بَدَأَ مِنْ ذِكْرِ حَبِيبٍ وَمَنْزِلِ  
يَسْقِطُ اللَّوْنُ بَيْنَ الدَّخُولِ فَخَوَّلِ

یوں تو میں حضرت مولانا مرحوم کو اپنی طالب علمی کے زمانے سے جانتا تھا اور کون پڑھا لکھا مسلمان ایسا ہے جس نے اس شیر نیتاں حریت کی گرج نہ سنی ہو۔ مگر حضرت مولانا سے تعلقات کی نوعیت ۱۹۲۷ء کے بعد پیدا ہوئی۔

اپوڑ ضلع میرٹھ کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ وہاں کسی مدرسہ کا سالانہ جلسہ تھا مولانا وہاں تقریر کے لئے مدعو تھے۔ میں بھی جلسہ کی شرکت کے لئے گیا ہوا تھا۔ صبح کی چائے کا انتظام وہاں کے ایک بڑے مسلمان تاجر کے مکان پر تھا۔ اتفاق سے مجھے مولانا کے بہت قریب نشست ملی۔ مولانا نے مجھ سے میرا نام اور وطن پوچھا۔ میں نے بتا دیا۔ مولانا نے سنجیدگی کے ساتھ فرمایا ”آپ کھڑے ہو جائیے۔“

میں ڈرا کہ کہیں مجھ سے بے ادبی تو نہیں ہو گئی ہے کہ میں مولانا کے اتنے قریب آ بیٹھا ہوں۔ مگر جب دیکھا کہ مولانا اپنا عربی عبارت سنہا لے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور ان کے حسین چہرے پر تبسم کی بھلیاں چمک رہی ہیں تو جان میں جان آ گئی اور کھڑا ہو گیا۔ حضرت مولانا نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ مجھ سے مصافحہ فرمایا اور پھر فرمانے لگے ”تم سے ملنے کو بہت جی چاہتا تھا۔ میں نے تمہاری ”خلافت راشدہ“ اور ”خلافت بنو امیہ“ کا مطالعہ جیل میں کیا تھا“ پھر دیر تک باتیں ہوتی رہیں اور جب میں رخصت ہونے لگا تو وعدہ لے لیا کہ ان کے دولت کدہ پر دم ٹی آ کر ملوں، بلکہ وہیں قیام کروں۔

میرا دہلی آنا جانا ”احکام“ اور اس کے مکتبہ کی کتابوں کی طباعت کے سلسلے



میں رہتا ہی تھا۔ مولانا سے برابر ملاقات ہونے لگی۔ بلکہ مولانا کا دولت کدہ ہماری مستقل قیام گاہ بن گیا۔

## مہمان نوازی

دہلی میں مہمانی کا مسئلہ بڑا نازک ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ دہلی والے بڑے خشک ہوتے ہیں۔ مہمانوں سے گھبراتے ہیں۔ مگر ایمان داری کی بات یہ ہے کہ وہ بیچارے بھی معذور ہیں۔ اول تو دہلی نہالوں کے مکان عام طور پر اندازاً سے قطع نظر مختصر ہی ہوتے ہیں۔ پھر دہلی میں آنے والے مختلف اغراض سے بکثرت آتے ہیں۔ آخر کس کس کی مہمان داری کریں۔؟

مگر مولانا کا مردانہ مکان ماشاء اللہ بڑا وسیع تھا اور عین ان کا مکان وسیع تھا اس سے زیادہ ان کا قلب وسیع تھا۔ ان کے ہاں مہمانوں کا تانتا نکارتا تھا۔ بعض لوگ رات کے ایک اور دو بجے آن در آمد ہوتے تھے۔ ٹر میں نے کبھی اس کی پیشانی پر شکن پڑتے نہیں دیکھا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مہمان کو دیکھ کر ان کا پہرہ چمک اٹھتا تھا اگر کوئی دوست آجاتا تو پھر تو پھولے نہ سماتے۔ کھڑے ہو کر مصافحہ کرتے اور اپنے برابر میں مسند پر جگہ دیتے۔ کھانے پینے کے معاملہ میں ان کے ہاں تکلف کو دخل نہ تھا۔ جو کچھ گھر میں موجود ہوتا اس سے رکھ دیتے۔ گھر میں کھانا ختم ہو چکا ہوتا تو بازار سے منگا لیتے۔ اگر مہمان کھانے سے انکار کرتا تو اس انکار کو واقعیت پر محمول کر کے اصرار بھی نہ کرتے۔

اس بے تکلفی پر مولانا کی پنجاہیت کو بھی دخل تھا۔ ہم یورپی والے تکلف کے عادی۔ مہمان بھی تکلف کرے گا اور بھوکا ہوتے ہوئے بھی کہے گا کہ کھا کر آیا ہوں اور میزبان بھی اصرار کرے گا کہ کچھ نہ کچھ ضرور کھاؤ۔ خواہ بے چارہ مہمان کھا کر ہی کرے۔

میں نے ابتداء میں جب مولانا کے ہاں قیام کرنا شروع کیا تو حسبِ عادت تکلف برتا۔ ایک دن کھانا کھا کر گھر سے نہیں چلا تھا۔ مگر مولانا کے استفسار پر کہہ دیا کہ بھوک نہیں ہے۔ خیال یہ تھا کہ مولانا اصرار فرمائیں گے۔ مگر وہ خاموش ہو گئے۔ مجھے اس رات بھوکا ہی رہنا پڑا۔ پھر میں نے کبھی ایسی غلطی نہ کی۔ بھوک ہوتی تو صاف کہہ دیتا کہ کھانا منگو لیجئے۔

مولانا کے ہاں کھانے کی نوعیت میں بھی تکلف نہ ہوتا تھا۔ ایک روز ان کے ہاں انڈین نیشنل کانگریس کے صدر مسٹر دھیبیر کی دعوت تھی۔ میں بھی اس میں شریک کیا گیا۔ کھانے پر دو پائین قسم کی تزکاریاں تھیں اور گرم گرم روٹی۔ اللہ اللہ خیر صلا۔

میں سیاسی آدمی نہیں ہوں۔ مگر اتنا جانتا ہوں اس دن دسترخوان پر مولانا نے مسٹر دھیبیر سے سیاسیات حاضرہ پر ایسی عمدہ گفتگو کی کہ وہ مولانا سے بے حد متاثر ہوئے۔ اور دورانِ گفتگو میں کہا کہ ”آپ جیسے آدمی کو کانگریس کی درکنگ کمیٹی میں حصہ دینا چاہیے گا“ مگر مولانا جلد ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور مسٹر دھیبیر اس خیال کو عمل میں نہ لاسکے۔

## ذہانت و فطانت

مولانا بے حد ذہین تھے۔ مخاطب کے چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہی اس کے صفحہٴ دل کی تحریر پڑھ لیتے تھے۔ گفتگو بری ٹھکی ہوئی اور مدلل کرتے تھے۔ مختصر لفظوں میں اپنا مضمون سننے والے کے دل میں پیوست کر دیتے تھے۔

۱۹۵۵ء میں مولانا نے جو سفر چج کیا۔ اس میں مولانا کی عالم اسلام کی ممتاز علمی سیاسی شخصیتوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ مولانا کی گفتگو سے سب کو میں نے متاثر و بھیدان کے دلائل کے سامنے سب پر افکندہ نظر آتے تھے۔ جہاں گفتگو سے کام نہ چلتا وہاں ٹبکٹ سے کام نکالتے تھے۔ حج سے فراغت کے بعد جدہ کو داپسی ہوئی تو پرزادہ راہدار

میں کوئی قانونی نقص رہ گیا تھا۔ جب تمام مسلمان لاڈ کر مکہ معظمہ سے باہر نکل آئے تو راستہ میں پولیس چوکی پر کار روک لی گئی۔ مولوی محمد احمد کاظمی صاحب ایم پی نے جو رفیق سفر تھے بہت کچھ کہا سنا۔ پولیس افسر نے مانا اور واپس لوٹنے پر اصرار کیا آخر مولانا اثرے پولیس افسر کی ٹھورتی میں ہاتھ ڈالا۔ دو تین لفظ موزرت کے کہے اور معاملہ ختم کر دیا۔

## عربوں کی ددست مندی کا خطرہ

عرب کے دوسرے علاقوں کی۔ بح سعودی عرب میں بھی نیل کے چشموں کے اٹھنٹن نے جو زور و سیم کے دیے بہاؤ سے ہیں عرب حکومتیں ان پر کتنا ہی فخر کریں مگر اہل نظر اس پر شکر مند ہیں۔ یہ تیل کی کمپنیاں ہیں بلکہ مغربی استعمار کے قلعے ہیں جو جزائر عرب میں ہر جگہ قائم کر دیئے گئے ہیں۔ آرام کو نے سعودی عرب کے سینکڑوں میل کے علاقے کو فیکٹریوں اور دفاتروں کے نام سے نے قبضہ میں لے رکھا ہے۔ صرف غوار کی فیکٹری سو اسو میل کے رقبہ میں کھلی ہوئی ہے۔ اس تیل کو مغربی ملکوں میں پہنچانے کے لئے ایک طویل پائپ لائن ومام سے لبنان کی بندرگاہ صیدا تک بھیجی ہوئی ہے جو ایک برٹش کمپنی کی ملکیت ہے۔ ان کمپنیوں میں لاکھوں مزدور کام کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اصل اقتدار ملک میں ان کمپنیوں کا ہے۔ کویت کے معاملہ پر یہ حقیقت حال ہی میں واضح ہو کر سامنے آچکی ہے۔ مغربی پنجہ استعمار میں گرفتار ہونے کے علاوہ دولت کی اس ریل پیل نے باشندگان عرب کو عیاش اور آرام طلب بنا دیا ہے۔ بہتر سے بہتر سامان تغیش حیا اور میں لدا ہوا مغربی ملکوں سے چلا آ رہا ہے۔ مہی اور دبلی کے بازاروں میں آپ کو ہوسامان ملے گا۔ وہ جہہ اور مکہ معظمہ کے بازاروں میں مل جائے گا۔ جب بغیر ہاتھ پاؤں بلائے رہتے فراغت میسر آجائے تو پھر ملک میں کاغذانے قائم کرنے اور سامان تیار کرنے کی مہم بہت



کون مول لے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اندرون ملک کوئی صنعت موجود نہیں۔ تشریف کشی کی اس مہموشی کو جادواں بنانے کے لئے نادولوں اور افسانوں اور دوسرے فحش لٹریچر کی اشاعت سے بھی کام لیا جا رہا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ جدہ میں اس کے کئی مراکز قائم ہیں۔ ایک ادیب صحافی جدہ میں ہم لوگوں سے ملنے کے لئے تشریف لائے۔ انھوں نے اپنی تصنیفات کا ایک سیٹ اس خاکسار کو بھی عطا کیا۔ ان کے تشریف لے جانے کے بعد جب کتابیں دیکھیں تو ان میں ان کے لکھے ہوئے مختصر افسانوں کا مجموعہ بھی تھا۔ جس میں جا بجا نیم برہنہ تصویریں موجود تھیں یہ مجموعہ میرے پاس پڑا ہوا ہے) بے اختیار یہ مصرعہ زبان پڑ گیا۔

چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمان !

مولانا جیسا بالغ نظر سیاست داں اور مغربی استعمار کی شینہ کی کل پرزد کا ماہر انجینئر اس صورت حال سے جس قدر دلگیر ہوتا کم تھا۔

مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور جدہ کے قیام کے دوران بلاد عربیہ کے بہت سے سیاست داں اخبار نویس اور علماء مولانا سے ملاقات کے لئے تشریف لاتے، ہے۔ مولانا بھی ان لوگوں سے ملاقات کے لئے تشریف لے جاتے۔ مولانا پٹری درو سندی اور بے قراری کے ساتھ عرب ملکوں کے موجودہ حالات کے خطرناک نتائج سے آگاہ فرماتے۔ مغربی ملکوں کے استعماری داؤ پیچ کو بے نقاب کرتے اور تین امور کی طرف ان کی توجہ خصوصیت کے ساتھ منعطف کراتے۔

(۱) اتحاد ممالک عربیہ (۲) ملک میں صنعتی اداروں کا قیام اور مغربی مصنوعات

سے احتراز (۳) جدید و قدیم علوم کے تعلیمی اداروں کا اجراء

## اتحاد عرب کی دعوت

ایک روز دمشق کے ممتاز عالم شیخ احمد کفترہ نقشبندی ملاقات کے لئے تشریف

لائے گفتگو عرب ممالک کی سیاست پر ہونے لگی۔ مولانا نے فرمایا۔ اگر آپ بلا و عربیہ کو مغربی استعمار کے جال کے پھندوں سے نجات دے سکیں اور چھوٹی چھوٹی عرب ریاستوں کا جنھیں برطانیہ۔ امریکہ اور فرانس نے اپنی مصلحتوں سے تقسیم کر رکھا ہے۔ ایک عرب فیڈریشن بنا سکیں تو یہ اسلام کی بڑی خدمت ہوگی۔ اسد م دنیا کے لئے آزادی کا پیغام لایا۔ یہ کیسی بد قسمتی ہے کہ وہ ملک جہاں سب سے پہلے اسلام کا نور پھینکا۔ برہانوی اور امریکی اقتدار کے سایہ میں ہیں۔

شیخ نے بڑی توجہ سے مولانا کی باتوں کو سنا۔ پھر فرمانے لگے۔ مونا تو یہی چاہتے جو آپ فرما رہے ہیں۔ مگر عملاً اس میں بڑی مشکلات ہیں۔ عرب ریاستوں میں اسلام پر وحدت غالب ہو چکی ہے اور اس جذبے نے شامی۔ عراقی اور حجازی کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہے۔

مولانا نے فرمایا ہندوستان کے مختلف عربوں کے باشندے رنگ روپ میں زبان میں تمدن و معاشرت میں اور مذہب میں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ مگر آزاد ہندوستان میں سب ہندوستانی ہیں۔ ہندوستان میں چار سو ریاستیں تھیں مگر ان سب کو ملا کر ایک کر دیا گیا ہے انگریز نے اپنے مقاصد کے لئے ان کے درمیان جو حدیں قائم کر دی تھیں ان کو توڑ ڈالا گیا ہے اور اب یہ سب ایک گھرانہ بن گئے ہیں۔ آپ کا ملک تو درحقیقت ایک ہے۔ تمدن و معاشرت ایک ہے۔ زبان ایک ہے۔ مذہب ایک ہے۔ پھر آپ کی سیاست ایک کیوں نہیں ہو سکتی۔

شیخ خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے

## کارخانے کھولو

مدینہ منورہ کے دوران قیام میں ایک روز وہاں کے مشہور اخبار "المدینہ"

المنورہ کے مدیران محترم نے مولانا اودان کے رفقاء کی دعوت کی۔ میز پر مشروب کی حیثیت سے دی "کو کا کولا" رکھا گیا، جو حجاز کا مقبول عام اور دل پسند شربت ہے۔ مولانا نے فرمایا۔ انیسویں آسٹریلیا میں شربت بھی مغربی ملکوں سے آیا ہوا پلا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو روحانی برکتوں کے ساتھ ساتھ کھجور جیسی لذیذ مادی نعمت سے نوازا ہے۔ ہمارے ہاں ایسی پھلوں میں وہ شیرینی اور لطافت نہیں ہوتی جو مدینہ منورہ کی کھجوروں میں ہے۔ کیا آپ کا خیال یہی اس طرف منتطف نہیں ہوا کہ آپ کھجوروں کا شربت تیار کریں۔ یہ آپ کے ملک کی ایک بہترین صنعت ہو سکتی ہے۔ پھر مولانا نے فرمایا۔ آپ کے ملک میں آنے والے حاجی ہر سال لاکھوں رو مال اور جاندار یہاں سے خرید کر لے جاتے ہیں۔ یہ سب اٹلی کی بنی ہوئی ہوتی ہیں بلکہ مسیحیوں تک اٹلی سے آتی ہیں۔ کیا سعودی حکومت یہاں جاننازوں اور رومانوں کے بنانے کے کارخانے نہیں کھول سکتی۔ اگر ایسے کارخانے ملک میں کھل جائیں تو ایک طرف حاجیوں کو اصل تبرک ملی سکے اور دوسری طرف ان ہزاروں گھراگروں کے لئے روزگار بھی ہو سکے جو خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کے دروازوں پر پڑے جمائے کھڑے رہتے ہیں۔

مدیران محترم مولانا کی اس تقریر سے بے حد متاثر ہوئے اور اخبار کی اگلی اشاعت میں مولانا کی اس تجویز پر ایک پُر زور ادارہ لکھا۔

## مدینہ یونیورسٹی

مدینہ یونیورسٹی کا آج کل بہت چرچا ہے۔ حضرت مولانا نے اپنے سفر حجاز میں یہ تجویز بھی وہاں کے عمائد کے سامنے رکھی تھی۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں مجلہ "الحج" کے مدیر اعلیٰ شیخ محمد سعید الوامودی جب ملاقات کے لئے تشریف لائے تو مولانا نے مفصل طور پر ان سے اس موضوع پر گفتگو کی اور ایک ایسی مرکزی دینی درس گاہ کے



قیام پر نوردیا جہاں تمام بلاد اسلامیہ کے طلباء اپنے اپنے فقہی مسلک کے مطابق علوم دینیہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکیں۔ مدیر موصوف نے مولانا سے فرمایا کہ وہ اپنی تحریز کو تحریری صورت میں حکومت کے سامنے پیش کریں۔ مجھے یاد نہیں کہ مولانا نے حکومت سعودیہ کو اس سلسلہ میں مخاطب کیا یا نہیں۔

موجودہ "مدینہ یونیورسٹی" کہیں تک مذکورہ بالا مقصد کو پورا کر سکتی ہے اس پر گفتگو کرنے کے لئے انتظار کی ضرورت ہے۔

## رد قادیانیت

ان مباحث کے عرود و ردود موضوع تھے جن پر مولانا اکثر تبادلہ خیالات فرمایا کرتے تھے۔ ایک رد قادیانیت "اور دوسرا دیوبند کی تعلیمی تحریک

قادیانیت کو مورخہ دینی ہمیں قطعاً ایک سیاسی تحریک سمجھتے تھے مولانا کی رائے تھی کہ مسلمانوں پر قبضہ کرنے کے بعد مسلم لوگوں میں انگریزوں کی مخالفت اور ان سے نفرت کا جو روح ابھرا اور جو بھی ایک سیر شہید اور کھنڈی القلوب شہداء اور کبھی انہماک کی صورت میں نمودار ہوا اس کو مدد کرنے کی بہترین عسارت یہ تھی کہ قادیانیوں کو مسلمانوں کا پیشوا بنا دیا جائے جس نے جہاد کو منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔ اور انگریزی حکومت کی تباہی پر پچاس لاکھ روپیہ کی تسمیٹ کی تعمیر۔ اس کا ایک ذریعہ یہ بھی تھا کہ مسلم تان بہر کی توجہات بلاد عربیہ کی طرف سے ہٹ جائیں اور حرمین اور بیت المقدس کی بجائے ان کی عتیدوں کا مرکز قادیان بن جائے۔

اصل میں مولانا کے جد بزرگوار مولانا مفتی شاد محمد صاحب نے جس طرح تمام غلام ہند سے پہلے شہداء میں مسلمانوں کو شرکت یا نگر میں کوفہ ہی دیا تھا۔ اسی طرح مرزا احمد قادیانی کے مرتدادوں کو نگر کے دیہت ہولے کا بھی فتویٰ دیا تھا۔

پھر حضرت الاستاد علامہ مولانا سید انور شاہ کشمیری کی صحبت میں مولانا کی اس خاندانی بصیرت میں مزید چمک پیدا ہوئی آخر ”تحریک کشمیر“ میں مولانا نے قادیانیت سے جماعتی حیثیت سے ٹکری اور کشمیر کو قادیانیت کی آغوش میں جانے سے بچالیا۔

## مادر علمی کی محبت

جہاں تک دیوبند کا تعلق ہے۔ دیوبند مولانا کا علمی گہوارہ تھا۔ مولانا نے جو کچھ حاصل کیا وہیں سے حاصل کیا۔ مولانا اپنی سعادت مندی، نیک طبیعت، کثرتِ وظائف اور طلاقِ لسانی کی وجہ سے بہت جلد اس وقت کے اکابر دیوبند کے منظورِ نظر بن گئے تھے۔ انھیں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمنؒ اور مولانا مسیحا، منیر حسین جیسے مرشدینِ کامل۔ حضرت مولانا محمد احمدؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ جیسے اصحابِ تدبیر و سیاست۔ علامہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری جیسے صاحبِ علم و فضل اور حضرت مولانا بشیر احمد صاحبِ عثمانی جیسے متکلم و خطیبِ بزرگ علمی و عملی رہنمائی کے لئے مل گئے تھے۔ مولانا نے ان سے خوب فائدہ اٹھایا اور انھوں نے بھی ان کو سینہ سے لگایا۔

مگر یہ واقعہ ہے کہ مولانا کو طبعا مدرسہ کی خاموش فضا کے مقابلہ میں جلسوں، ریکانفرنسوں کے ہنگامے زیادہ پسند تھے۔ پھر ۱۹۱۹ء کا طوفان اور آغوشِ زمانہ تھا۔ جب کہ مغربی حکومتوں نے خلافتِ عثمانیہ کو پارہ پارہ کر کے مصر، شام، فلسطین و عراق کو اپنے دہانِ حرص و آرزو کا لقمہ بنا لیا تھا اور اسلامی ہندوستان میں پشاور سے راسِ نماری تک صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی۔ بھلا مولانا کیسے خاموش بیٹھ سکتے تھے۔ اپنے استاد حضرت مولانا بشیر احمد کے ساتھ جلسوں میں شریک ہونے لگے اور علمی سیاست کے میدان میں اپنا ایک مستقل مقام پیدا کر لیا۔

اپنے ان دینی و علمی۔ سیاسی بزرگوں کا مولانا کے دل میں بڑا احترام تھا، جس کا ذکر کرتے، بڑے ادب کے ساتھ کرتے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے بعد کے زمانے میں سیاسی اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ مولانا عثمان جمیۃ علماء اسلام کے صدر الصدور تھے۔ جو مسلم لیگ کی پشت پناہ تھی اور ہمارے مولانا مجلس احرار اسلام کے صدر تھے جو کانگریس کا بازو سمجھے جاتی تھی۔ مگر ذاتی مخلصانہ تعلقات میں کبھی فرق نہ آیا اور خط و کتابت بھی برابر جاری رہی۔ فہم قرآن کریم میں مولانا، علامہ عثمانیؒ کو بے مثل قرار دیتے تھے اور ان کے فوائد القرآن کا اکثر مطالعہ کرتے رہتے تھے۔

حک کی سیاسیات اور دیوبند کے انتظامی معاملات میں اختلاف آراء کی وجہ سے اکابر دیوبند کے حلقوں میں پہلی سی وحدت و جمعیت باقی نہ رہی تھی۔ مولانا کو اس سے بڑی دکھن ہوئی۔ وہ سب کی خدمت میں جاتے اور جس سے جس درجہ کے تعلقات تھے ان کو نبھاتے۔ ایک دن دیوبند سے واپسی پر مجھ سے فرمانے لگے :

”قاضی صاحب، جس طرح برہمن مندر میں جا کر ہر چھوٹے اور بڑے بت کے سامنے اپنا سر جھکاتا ہے اور پھول پڑھاتا ہے۔ اسی طرح میں تو دیوبند میں سب بزرگوں کی خدمت میں جاتا ہوں اور ان کی دعائیں لیتا ہوں۔ میرے تو سب بزرگ ہیں سب مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ میں کسی گروہ بندی میں کیوں شریک ہوں؟“

## ”دشمنین“ سے محبت

حضرت مولانا، علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے عاشق صادق تھے۔ ان کے فضائل مناقب کا ذکر کر کے وجہ کیا کرتے کہا کرتے کہ مجھے قرآن فہمی کا ذوق حضرت شاہ صاحبؒ کی صحبت میں حاصل ہوا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ بھی ان سے بڑی محبت کرتے تھے اور ان کے گھر کو اپنا گھر سمجھتے تھے۔ ایک بار مولانا جیل میں تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ



ان کے مکان پر لدھیانہ پہنچ گئے۔ بیٹھک صاف نہ تھی۔ جھاڑو لے کر حضرت شاہ صفا نے خود اس کی صفائی کر ڈالی۔ گھر والوں نے حضرت شاہ صاحب کو روکا، تو آپ نے فرمایا۔ یہ میرا گھر ہے۔ گھر والے اپنے گھر کی صفائی کیا ہی کرتے ہیں۔

بہر حال ایک طرف حضرت شاہ صاحب سے اس قدر گہرے تعلقات تھے، دوسری طرف حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کی محبت و عقیدت میں کسی سے کم نہ تھے۔ حضرت شیخ کو اپنا سیاسی رہنما سمجھتے تھے۔ حضرت شیخ بھی مولانا سے بڑی شفقت فرماتے تھے۔ دہلی میں حضرت کا قیام دفتر جمعیتہ علماء ہند میں ہوتا اور اکثر صبح کی چائے مولانا کے ہاں نوش فرماتے۔

## ”امیر ملت“ سے عقیدت

نامہ بزرگوں میں حضرت شیخ الاسلامؒ کے علاوہ حضرت امیر ملت مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے پوری مدظلہ العالی سے بڑی عقیدت و ارادت تھی۔ مولانا اور ان کے فرزند حضرت رائے پوری سے بیعت بھی تھے۔ ہر دوسرے نمبرے ماہ مولانا رائے پور تشریف لے جاتے اور کئی کئی روز حضرت کے ہاں قیام کرتے۔ حضرت بھی دہلی تشریف لاتے تو اگرچہ مستقل قیام ہارہ کی ایک مسجد میں ہوتا، مگر مولانا کے ہاں بھی ایک دور روز ٹھہرتے۔ حضرت رائے پوری سے نسبت کی سعادت اس خاکسار کو بھی مولانا ہی کے دولت کدہ پر ان ہی کی سفارش سے حاصل ہوئی اور یہ مولانا کا مجھ پر ایسا احسان ہے جسے میں تا قیامت نہیں بھول سکتا۔ اور قیامت کے بعد بھی کیوں بھولوں گا کہ انشاء اللہ تقائے اس معلق کے ثمرات کے ثمرات سے متمتع ہونے کا اصل وقت وہی ہوگا۔

ایک روز مولانا کی مجلس میں ۱۹۴۷ء کے حوادث کا ذکر تھا، مجھ سے خطاب کر کے مولانا نے فرمایا۔ تمہیں معلوم ہے کہ فسادات کے یہ شعلے جہنوں نے پنجاب کو بھسم کر کے

رکھ دیا تھا جتنا کہ کنارے آکر کیوں بچھ گئے۔ تین بزرگ تھے جن کے گریہ نیم شبی نے اس آگ کو ٹھنڈا کیا ہے۔ حضرت منی، حضرت رائے پوری اور قیسری ایک اور بزرگ کا نام لیا۔ میں ان کا نام بتانا نہیں چاہتا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں ان کا نام لکھ دوں تو وہ مجھ سے سخت ناراض ہو جائیں گے اور ان کے فقیرانہ دسترخوان پر مجھے جو شاہانہ نعمتیں سفر رائے پور کے راستے میں ملتی ہیں بند ہو جائیں گی۔

## حبیب آغوش محبوب میں

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے تعلقات کا آغاز جس طرت ناگہانی طریقہ پر ہو۔ قدرت کو اس کا اختتام بھی اسی انداز پر کرنا تھا۔ اب ذرا جگر تھک کر اس کا ذکر بھی س لیجئے۔ مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کے انخلاء کا حضرت مولانا کو بڑا غم تھا۔ یہ ایک طرف مولانا کے سینے کا زخم تھا جو برابر استوار رہتا تھا۔ تو دوسری طرف وہ اسے ہندوستان کی سیدر حکومت کی روشن جیشانی کا داغ بھی سمجھتے تھے۔ آخر حضرت رائے پوری مدظلہ العالی کی رپستی میں مولانا مرحوم نے ۱۹۵۷ء کے وسط میں "انجمن حمایت اسلام" کے نام سے ایک ادارہ بنایا اور منظم طریقے پر مشرقی پنجاب میں مساجد و مقابر کے انخلاء اور وطن میں رہتے ہوئے بے وطن مسلمانوں کی آباد کاری کا کام شروع کر دیا۔

اس انجمن کا پہلا یا حنا بیٹہ جلسہ مولانا نے یکم ستمبر ۱۹۵۷ء کو اپنے دواوت کے ہر بلایا۔ مشرقی پنجاب، دہلی اور یوپی سے مولانا کے وہ احباب جو اس کام میں دلچسپی رکھتے تھے جمع ہوئے۔ جلسہ حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی صدارت میں صبح سے شام تک جاری رہا۔ اور اس میں کام کا ایک واضح نقشہ بنایا گیا۔ جلسہ ختم ہو جانے کے بعد مولانا نے اطمینان کا سانس لیا اور فرمایا کہ آج میرے سینے کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔

اکثر شرکاء جلسہ اسی روز شام کو رخصت ہو گئے۔ میں نے چاہا کہ حضرت ہستم صاحب کے ساتھ جو اپنی کار کے ذریعے دیوبند روانہ ہو رہے تھے، میں بھی سوار ہو جاؤں اور راستہ میں میرے ساتھ اتر جاؤں۔ مگر اجازت نہ ملی اور مجھے روک لیا گیا۔

بعد نماز مغرب دارالعلوم دیوبند کے مصری استاد تشریف لے آئے۔ ان سے دیر تک گفتگو فرماتے رہے۔ پھر نماز عشاء کے بعد کاظمی صاحب سے اور مجھ سے انجمن کے کام کے متعلق سونے کے وقت تک باتیں ہوتی رہیں۔ اس رات گرمی زیادہ تھی۔ مولانا کو اطمینان کی نیند نہ آئی۔ میری آنکھ بھی تھوڑی تھوڑی دیر بعد کھلتی رہی۔ صبح چار بجے کے قریب مولانا بستر سے اٹھے۔ ضروریات سے فارغ ہو کر وضو کیا۔ پھر جاننا نہ بچھا کر اپنے مولا کے سامنے سر بسجود ہو گئے۔ میں مکان کے برابر والی مسجد میں چلا گیا۔ علی الصبح مولانا کا مولیٰ کمپنی باغ تک ٹہلنے کے لئے جانے کا تھا۔ مگر آپریشن کے بعد سے جسے دو ماہ گزرے تھے رکشہ میں آتے جاتے تھے۔ اس روز خلافت مولیٰ پیدل واپس ہوئے اور راستہ بھر دوکان داروں اور محلہ والوں سے سلام و مصافحہ کا سلسلہ جاری رہا۔

مولانا کے ہاں صبح کا ناشتہ بہت سیرے ہوتا تھا۔ مولانا کے تشریف لاتے ہی دسترخوان بچھا دیا گیا۔ حضرت مولانا پیشاب سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو میں تعظیماً کھڑا ہونے لگا۔ مولانا نے محبت کے ساتھ کاندھے پر ہاتھ رکھ کر روک دیا اور ہنس کر فرمایا۔ میں تو پنجابی ہوں پھر آپ میرے ساتھ یوپی کی تہذیب کیوں چلا تے ہیں؟ میں نے عرض کیا جب میرے اور آپ کے تعلقات ہیں تو تہذیب بھی ملی جلی چلنے دیجئے۔ گفتگو کے دوران میں ہی مولانا محمد احمد کاظمی ایم۔ پی (مرحوم) تشریف لے آئے۔ مولانا نے فرمایا لیجئے۔ اب مشرقی یوپی اور بہار کی تہذیبوں کے نمائندے بھی آ گئے۔ الغرض ناشتہ کے دوران حضرت مولانا اپنی شیرینی گفتار سے کام و دہن کے ساتھ دل و دماغ کی ضیافت کا سامان بھی فرماتے رہے۔



ناشتہ سے فراغت کے بعد مولانا زمان خانہ میں تشریف لے گئے۔ وہیں  
بیت انحلا جانے کی ضرورت پیش آئی۔ اسی دوران میں اختلاج قلب کا دورہ پڑا۔  
رٹ کھڑاتے ہوئے نکلے اور چار پائی پر گر گئے۔ کلمہ طیبہ پڑھا اور رحمان کا حبیب  
اپنے محبوب کی آغوش رحمت میں پہنچ گیا۔

گھر میں آہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔ دوسروں کے ساتھ میں بھی افتاں و  
خیزاں گھریں۔ سب سب بچا۔ حضرت مولانا بستر مرگ پر دراز تھے۔ نورانی پیشانی پر سپینہ کے موتی  
لڑیاں تھے اور خاموش ہونٹوں پر تبسم کی موجیں رقصاں تھیں۔

”حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد“

مُرَّ مَنْ عَيْنِهَا ذَا بٍ وَيَفْقَى رَجَاءَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

ذین العابدین شیخ التفسیر جامعہ طیبہ۔ نئی دہلی  
۱۶ مئی ۱۹۷۵ء



## تعمیر حیات

ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے ذوقِ انقلاب

ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے ملت کا شباب

ندرتِ فکر و عمل سے معجزاتِ زندگی

ندرتِ فکر و عمل سے سنگِ خارِ اعلیٰ ناب

اقبال

# رئیس الاحرار اب بھی زندہ ہیں

محترم رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کی یاد آتے ہی ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے وہ اب بھی زندہ ہیں۔ اب بھی کچھ ہی دیر بعد آئیں گے۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی کہیں گے ”کہو بھائی۔ ملک کے لئے کچھ کام بھی کرتے ہو یا صرف مضمون ہی لکھتے رہتے ہو؟“ اور میں جدی سے اٹھ کر آداب بجا لا کر کہوں گا ”آپ حکم کیجئے، جو بھی آپ کہیں گے وہ میں کروں گا ضرور۔“ ایسی تھی ان کی شخصیت۔ کچھ لوگ زندہ ہونے پر بھی مرے سے لگتے ہیں۔ وہ رحلت فرمانے کے بعد بھی زندہ معلوم ہوتے ہیں۔ آج وہ اس دنیا میں نہیں ایسا یقین ہی نہیں ہوتا۔

اور اوپر جو فقرہ میں نے ان کی طرف سے لکھا۔ ”کہو بھائی ملک کے لئے کچھ کام بھی کرتے ہو یا مضمون ہی لکھتے رہتے ہو؟“ جیسے ان کے جیون کے مشق کا آئینہ ہے۔ اس میں تین الفاظ ہیں۔ ”بھائی“۔ ”ملک“۔ اور ”کام“۔ اور ان کے جہان جیون کو دیکھتے ہوئے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین الفاظ ہی ان کے سارے جیون کی بنیاد تھے۔ ملک کا ہر آدمی ان کے لئے ”بھائی“ تھا۔ اپنا تھا، کوئی پرایا نہیں۔ ہر وقت وہ ”ملک“ کے لئے سوچتے تھے۔ مسلمانوں کے مذہبی نیتا تھے وہ۔ لیکن ان کا پیار صرف مسلمانوں کے لئے تو نہیں تھا۔ انھیں چنتا صرف ان کے لئے نہیں تھی، جو اسلام میں عقیدت رکھتے ہیں بلکہ سب کے لئے تھی۔ سارے ملک کے لئے۔ ان کا مذہب ان کی دیش بھگتی کے راستہ میں کبھی حائل نہیں ہوا۔ بلکہ اسی مذہب کی وجہ سے انھوں نے ملک کو پیار کرنا سیکھا۔ ملک کے ہر آدمی کو پیار کرنا سیکھا اور اس کی آزادی کے لئے جدوجہد۔ قیرو و بسند کی صعوبتیں برداشت کرنا، اپنے سارے جیون کی قربانی دینا سیکھا۔ تقاصیل میں جانے

بغیر کہنا چاہتا ہوں کہ انھوں نے اپنی دیش بھگتی کے ذریعے اور اپنے پیار بھرے جیون  
 کے ذریعے اسلام کا سچا اور عملی روپ سب کے سامنے رکھا۔ ایسا روپ رکھا جس کے  
 لئے من میں عزت پیدا ہوتی ہے۔ احترام پیدا ہوتا ہے جس کے لئے پرانے پن کا جذبہ ہی  
 ختم ہو جاتا ہے۔ کاش! کہ نہ صرف دوسرے مسلمان، بلکہ اپنے اپنے دھرم میں دشمن  
 رکھنے والے دوسرے لوگ بھی محترم مولانا کی طرح اپنے دھرم کو اس پیار بھرے حریت  
 پسندانہ اور ہمدردانہ روپ میں عملی جیون سے پیش کر سکیں۔ تو پھر مذاہب کی اپنی اپنی  
 ہستی کے باوجود آپسی کش مکش ختم ہو جائے۔ وہ زہر ختم ہو جائے جو انگریز نے ہمارے  
 ملک میں پیہ کیا۔ لیکن ملک کے لئے محض سوچنے سے تو کام نہیں چلتا۔ آزادی سے پہلے  
 ہمیں آزادی کے لئے لڑنا پڑتا تھا۔ آزادی کے بعد ہمیں اس کو مضبوط اور مستحکم بنانا ہے  
 یہ سب کچھ باتوں سے نہیں ہوتا۔ ”مضمون لکھنے“ سے نہیں ہوتا۔ اس کے لئے کام  
 کرنا پڑتا ہے۔ رگاتار، ہنا تھکے، بناڑ کے، بنا ڈلگائے۔ اور محترم مولانا کا سارا  
 جیون اس ”کام“ سے بھرپور تھا۔ وہ خود کام کرتے تھے، دوسروں سے کراتے  
 تھے۔ جب بھی میں نے ان کے درشن کئے تبھی معلوم ہوا کہ وہ ایک نئی مہم چلا رہے ہیں  
 آج غلامی کے خلاف جہاد کرنا ہے۔ آج آزادی کو محفوظ رکھنے کے لئے مصیبتیں برداشت کرنی  
 ہیں۔ آج اتحاد کو مضبوط بنانے کے لئے ملک بھر میں ایک آمدولن چلانا ہے۔ آج غداری کے  
 خلاف اور علاقہ پرستی کے خلاف ایک ناقابل تسخیر جذبہ پیدا کر دینا ہے۔ یہی کچھ وہ کرتے رہتے  
 تھے۔ وہ ”گفتار کے غازی“ تھے ضرور۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اس سے بہت زیادہ  
 ”کردار کے غازی“ بھی تھے۔ اس طرح کام کرتے تھے کہ ان کے بڑھاپے میں بھی جوانی کا گماں  
 ہوتا تھا۔ آج ہم ان کی یاد مناتے ہیں تو اچھا ہے لیکن میں کیا کروں؟ مجھے اب بھی ایسا معلوم  
 ہوتا ہے کہ وہ کہیں گئے نہیں، ہمارے درمیان میں زندہ ہیں اور کہہ رہے ہیں۔ ”بھائی۔۔  
 ملک اور قوم۔۔“ ان میں الفاظ کو یاد رکھو۔ ان میں تمہارے دیش کے بھوشیہ کی روشنی  
 چھپی بیٹھی ہے۔

رنیر۔ ایڈیٹر روزانہ طاہر — ۱۶ مئی ۱۹۶۲ء



# رئیس الاحرار کی شخصیت

وجود اور عدم کو سمجھ کے ہستی میں  
تعیینات سے گزرا وہ مرد آشنائی

بطل حریت رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کا انتقال ہو گیا اور وہ کتاب زندگی ختم ہوئی۔ پڑچوسٹھ برسوں تک، چید مسلسل اور عزم مستقیم کی ایک ضخیم کتاب تھی۔ ابھی برسوں کی بات ہے کہ مولانا سے ٹیلیفون پر گفتگو ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ پرسوں کی گھنٹے تک اہم مسائل پر اجاب سے تبادلہ خیالات کرتے رہے اور حسب عادت مفید مشورے بھی دیتے رہے اور کل جب ان کا انتقال ہوا وہ نماز فجر کے بعد سیر کو بھی گئے۔ وہاں سے آکر چائے پی اور دھتے ان کی طبیعت بگڑی اور سیاسی دماغ ہی انجمنوں کا دھڑکتا ہوا دل یکایک خاموش ہو گیا۔

آج کہ مولانا ہم میں نہیں ہیں ایک حقیقت کے اظہار میں ہیں تامل نہ ہونا چاہئے ”پیام وطن“ سے مولانا کے جو تعلقات تھے اس کے بارے میں بعض حلقوں نے بہت کچھ کہا۔ کیا کہا؟ اس پر ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن اگر ہم اپنی دیانت اور صداقت کو گواہ بنا سکتے ہیں تو ہمیں کہنا چاہئے کہ مولانا کو پیام وطن والوں سے بے انتہا محبت تھی اور پیام وطن والے انھیں اپنا بزرگ اور مخلص سمجھتے تھے اور اس کے سوا ہمارے اندر ان کے درمیان مادی دنیا کا کبھی کوئی رشتہ نہیں رہا۔ ۱۹۲۹ء میں پنجاب ”پیام وطن“ کے ایک خادم کی عملی زندگی کا محور بنا۔ ہم فوجوان تھے اور مولانا ابھی جوان تھے اور بڑھاپے کی منزل ان سے دور تھی۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ مولانا ایک مجاہد ہیں اور اگر ان کا ذہن استوار ہو جائے اور شباب کی ہنگامہ آرائیاں ختم ہوں تو وہ افق سیاست پر آفتاب

جن کریمیں گے۔ تقسیم ملک کے بعد دہلی میں ان سے ملاقات ہوئی تو مولانا کا ذہن وہ تھا جو ہم چاہتے تھے۔ جوش و خروش اب بھی تھا جو ۱۹۲۹ء میں تھا اور ذہن آئینہ کی طرح صاف تھا۔ سیاسی و مذہبی مسائل کی الجھنیں سلجھ چکی تھیں۔ مرنا سب کو ہے۔ لیکن مولانا کی موت ان کی مسلسل عدالت کے باوجود ہمارے نزدیک بے وقت موت ہے اس لئے کہ زمانہ کا فشیب و فراز دیکھنے کے بعد ان کے کردار اور فکر میں جو پختگی آئی تھی اس پر شباب اب آتا۔ مولانا جب آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبر نامزد ہوئے تو یہ ان کے لئے کوئی خاص بات نہیں تھی لیکن ہمارے لئے ایک خاص بات ضرور تھی۔ اس لئے کہ ہم نے سمجھا تھا کہ ایک ستان دار ابتدا کی نتیجہ خیز انتہا یہ ہونی چاہئے کہ مولانا ایک آل انڈیا کانگریس کے صدر منتخب ہوں اور یہ محض خوش فہمی نہیں تھی۔ ہمارے نزدیک واقعات کی سیدھی رفتار تھی۔ پنڈت نہرو نے ان کی موت پر جو یہ فرمایا ہے کہ "مولانا کی موت ایک قومی نقصان تو ضرور ہے۔ مگر میرا ذاتی نقصان بھی ہے تو یہ بے سبب نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا نے ہندوستان کا اعتماد حاصل کر رہے تھے۔"

میں مولانا کو جاننے کا شرف چھبیس تا اسی سال سے حاصل ہے۔ اس لمبی مدت میں مولانا ہم سے بڑا بھی رہے۔ لیکن ہماری زندگی میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آیا کہ مولانا کا حب وطن، حب اسلام، ان کی مجاہدانہ عزیمت، ان کا ایمان محکم، ان کا اخلاص ہماری رائے میں مسلمات کا درجہ نہ رکھتا ہو۔ تقسیم ملک سے پہلے مجلس احرار اسلام سے بعض معاملات میں ہمیں اختلاف تھا۔ لیکن اختلافات کی حدیں مولانا نے باندھیں۔ اس لئے کہ وہ وطن پرور تھے۔ مفاد وطن اور مسلمانوں کے مفاد میں مطابقت پیدا کرنا چاہتے تھے اور صحیح فکر والوں کی قدر کرتے تھے۔ مجلس احرار اسلام کی مولانا نے وقتاً فوقتاً جو صحیح رہنمائی کی اسے وہ لوگ جانتے ہیں جو احرار کی داخلی سیاست سے بے خبر نہیں ہیں۔ وہ حالات سے کبھی مرعوب نہیں ہوئے اور اپنے ان رفقاء کی اکھوں نے برہم خیزی، جن

سے زندگی کے معاہدے تھے۔ اور یہ اس کے باوجود تھا کہ مولانا اپنے رفقا کے وفادار تھے اور اس وفاداری کی وجہ سے انہوں نے حالات سے بہت سی مفاہمتیں کیں۔ اپنے رفقا سے جیسی وفاداری ہم نے مولانا میں دیکھی، ہندوستان میں کم ہی دیکھی۔ مولانا چاہتے تو اپنے لئے ایک الگ راہ بھی پیدا کر سکتے تھے اور سیاسی میدان میں بہت آگے ہوتے۔ لیکن رفقا کے ساتھ چلنا۔ انہیں اپنے خیالوں کے سانچے میں ڈھالنا، کچھ ان کی ماننا کچھ اپنی منوانا اور اس طور پر سعی و عمل کی ایک نئی جلی راہ پیدا کرنا، مولانا ہی کا حصہ تھا۔ کم سے کم ہندی مسلمانوں میں یہ بات ہم نے کم ہی دیکھی۔ کبھی مولانا عطار اللہ شاہ بخاری روٹھ رہے ہیں، کبھی چودھری افضل حق مرحوم تن رہے ہیں۔ کبھی مولانا مظہر علی اظہر گڑ رہے ہیں۔ کبھی نوجوانوں کا طبقہ ایٹھ رہا ہے اور ان مشکل حالات میں مولانا اپنی لبریری اور قیادت کو داؤ پر لگا کے ایک راہ پیدا کرتے تھے جس پر سب ہی چلتے تھے۔ انگریزی نہ جاننے کے باوجود مولانا حبیب الرحمن کا شمار ہماری رلے میں ان کا برین میں ہونا چاہئے جو مولانا محمد علی مرحوم کے بعد ہندوستان کی سیاست پر چھا سکتے تھے۔ مولانا محمد علی میں اخلاص کا جو ہنگامہ سردس و خروش تھا وہ مولانا حبیب الرحمن لڑھیا لڑھیا تو میں بھی تھا۔

ایک مقامی معاصر نے لکھا ہے کہ ”مولانا سیاست سے کنارہ کش ہو چکے تھے پھر بھی ان کا دم غنیمت تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ اپنی زندگی کے آخری دور میں مولانا نے کبھی خاموشی سے کبھی علانیہ نئے ہندوستان کی جو خدمت کی وہ انہی کا حصہ تھی۔ کوچہ رحمن میں ان کا گھر ایک یونیورسٹی تھا۔ ایک مکتب خیال تھا۔ جہاں ہندو۔ مسلمان، سکھ، شرنار تھی، کمیونسٹ، سوشلسٹ، کانگریسی، ملحد۔ مومن سب ہی آتے تھے اور مولانا کے منجھے و صلے افکار سے استفادہ کرتے تھے۔ ان کے ماننے والے کمیونسٹوں میں بھی تھے، کانگریسوں میں بھی تھے۔ وہ بجائے خود ایک انجمن اور افادہ گاہ تھے اور ان کا دم غنیمت



ہی نہیں تھا بلکہ نئے ہندوستان کی ایک بہت بڑی ضرورت تھا۔ سیاست پر ان کی لئے  
 محارم تھی۔ لیکن تبلیغ دین کا بھی جو طریقہ انھوں نے اختیار کیا وہ بالکل اچھوتا اور زالا تھا  
 اور یہ بات ہم کہنی چاہتے ہیں کہ تبلیغ دین سے زندگی کی آخری ساعت تک انھیں غیر معمولی  
 دل چسپی رہی لیکن یہ تبلیغ دکھاوے کے لئے نہیں تھی سستے قسم کے مناظروں کے لئے  
 نہیں تھی بلکہ اس مقصد عظیم کے لئے تھی جو انھیں جان سے زیادہ عزیز تھا۔ اپنے زندگی  
 کے آخری ایام میں رسالہ "معاذت" اور دوسرے رسالوں میں انھوں نے جو مفہوم  
 لکھے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ دینی و تاریخی مسائل پر انھیں پورا عبور تھا اور بہت  
 سے متعلق تو یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ انھوں نے اتنی صاف بات کہی جو ۱۹۳۷ء کے بعد  
 نہیں کہی گئی تھی۔ اس لئے ان کی ذہنی دیانت کے بارے میں تو دو رائیں ہو ہی نہیں سکتیں۔  
 خدا کا شکر ہے کہ انھوں نے اپنے پیچھے کچھ ہم خیال بھی چھوڑے ہیں اور اپنے صاحبزادوں  
 کو قوم اور سماج کی خدمت کے لئے تیار کیا ہے اور یہ حضرات ان کی زندگی ہی میں بہت سے  
 مو کے سر کر چکے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ مولانا کے پیش نظر سو سال یا ڈیڑھ سو سال کی  
 جو عظیم الشان خاندانی روایات تھیں۔ وہ ان کے صاحبزادہ اور صاحبزادیوں کے پیش  
 نظر بھی ہوں گی۔

جھجھوں سے یوں تو ہے معور بزم رنگ و بلو  
 چاہئے وہ ایک نالہ جو ہو شرح آزد  
 ہونہ آساں ہو سکے اور ایسی کوئی منزل نہیں  
 عزم پیہم زندگی میں سی لا حاصل نہیں

(مولانا) عبدالباقی

۱۶ مئی ۱۹۶۲ء

# مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی ہندوستان اور مسلمان

شخصی وفاداری، ملی وفاداری، قومی وفاداری، وطنی وفاداری کا پیکر خاکی

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی تھے۔ شخصی وفاداری کا معاملہ نہ ہوتا تو وہ شاید بابائے کانگریس مولانا عبدالقادر نصوری کے بعد پنجاب کانگریس کے صدر ہوتے، اگر شخصی وفاداری یا گروہ کی وفاداری نے انہیں مجلس احرار اسلام سے وابستہ کر دیا۔ ملی وفاداری ایسی تھی کہ ہندی مسلمانوں کو اٹھوں نے مجاہدہ وطن کا ہمیشہ قائد بنانا چاہا۔ قومی وفاداری ایسی تھی کہ انگریز سامراج کو اس وقت بھی تنگی کا نایح بنایا جب مسلمان کے لئے دولت پانی کی طرح بہانی جرتی تھی اور وطنی وفاداری ایسی تھی کہ شخصی وفاداریوں اور پرانی وابستگیوں کو تقسیم ملک کے بعد قربان کر کے دلی میں آباد ہو گئے۔

مولانا لدھیانہ کے رہنے والے تھے۔ ایسے عالم دین کی اولاد تھے جنہوں نے انیسویں صدی میں مسلمانوں کا رشتہ کانگریس سے قائم کرنا چاہا تھا جو ہندو جماعت سمجھی جاتی تھی ان کی کم و بیش ۵۳ سال کی سیاسی قومی زندگی کا گہرا مطالعہ گواہ ہے کہ وہ مجلس خلافت میں ہوں یا مجلس احرار میں، وہ وطن پرور تھے اور اس زمانے میں چونکہ کانگریس ہی وطن پرور تنظیم سمجھی جاتی تھی اس لئے کانگریس ان کی تحریک ان کا نظریہ ان کی طریق کار تھی۔

مجلس احرار کے لئے مولانا نے اپنی عمر کا عزیز ترین حصہ صرف کیا۔ مجلس احرار کا قیام عجیب حالت میں عمل میں آیا۔ نہرو رپورٹ نے انتخاب جداگانہ اور انتخاب مخلوط کے سوال پر دو زبردست محاذ قائم کر دیئے تھے۔ انتخاب جداگانہ کے حامیوں کا پلڑا بھاری تھا اور کانگریس کا وہ گروہ جو بعد کو مجلس احرار کا ہمارا بنا سمجھے لگا کہ انتخاب مخلوط اور انتخاب جداگانہ کے سوال نے ایسی شکل اختیار کر لی ہے کہ مسلمانوں میں کام کرنا دشوار ہو گیا ہے۔ اس لئے

بیچ کی راہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ کچھ ترمیم کی گئی، کچھ اضافہ کیا گیا اور بیچ کی وہ جو اختیار کی گئی۔ اس کا نام تھا مجلس احرار اسلام جس کے لیڈر تھے چودھری فضل حال مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، مولانا منظر علی انظر، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری اور شیخ حسام الدین۔ شعراء کرام محبوب کا سراپا لکھتے ہیں۔ ہم شاعر تو نہیں ہیں لیکن مجلس احرار اسلام کا سراپا لکھیں تو چودھری افضل حق کو جسم، مولانا حبیب الرحمن کو بارغ مولانا منظر علی انظر کو روح اور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کو زبان کہیں گے جہاں تک یہ معلوم ہے یہ داغ جس کا نام مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی تھا، کانگریس سے دور رہ کر مجلس احرار اسلام کے قیام کو من سب نہیں سمجھتا تھا۔ مگر وہ جو کہا ہے کہ وہ سے راستگی یا شخصی دفا داری تو اس کا کیا کیا جائے گا۔

مجلس احرار کے قیام کا ایک دلچسپ پس منظر بھی ہے۔ مجلس خلافت ہی میں ایک پنجابی ٹولی قائم ہو گئی تھی اور جو افراد بعد کو مجلس احرار کے رداں بنے وہ پنجابی ٹولہ کے بھی روح رواں تھے۔ مولانا ظفر علی خاں کو پنجابی ٹولی (یہ یہ سبیل طنز نہیں، سبیل واقعہ لکھا گیا ہے) کا روحانی باپ کہنا چاہئے۔ مولانا عبدالقادر فغوری بھی اس گروہ کے بزرگ تھے، لیکن روحانی باپ مولانا ظفر علی خاں ہی تھے۔ جن کا قلم ہر طلوع صبح کے ساتھ ایک نئی سب سے متکی تخلیق کرتا تھا۔ مولانا ظفر علی خاں کی اہمیت یہ بھی تھی کہ مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی انھیں اپن حریف سمجھتے تھے۔ حالات کا اتار چڑھاؤ ایسا تھا کہ مولانا ظفر علی خاں کی گھڑیہ مجبوریوں نے کچھ بدگمانیاں کچھ کچھاؤ کچھ تناؤ پیدا کیا۔ اتنے میں کراچی میں آل انڈیا کانگریس کا سالانہ اجلاس ہوا۔ اور کانگریس کی جو مجلس عاملہ بنی اس کے ایک ممبر ڈاکٹر شیخ محمد عالم موجود تھے۔ خیال تھا کہ چودھری افضل حق مجلس عاملہ کے ممبر بنیں گے یا کوئی ایسے صاحب ممبر بنیں گے۔ جنھیں پنجاب کے کانگریسی مسلمانوں کی اکثریت کی تائید ہوگی۔ یہ واقعہ ہر حال مجلس احرار کا ایک فوری سبب تھا۔ بنیادی سبب تو تھا



کہ پنجاب کا ایک فعال گروہ ہندوستان کی انقلابی جدوجہد میں ایک خاص انداز سے حصہ لینا چاہتا تھا۔ اور جب وہ اپنی منشا کے مطابق حصہ نہ لے سکا تو مجلس احرار کا قیام عمل میں آگیا۔

یہ کم و بیش تیس سال پہلے کی بات ہے۔ اس کے بعد مجلس احرار کی سیاست میں توازن پیدا کرنا۔ اسے الزام و تفریط سے بچانا، ہندی مسلمانوں کی بھی خدمت کرنا مولانا حبیب الرحمن کا کام تھا۔ نہایت نازک مقامات سے مجلس احرار گزری۔ لیکن چودھری افضل حق کی وفات کے بعد مجلس کو تلوار کا دھارہ پورے چلتا مولانا حبیب الرحمن اثر ڈالنا منظر علی اظہر کا مخصوص حصہ تھا۔

دنیا جانتی تھی کہ مولانا حبیب الرحمن مولوی ہیں۔ پابند شریعت ہیں۔ لیکن ان کے تعلقات غیر مسلموں سے اتنے وسیع تھے کہ شاید اس دور میں رفیع احمد قدوائی ہی کے ہوں جو مولوی نہیں تھے۔ انقلاب پسندان کے ارادت مند، دہشت پسندان کے گرویدہ، کمیونسٹ اور سوشلسٹ ان کے مداح، سکھ ان کے نام لیوا۔ ان کی نجی صحبتوں میں ایسے ایسے لوگ دیکھے جن کی شان نزول معمول سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ کسی کا مقدمہ سازش ہے کسی کی جائداد قرق ہو رہی ہے۔ کسی کی جوان بہن گھر میں بیٹھی ہے۔ کسی کو جاسوس تنگ کر رہے ہیں۔ کسی کو مقدمہ کی پیروی کے لئے وکیل نہیں ملا۔ اور تقسیم ملک کے بعد شرنا تھیو کو مکان نہیں ملا۔ مولانا حبیب الرحمن سب کی سنتے تھے۔ تسلی دیتے تھے۔ بہت کچھ کرنے بھی تھے۔ ان کی باتیں ہرے زخموں کے لئے بجائے خود مرہم ہوتی تھیں۔

بات یہ نہیں ہے کہ مولانا کے سیاسی حریف نہیں تھے، یا خود مولانا ایسے مہاتما یا درویش تھے کہ سیاسی حریف نہیں پیدا کر سکتے تھے۔ لیکن ان کا انداز اس قدر نازمندانہ اور مخلصانہ تھا کہ مخالفین ہوئے بھی تو حداً اعتدالی میں رہیں۔ تقسیم ملک کے بعد دوران قیام دلی میں بھی سیاسی ذہیم سیاسی گروہوں سے اختلافات تو تھے۔ مولانا کے پیچھے کا گزوں

اور رضا کاروں کی کوئی فوج نہیں تھی۔ سرمایہ بھی نہیں تھا لیکن کام کرنے کا ایک سلیقہ  
 ضرور تھا کہ جہاں بڑے بڑے لیڈر ناکام رہتے ان کے حصہ میں کامیابی آتی تھی۔ حالانکہ  
 وہ دلی میں گوشہ نشین تھے۔ کوچہ رحمان تھا اور ان کا مکان۔۔۔ ملاکی دور مسجد  
 تک تھی۔ مولانا کی سیاست اور طریقہ کار سے سو فیصدی اتفاق کرنا ضروری نہیں ہے۔  
 لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ کام کرنے کا ایک ڈھنگ تھے۔

مجلس احرار کی تحریک کشمیر کو بھی تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ مولانا بھی اس تحریک  
 کے رہنماؤں میں تھے۔ کم و بیش ساٹھ ہزار ان لوگوں کو انھوں نے جیل بھیجا دیا تھا۔  
 اس زمانہ میں شیخ عبداللہ کا بڑا نام تھا۔ جموں و کشمیر میں ان کے عرف ایک حریف تھے۔  
 جن کا نام میر واعظ تھا۔ لیکن وہ بھی برائے نام ہی تھے اس زمانے میں مولانا کے لاہور  
 کے نہ چار ہمتا زاید ٹیڑوں کے سامنے ایک رائے ظاہر کی تھی۔ اس رائے سے نہ ہنس  
 ایک ایڈیٹر نے اتفاق کیا تھا۔ باقی ایڈیٹر سخت بیزار اور برہم تھے۔ اس کے بعد شیخ صاحب  
 کی قیادت نے آسمانوں سے باتیں کیں۔ وہ پنڈت نہرو کے مہسٹر بھی ہوئے۔ ہندوستان سے  
 اسی کشمیر کی انھوں نے تحریک بھی کی لیکن مولانا نے بیس پچیس سال پہلے جو رائے دی ہے  
 کی تھی اس پر سختی سے قائم رہے۔ یہ ان کی بصیرت تھی کہ معاملات کے بارے میں وہ برسوں  
 پہلے ایک مائے قائم کر لیتے تھے، ورنہ صحیح ثابت ہوتی تھی۔ سیاست دانوں میں ایسی  
 بے خطا بصیرت ہم نے کم ہی دیکھی ہے۔ آزاد کا دل کے سوال پر مہاتما گاندھی اور  
 پنڈت جواہر لال نہرو میں جب اختلافات پیدا ہونے لگے تو ۱۹۲۵ء میں مولانا نے ہنس کر  
 کی تھی کہ گاندھی جی کو یا تو پنڈت نہرو سے سمجھوتہ کرنا پڑے گا یا پنڈت نہرو کی قیادت میں  
 ایک متوازن کانگریس قائم ہوگی۔ گاندھی جی نے واقعی پنڈت نہرو سے سمجھوتہ کیا، بلکہ ہٹائی  
 کی لگام پنڈت نہرو کے ہاتھوں میں دے دی۔

خاص بات یہ تھی کہ مولانا کی سیاست نئے زمانہ کی سطحی سیاست نہیں تھی بلکہ اس



کی جڑیں ان کی روحانیت اور مذہبیت میں پیوست تھیں۔ حالات نے مساعیت نہ کی،  
 ورنہ شری اردو ندا گھوش اگر پانڈی پیری میں آشرم قائم کر سکتے تھے تو مولانا بھی لدھیانہ  
 لاہور یا دلی میں ایک روحانی مرکز قائم کر سکتے تھے۔ روحانیت یا مذہبیت کو زندگی کا  
 مرکزی نقطہ مان کر ایک نظام کی تشکیل کرنا امام الہند اور شیخ الاسلام کے بعد ہم نے مولانا  
 حبیب الرحمن میں دیکھا۔ جب اواخر زندگی میں دلی ان کے لئے کوئی روحانی ماحول پیدا  
 نہ کر سکی تو انہیں حضرت مولانا عبدالغفار رائے پوری سے تسکین ملی۔

تقسیم ملک مولانا کے لئے ایک صبر آزما امتحان تھا۔ ان کا آبائی وطن اگرچہ لدھیانہ  
 تھا لیکن سب سے زیادہ سماجی و وطن لاہور تھلا زندگی کے ساتھی لاہور میں تھے جن کے لئے مولانا  
 نے اپنے عزیز ترین مقاصد زندگی میں ترمیم کی تھی۔ ان کے لئے یہ بھی ممکن تھا کہ وہ لاہور کو  
 اپنا وطن بنا لیتے۔ آخر شیخ حسام الدین امرت سر سے مغربی پاکستان میں منتقل ہو ہی گئے تھے  
 لیکن وہ نہ حبیب الرحمن لدھیانوی سے یہ نہ ہوسکا اور وہ دلی آ گئے۔ ملی زندگی کے جو  
 خواب انہوں نے دیکھے تھے وہ پاکستان میں کیا پورے ہونے، اس خواب کی تعبیر اگر ہو سکتی  
 تھی تو ہندوستان ہی میں ہو سکتی تھی۔ اس لئے وہ دلی آ گئے اور کوچہ رحمان کے ایک مکان  
 میں رہنے لگے۔ مجلس احرار کے خون کی گرمی ان کی بوڑھی رگوں میں بھی دوڑتی رہی۔ لیکن اب  
 آزادی کے بعد ترقی و تعمیر کا زمانہ تھا۔ اس لئے گرمی میں ٹھنڈک آنے لگی خون کی گردش  
 امتزاج پانے لگی۔

حق گو بہت ہیں۔ لیکن مولانا حبیب الرحمن کی حق گوئی اپنی مثال آپ تھی۔ پنڈت  
 پنڈت بہر لال نہرو ہوں یا مولانا ابوالکلام آزاد یا ملک خضر حیات کا ٹوانہ یا سر سکندر حیات  
 یا مہر فضل حسین، جہاں حق بات کہنے کی ضرورت ہوتی ہے تال کہتے۔ پیری میں ناصح  
 مشفق بن جانا آسان ہے، اس لئے کہ سن و سال کا سبب ہی احترام کرتے ہیں لیکن مولانا  
 نے بڑے بڑے لبرلز، بڑے بڑے سرکاری منصب داروں کو اس وقت تو کا اور تنبیہ کی



جب وہ بوڑھے نہیں تھے اور ان کے مخاطب بھی بوڑھے نہیں تھے موت سے پہلے پنڈت  
 نہرو سے مسلمانوں کے مسائل پر انھوں نے جو بے باکانہ گفتگو کی شاید ہی کوئی کر سکتا۔  
 اور پنڈت جی نے اپنے ردیاتی غصہ کے باوجود ان کی باتیں ٹھنڈے دل سے سنیں۔

ایک بات ہم نے ہمیشہ محسوس کی۔ پنجابریں کی انفرادیت پسندی کا شاید ہندوستان  
 میں ترجمان نہیں ہے۔ اس حد سے بڑھی ہوئی انفرادیت کے باوجود اور جزدی دنیاوی خلافت  
 کے باوجود احراری دوستوں سے جس طرح برتاؤ کیا وہ ایک غیر معمولی بات ہے۔ پھر یہ کہ ان کے  
 احراری دوست کوئی ایسے ویسے نہیں تھے۔ اپنے اپنے وقت کے خطیب شہیر اور دنیا کو  
 سبکی کا ناپاچ پچانے والے تھے۔ کمال یہ تھا کہ خود مولانا میں منصب کی انفرادیت تھی۔ پھر بھی  
 دوستوں سے ان کی نہج گئی کہ انھیں اپنے ساتھیوں سے اکثر موقوفوں پر اختلاف کرنا پڑا۔

اپنے ساتھیوں کا ساتھی اور مخلص نکتہ چیں بن کر گزارنا کوئی مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کیسے کرتا۔  
 دنیا کا کوئی باپ ایسا نہیں ہے جو اپنے بچوں سے مانوس نہ ہو مولانا بھی اپنے صاحبزادے  
 سے مانوس تھے۔ ان کے صاحبزادوں کی تربیت بھی ان کے ماحول میں ہوئی۔ سروری عزیز الرحمن  
 بستی آج ایک کامیاب نوکف اور ایک کامیاب تعلیمی ادارہ کے نگران ہیں۔ بڑے صاحبزادے  
 مولوی خلیل الرحمن ایک اور صاحبزادے جو دبندی عالم ہیں پنجاب میں مفید کام کر رہے ہیں۔

ایک صاحبزادے سرکاری محکمہ سے وابستہ ہیں۔ عام طور پر لیڈروں کا خاندان لیڈر کی موت کے  
 بعد بچھ جاتا ہے یا منتشر ہو جاتا ہے۔ لیکن مولانا کا خاندان ان کے بعد بھی متین زندگی بسر کر رہا ہے اور  
 جسے دیکھئے وہ مولانا حبیب الرحمن کا جیسا جائزہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ جی لیت لیتے لہجے جو مولانا کا تھا وہی  
 انداز بیان جو مولانا کا تھا اور کردار بھی مولانا سے ملتا جلتا ہے۔ مولانا کا انتقال دہلی میں ہوا۔ لاہور  
 سے دوران کا انتقال ہوا جہاں لاکھوں کے مجمع کو بار بار انھوں نے مخاطب کیا جہاں رحمت پسندوں  
 کو خم ٹھوک کر رکھا۔ جہاں باطل کو سیم شکستیں دیں۔ لاہور یا لدھیانہ میں بھی جانے پہچانے قائد کے قدر  
 دانوں کی کمی نہ تھی۔ لاکھوں نہیں تو ہزاروں ہندو مسلمان اور سکھ انکے جنازے میں شریک ہوئے۔

# مرد مومن

باسمہ سبحانہ

برادر عزیز۔ عزیز داری کی عبرت گزاری اور رنج و قلق کی اشکباری میں ایک دور افتادہ بھائی کو بھی شریک کر لیجئے۔ دہلی کی طرٹ کشش کے بہت کم رشتے باقی رہ گئے تھے ان میں سے ایک اہم رشتہ مرحوم مولانا حبیب الرحمن بھی تھے۔ وہ رشتہ بھی میری صد ہا پسند کی طرح ٹوٹ گیا اور وہ مجھ پر جو داب ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں پہنچنے کے لئے موت کے دروازے سے گزیرے بغیر چارہ نہیں۔ ”إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ“

میں نے یہ واقعہ کار خیر کلی کے اخبارات میں پڑھی تھی! پڑھ توئی لیکن منٹوں تک اس کی صحت پر یقین نہ آیا۔ ابھی کلی کی بات ہے کہ میرا محمد حسین یہاں آئے تھے تو مجھے اپنڈکس کے آپریشن کی تفصیلات بتا گئے تھے۔ میں اپنے ذہن میں یہ تصور رہے بیٹھا تھا کہ اب کے سر دیوں میں جادوں کا تو خوب بائیں ہوں گی، جن داستانوں کی شہید کے لئے میں نے گزشتہ سفر میں اصرار کیا تھا وہ اس مرتبہ دل کھوں کو سنوں گا۔ میرا صاحب نے یہ بھی بتایا تھا کہ ڈاکٹر نے آپریشن کے بعد مولانا کو ممبرک یاد دی اور کہا کہ اگر تھوڑی دیر اور گزر جاتی تو موت یقینی تھی اس لئے کہ اپنڈکس کی تانی پھٹ چکی تھی! لیکن.... لیکن کیا معلوم تھا کہ جو ملاقات ۲۹ جنوری شہدہ کی شام کو ہوئی تھی وہ اس دنیا میں آخری ملاقات تھی۔ ۶

گر نہ تھا بود کہ باہم دویم

می رسداں وقت کہ باہم دویم

مرحوم کی وجہ سے دوستوں کی ایک بہت بڑی دنیا آپ کے گرد و پیش پھری تھی۔ وہ انسانیت اور سلامیات کے اعلیٰ خصائص کا ایک روشن چراغ تھے کہ جہاں بیٹھ جاتے

تھے محفل روشن ہو جاتی تھی۔ خود آپ بھائیوں کے لئے بھی دنیاوی نفع نہ تھا۔ سے اہلینا و د  
 دہمیں کا ایک سہارا تھے۔ میں ۱۹۲۲ء میں اخبار نویسی کے لئے لاہور آیا تھا۔ اس کے تھوڑے دن  
 بعد ان سے ردا بط پیدا ہوئے۔ چونتیس سال کی مدت ایک عمر جوتی ہے اس میں اختلافات  
 بھی پیدا ہوئے۔ سیاسی ہنگاموں میں فکر و نظر کا اختلاف ایک طبعی امر ہے۔ تاہم جو محبت اور دلی  
 رشتہ و خلق پہلے دن سے باہم پیدا ہو چکا تھا وہ آخری دم تک پرستوہ قائم رہا۔ ایسے رفیق یہی ہی  
 بہت کم رہ گئے تھے۔ اب اس چراغ کے بجھ جانے سے زندگی کی محفل افسردہ ہو کر رہ گئی۔

وہ بہادر تھے جوانمرد تھے۔ میرے سامنے ان کی زندگی میں ابتلاہ کے عیسویں مرحلے آئے۔  
 کسی میں بھی انہیں ہراساں یا خوف زدہ یا پریشان نہ دیکھا۔ وہ میدان عمل کے مستہوار تھے۔ سر  
 نے نہیں، نازک سے نازک ماحول میں سچی بات سلیقے سے کہنے کی خاص صلاحیت غلط کی تھی۔  
 جو کچھ ان کی زبان پر جاری ہوتا تھا، خلوص و صداقت کے باعث اس میں زندگی کی ایک خاص روش  
 بندہ کر رہتی تھی۔ ان کی عظمت کا اندازہ دی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے دور ترک موار سے جس حکومت  
 بظنیہ کی تباہی کے مناظر دیکھے ہیں اور جو جانتے ہیں کہ حکومت کے طوفان تشدد اور فسادوں  
 کی پڑھنی یا کہہ دیجئے دانش مندانہ عاقبت اندیشی کے مناظر کس درجہ دور فرسا اور حوصلہ شکن تھے  
 ان کے سامنے ہمیشہ یقین کی روشنی رہی اور وہی روشنی ان کے تمام افکار و اعمال کیلئے مشعل راہ تھی۔  
 دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آپ لوگوں کو سبب ضبط کی  
 توفیق سے مشرف رکھے۔ آپ کا حامی و ناصر رہے (آمین ثم آمین) ایسے نازک وقت ہر آپ سے  
 کوئی درخواست کرنا بہت تکلیف دہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن کیا کروں دل نہیں مارت اور اپنے  
 محترم بھائی کی زندگی کے آخری اوقات میں بیماری کی تفصیلات وغیرہ سے آگاہی کے لئے درجہ  
 اضطراب ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ مدافعی دیوانوں کو بچانے کے لئے فوراً آسکوں، اس کے سوا چارہ نہیں کہ  
 ہر تفصیل کے لئے بے قراری کا اظہار آپ حضرات کے سامنے کروں مگر موقع نے قیامی اس عاجزانہ  
 درخواست کو پورا کر دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا رفیق و یار ہو۔ والسلام

دلی شکست۔ (مولانا) غلام رسول جہر ایڈیٹر انقلاب۔ مرحوم



## صدرِ ناصر اور رئیسِ الاحرار

مرحوم نے مجھے ملاقات کے لئے دہلی آنے کی دعوت دی۔ اس سے قبل مجھ سے مولانا کو کوئی تعارف نہ تھا، بجز اس کے اسھوں نے محض اخبارات میں میرے چند مقالات پڑھے تھے اس طرح میں نے بھی مولانا مرحوم کے وہ مقالات دیکھے تھے جن میں مصر کی زبردست حمایت کرتے ہوئے ان تمام مشہوروں کو دور کیا گیا تھا جو ہندوستان میں بعض لوگوں نے مصر اور مصر کے قائد جمال عبدالناصر کے خلاف مسلمانوں میں پیدا کر دیئے تھے۔ اذعانہ مصر و شرق جمال عبدالناصر کے موجودہ اقدام کو زبردست خراج تحسین ادا کیا گیا تھا۔

مولانا مرحوم کی تحریر میں جذبہ ایمانی کوٹے کوٹے کر بھرا ہوا تھا۔ ہم ایک دوسرے سے دو تھے۔ لیکن ان مقامات کے ذریعہ ہمارے درمیان ایک رابطہ پیدا ہو گیا۔ مرحوم کے مقالات پڑھنے کے بعد میرے دل میں ملاقات کا شوق بڑھا، اسی وقت دہلی حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ لیکن لکھنؤ اور مراد آباد کے سفر درپیش تھے۔ اس لئے یہ ارادہ مؤخر کر دینا پڑا۔ لکھنؤ کے سفر سے واپسی پر میں فوراً ہی دہلی آیا اور اس مرد مومن سے ملاقات کی۔ جب میں مولانا مرحوم سے ملتا تو ایسا محسوس ہوا کہ دو دوست ملتے کے بچھڑے ہوئے آپس میں مل رہے ہیں جو زندگی کے مختلف مراحل میں ساتھ رہ چکے ہیں۔ زمانہ کے واقعات سے۔ مولانا مرحوم کے فکر و عمل میں کوئی کمزوری پیدا نہیں ہوئی۔ بلکہ اسھوں نے اپنے تجربات اور فکر و عمل سے ان میں مزید اضافہ کیا اور ہر مسئلہ پر قوت ایمانی اور اولوالعزمی سے کام لیا۔ مولانا کی قوت گویائی سے یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ وہ ایک چونسٹھ سالہ بزرگ ہیں جن کی زندگی کا تائبناک حصہ جیل کی اندھیری کوٹھڑیوں میں گزرا ہے اور جن نے مجاہدین وطن کے ساتھ جہاد حریت میں زبردست حصہ لیا ہے۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک نوجوان ہے جس کی رگوں میں

جوانی کا خون کھول رہا ہے۔ انھوں نے اپنی گفتگو میں جس جوش کے ساتھ مصر اور مصر کے قائد جمال عبدالناصر کی تائید کی۔ اس سے مجھے بھی کبھی ان کے کمزور بدن کا خون بہنے لگتا تھا۔ مولانا نے بڑے جوش کے ساتھ فرمایا کہ جمال عبدالناصر اس وقت مشرق کو بیدار کر رہے ہیں جو پارٹ ادا کر رہے ہیں وہ ان کا زبردست کارنامہ ہے۔ مشرقی اقوام کا فرض ہے کہ وہ مص کے ساتھ ہو کر اس کی آزادی اور خود مختاری کے لئے پوری جدوجہد کریں۔ مولانا نے ہندوستان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہندوستان آزادی کا عقیدہ رکھتا ہے اپنی آزادی کے ساتھ دوسروں کی آزادی چاہتا ہے۔ اس لئے وہ مصر کے اس باعزت اقدام کا زبردست حامی ہے۔

مولانا نے ایسے لوگوں پر بڑے افسوس کا اظہار کیا جو ہندوستان آکر مصر اور اس کے قائد جمال عبدالناصر کے خلاف غلط افواہیں پھیلانے میں اور اس سے مسلمانانہ منہ براءت لیتے ہیں۔ نیز فرمایا کہ ایسی غلط افواہوں کی تردید اور صحیح حالات سے باخبر کرنے کے لئے مسلمانانہ اقدام کی ضرورت کا احساس دلایا۔ ہر سوینہ پر سلسلہ قدم جاری رکھتے ہوئے مولانا ابوریزوی کے اس طرز عمل پر انتہائی برائی کا اظہار کیا جو انھوں نے جمال عبدالناصر کے مسئلہ سوئز پر اختیار کیا۔

ابوالاعلیٰ مودودی کو جب لاہور کے اس جلسہ میں جو مص کی تائید کے سلسلہ میں کیے گئے تقرر میر کرنے کے لئے کیا گیا تو انھوں نے شرکت کرنے سے انکار کر دیا۔ اس مودودی کی زبان سے یہ الفاظ سن کر میں بھی بہت دل برداشتہ ہوا اور ایسے لوگوں کے خلاف عمل پر سخت غصہ آیا جو خود اس م کے دعوے دار ہیں۔ مودودیوں کو اس م کی دعوت دیتے ہیں۔ لیکن خود یہ نہیں جانتے کہ جو لوگ اس وقت مص کے ساتھ تعاون کرنے سے گریز کر رہے ہیں جو مغرب کے مظالم کا شکار ہو رہا ہے اور مغربی ظلم و استبداد کے خلاف آواز بلند کر رہا ہے۔ ان کے بارے میں اسلام کیا حکم رکھتا ہے کہ یہ لوگ، مصر جو ایک اسلامی اور

مشرقی ملک ہے اس کے مقابلہ میں مغربی ممالک کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔

مولانا مرحوم نے ان امور کی طرف بھی توجہ دلائی جو مصری سفارت خانہ کی طرف سے انجام پانے چاہئیں اور جن سے مسلمانان ہند کے دلوں میں غلط فہمیاں اور شبہات دور ہوں، اور وہ صحیح صورت حال سے باخبر ہو سکیں۔ یعنی مصری سفارت خانہ کو اردو زبان میں ایسا لٹریچر شائع کرنا چاہئے جسے ہندوستان کے عوام ہندو مسلم جو انگریزی زبان سے ناواقف ہیں۔ پڑھ سکیں۔ اسی طرح تبلیغی اداروں اور دیہات و قصبہ میں بھی لوگوں کو صحیح معلومات ہم پہنچانی چاہئے مولانا نے اس پر انتہائی تعجب کا اظہار فرمایا کہ امریکہ، برطانیہ حتیٰ کہ اسرائیل کی نظر میں اردو دانوں کی اس قدر اہمیت ہے کہ وہ ان کے لئے اردو زبان میں پروپیگنڈا کرنے کے لئے رسالے اور مختلف قسم کے پمفلٹ وغیرہ شائع کرتے ہیں لیکن تعجب ہے کہ مصر اس پر کوئی توجہ نہیں دیتا۔

اس غیور مرد مجاہد کے خیالات میں میں نے اپنے خیالات سے پوری مطابقت پائی اور مجھے اس جواں ہمت بزرگ میں مصر کے لئے زبردست جہاد و اخلاص نظر آیا۔ میرے دل میں ان کے احترام و محبت نے جگہ کر لی۔ اور مولانا کے وہ خیالات بھی میرے ذہن میں گھومنے لگے جو انھوں نے اخبارات و رسائل میں کسی مصری کو جتانے کے لئے نہیں، بلکہ محض اپنے سچے جذبات کے تحت تحریر فرمائے تھے۔ ان میں نہ کسی داد و دہش کی نمناکتھی۔ اور نہ کسی سے داد و تحسین کی خواہش تھی۔

موصوف نے ہندوستان کے متعلق اظہار خیال فرماتے ہوئے کہا کہ ان کا نظریہ یہ ہے کہ ہندوستان میں تمام لوگ بغیر تفریق مذہب و ملت صرف اس بنیاد پر کام کریں کہ وہ ہندوستانی ہیں اور ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے وطن کی تعمیر کریں۔ مذہبی بنیادوں پر ملکی مسائل کا حل نہ ہو۔ مولانا کی گفتگو میں مجھے ایک پختہ کار اور پرمغز آدمی کا تصور کی سچی تصویر نظر آ رہی تھی۔ اس پرمغز سیاست دان اور مبصر کی رائے تھی کہ ملک کی



قسمت صرف اسی صورت میں جاگ سکتی ہے جب کہ مذہبی تفریق کو ملکی مسائل اور باشندگان ملک کے باہمی تعلقات میں دخل نہ ہو۔ کیونکہ ہندوستان میں مذہبی بنیادوں پر متحد ہونا ملک کی وحدت کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔ اس طرح سے یہ وحدت اختلافات کی آگ ذرے بن کر اڑ جائے گی یا خون کی ندیوں میں بہہ جائے گی۔ اس لئے کہ ہندوستان میں ایک مذہب نہیں ہے۔ بلکہ یہاں مختلف عقائد و خیالات کے لوگ رہتے ہیں۔ ان کے اتحاد میں مذہبی تفریق کا دخل ملک کے لئے خطرناک ہے۔

دو ماں گفتگو میں جواں بہت بوڑھے کا جوش باوجود بیماری اور کمزوری کے برابر رہ رہا تھا اور نہ جذبہ کے ساتھ کہہ رہے تھے کہ جمال عبدالناصر پر اس وقت عمل وہ سامراج طاقتوں کے پورا مشرق بلکہ پوری آزادی پسند قوم فخر کر رہی ہیں۔ درحقیقت یہ خداوند کریم کی قدرت کا ایک منظر ہے کہ اس عظیم کام کا بیڑا ایک لوجوان لے اٹھا ہے جس کی عمر چالیس سال سے زیادہ نہیں ہے۔

مولانا کے ان پر جوش الفاظ نے مجھ پر گہرا اثر کیا۔ میں دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ اب مجھے ایک زبردست انسان کی رفاقت حاصل ہو گئی ہے۔ مولانا نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں مصر کے لئے بہت کچھ کرنا چاہئے۔ اس کام کو انجام دینے کے لئے ضروری ہے کہ آپ ہر ہفتہ دہلی آئیں تاکہ اس سلسلہ میں مناسب اور ضروری اقدام کیا جائے۔ کیونکہ مسئلہ سوئز نہ صرف مصری کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ہر آزادی پسند کا مسئلہ ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اس راہ کا سپاہی بن کر کام کرنا چاہئے۔ اس مجاہد کی یہ باتیں سن کر میرے دل میں انشراح پیدا ہوا۔ اور میرے ذہن میں اسکیموں کا ایک لمبا سا خاکہ آیا کہ ہم ایک ساتھ مل کر مصر کے لئے موجودہ حالات میں کس طرح کام کریں۔

کیا خبر تھی کہ موت سامنے کھڑی ہماری گفتگو اور مستقبل کی امیدوں اور پروگراموں کا مذاق اڑا رہی ہے۔ نہیں معلوم تھا کہ اس مرد مجاہد کی ملاقات پہلی بھی اور آخری بھی ہے۔

میں تو ایسے مستقبل کا خواب دیکھ رہا تھا جس میں بہت سے اہم اور ضروری کام انجام دینے  
 تھے۔ جدوجہد کا ایک نیا باب شروع کرنا تھا۔ مگر کیا خبر تھی کہ اس خواب پر ایک رات ہی گزرنے  
 پائے گی کہ مولانا حبیب الرحمن ہیں پھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ  
 اس مجاہد جلیل سے ملاقات کا موقع عطا فرمائیں گے اور جب اس کی باتوں سے دل کو سرور  
 حاصل ہوگا اور دل میں گہری محبت ہو جائے گی۔ اس وقت کیا ہیں اس کی یادیں تڑپتے ہوئے  
 پھوڑ کر اپنے جوار رحمت میں بلائیں گے۔ ایک خزانہ جسے ہم نے حاصل کیا اور فوراً ہی کھو دیا۔  
 اس پر ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔ یہ معلوم نہ تھا کہ یہ دل جس میں آج وطن اور مصر کی محبت ہے  
 اور نیکی کا جذبہ موجزن ہے۔ کل اچانک اس کی حرکتیں بند ہو جائیں گی۔ اور ہم آنسو بہانے  
 رہ جائیں گے۔ اور اس کی جہک سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جانا پڑے گا۔

میں کیا کہوں میرا دل صدمہ سے بیٹھا جا رہا ہے۔ کیا یہ کہوں کہ کاش میں اس شخص کو  
 نہ جانتا تا کہ آج یہ صدمہ نہ اٹھنا پڑتا اور نہ اس کی رفاقت سے محروم ہونے کی نوبت آتی۔  
 نہیں! یہ ممکن نہیں۔ اس لئے کہ میں نے اس شخص کے ساتھ بیٹھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔  
 اس کی ایمان سے بھرپور گفتگو کو سنا ہے اور یہ ایک ایسی یادگار ہے جو میرے دل میں محفوظ  
 رہے گی اور میں تازہ سیت اس مرد مجاہد کو ہر مجلس میں اور ان قابل یادگار شخصیتوں کے ساتھ  
 یاد کرتا رہوں گا۔

اگر میں اس مرد مجاہد کی موت پر رنجیدہ ہوں تو یہ میرے دل کی آواز ہے۔ کیوں کہ  
 ایسی شخصیتوں کی جدائی پر غم کے آنسو بہانا ایک فطری امر ہے۔ خاص کر ان لوگوں کے لئے  
 جن کے دلوں میں ایسے مجاہدین کی قدر و قیمت ہے۔

برادر من! وپسران محترم میں آپ ہی میں کا ایک فرد ہوں۔ اگر آپ کے والد مرحوم  
 کی تعزیت کروں تو یہ ایک بھائی کی دوسرے بھائی سے تعزیت ہے۔ اس حادثہ جاںکاہ  
 کے احساس میں ہم سب برابر ہیں۔ والد مرحوم نے اپنی پوری زندگی عزت و خودداری اور

ہر دل عزیزی کے ساتھ گزاری اور جدوجہد میں پورا وقت صرف کیا۔ ان کے حوصلوں اور  
 اسادوں میں ایک لمحہ کے لئے بھی کمزوری پیدا نہیں ہوئی حتیٰ کہ بیماری میں بھی اور اس  
 وقت بھی جب کہ وہ داعی اجل کو لبیک کہہ رہے تھے۔

آپ کے والد مرحوم نے آپ کے لئے عمل کی ایک زبردست دولت چھوڑی ہے اور  
 آپ نے ان کے ساتھ رہ کر ان کے طریقہ کار کو بھی دیکھ لیا ہے۔ اس لئے آپ کو چاہئے کہ  
 آپ ان کے سچے جانشین بنیں اور خدا کی راہ میں اور وطن کے کاموں میں پوری پوری  
 جدوجہد کریں حقیقت تو یہ ہے کہ جس نے اپنے پیچھے آپ جیسے فراد چھوڑے ہوں،  
 اس کی موت موت نہیں۔

اللہ تعالیٰ ان پر ہزار نعمتیں نازل فرمائے اور ہمیں، ملک اور مسلمانوں کو نعمتیں  
 عطا فرمائیں۔ آمین۔

عَمَلِکِیْن (الشیخ) عبد المنعم العزما نندہ مصری علما برہمے دیوبند

(حال مقیم دارالعلوم دیوبند)

۶ ستمبر ۱۹۵۶ء

## حیاتِ قومی

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی  
 ہو جس کے جوانوں کی خود صورت فولاد  
 موجوں کی تمش کیا ہے فقط ذوقِ طلب ہے  
 پہنچاں جو صدف میں بدودہ دولت ہے خدا داد  
 شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا  
 پر دم ہے اگر تو، تو نہیں خطرہ افتاد



# راسخ الاعتقاد مسلمان

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی چل بسے۔ پتہ نہیں چلتا کہ ان کی موت سے ہیں کس قدر غمزدہ ہے۔ ان سے میرے تعلقات دیرینہ اور خوشگوار تھے۔ وہ مجھے دوسرے کانگریسیوں کی طرح فرقہ پرست سمجھ کر مجھ سے نفرت نہیں کرتے تھے۔ وہ جتنے راسخ الاعتقاد مسلمان تھے اتنے ہی سچے نیشنلسٹ۔ ان کی قوم پرستی حقیقی تھی نالشی نہیں۔ ہر سوال کو وہ قوم پرستی کے زاویہ سے دیکھتے تھے اور ان مسائل سے جو بظاہر فرقہ وارانہ نظر آتے تھے، ایسا خوبصورت قوم پرستانہ پہلو نکالتے تھے کہ سننے والے عش عش کر اٹھتے تھے۔ انمائش کے کئی مواقع آئے۔ لیکن ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ ۱۹۴۷ء میں جہاں میاں افتخار الدین اور مولانا داؤد غزنوی جیسے مومن مسلم لیگ میں شامل ہونے کی کافرانہ حرکت کر بیٹھے وہاں مولانا حبیب الرحمن ثابت قائم رہے۔ تقسیم کے وقت لدھیانہ سے لاہور جانا پڑا۔ وہ وہاں رہ سکتے تھے۔ مگر نہ رہے اور دہلی آ گئے۔

وہ نہایت خوددار تھے۔ اور کسی کی مردت کا بار نہیں لے سکتے تھے۔ ان پر کڑے وقت بھی آئے لیکن توکل خدا پر رہے اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیرا۔ دو تین سال ہوئے دل کا دردہ پڑا۔ میں ان کی بیمار پرستی کو جایا کرتا تھا وہ کئی ماہ کی علالت کے بعد اچھے ہو گئے۔ آخری بار میں نے ان کے دہش دو ماہ ہوئے سرنگارام ہسپتال میں کئے، وہاں ڈاکٹر روشن لال کھڑا نے ان کا اپنڈیسسٹیس کا آپریشن کیا تھا۔ جب میں ان سے ملا تو وہ صحت یاب ہو کر گھر لوٹنے والے تھے۔ میں ان کو وعدہ دے کر آیا کہ میں آپ کے گھر پر آپ سے ملوں گا۔ لیکن اتفاق کہ میں خود بیمار پڑ گیا اور اپنا وعدہ دفنانہ کر سکا۔

اب جب کہ وہ اس سنسار میں نہیں ہیں کئی باتیں لکھ سکتا ہوں جن کا ان کی زندگی میں توکل قلم پر لانا مشکل تھا۔

نومبر ۱۹۴۶ء میں شری دیرمیدر کے اخبار جے ہند کا ادگھاٹن بھارت بلڈنگ لاہور

میں ہو رہا تھا، مولانا افتتاحی تقریر کر رہے تھے۔ روزنامہ انقلاب کے ایڈیٹر  
 غلام رسول قمر اور میں کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ مولانا نے ہم دونوں کی طرف اشارہ  
 کر کے کہا وہ دیکھو دو پاپی کھڑے ہیں اس وقت اس طرح گھس مں کر باتیں کر رہے ہیں گویا  
 ایک ماں جانی ہوں۔ مگر کل دفتر میں بیٹھ کر زہر بکھیرنے لگیں گے۔ بہت کم لوگوں کو معلوم  
 ہو گا کہ جنوری ۱۹۵۷ء میں مہاتما گاندھی نے بریت کیوں کی تھی۔ مولانا حبیب الرحمن  
 نے مجھے سنایا کہ وہ مہاتما جی کے پاس گئے اور کہا کہ میرے لئے ویزیشن جانے کا اتنا مکر دیں  
 میرے جیسے لوگ پاکستان میں رہیں یہ خارج از بحث ہے اور ہندوستان میں حالات ایسے  
 ہو رہے ہیں کہ ہمارا رہنا مشکل ہو رہا ہے

مہاتما جی نے کہا کہ آپ کے سوال کا جواب کل دول کا۔ دوسرے دن انھوں نے  
 بھوک ہڑتال کا اعلان کر دیا۔

جب میں ان سے سرگنکارام ہسپتال میں ملوث باتوں باتوں میں انھوں نے مجھ سے  
 پوچھا کہ کیا تم کبھی پنڈت نہرو سے ملے ہو۔ میں نے جواب دیا کہ تقسیم کے بعد نو برسوں میں  
 ایک بار بھی ان کے درشن نہ کر سکا۔ یہ کیوں ہوا ان کے اس سوال پر میں نے کہا کہ میں اپنے کو  
 اتنا حقیر مانا نہیں سمجھتا کہ ملاقات کی درخواست کروں اور جواب دے کہ پنڈت جی کو فرصت نہیں۔  
 اور میں اتنا بڑا بھی نہیں کہ پنڈت جی کو مجھ سے ملنے کی خواہش ہو۔ اس پر مولانا نے کہا کہ مجھے  
 اچھا ہو لینے دو میں پنڈت جی سے تمھاری ملاقات کراؤں گا اور اس پر میں نے یہ شوٹ پڑھا

عمر تو ساری کٹی عشق بستاں میں موہن

آخری وقت میں کیا خاک مسماں ہوں گے

اس وقت مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ مولانا کے آخری درشن ہیں۔

حیف در چشم زدن صحبت یا نہ آخر شد

مہاشہ کرشن ایڈیٹر روزنامہ پرتاپ۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۷ء

# رئیس الاحرار

برادر عزیز مولوی عزیز الرحمن جامعی نے اپنے والد مرحوم رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی کے حالات زندگی قلم بند کر کے ایک بلند فریضہ انجام دیا ہے۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن صاحب بہت مقتدر رفیقوں میں تھے وہ اپنے سیاسی شعور، جوش و خروش، عمل اور العزیز، اور وہ تہد کے اعتبار سے ہمیشہ نمایاں رہے۔ تحریک آزادی میں سرگرم حصہ لیا اور اس راہ میں نئی بارہیہ و بندگی شدید صعوبتیں برداشت کیں۔

کتاب "رئیس الاحرار" میں مولانا مرحوم کی سیاسی بصیرت، قول و عمل کی ہم آہنگی اور فکر و فکر کی دور رس کو جس تاریخی پس منظر کے ساتھ واضح کیا گیا ہے اس سے کتاب کی سیاسی اہمیت کافی ورنی ہوئی ہے اور واقعاتی طور پر ہندوستان کی سیاسی تاریخ کا ایک ایسا باب بنی ہے جس کا مطالعہ سیاسیات کے طالب علموں کے لئے بہت مفید ہوگا۔

واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء کے بعد کی ہماری سیاسی تاریخ بڑی پہلو دار ہے۔ یہ دور کشمکش کش کا ہی نہیں بلکہ مذہبی افکار، تہذیبی رویات، قدرتی فکر اور اجتماعی عمل کے میدانوں میں کی ایک نئے شعور، انقلابی بیداری اور رنگارنگ توانائی کا ہے مشرق و مغرب کی مقتضات اور جدات کا ہے۔ جب تک بھڑلور بصیرت اور ہوشمند نظر کے ساتھ اس دور کا مطالعہ نہیں کیا جائے گا اس وقت تک ہم برٹش عہد کے گونا گوں مسائل کی روح تک نہیں پہنچ سکتے "رئیس الاحرار" اس دور کا تجزیہ کیا گیا ہے اور فکر کی ایک نئی بنیاد قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے گو یہ نقطہ نظر نہ بحث و غیص ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کے بعض اجزاء سے اختلاف بھی ہوتا ہے یہ تعمیری اور کافی حد تک ایک ذہنی سفر کی نشان دہی کرتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ کتاب کا ہر حلقہ میں خیر مقدم کیا جائے گا۔ اس کتاب میں جو خطوط و خطبات سیاسی و اجتماعی گاہیں نظر آئیں۔

خادم ملت

حفظ الرحمن کان اللہ لمرحوم

۲۶ فروری ۱۹۶۶ء



# انہی کی خاک میں پوشیدہ ہے یہ جنگاری

کتاب رئیس الاحرار، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے مسودہ کو نہایت غور و فکر اور دل چسپی کے ساتھ پڑھا۔ مولانا مرحوم کی زندگی ہندوستان کی سیاسی تاریخ کا ایک اہم کردار رہی ہے اور اپنے تحریک آزادی سے لے کر حصول آزادی تک ملک میں جو بھی پساک اور فکری نشیب و فراز پیش آئے۔ ان میں مولانا مرحوم کا رول ہمیشہ انفرادی عظمت، ایمان کی حرارت، حب الوطنی، فکر کی نیشگی، ذہن کی صفائی اور جوشِ عمل کے مضبوط عزائم سے لبریز رہا۔ وہ چالیس سال تک بھرپور سیاسی بصیرت اور عظیم منفرد شعور کے ساتھ وطن عزیز کی جدوجہد آزادی اور اس کے عروج و ترقی کی تحریک میں جانباز، سرفروش اور بے غرض حوصلہ مند کی حیثیت سے ممتاز قومی رہنماؤں کی صف میں شریک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رئیس الاحرار کی حیات افروز داستان، ہندوستان کی جنگ آزادی کی ایسی تاریخ بن گئی ہے جس کے مطالعہ سے نہ صرف غور و فکر کی نئی راہیں کھلتی ہیں بلکہ ان میں ان مسلم رہنماؤں کی جدوجہد کے وہ خطوط بھی ملتے ہیں جن کی بنیاد پر مسلم قوم کے روشن مستقبل کو تعمیر کرنے کے لئے مستقل سو سال تک سرفروشانہ جدوجہد کی گئی۔ اس اعتبار سے یہ کتاب سیاسی حقائق کی ایک اہم تاریخی دستاویز ہے جسے آج سے بہت پہلے شائع ہو جانا چاہئے تھا۔ لیکن اب بھی اس کی اشاعت تاریخی ضرورت کو پورا کرتی ہے اور ہندوستان کے سیاسی مشرکین کو ایک نئے اور غریب مہمان غور و فکر کی دعوت دیتی ہے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے پُر واداد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر سید احمد شہید، مولانا شہید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی

و غیرم کے ممتاز معاصرین میں تھے جنہوں نے پنجاب میں قومی اور افتدائی افواج کی رہنمائی کی اور دلی پیچ کر انگریزی افواج سے فتح پوری مسجد سے لے کر لال قلعہ کی دیواروں تک دست بستہ لڑے۔ بے شک انھیں اس جہم میں ناکامی ہوئی لیکن وہ اپنے خاندان میں ایسی روح آزادی چھوڑ گئے جسے انگریزی دور کا ہیما نہ نشرو بھی ختم نہ کر سکا۔ ۱۹۵۷ء کی پہلی ناکام جنگ آزادی کے بعد ۱۹۵۸ء میں علمائے لدھیانہ پھرنے حوصلوں اور جرأت کے ساتھ میدان سیاست میں داخل ہوئے اور کانگریس کے قیام کے ساتھ ہی انھوں نے کانگریس کے حق میں فتویٰ دے کر ہندوستان کی آزادی کے لئے پہلے سیاسی مکتب خیال کی ابتداء کرنے میں نمایاں حصہ لیا اور اس طرح سیاسی تدبیر اور فکری دوررسی کی شان دار مثال قائم کی۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی نے خاندان کی اس فکری اور انقلابی روایت کو نہ تنہا اپنایا بلکہ اسے آگے بھی بڑھایا۔ وہ ہندوستان کی جدوجہد آزادی میں پورے پالیس سال تک شریک رہے اور ہمیشہ ایک سیاسی مفکر کی حیثیت سے منہ د رہے اور ایک سچے مجاہد کی طرح مصائب و آلام جھیلنے رہے۔ سامراجی تشدد کا نشانہ بننے رہے۔ جیل جاتے رہے، اپنوں اور غیروں کی ستم رانیوں کا شکار ہوئے۔ آخر کار گھر سے بے گھر ہوئے اور اعلان آزادی کے ساتھ ہی انھیں لدھیانہ چھوڑ کر دہلی قیام کرنا پڑا لیکن اس پر بھی وہ دل برداشتہ نہ ہوئے بلکہ اسی بلند تہمتی اور استقلال کے ساتھ ہندوستان کی جمہوری اور سیکولر ریاست میں مسلمانوں کے بااثر وجود کے لئے کام کرتے رہے۔

رئیس الاحرار کا دور عظیم ملی رہنماؤں کا دور ہے۔ امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، مفتی اعظم حضرت علامہ کفایت اللہ صاحب، حکیم اجل خاں، ڈاکٹر انصاری، نقیب انقلاب سید عطار اللہ شاہ بخاری اور مجاہد ملت حضرت مولانا حفیظ الرحمن صاحب یوہارو

ان میں سے ہر ایک انفرادی عظمت کا حامل ہے۔ ان حریت پسندوں نے بے دریغ قربانیاں کر کے شدید مخالف ہواؤں میں بھی شمع آزادی کو روشن رکھا۔  
 ہمہ رنگی میں بنیادی وحدت کے لحاظ سے رئیس الاحرار کا شمار بلاشبہ مذکورہ بالا حضرات کے ممتاز رفیقوں میں ہوتا ہے۔

میں اپنے طالب علمی کے دور سے ہی مولانا کی سیاسی بصیرت اور ان کی فکری عظمت سے متاثر رہا۔ آزادی سے قبل جب وہ ایک مرتبہ دیوبند تشریف لائے تو مجھے ان سے ذاتی تعارف کا شرف حاصل ہوا۔ یہ وہ وقت تھا جب ہمارے ملک کا سیاسی ماحول کشیدگی، بیجان اور امید و بیم کے نقطہ عروج (Climax) پر تھا۔ اندازہ پرست رہنماؤں نے ملک کو تشدد اور نفرت کے آتش فشاں کے دہانے پر لا کر بٹھا کر دیا تھا۔ مجھے اب بھی یاد ہے کہ مولانا نے تقسیم ملک کے اعلان کو ناممکن سمجھ کر TIME BOMB سے تشبیہ دے کر مسلمانوں کو اس کے ہولناک نتائج سے گواہ کیا تھا۔ اس مختصر سی صحبت کا نقش آج بھی میری بزم فکر کو روشن کر رہا ہے۔ جب مولانا دہلی میں قیام پذیر ہوئے تو احقر کو بارہا ان کے دردمند پر حاضر ہونے اور فکر و نظر کے گوشوں کو منور کرنے کے مواقع ملے۔ یونیورسٹی کے دوران قیام یہ اصرار بھی بارہا ان کو علی گڑھ کھینچ کر لایا اور ہر بار طلباء نے ان کی انتظار میں ایک ریڑشنی کا احساس کیا۔ طلباء علی گڑھ سے وہ بڑی شفقت اور محبت کرتے تھے۔ طلباء بھی ہجوم در ہجوم ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور گھنٹوں ان کے انفرادیت سے محفوظ مستقبل میں ہوتے۔ مولانا علی گڑھ میں ذاکر صاحب کے وجود کو زبردست اہمیت دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں دعا کرتا رہتا ہوں کہ ذاکر صاحب کی رہنمائی میں علی گڑھ نئے ہندوستان کی تعمیر میں نمایاں کردار ادا کرے اور ایک بار پھر یہاں زندگی کے نئے اور صحت مند روابط کی بنیاد پڑے۔



محبت محترم مولانا عزیز الرحمن جامی اپنے والد صاحب کی یادداشتوں اور خطوط کو ایک عرصہ سے محفوظ کرتے رہے ہیں۔ یہی یادداشتیں اور دستاویزیں ہیں جو مولانا مرحوم کے سیاسی انداز فکر کو اجاگر کرتی ہیں اور ان کے سیاسی مرتبہ کو متعین کرتی ہیں اور تحریک آزادی کاشف کی پس منظر پیش کرتی ہیں۔ تاریخی نقطہ نظر کو ملحوظ رکھتے ہوئے کتاب میں صدہا سالہ بکھرے ہوئے حالات کو جس مستند اور مفصل انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے رئیس الاحرار کا درجہ مولانا آزادی تصنیف کے بعد دوسرا ہے۔ اس میں مجموعی حیثیت سے ہماری قومی تاریخ کی ٹھوس مگر غبار زدہ حقیقتیں پیش کی گئی ہیں اور تاریخی ثبوت کے ساتھ ان کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ سیاسی پس منظر کی تاریخی نوعیت اس خط و کتابت سے معلوم ہو جائے گی، جو رئیس الاحرار اور پنڈت جواہر لال نہرو کے درمیان مختلف مواقع پر ہوئی۔ ان خطوط کے علاوہ مہاتما گاندھی اور ڈاکٹر راجندر پرشاد کے مراسلات نیز دیگر مبادوں کے خطوط بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں جو ابھی تک غیر مطبوعہ تھے۔ ان کی شمولیت سے اس کتاب نے ہندوستان کے سیاسی منظر و پس منظر میں سنگ میل کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ وطن عزیز کی آزادی کے لئے جو عظیم اور سرفروشانہ کارنامے مسلمانوں نے انجام دیئے ہیں۔ ان کی فراہمی اور شیرازہ بندی قوم میں ایشاد قرانی کے جذبات کو زندہ رکھنے اور ابھارنے کے لئے اشد ضروری ہے۔ اسی لئے موضوع اور مواد کے اعتبار سے یہ کتاب ایک عظیم اور طویل سلسلے کی پہلی اور جاندار کر ڈی ہے جو AUTHENTIC بھی ہے اور (INGHIRING) بھی۔

مولانا عزیز الرحمن جامی نے اپنے والد محترم کی زندگی کے بارے میں واقعات کو جس تفصیل کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔ وہ انہیں کا حق سمجھا کیوں کہ وہ ملکی سیاست میں

۱۹۳۹ء سے اپنے والد کے رفیق سفر رہے ہیں اور تحریک آزادی میں بذاتِ خود بھی  
 پُر جوش حصہ لیا ہے۔ ان کا شمار پنجاب کے چوٹی کے سرگرم قوم پرور مسلم نوجوانوں  
 میں رہا ہے۔ بطور اخبار نویس کے بھی آپ نے تحریک آزادی میں نمایاں حصہ لیا ہے۔  
 اور آج بھی ملک کی ترقی اور قوم کے سیاسی، سماجی اور تعلیمی میدان میں سرگرم  
 حصہ لے رہے ہیں۔

کتاب کی زبان ادبی بھی ہے اور عوامی بھی۔ فاضل مصنف نے سیاسی، ریختی و  
 ہرے دل چسپ اور مؤثر پیرایہ میں بیان کیا ہے اور ہر مقام پر ادبی حسن کو قائم  
 رکھا ہے۔

سیاسی اصطلاحات میں ادبی رچاؤ ہے اور اختتامی مسامکے میں ادب و ادب  
 کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے۔ نیز تاریخی واقعات کی ترتیب میں فنِ تاریخ اور غہ جب  
 داری کے جذبے سے کام لے کر عزیز صاحب نے سیاسی لٹریچر میں ایک پاکیزہ روایت  
 کو قائم کیا ہے جس کے لئے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ خدا ان کو بہت عطا کرے کہ  
 وہ اسی محنت اور شغف کے ساتھ اپنے علمی و تاریخی جستجو کے ذوق کو جاری رکھیں۔ آمین  
 ظہیر الدین صدیقی ایم اے ایل ایل بی علیگٹ بہ سیرتِ شافعیہ و روضہ

پائی بلڈنگ حویلی حسام الدین حیدر

بیماران۔ دہلی

۲۶ اگست ۱۹۷۵ء

# مولانا حبیب الرحمن ضالہ دھیانوی: چند نقوش تاشرا

حافظ پروردگار نے سے یاد آتا ہے کہ مولانا کی سب سے پہلی زیارت ۱۹۲۹ء یا ۱۹۳۰ء کو لاہور کے ایک جلسہ عام میں ہوئی تھی جو مجلس احرار کے زیرِ اہتمام بیرونِ دہلی دروازہ یا موچی دروازہ منعقد ہوا تھا، غالباً مجلس احرار کی بنیاد بھی اس وقت ہی پڑی تھی۔

پہلے روز جلسے میں مولانا سید عطار اللہ شاہ بخاری کی تقریر ہوئی، انھوں نے حاضرین جلسہ کو جو ہزاروں کی تعداد میں تھے یہ مژدہ سنایا کہ کل فلاں گاڑی سے صدرِ مجلسِ احرار مولانا حبیب الرحمن لایا گیا ہے، آپ لوگ اسٹیشن پران کا استقبال کریں۔ یاد نہیں کہ اس سے پہلے یہ ناکانوں میں پڑ چکا تھا یا نہیں؟ قرینہ ہے کہ ضرور پڑ چکا ہوگا، اس لئے کہ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۱ء تک وہی سے زمیندار نظر سے گزرتا تھا اور ہم لوگ لکھنؤ میں اس کو بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے تھے۔ یہ بات بہت عجیب از قیاس ہے کہ اس کے صفحات پر اس مجاہد جنگ آزادی و سرخیل احرار کا نام بار بار نہ آیا ہو۔

ٹھیک یاد نہیں غالباً ۱۹۳۰ء یا ۱۹۳۱ء ہو گا میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ندرسی فرائض انجام دیتا تھا، اسی زمانے میں سیرت سید احمد شہید لکھنے کا خیال پیدا ہوا، بسا اپنے ایک عزیز شاگرد کے ساتھ لکھنؤ سے ہردوئی کے لئے پنجاب میل میں سوار ہوا، اسی درجہ میں مولانا حبیب الرحمن صاحب بھی سفر کر رہے تھے، کشیدہ قامت، چہرہ سرخ و سفید، پیشانی اور آنکھوں سے ذہانت اور اعتماد کا اظہار، غالباً میرے بھائی صاحب ڈاکٹر حکیم سید عبدالعلی صاحب اسے لکھنؤ میں وہ بار بار مل چکے تھے۔ اسی تقرب سے میری ان متوجہ ہوئے، حضرت سید احمد شہیدؒ کا ذکر آیا، فرمایا

کہ ”ہمارے بزرگ مولانا عبدالقادر صاحب اور ان کے شیخ و مرید حضرت شاہ عبدالرحیم



صاحب جن کی رائے پور میں خانقاہ ہے، سید صاحب کے بڑے معتقد تھے، ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا شوق دلایا، پوری گفتگو یاد نہیں۔

اس کے بعد وہ وقت آیا کہ جب میرا رائے پور سے خصوصی تعلق پیدا ہوا اور تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد حاضری کی سعادت حاصل ہونے لگی۔ میں نے دیکھا کہ حضرت مولانا عبد القادر صاحبؒ، مولانا حبیب الرحمن کے آنے سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جس میں محبت و احترام دونوں شامل ہیں۔ لیکن محبت کا پلہ بھاری ہے۔ اپنی چار پائی کے سامنے ان کے لئے چار پائی بچھاتے ہیں، ٹکے رکھواتے ہیں، حضرت کی مجلس میں کم لوگ اتنی بے تکلفی کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں جتنی مولانا۔ حضرت ان کی باتیں بغور سنتے ہیں، وہ بھی حضرت کا احترام شیخ و مرشد کی طرح کرتے ہیں لیکن اس میں بھی محبت اور ناز کی ایک آمیزش ہوتی ہے جو نتیجہ ہے قدیم نیاز مندی، بڑے حضرت رائے پوریؒ سے براہ راست تعلق، اور بزرگان لدھیانہ، خصوصاً مولانا عبد القادر صاحب لدھیانوی کی دینی خدمات، مجاہدانہ جذبات، حمیت دینی اور ایثار و قربانی کا۔ جس کا حضرت کے یہاں بڑا درجہ، اور اعتراف تھا۔

بعض متنبہ مولانا کی گفتگو، ان کا نقطہ نظر اور ان کے تبصرے بہت سے حاضرین مجلس کے لئے نامانوس، اور بعض اوقات وجہ آزمائش بن جاتے لیکن حضرت کا ان کے ساتھ عز و عمل دیکھ کر کسی کو تردید یا مناظرہ و مباحثہ کی جرأت نہ ہوتی۔ البتہ بعض بے تکلف شرکار بن کا بڑے سخت قریب کا تعلق جی تھا اور حضرت بھی ان کی دلکاری فرماتے تھے کچھ سوال و جواب کر لیتے اور کبھی کبھی سخن گسترانہ باتیں بھی ہو جاتیں۔ لیکن سب اخطیاء: غتہ ال کے ساتھ۔

دو ایک بار اس کا بھی موقع آیا کہ حضرت کا قیام خاص مولانا کے مکان واقع کوچہ جن ملیہ ران میں ہوا۔ یہاں ہفتے ہفتے، عشرے عشرے قیام رہتا۔ راقم السطور کو بھی دو ایک بار

معیت کا شرف اور مولانا کا مہمان بننے کی سعادت حاصل ہوئی۔

مولانا، حضرت کے معمولات، ضروریات اور مزاج و مذاق سے پورے طور پر واقف تھے اور اس کی رعایت فرماتے تھے، حضرت بھی اس قیام پر خصوصی یگانگت کی بنا پر بہت منشرح اور تے تکلف ہوتے۔ بڑی پر لطف مجلسیں رہتیں جن میں حالات حاضرہ، دینی و ملی سیاست، پرانے تجربات و حقائق اور اصلاح نفس و اصلاح باطن کی لطیف آمیزش ہوتی تھی۔ حضرت کا قیام جب قصاب پورہ (نواب والی مسجد) میں ہوتا اور وہ اکثر طویل ہوتا تو صبح ہوا خوری کے وقت (جو اکثر پرانی عید گاہ کی طرف ہوتی) مولانا ساتھ ہوتے اور تے تکلف گفتگو فرماتے رہتے۔ حضرت بھی اس سے لطف لیتے۔ بعض خدام جن میں یہ راقم آٹم بھی شریک ہے مولانا کے بعض خیالات سے اتفاق نہ کر سکتا، ازب کے ساتھ سہ سے اختلاف کرتا۔ واپسی تک یہ سلسلہ جاری رہتا لیکن کسی تلخی اور تجاوز عن الحدود کی فوجیت نہ آتی۔ حضرت کی گفتگو اکثر قول فیصل کا کام دیتی اور احباب و خدام کے اس خیراز سے کو جمع رکھتی۔ دہلی کے قیام کے زمانے میں مولانا زیادہ سے زیادہ وقت حضرت کی خدمت میں گزارنے کی کوشش کرتے اور حضرت کو بھی گویا ان کا انتظار ہی رہتا۔

حضرت راسے پوری جب لکھنؤ تشریف لاتے اور طویل قیام فرماتے اور ایسا ۴۳ بار ہوا، تو اکثر مولانا ساتھ ہوتے یا بعد میں آکر شامل ہو جاتے۔ ایسا ایک دو بار دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانے میں اور دو مرتبہ تبلیغی مرکز واقع کچھری روڈ میں ہوا۔ اس وقت مجالس کا لطف دو بالا ہو جاتا۔

حضرت کا مولانا اور ان کے خاندان سے کیا تعلق تھا کس طرح ان کو اس خاندان کا بچہ بچہ عزیز تھا۔ کس خوشی سے لادھیانہ تشریف لے جاتے اور ان کے یہاں قیام کرتے، مجلس احرار کے ساتھ آپ کا کیا مریبانہ و سرپرستانہ تعلق تھا، مولانا کے جیل جانے سے جس کی فوجیت اکثر پیش آتی تھی) حضرت کو کس قدر فکر اور تعلق خاطر پیدا ہو جاتا اس سبکی تفصیل

سوانح حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری میں آگئی ہے۔ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔  
 مولانا کے سیاسی خیالات و نظریات سے پورا اتفاق نہ ممکن تھا نہ ضروری۔ ان  
 کے خیالات و رجحانات سے بھی جو ان کے ذاتی تجربوں اور خاص طرح کی تربیت و ماحول سے  
 پیدا ہوئے تھے، ہم آہنگی بھی کسی معاشرے کے لئے خواہ وہ خرد نیاز مند ہو ضروری نہیں۔ لیکن جس  
 چیز میں زیادہ قیل و قال کی گنجائش نہیں وہ ان کا جذبہ حریت، انگریز دشمنی، وطن دوستی،  
 اخلاقی جنتی، شخصیت کی دلا دینری اور ایک خاص طرح کا قائدانہ باکپاؤ ہے جو خود اعتمادی  
 پاکیزہ زندگی اور خلوص کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔

ان چند سطروں کو لکھ کر نیاز مند بھی اس جرم میں شرکت کی سعادت حاصل کرتا ہے جو  
 مولانا کے ذکر خیر کے لئے سجائی گئی ہے۔ رنغر اللہ مددہ حقما بآبائے الاما لحسین و  
 شیدہ منقبولین

ابوالحسن علی۔ ناظم ندوۃ العلماء۔ صدر مدرس ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ

۱۰ اشبان ۱۹۵۵ھ

۱۸ اگست ۱۹۷۵ء



وہ فخر جس میں ہے بے پردہ روح قرآنی	کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سلطان	خودی کو جب نظر آتا ہے قاہری اپنی
اسی مقام سے آدم ہے نکل سبجانی	یہی مقام ہے مومن کی قوتوں کا عیار

یہ جبر و قہر نہیں ہے، یہ عشق و مستی ہے

کہ جبر و قہر سے ممکن نہیں جہاں بانی

(اقبال)



# قلندر سہرچہ گوید دیدہ گوید

یہ کہنے میں مبالغہ نہیں کہ برصغیر کی صحیح تاریخ اب تک ضابطہ تحریر میں نہیں آئی۔  
 انیسویں اور بیسویں صدی کے سیاسی حالات پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں سے اکثر کسی ایک  
 نقطہ نظر کو ثابت کرنے کے لئے لکھا گیا ہے۔ آزادی وطن تقسیم ہندوستان کی شکل میں  
 عالم وجود میں آئی۔ بد قسمتی سے تقسیم ہند کی تمام تر ذمہ داری برادران وطن نے مسلم لیگ  
 کے لاہور رزلوشن شمس ۱۹۴۷ء کے سبب مسلمانوں پر ڈال دی۔ پاکستان کے رہنماؤں اور  
 مورخین نے اس واقعہ کو اپنی سات سالہ جدوجہد کا حاصل سمجھا۔ ہندوستان کا  
 مسلمان جس نے بے سوچے سمجھے پاکستان کی تجویز کا ساتھ دیا تھا، وہ سیاسی محرکات کو  
 سمجھنے سے قاصر رہا تھا۔ اس طرح حالات سے مرعوب ہوا کہ وہ خود اپنی نگاہ میں مجرم  
 بن گیا۔ اس سیاسی فضا میں کسی کو یہ مہلت نہ ملی کہ وہ صحیح طریقہ پر انیسویں اور بیسویں  
 صدی کی سیاسی اور سماجی اصلاح کی تحریکوں پر غور کر کے حالات کا تجزیہ کر سکے، درحقیقت  
 کے ساتھ یہ بتائے کہ آخر مسلمانوں نے شمس ۱۹۴۷ء تک کسی علیحدہ وطن کا مطالبہ کیوں نہیں کیا۔  
 اور اگر پاکستان کا مطالبہ درحقیقت ایک آئیڈیولوجیکل اسٹیٹ کا مسئلہ تھا تو جناح صاحب  
 نے کیوں کینٹ مشن کی تجاویز کو قبول کیا اور کانگریس کیوں ان تجاویز کو قبول کرنے کے  
 بد میں نہ پڑی؟ پھر یہ مسئلہ بھی قابل غور ہے کہ اس پُر آشوب دور میں جب کہ ہندو  
 مسلمان کی تفریق برصغیر کی سیاست میں واضح ہوتی جا رہی تھی آخر کیوں علماء اور قوم پرست  
 مسلمانوں کے گردہ نے کانگریس کا ساتھ دیا۔ یہی سرفروشان وطن کا گردہ تھا جس نے  
 آخر تک تقسیم وطن کو ماننے سے انکار کیا اور ان ہندو کانگریسی رہنماؤں سے جن سے ان  
 کے پرانے روابط اور علاقائی تعلق عین صبح آزادی طلوع ہونے کے وقت ہر پیکار ہو گیا۔

درحقیقت برصغیر کی تاریخ کے صحیح رخ کا قوم پرست مسلمانوں کے نقطہ نظر کو سمجھے بغیر تعین کرنا ممکن نہیں یہ مسلمان جو عزت کے طالب نہ تھے کہ اپنی ملی قیادت کی سالکھ کو قربان کر کے آزادی وطن اور اتحاد ہندوستان کی خاطر انھوں نے ہندو رہنماؤں سے اشتراک عمل کیا تھا۔ یہ لوگ عہدوں کا لاپچ بھی نہ رکھتے تھے کہ ان کا سرمایہ اپنا زاویہ اور پوریہ تھا جس پر یہ آخر تک قائم رہے۔ مولانا آزاد نے پارلیمنٹ میں فرقہ پرستوں کے جواب میں ایک بار فرمایا تھا کہ ”جو شخص لاپچ نہیں رکھتا وہ بے پناہ ہو جاتا ہے اور بے پناہ شخص کو کو بھی نہیں قتل کر سکتی“ قوم پرست مسلمانوں کی آواز ضمیر کی آواز تھی۔ ملک وطن کے مفادات کا تحفظ ان کا بنیادین فرض تھا۔ اس فرض کو انھوں نے کھٹن حالات اور ہر منوب دور میں جس طریقہ سے نبایا اس کو سمجھنا آسان کام نہیں۔

افسوس کہ ان بلاکشین صادق کی طبعی منکسر المزاجی نے کبھی انھیں اپنی سوانح نگار لکھنے پر نہ اکسایا۔ اور اگر کبھی کچھ لکھا تو اس میں اپنی ذاتی عظمت پر پردہ ڈانے کی پوری کوشش کی۔ ان حضرات نے تاریخ کے ہر موڑ پر صدق بیانی کے جانہ سے منہ نہ موڑا۔ مجھے وہ شام یاد ہے جب میں حضرت مولانا حبیب الرحمن کی خدمت میں مسلم یونیورسٹی کے صدر کا ایک وفد سے کر حاضر ہوا کہ ان کو علی گڑھ تشریف آوری کی دعوت دے سکوں۔ روٹاتے۔ لول تو مدتوں سے خاندانی طور پر نیاز تھا لیکن اس دن ہم نوجوانوں کو دیکھ کر مولانا کو میا شرح صدر ہوا کہ وہ گھنٹوں اپنے سیاسی کوائف پر اظہار خیال فرماتے رہے۔ دوران گفتگو انھوں نے بار بار تقسیم وطن کی بڑی ذمہ داری ہنود کی روشنی اور کانگریسی لیڈروں کی بے اعتدالی اور مصلحت پسندی پر ڈالی۔ مولانا ایک ڈاکٹر کی طرح حالات کا تجزیہ فرماتے رہے اور بتاتے رہے کہ کس طرح وہ جہاں تھیں گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو اور دیگر کانگریسی رہنماؤں کو ان کی غلطیوں پر متنبہ کرتے رہے۔ لیکن سیاسی مصلحت نے آخر کو جلد پرستربان کیا اور اصولوں کو نظر انداز کر کے مصالح وقت کے آگے سر جھکایا۔

حضرت مولانا کے خیالات کو کوئی ایسا شخص جو ان کی شخصیت کی عظمت سے واقف نہیں ہے ایک بوڑھے ناکام سیاست داں کی حسرتوں کا حساب کہہ سکتا تھا۔ لیکن ہماری خوش نصیبی سے مولانا عزیز الرحمن صاحب لدھیانوی نے مولانا کے خطوط مرتب کر کے ہمیں اس عظیم شخصیت کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھنے کا موقع دیا ہے۔ جو کچھ میں نے مولانا کی زبان سے سنا ان کو من و عن میں ان خطوط میں پاتا ہوں۔ یہ خطوط صرف مولانا کی شخصیت کے ہی ترجمان نہیں ہیں بلکہ اس آزاد ذہن کی ناسدگی کرتے ہیں جس نے مصالح وقت سے بے پردہ ہو کر اپنے فریضے کو ادا کیا۔ مورخ کے لئے ان خطوط میں عظیم اور نادار خزانہ ہے۔ ان خطوط کے ہماری تاریخی معلومات ہندوستان کی تاریخ کے اہم دور کے متعلق ادھوری بھتیں۔ فہمیت کہ اس طرح کے خطوط اور اکابر کی زندگی سے متعلق مرتب نہیں ہوئے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کام پر ہماری نوجوان نسل فوری توجہ دے تاکہ تاریخ اپنے اصلی رنگ میں ہمارے سامنے آ سکے۔

خطوط محض ایک ماضی کا آئینہ نہیں ہیں بلکہ مستقبل کے لئے ایک سبق بھی ہیں۔ یہ سبق خود مولانا کی زندگی بھی تھی اور اب یہ خطوط بھی ہیں کہ حق کی آواز مصلحت وقت کی پابندی نہیں ہوتی اگر تہ برد حکمت کے مشوروں کو کوئی قوم یا جماعت نظر انداز کرے تو اس کا مستقبل انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ یوں محض حق کوئی بھی کوئی بڑا کمال نہیں، حق کی آواز تہ برد حکمت کی آواز بھی ہونی چاہئے اور مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی آواز ایسی ہی آواز تھی۔

علامہ انور صابری نے ۱۴۳۲ھ میں فرمایا تھا : سے

کوئی سنے نہ سنے الفتلاب کی آواز

پکارنے کی صدوں تک تو ہم پکار آئے

مسلمانوں کا مزاج جو سیاسی ہنگامی زندگی سے متاثر رہا اور نعرہ بازی سے مرعوب۔

مولانا کی آواز کو نہ سن سکا، لیکن اس کے ساتھ ہی مصالح وقت نے ہندو رہنماؤں کو اس



طرح متاثر کیا کہ وہ بھی ان سچے بے باک ہمدردوں کی زبان نہ سمجھ سکے۔ ان ہمدگوں نے اپنا فرض ادا کیا۔ اگرچہ اس وقت ان کی آواز سنی ان سنی کر دی گئی۔ میں نے اس قومی محرری کو ایک شعر میں یوں کہا ہے۔

آخر کار جو ہوتا تھا وہی ہو کے رہا

مذوق ہم نے جو ہوتا تھا وہ ہونے نہ دیا (عابد اللہ غازی)

ہر ماضی مستقبل کے لئے ایک سبق ہے۔ مولانا کے افکار ہمارے لئے ماضی کا ایک ایک سبق بھی ہیں اور مستقبل کے لئے شمع راہ بھی۔

مولانا کی شخصیت پر مجھ جیسا مبتدی کچھ کہنے کے قابل نہیں۔ میرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ میں نے مولانا کی آنکھیں دیکھی ہیں اور ان کی شفقت کا مرہون منت رہا ہوں، ان کے پاس میں مشہور مورخ ڈاکٹر تارا چند کا یہ قول درست ہے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی

۱۸۵۶ء سے ۱۹۵۶ء تک

”ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے تری محفل میں ہو“

ہندوستان کی جنگ آزادی کی تاریخ جو حکومت ہند کے مشہور مورخ ادیب اور سفیر حکومت ہند ڈاکٹر تارا چند نے مرتب کی ہے اور اس کی اشاعت حکومت کے پبلیکیشن ڈویژن نے کی ہے۔ جنگ آزادی کی تاریخ حصہ سوئم میں ہندوستان کا مشہور مورخ ڈاکٹر تارا چند رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے پاس میں پوری فرخ دلی سے اس طرح ان کا تذکرہ کرتا ہے جو ہندوستان کی تاریخ میں سنہری حروف ہیں

عابد اللہ غازی ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی ہاورڈ یونیورسٹی امریکہ۔

مولانا شاہ عبدالقادر رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے جد امجد تھے انھوں نے ۱۸۵۶ء میں انگریز کمپنی کی حکومت کے خلاف کھلم کھلا فوجی اور جنگی بغاوت کی۔

اور ہندوستان کی آخری جنگ آزادی لڑنے کے لئے فوجی کمان سنبھالی۔ ان کی کمان میں  
 درہیا نے سے جنگ آزادی کی فوج نے دلی کی طرف رخ کیا۔ دلی پہنچ کر وہ اور ان کی فوج  
 بہادر شاہ ظفر کی کمان کے ماتحت مسجد فتح پوری سے لے کر فوارہ تک مسلح انگریزی افواج  
 سے لڑتے رہے۔ ان کے ساتھ توپ خانہ بھی تھا (اور پوری فوج سفرینا جالین تھی، اور ریت  
 ٹوک فوجی دستے بھی)

بہادر شاہ ظفر کے بھائی مولانا شاہ عبدالقادر پنجاب کی جنگ آزادی کی فوج کے کمانڈر  
 انجینئر کی حیثیت سے اپنی فوجی صلاحیت کی بنا پر اپنے خاندان اور اپنی فوج کو دلی سے لے کر ٹیلا  
 کے جنگلات میں روپوش ہو گئے اور اسی دوران ان کا انتقال ہو گیا۔ اور مولانا شاہ  
 عبدالقادر قصبہ سترائے میں دفن ہوئے اور ان کے صاحب زادے درہیا نہ چلے گئے۔  
 رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کے جدا مجد مولانا شاہ عبدالقادر کے صاحبزادوں  
 نے اپنے مشن کو قائم اور جاری رکھا۔ مولانا شاہ محمد جو رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کے  
 دادا تھے۔ انھوں نے سرسید کی قائم کردہ جماعت

پروپیتیک ایسوسی ایشن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور سرسید کی اس جماعت کو ہندوستانیوں کے لئے  
 نہر قائل قرار دیا گیا اور ہندوؤں اور مسلمانوں کی راہ میں اس تحریک سے آنے والے خطرناک  
 نتائج سے ہندوستانی مسلمانوں کو آگاہ کیا کیونکہ سرسید کی تحریک ہندوؤں اور مسلمانوں  
 میں منافرت کا پہلا بیج بونے کے مترادف تھی۔

مولانا شاہ محمد نے کانگریس کے ابتدائی ایجنڈے میں جس کی سرسید سرگرمی اور پرجوش  
 طریقے سے مخالفت کر رہے تھے ان کی مخالفت کے جواب میں مولانا شاہ محمد نے کانگریس کے  
 حق میں اور ہندوؤں کے ساتھ بھائی چارہ قائم کرنے کے لئے ایک فتویٰ نصرت الابرار کے  
 نام سے شائع کیا اور اس پر ہندوستان اور راجا (مقدس) اور دیگر اسلامی ممالک کے  
 ہزاروں علماء کے دستخط کرا کے یہ فتویٰ مولانا شاہ محمد نے ۱۸۸۶ء میں مرتب کیا اور ۱۸۸۷ء

کانگریس کے اجلاس آباد کے موقع پر تقسیم کیا۔ اس فتویٰ میں تفصیل کے ساتھ سرسید کی آزادی کش تحریک اور جماعت پیر کی ایک ایسی ہیئت کو ناجائز قرار دے کر ہندوستانی عوام کے سامنے شرعی اور اسلامی نقطہ نظر پیش کیا اور فرمایا۔ ہند کی تاریخ کے عروج و زوال، اقبال احمد صاحب مصنف مسلمانوں کا روشن مستقبل نے اور ڈاکٹر راجندر پرنسپ نے جمہوریہ ہند نے اپنی کتاب ہندوستان کے مستقبل میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن اور ان کے جراحہ مولانا شاہ عبدالغفار دران کے داد مولانا شاہ محمد رئیس الدین کے خسر مولانا شاہ عبدالعزیز کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے اور ان کی کتابوں میں یہ تفصیلات دیکھی جاسکتی ہیں۔ وہ نصرت لابرار عنترہ حبیب الدین مولانا عزیز الرحمن جاتی لدھیانوی جو کہ مولانا عبدالقادر کی ساتویں پشت میں ہیں تیسری دفعہ شائع کر رہے ہیں۔ نصرت لابرار میں بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کتاب میں مولانا رشید احمد گنگوہی نے علامہ راجندر پرنسپ شاہ محمد اور شاہ عبدالعزیز سے موافق مانگ کر نصرت الامرار کے اس فتویٰ پر دستخط کیے جو کہ شاہ محمد نے مرتب کیا تھا جس کی بت رانی مخالفت مولانا رشید احمد گنگوہی نے غلط فہمی کی بنا پر کی تھی اور یہ بات ایک کھد ہوا جھوٹ اور غلط ہے کہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے یا علامہ راجندر پرنسپ نے کوئی فتویٰ کانگریس کے حق میں دیا تھا۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کے دادا مولانا شاہ محمد اور ان کے خسر مولانا شاہ عبدالعزیز نے اپنے علم و فضل، تقویٰ و سخاوت، تدبیر و حکمت علیٰ فراست، ذہانت و فطانت

سے جنگ آزادی کے بعد حضرت مولانا گنگوہی نے یہ ہی رخ چل دیا تھا۔ وہ سرسید کے مرنے کے بعد گئے۔ لیکن یہ لوگ نے حضرت گنگوہی کے نام سے علم راجدھیا نہ مولانا شاہ محمد رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف سرسید کے حق میں حضرت گنگوہی کا فتویٰ شائع کر دیا۔ جس کے بعد علامہ راجدھیا نے حضرت گنگوہی کو خط لکھا۔ اس خط پر حضرت گنگوہی نے طویل معذرت نامہ لکھ کر کانگریس کے حق میں فتویٰ دینے والے علامہ کی تائید میں دستخط کر دیئے۔ علامہ فاضلہ نازی۔ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ ڈی



بے باکی اور عوام میں ایک پاکیزہ مقبولیت کی بنا پر لدھیانے کو پنجاب میں جنگ آزادی کا مرکز  
 شہر بنادیا۔ پنجاب کے عوام و خواص، ہندو مسلمان صاحب حیثیت اور مالدار دانش ور  
 اور دکھار غریب پنجاہ کے ہر طبقہ خیال کے لوگ علماء لدھیانہ کی زیر نگرانی و زیر سرپرستی اور  
 ان کے دغظ و نصیحت کی بنا پر ہندوستان کی آزادی کے رضا کار اور صحیح معنوں میں نیشنلسٹ  
 بن گئے اور انگریز کی آرکانز میں لدھیانہ کے علماء اور عوام و خواص کے بارے میں یہ فتویٰ  
 صادر کر دیا گیا کہ علماء کے ساتھ لدھیانہ کے شہری بھی انگریز کے باغی ہیں اس  
 تحریک کا ذکر لدھیانہ کے عام شہریوں کا نقطہ خیال اور علماء لدھیانہ کی جدوجہد آزادی  
 کے بارے میں مٹھرا میں کرنے اپنی کتاب ہندوستان کی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں تفصیل  
 سے لکھا ہے)

جنگ آزادی کی تحریک کو دن بہ دن لمحہ بہ لمحہ آگے بڑھانے کے لئے مولانا شاہ محمد  
 کی تجویز اور اشارے پر ۱۸۵۷ء میں ایک انگریزی اخبار آئندہ دار کے نام سے شائع ہونا شروع  
 ہوا۔ اس اخبار میں انگریزی حکومت پر شدید نکتہ چینی کی جاتی تھی۔ اس اخبار نے یہ سلسلہ  
 ۱۹۱۳ء کی جنگ بلقان تک جاری رکھا۔ بلقان دار کے ذریعے بعد پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۳ء  
 میں اس اخبار کو بند کر دیا گیا (اس کے ایڈیٹر جس کا نام خواجہ احمد شاہ تھا چار سال تک  
 مقدمہ چلایا آخر پر بڑی کوشش میں خواجہ احمد شاہ کو کامیابی حاصل ہوئی اور ہندوستان کی  
 انگریزی حکومت کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ مگر اسی عرصہ میں اخبار آئندہ دار کا پریس جو کہ لاہور  
 میں تھا اس کی ساری مشینری برباد ہو چکی تھی اور وہ اس قابل نہ رہ گیا تھا کہ اس سے دوبارہ  
 آئندہ دار شائع کیا جائے۔ آئندہ دار کے پہلے ایڈیٹر علی الترمذی تھے جن کا اس وقت کانگریس  
 نیشنل پنجاہ کے صدر تھے اور دوسرے ڈاکٹر سر عبد القادر جو اس زمانے کے آزاد خیال  
 بریٹش تھے اور تیسرے ملک برکت علی جج کے عہدے سے استعفا دے کر علماء لدھیانہ  
 کی ہدایت پر اس اخبار کے ایڈیٹر بنے تھے، ان تینوں آدمیوں کو بلقان دار سے لے کر ۱۹۱۳ء

کی جنگ کے آخر تک بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

۱۹۱۹ء میں جوہی گاندھی جی نے تحریک خلافت کی رہنمائی کا اعلان کیا، کانگریس اور

تحریک خلافت کو ایک ہی جماعت قرار دے کر ایک ہی کمانڈر اور ایک ہی نصب العین کے ماتحت  
ہندوستان کی جنگ آزادی کے لئے تحریک عدم تعاون یا لا تعاون شروع کی جس کا مطلب  
انگریزی اشیا کا بائیکاٹ، ترکوں کی مدد ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ تھا۔

اس اعلان کے ہوتے ہی پنجاب کے جنگ آزادی کے مرکز لدھیانہ سے مولانا شاہ  
عبدالقادر کے پوتے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، گاندھی جی کی یونیٹوں  
تحریک میں شامل ہو گئے اور یہ واحد شخصیت تھی جس نے خلافت مومنٹ اور گاندھی جی کی تحریک  
ستیاگرہ کو ایک ساتھ چلایا۔ اس وقت رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کی عمر ساٹھ سال  
تھی۔ وہ پہلے دن سے کانگریس میں شامل ہوئے اور آخری دن ۲ ستمبر ۱۹۴۷ء کی اس  
اتوار کے دن آٹھ بجے تک کانگریس کے ساتھ رہے۔

کانگریس میں ان کا کردار ایک انفرادی کردار تھا وہ نہایت فہیم اور اپنے اصول  
کے پکے تھے اور دوسروں کے نظریات پر اصولی اور با دلیل تنقید کرتے تھے۔ اس ضمن میں رئیس  
احرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی نے بار بار گاندھی جی اور پٹیل جی کے نظریات کو  
منکیا اور ان کی بلکہ نہایت ہی سنبھلے ہوئے اور متعجب غیر نظریات پیش کئے۔ گاندھی جی اور پٹیل  
جی نے ہمیشہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کی قدر کی۔ مجلس احمدیہ اسلام آباد میں ان کا  
مولانا حبیب الرحمن کا وہ سر نام تھا۔

۱۹۴۹ء میں جب کہ راوی کے کن رے پہلی دفعہ کانگریس نے مکمل آزادی کا پرزور

پاس کر کے نہرو رپورٹ کو گاندھی جی کے ہاتھوں دریائے راوی میں غرق کر دیا۔ اس وقت  
مولانا ابوالکلام آزاد کی رہنمائی اور ارشد دو ہدایت پیر محمد میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن  
اور ان کے ساتھیوں نے رئیس الاحرار سلام سند قائم کی جس کا مرکزی نصب العین ہندوستان

کی آزادی اور کانگریس کے ساتھ تعاون قرار دیا گیا۔ مجلس احرار کے اصول و قواعد کے تحت  
نائب العین کی تشریح ہندوستان سے انگریزی حکومت کا خاتمہ، اقوام ہند میں میل جول  
پیدا کرنا قرار دیا گیا۔ مجلس احرار اسلام ہند کے چیدہ چیدہ اصول یہ تھے۔

(۱) ہندوستان کی کامل آزادی (۲) ہندوستان کی جنگ آزادی میں تہذیبی،  
تمدنی، تعلیمی آزادی کا اقوام ہند کے لئے پورا خیال رکھا جائے گا اور یہ بات بنیادی قرار  
دی جائے گی کہ ہندوستان کی آزادی کے بعد اقتصادنی، تعلیمی اور تمدنی آزادی لازمی جز  
ہے اور تھوڑے چھات کو پورے طور پر ختم کیا جائے گا (۳) ہندوستان کی کامل آزادی کے  
بعد صوبائی آزادی کی ضمانت دی جائے گی اور صوبوں کے اختیارات تہذیبی، تمدنی اور  
تعلیمی اعتبار سے مکمل اختیارات ہوں گے اور اس میں مرکز مداخلت نہیں کرے گا یعنی صوبوں  
کی مکمل آزادی فیڈرل گورنمنٹ کے ماتحت ایک تسلیم شدہ حقیقت ہوگی (۴) (الف) مرکزی  
فیڈرل حکومت کے تحت صوبوں کو جو آزادی حاصل ہوگی اس میں اقلیتوں کو دس فیصدی  
تعلیمی، تہذیبی، تمدنی اور اقتصادی حقوق دیئے جائیں گے۔ (ب) اکثریت کے صوبوں میں  
مسلمانوں کے مدہی قوانین ۳۰ فی صدی ووٹوں کے بغیر طے نہیں کئے جائیں گے اور مسلمانوں  
کی مدہی، تمدنی اور تہذیبی آزادی کو تسلیم کیا جائے گا اور اس میں صوبائی حکومتوں کی طرف  
سے کوئی دخل نہیں دیا جائے گا۔ (ج) مرکزی فیڈرل گورنمنٹ میں جو سپریم کورٹ بنایا جائے گا  
اس میں ہندو مسلم عیسائی برابر کے جج شریک ہوں گے۔ (د) ہندوستان کے مسلم اوقاف میں  
کسی قسم کی مداخلت نہ کی جائے گی اور مسلمانوں کو اپنے ٹرسٹ قائم کرنے کی مکمل آزادی ہوگی۔  
(ک) ہندوستان کی مرکزی فوج میں مسلمان اور دوسری اقلیتوں کے افراد بلا کسی تعصب کے  
برابر کے بھرتی کئے جائیں گے۔ (و) ہندوستان کے پس ماندہ اور اقتصادی لحاظ سے  
کمزور صوبوں کی فیڈرل گورنمنٹ بھرپور مدد کرے گی اور صوبوں میں امتیاز قائم نہ کیا جائے گا۔  
(ز) اکثریتی صوبوں میں مسلمانوں کی اسمبلی اور دوسرے نمائندہ اداروں میں ایک ایسی تعداد



منتخب ہونے کے لئے منظور کی جائے گی جس پر اقلیت کا اعتماد قائم رہ سکے۔ اکثریتی صوبوں میں مسلمانوں کو کم سے کم تیس فی صد ووٹ دیا جائے گا۔ (س) ہندوستان کی مرکزی حکومت اقلیتوں کی مذہبی، تہذیبی، تمدنی، روحانی، اقتصادی روایات میں کوئی مداخلت نہیں کرے گی۔ بلکہ اقلیتیں اس بارے میں جو فیصلہ کریں گی انہیں مرکزی فیڈرل گورنمنٹ کو منظور کرنا ہوگا۔ (ط) ہندوستان کی اسلامی زندگی اور مسلم پرسنل لا جو کہ مسلمانوں کے بنیادی مذہبی حق میں اور ان کے بغیر مسلمانوں کی بنیادی حقیقتیں ختم ہو جاتی ہیں اس لئے مسلم پرسنل لا میں مرکزی فیڈرل گورنمنٹ مداخلت نہ کرے گی اور نہ ہی صوبے اس میں مداخلت کریں گے۔ (ی) مذہبی مقدمات مسلمان ججوں کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔

یہ وہ زندگی ہے جو ہمیں الاحرار مولانا حبیب الرحمن سے لے کر مولانا شاہ عبدالقادر ملک تاریخ کے سنہری حروف ہیں۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن دس سال تک صدر کے عہدہ پر ۱۹۱۹ء سے ۵ جولائی ۱۹۳۵ء تک چھ دفعہ جیلوں میں گئے اور نظر بند رہے۔ مولانا کی کل مدت سیری و رفقہ بندی ۳۱ سال چھ ماہ ہے۔ مولانا کی زیر صدارت سہ ماہوں کے لئے جن حقوق کا معاہدہ کیا گیا ہے ان حقوق کا اور ان کی زندگی کا دسٹر مار چند کی تحریر کردہ یادداشتوں سے باخاوردہ ترجمہ کیا گیا۔ ڈاکٹر تارا چند کی تحریر میں گورنمنٹ کی مستند کتاب ہسٹری آف دی فریڈیم موومنٹ ان انڈیا بالی تارا چند میں صفحہ ۲۸۳ و ۲۸۴ پر تحریر ہیں۔

مسلم لیگ کے نظریہ پاکستان کے برخلاف مجلس احرار اسلام ہند نے ہندوستان کی جنگ آزادی میں جو قربانیاں دی ہیں، مصائب، مشکلات اور پریشانیاں اٹھائی ہیں، ان کی خدمات ہندوستان کی جنگ آزادی کی تاریخ میں ایک سنہرے باب کا اضافہ کرتی ہے۔ رئیس الاحرار اور ان کی جماعت مجلس احرار کا ہندوستان کی آزادی اور ہندوستانی اقوام کے بارے میں یہ پختہ خیال تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی تہذیبی اس میں ہے کہ

وہ ہندوستان کی مشترکہ تہذیب و تمدن کا ساتھ دیں۔ ہندوستان جو کہ رنگ تہذیبوں کا مرکز ہے اس میں مسلمانوں کی تہذیب و تمدن، تعلیم و سیاست، مذہب اور خاص قسم کی انفرادیت کو کوئی خطرہ نہیں ہے اسی مکتب خیال کے مطابق مجلس احرار نے ہندوستان کی آزادی میں ہمیشہ حصہ لیا اور قربانیاں دیں۔ (ڈاکٹر سہارا چند مصنف ہسٹری فریڈم ٹو آف انڈیا) خود پنڈت جواہر لال نہرو نے مولانا کے بارے میں یہ اعتراف فرمایا ہے جس پر میں اس تاثر کا اختتام کرتا ہوں۔

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی سے میں بہت برسوں سے واقف ہوں۔ جدوجہد آزادی کے دوران ہم ایک دوسرے کے بہت قریب رہے اور اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً ہماری ملاقاتیں ہوتی رہیں۔

مولانا موصوف حسن عقیدہ میں یقین رکھتے تھے اور جس جرأت اور آہنی استقامت کے ساتھ وہ اس پر قائم رہے اس کے سبب میں ہمیشہ ان کا مداح رہا اور ان کا احترام کرتا رہا۔ آزادی سے قبل اور اس کے بعد بھی انھوں نے بہت سی تکالیف اٹھائیں۔ حتیٰ کہ آزادی کے فوراً بعد ہی پاکستان اور شمالی ہند میں جو المیہ رونما ہوا اور جس کی لپیٹ میں وہ شدید طور پر آئے مگر اس سے ان میں تلخی نہیں آئی اور انھوں نے ہمت نہ ہاری۔ وہ اپنے شہر لدھیانہ میں ہندو مسلمان اور سکھ سب کے ہی محترم رہے۔

ان کے انتقال سے مجھے گہرا صدمہ ہوا۔ وہ ایک جوان مرد سپاہی کی حیثیت سے ہماری آزادی کی تحریک میں یاد کئے جانے کے قابل ہیں۔

جواہر لال نہرو

غابدلہ غازی ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی ہارڈویونی ورثی امریکہ

۲۲ اگست ۱۹۷۵ء

حالی مقیم ۵۲۹۶۔ کوچہ رحمان چاندنی چوک۔ دہلی ۱۱۵۵۵۶

# حبیب

اچھا ہوا کہ آپ بھی ہم سے بچھڑ گئے

اچھا ہوا کہ آپ بھی ہم سے بچھڑ گئے  
تھے لوگ بے حسی کے سمندر میں غوطہ زن  
تیرے دل و دماغ تھے تندرست کا معجزہ  
بہرِ وحدہ میں جبر و تشدد کا سامنا  
القتلہ ایک عہدِ صیہ کی یادگار  
شورش وہ آج عزمِ فردوس ہو گیا  
ورنہ آمید و یاس کا قصہ دراز تھا  
اور اس پر یہ ستم کہ خدا بے نیاز تھا  
سینہ ترا مدینہ سوز و گداز تھا  
ہر معرکہ میں فضیلِ خدا کا راز تھا  
جس کا وجود، نفسِ طرازِ حجاز تھا  
دار و رس کے ثروت سے جو بے نیاز تھا

اے ورے بادستان و باختم ہو گئی

صبر کی چوت کھا کے عبا ختم ہوئی

جو کچھ ہوا درست ہوا، خوب تر ہوا  
برہم رہا سے نقشہ عالم اسی طرح  
تالہ لب میں نفسہ سرایانِ فضلِ گل  
وہ لوگ جو نفس میں رہے ہیں تمام عمر  
جن کا رہ نہ برق جہاں تاب و جواب  
کوثر بہ آبیں گے حریفانِ باد و نوش  
نوکِ غم یہ آہ و فغاں آگئی تو کیا  
آندھی اُغوا سے تابہ افق چھائی تو کیا  
بوجے تہن کو بادِ خسراں کھائی تو کیا  
ان کے چین میں برق، ستہ ٹپک گئی تو کیا  
اک مرگِ ناگہاں اس میں تڑپا لئی تو کیا  
اے دگ، شکرِ ترا، تو اُٹھی تو کیا

”لائی حیات آئے قصائے چلی چلے

اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے“

دلِ انتہا بہ حال سے نماں ہے دوستوا شیرازہ حیات پر لیشاں ہے دوستو



نا سازگار آب و ہوا ہے کہاں چلیں  
جو کچھ سلوک ہم سے چمن میں کیا گیا  
اپنے لہو سے لالہ و گل کو نکھار دو  
کچھ دوستوں کے غم ہیں تو کچھ ساتھیوں کی یاد  
آخر کہاں چلا گیا سالار کارواں؟  
اک زد پڑی ہے زندگی مستعار پر

قصر کی زد میں نظم گلستاں ہے دوستو  
تاریخ افس پہ ششدر و حیراں ہے دوستو  
یہ بھی علاج گردش دوراں ہے دوستو  
ان پر مدار دیدہ گریباں ہے دوستو  
کس سے کہیں کہ حشر کا ساماں ہے دوستو  
اور سچ کہوں تو موت کا احساں ہے دوستو

چکر دیا اجل نے غریب الدیار کو

لونا ہے مصل کھل میں خزاں نے بہار کو

شورش کا شمیری مرحوم

## سید الاحرار

ایک مرد با خدا جرنیل ہمت کا دھنی  
ہند کا بانی تھا وہ پنجاب کا تختِ جگر  
روپ جس کے چہرہ پر نور کی ادنیٰ صفت  
قوم کی خدمت گزاری شغل تھا جس کا مدام  
سرزمینِ ہند پر چمکا جوین کر آفتاب  
ملک و ملت کے فدائی تھے حبیبِ خوش بیاں  
شہر لدھیانہ کو جس کی برتری پہ ناز ہے  
جس کی عزت قوم کے باپ سدا کرتے ہے  
لیڈرانِ قوم ہوں لدھیانوی جیسے اگر  
التجارت جس کو چمکائے چمکتا ہے وہی

قوم کی خدمت میں گزری جسکی ماری زندگی  
دشمنوں کے ہوش گم ہوتے تھے جس کو درکھ کر  
جس نے پائی قوم کی خدمت کے بدلے میں رفعت  
جنگ آزادی میں گزری جسکی صبح جس کی شام  
جس نے پایا ہر قدم پر حق پندی کا خطاب  
یاد رکھے گا ہمیشہ جن کو اپنا گلستاں  
آج بھی گونجی ہوئی اس شیر کی آواز ہے  
جس کا دم پیارے جواہر لال بھی بھرتے ہے  
شام کی تاریکیاں بن جائیں گی نورِ سحر  
اپنی منزل کی طرف بے خوف بڑھتا ہے وہی

اتجا امروہوی دہلی

نیم ستمبر ۱۹۷۹ء

بہارِ تاریخ جنگ آزادی کے مسلم مجاہدین - حصہ چہارم

رئیس الاحرار

# در حدیث دیگران



خوش تر آں باشد کہ ستر و لبر آں  
گفته آید در حدیث دیگران

مرتب

عزیز الرحمن جامعی لدھیانوی ثم دہلوی 5296 کوچہ رحمان

باب دوم —  
۲۵ ربیع الثانی ۱۳۶۵ھ

”ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی“



## جن کے خطوط والے صاحب کے نام نمبر دار تاریخ کے مطابق ہیں

نمبر شمار	خط نمبر	خط نمبر
۱	ڈاکٹر اجندر پرشاد صدر جمہوریہ ہند کا خط	۱۹۶۱ء
۲	ڈاکٹر ذاکر حسین کا خط	۱۹۶۸ء
۳	اختر عزیز صاحب سابق ناظم ریاست بھوپال وزیر مائیت	۱۹۶۶ء
	عزیز الرحمن جامی کا خط	
۱	مولانا ابوالکلام آزاد	۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۷ء
۲	سعید اللہ شاہ صاحب	۱۹۲۷ء
۳	مفتی کفایت اللہ کے نام خط	۱۹۳۱ء
۴	ڈاکٹر انصاری مرحوم	۱۹۳۱ء
۵	ڈاکٹر اجندر پرشاد	۱۹۳۳ء
۶	حبیب، پنڈت خط و کتابت	۱۹۳۶ء
۷	جودھری شہ جنگ	۱۹۳۰ء
۸	گاندھی حبیب خط و کتابت	۱۹۳۵ء
۹	لارڈ ڈکنسن	۱۹۳۵ء
۱۰	حضرت مدنی کا خاص خط اور اس کا جواب	۱۹۵۳ء
۱۱	حبیب، بشیر خط و کتابت	۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۵ء
۱۲ A	حبیب، احمد سعید خط و کتابت	۱۹۳۶ء سے ۱۹۳۸ء
۱۲ B	نہرو رپورٹ اور خلافت کمیٹی کی خط و کتابت	۱۹۲۸ء
۱۳	ملک برکت علی سکریٹری مسلم لیگ	۱۹۳۳ء

نمبر شمار	خط نمبر	سنہ
۱۵	۱۵	۱۹۵۶ء
۱۶	۱۶	۱۹۵۲ء سے ۱۹۵۳ء
۱۷	۱۷	۱۹۳۱ء
۱۸	۱۸	۱۹۳۷ء
۱۹	۱۹	۱۹۳۷ء
۲۰	۲۰	۱۹۳۸ء
۲۱	۲۱	۱۹۳۸ء
۲۲	۲۲	۱۹۳۹ء
۲۳	۲۳	۱۹۳۳ء
۲۴	۲۴	۱۹۳۷ء
۲۵	۲۵	۱۹۳۷ء سے ۱۹۵۴ء
۲۶	۲۶	۱۹۵۵ء
۲۷	۲۷	۱۹۵۰ء
۲۸	۲۸	۱۹۳۷ء

مولانا حبیب الرحمن صاحب مدھیانوی کا شمار ہمارے نامی سماجی اور سیاسی کارکنوں میں ہوتا ہے۔ اسی سلسلے میں کئی موقعوں پر میری ان سے ملاقات بھی ہوئی۔ مجھے بہت خوشی ہے کہ ان کے فرزند مولانا عزیز الرحمن نے اپنے والد محترم کی سوانح عمری لکھی ہے۔ جو اس وقت زیر طبع ہے۔ مجھے امید ہے کہ مولانا صاحب کی زندگی کے مفصل حالات عام پبلک کے لئے سبق آموز ہوں گے اور اس کتاب کو مقبولیت ملے گی۔ رجنہ پرشاو (یہ خط کتابت رئیس الاحرار کے بارے میں ہے تو یکم فروری ۱۹۶۱ء کو ڈاکٹر رجنہ پرشاو صدر جمہوریہ نے لکھا اور کتاب رئیس الاحرار میں شائع ہوا)

عزیزم عزیز صاحب۔ السلام علیکم

تین ہفتے سے ادب پر جو گئے کہ آپ کی کتاب "رئیس الاحرار" ملی تھی۔ سوچا کہ پڑھ لوں تو رسید اور شکر یہ بھیجوں۔ پڑھنے کا موقع ملنے سے پہلے ایک سفر پیش آگیا۔ اب پڑھ پایا ہوں۔ آپ نے بیٹا ہونے کا حق ہی ادا نہیں کیا بلکہ آزادی ہند کے ایک ممتاز مجاہد اور حیات ملی کے ایک اہم معمار کی زندگی پیش کر کے ایک قومی فرسینہ بھی پورا کیا ہے۔ مبارک ہو۔ جو چیزیں آپ نے اس سلسلہ میں یک جا کر دی ہیں ان سے تحریک قومی کے مورخ کو ٹری منڈلے گی۔ اس سلسلہ میں آپ نے مجھے یاد فرمایا اور کتاب کا ایک نسخہ مجھے بھیجا اس کے لئے دل سے شکر گزار ہوں خدا آپ کی عمر میں برکت دے اور آپ کے نیک ارادوں کو کامیاب فرمائے۔ خیر طلب

۹ مئی ۱۹۶۱ء ذاکر حسین گورنر بہار

۷۸۶۔ قلی ناظم صاحب۔ اندرون بدھوارہ۔ بھوپال (صدر جمہوریہ ہند)

عزیز محترم! السلام علیکم۔ مزاج ثریف

آپ کو شاید رنج اور ملال ہو گا کہ میں آپ کے "سلسلہ پیش بابا اندرون افرا تحفہ رئیس الاحرار"



کو دبا کر خاموش بیٹھ گیا ہوں اور اپنی قلم سے شکریہ اور تعریف کے دو لفظ لکھے جانے کی توفیق بھی مجھے نہ ہوئی۔ اگرچہ اپنی اس کوتاہی کے متعلق میرا کوئی غم نہ، عذر گناہ بدتر از گناہ، تصور کیا جاسکتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی مجھے امید ہے کہ یہ اس عذر کو آپ ضرور درست تسلیم کر لیں گے۔ کہ میری یہ کوتاہی صرف اس لئے دانستہ عمل میں آئی ہے کہ میں رئیس الاحرار کو 'الف سے' تک پڑھ لینے سے قبل آپ کی اس بے پایاں عنایت کا محض رسمی شکریہ ادا کر دینا بالکل بے معنی اور غیر ضروری سمجھتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ گزشتہ تین دنوں میں رئیس الاحرار کے 'الف سے' تک مطالعہ سے پورے طور پر مستفید اور مستفیض ہو چکا ہوں۔ اور اس کے بعض بصیرت افروز اصول کو تو مکرر اور سہ کرتے پڑھنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ یہی نہیں بلکہ رئیس الاحرار کی اہمیت محترمہ اور صاحبزادی کے انتقال پر ملال اور خود رئیس الاحرار کی دائمی مفارقت کے حسرت ناک حالات پڑھ کر بے اختیار آنسو بھی بہا چکا ہوں۔

آپ نے رئیس الاحرار کی ترتیب و تنظیم میں جس محنت اور کوشش و کادش سے کام لیا، اس کی افاد میں داد دینا ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کی جزائے خیر آپ کو دے گا۔ آپ کا یہ کارنامہ ہندوستان و پاکستان کی موجودہ افسانہ نسلوں کے لئے، خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتی ہوں۔ گزشتہ سو اڑھائی صدی کے حالات ماضی کو ہی محفوظ نہیں کرے گا، بلکہ ہر آنے والے مستقبل کے لئے بھی جمع ہدایت کا کام کرے گا۔ آپ کے اس احسان عظیم کے بارے میں حق شناس لوگ کبھی سبک دوش نہیں ہو سکتے۔ مجھے تو یہ کہنے میں بھی ہلکا نہیں ہے کہ آپ کی رئیس الاحرار، مولانا آزاد علیہ الرحمۃ کی انڈیا دس فریڈم کے درجہ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

ایں سعادت بہرہ ور بارہو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ہندوستان میں آئندہ اردو رسم الخط کے انجام کے پیش نظر میری ناچیز رائے تو یہ ہے کہ رئیس الاحرار کو اگر دیوناگری رسم الخط میں بھی شائع کر دیا جائے تو آنے والی صرف ہندو ہی نہیں بلکہ مسلمان نسلوں کو بھی اس کے مطالعہ سے بڑا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اردو رسم الخط کی طرف

سے ایسی ہیرو دل میں ان مسلمان لڑکے و لڑکیوں کو جو اس وقت اسکولوں میں زیر تعلیم ہیں۔  
 دیکھ کر سید اہولی ہے۔ باوجود اردو بطور اختیاری مضمون پڑھنے کے بھی وہ ناگری رسم الخط  
 میں ہرجیز لکھنا اور ناگری رسم الخط کے۔ اسی اخبارات پڑھنا زیادہ پسند کرتے ہیں میرا  
 خیال ہے کہ وہ اردو املا کی ایک سطح بھی سمجھ نہیں سکتے اور نہ مدنی سے اردو کا کوئی  
 رسالہ یا کتاب ٹیپو اور سمجھ سکتے ہیں۔ اس پر ہمیں فوس بھی نہ کرنا چاہئے۔ جب ہر مضمون کا ترجمہ  
 تعلیم لائبریری ہندی اور دیوناگری رسم الخط کی کتابیں ہوں گی۔ بہر حصول معاش کے تمام مذاخ  
 کا مختصر دیوناگری رسم الخط پر ہوگا تو مسلمان و ہندو سے۔ تو حق۔ لکھنا کہ وہ اپنے بچوں پر اردو  
 جیسے مشکل رسم الخط کا بھی بار ڈالتے رہیں۔ کہیں تک مناسب ہو سکتا ہے مسلمان گھرانوں کی آندہ  
 آنے والی نسل کو تو شاید اردو خط پڑھنے کے لئے بھی کسی بڑے بڑھے کی تلاش میں سرگرداں  
 رہنا پڑے گا۔ اردو سلاقی زبان تو ہے نہیں۔ بلکہ ل۔ جنوبی ہند وغیرہ صوبوں میں بھی دیگر  
 تعداد ایسے مسلمان و ہندوؤں کی موجود ہے جو نہ اردو لکھ سکتی نہ پڑھ سکتی ہے۔ ہندو اسلام  
 ٹمکا۔ منہ۔ شام۔ عراق، انڈونیشیا، سعودی عرب وغیرہ میں کون اردو لکھ پڑھ سکتا ہے وہاں  
 کی تو عدم بولی چال کی زبان بھی اردو نہیں ہے۔ ہندوستان میں تو خدا کا شکر ہے کہ جس زبان کو قومی  
 اور سرکاری درجہ دیا جا رہا ہے۔ وہ اتنی بچاؤ شیشی ہندی اردو سے ملتی جلتی ہے۔ یوں رسم الخط  
 کا رہ جاتا ہے۔ اس کے بارے میں مولانا مہسوار کا مشورہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ انھوں  
 نے ارشاد فرمایا ہے کہ "اکثریت کا مذہب ناگری رسم الخط کو ہی تمام ہندوستان میں رائج کرنا ہے ورنہ  
 مسلم لڑکوں کو اس بارے میں یہاں کوئی جگہ اہم مل نہ لینا چاہئے اور تمام قسم کا اسلامی تحریر  
 علم و تصوف کا اور خصوصاً سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہندی رسم الخط میں منتقل کر دینا  
 یہ ہے تاکہ اسلام کی سچی تعلیم ہر ادیان و دین کے سامنے بخوبی آجائے اور مسلم لیگ کے مذہب پر پکٹنا  
 نے ان کے دماغوں میں جو مستقل بدعتیں پیدا کر رکھی ہیں۔ جلد ناکل ہو جائے" (میس الرحار صفحہ ۳۵۱)  
 بھی معاف کرنا۔ میں کہوں سے کہیں یہاں کیا ہوں۔ ہاں تو اگر پوری کتاب میں الرحار کی منتہی

دیوناگری رسم الخط میں نہ ہو سکے تو کم از کم مولانا رئیس الاحرار کی سیاسی زندگی از ابتدا تا انتہا کے تمام ابواب سیاسی تقاسیم و خطبات اور لیڈران ہندو پاک سے مراسلت اور بحث مباحثوں پر مشتمل کل عنایں ہندی میں منتقل ہونے چاہئیں۔ اور میں کہہ بھی چاہوں گا کہ نگرہیری میں بھی رئیس "حرار" کا ترجمہ ہو جائے۔ تاکہ مولانا رئیس الاحرار کی حب الوطنی، صبر و تحمل، استقلال اور استقامت، حق کی راہ میں بے خوفی اور بے باکی، قید و بند کی صعوبتوں، مال و اسباب کی تباہیوں، بریادوں، دیہاتیوں اور سب سے زیادہ ملک و قوم کی آزادی کے لئے دنا دارانہ اور جہاں نشارانہ مسلسل جدوجہد کی صحیح تصویر ان تینوں زبانوں میں سے کسی ایک زبان بھی جاننے والے ہر فرد کے سامنے آکر ہر شخص کے دل و دماغ کو گہرا اور ترطیپا سکے اور اس مشعل آزادی کی روشنی میں جس کو ان بطل حریت نے اپنا سب کچھ بچھا کر رکھے رزیشن کیا ہے۔ ہر مذہب و ملت کے لوگ اپنے پیارے وطن کی آزادی کے راستہ پر بل جل کر قدم بڑھاتے چلے جائیں۔

## اب کچھ اپنی محرومی قسمت کی نسبت

آپ نے اپنی وسعت نظری اور وسیع الاخلاق سے کام لے کر مجھے اپنے والد مرحوم کے ”نہایت عزیز و دوست اور ساتھی“ کے قابل رشک اعزاز سے معزز و مفتخر فرمایا ہے۔ دہلیچ تو یہ ہے کہ ”چھ نسبت خاک را با عالم پاک“

اگست ۱۹۱۶ء میں جب لدھیانہ کو میں نے مستقل طور پر خیر باد کہا ہے (۱۹۱۶ء کے بعد میں صرف ایک مرتبہ لدھیانہ ۱۹۲۰ء میں چارچھ دن کے لئے گیا ہوں۔ اور یہ چارچھ دن بھی میں نے بستر علالت پر گزارے تھے اور سوائے گھر والوں کے کسی کو نہ تو میرے لدھیانہ پہنچنے کی اطلاع ہوئی تھی اور نہ میں خود کسی سے مل سکا تھا) اس وقت تک تو آپ عالم وجود میں بھی نہیں آئے ہوں گے۔ کیونکہ میں نے آپ کا سن پیدائش ۱۹۱۴ء یا ۱۹۱۵ء اخذ کیا ہے۔ اس ۱۹۱۶ء سے ۱۹۵۶ء (سن وصال رئیس الاحرار) تک کے درمیانی چالیس سال کے طویل عرصے میں میری



مرحوم فہمیدہ بیگم میں نہ تو مولانا مرحوم کی زیارت پر حادثہ کا شرف حاصل کر سکا اور نہ خط و کتابت یا کسی اور ذریعے سے اپنے حالات یہاں تک کہ اپنے پتہ اور قیام کی بھی اطلاع مولانا مرحوم کے سمع مبارک تک پہنچا سکا۔ اور نہ مولانا مرحوم کی سیاسی یا نجی زندگی کے ان شاندار تفصیلی کلاموں سے جو کائنات کشاف اب رئیس الاحرار کے مطالعہ کے بعد مجھ پر ہوا ہے مطلع و آگاہ ہو سکا۔ کوئی اور اخبار انجمنیتہ وغیرہ بھی میرے پاس نہیں آتا تھا۔ البتہ انگریزی اخبار ٹائمز آف انڈیا میں گاہے گاہے مولانا کا نام نامی کسی خبر کے سلسلہ میں پڑھ کر مولانا کی یاد تازہ کر لیا کرتا تھا۔

داد صاحب مرحوم کے منشن پر پڑھا سہو جو جانے کے بعد ۱۹۰۹ء میں ہم لوگوں نے لدھیانہ کی مستقل سکونت اختیار کی تھی۔ اس وقت میری عمر ۵۰ سال کی ہو گئی۔ میں آٹھویں درجہ میں پڑھتا تھا۔ آٹھواں اور نواں درجہ میں نے منشن ہائی اسکول اور خالصہ ہائی اسکول لدھیانہ سے پاس کیا۔ میٹرک ۱۹۱۱ء میں ایم۔ اے۔ ۱۰ ہائی اسکول امرتسر سے پاس کیا اور بی۔ اے۔ ۱۹۱۳ء میں اسلام آباد کالج لاہور سے۔ مولانا غلام رسول چہار سال تک میرے روم فیلو اور کالج فیلو رہے۔ ۱۹۱۵ء میں لدھیانہ واپس ہو کر ایک سال کے بعد اسلام آباد اسکول لدھیانہ کا ہیڈ ماسٹر ہو گیا اور ۱۹۱۷ء میں بھوپال آجانیہ بریڈری لدھیانہ کی سکونت اور قیام کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اس طرح لدھیانہ کے قیام کے آٹھ سال میں سے بھی امرتسر اور لاہور کے قیام کی ۱۰ سالہ مدت کو نکال کر میرا مستقل قیام لدھیانہ میں صرف تین سال رہا۔ ابتدائی دو سال تو ۱۹۱۵ اور ۱۹۱۶ سال کی عمر کے اواخر ایک سال ۲۲ برس کی عمر کا۔ مولانا مرحوم سے کب اور کس ذریعے سے ملاقات ہوئی۔ یہ مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔ ہاں یہ ضرور یاد ہے کہ صرف مولانا مرحوم ہی نہیں بلکہ آپ کے دادا مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے دادا کے برادران مولانا مفتی محمد نعیم صاحب اور مولانا مفتی محمد رمضان صاحب بھی مجھ پر بڑا گناہ شفقت فرماتے رہے ہیں۔ مفتی محمد نعیم صاحب یا مفتی محمد رمضان صاحب مجھے یاد پڑتا ہے کہ خالصہ ہائی اسکول کے نویں درجے میں میرے اور فارسی کے استاد بھی رہے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم سے میرے اتنے عارضی اور روادری کے ایسے واقعات کے باوجود جن کی آپ کی پوری عمر میں تجدید بھی کبھی نہیں ہوئی آپ نے مولانا مرحوم کے "نہایت عزیز دوست اور ساتھی" کے گراں قدر خطاب سے مجھے کیوں اور کس بنا پر نوازا ؟

اس سوال کا صرف ایک ہی جواب ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ مولانا اپنی زندگی میں صرف آسمان سیاست کا ستارہ بن کر ہی نہیں چمکے، بلکہ رموزِ باطنی اور انوارِ روحانی سے بھی ان کا دل منور ہوا۔ اس کا ثبوت وہ پر خلوص شفقت نامہ تھا جس سے مرحوم نے اپنے وصال سے کچھ عرصہ قبل مجھ ایسی چیز گنم، دور افتادہ اور چالیس انتالیس سال سے لاپتہ ہستی کو تازہ کیا تھا۔ دوسرا ثبوت جنرل انکیش کے سلسلے میں بھوپال آنے پر آپ کا خاص کوشش سے میرا سراغا اور پتہ لگا کر مجھ سے ملنا تھا۔ تیسرا ثبوت یہی ہے کہ آپ نے مجھے مولانا مرحوم کے "نہایت عزیز دوست اور ساتھی" کے زمرہ میں داخل کر دیا ہے۔ اور وہ چیز مجھے عطیہ کر دی ہے جو میری بقیہ زندگی میں ہر وقت میرے زیر مطالعہ رہ کر مولانا مرحوم کی یاد میرے دل میں تازہ کرتی رہے گی۔ مولانا مرحوم کے مجھ ایسی حقیر ہستی کے ساتھ اس باطنی اور روحانی تعلق پر میں جس قدر بھی فخر ادا نہ کروں وہ کم ہے۔ کاش کہ مولانا مرحوم کے اول و آخر شفقت کے موصول ہونے پر میں کٹاں کٹاں مولانا کی خدمت میں حاضر ہو کر ایسی بزرگ اور شفقت ہستی کی قدمبوسی کا شرف حاصل کر لیتا۔ میری کہہ باطنی کا یہ نتیجہ تھا کہ میں نے شفقت نامہ کے جواب میں خود مولانا کو اپنے قدمِ معینت لزوم سے بھوپال کو عزت بخشنے کی دعوت دے دی۔ اپنی اس بد نصیبی پر میں اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک ہشیانہ ہوں گا۔ مولانا ملک و قوم کی خدمت بجالاتے ہوئے شہید ہوئے ہیں اور چوں کہ سبیدار ابد زندہ رہتے ہیں، اس لئے آپ جب مزارِ مبارک پر حاضر ہوں تو مولانا کے حضور میں میرا عاجزا سلام اور دعا خیر کی درخواست پیش کر دیجئے گا

آخر میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اگرچہ میں نے کبھی پبلک پلیٹ فارم پر تقریر یا اجازت میں تحریری بیانات کے ذریعے کوئی حصہ نہیں لیا۔ لیکن میرے اور مولانا کے سیاسی خیالات اور عقائد میں جو مجھ پر رئیس الاحرار کے مطالعہ سے واضح ہوئے ہیں ایک نقطہ کافری بھی نظر نہیں آتا۔ نوابی دود کے

مسلم لیگ ماحول میں اپنے الی ہی سیاسی عقائد و تقسیم ہند کی مخالفت کی بنا پر کچھ تھوڑا سا حینازہ  
 مجھے بھی بھگتنا پڑا ہے یعنی یہ کہ میری عمر کے لحاظ سے اڑھائی سال قبل مجھے مسٹر میں پیش پر  
 ریٹائر ہونا پڑا حالانکہ میرے حسن کارگزاری کے سبب میں مجھے دوبارہ بہادر اور ذمہ دار لائے گئے  
 تھے بات بھی اس کے تھے۔ اور نفی امت یعنی کلکٹری سے ریونیو سکریٹری کے عہدہ پر ترقی بھی دی جا چکی تھی  
 سی اسٹیٹ بننے پر کانگریس منسٹری نے بلا میری درخواست اور تکمیل عہد نامہ کے لیے اس حقائق  
 کی تلافی اسٹڈ کے الیکشن میں مجھے کانگریس کا ٹکٹ دے کر کرنی چاہی تھی مگر اپنی کوتاہی پر۔ اور  
 خامیوں کے پیش نظر میں نے ہائی کمانڈ کی منظوری جو جانے کے بعد بھی الیکشن میں کھڑے ہونے سے  
 انکار کر دیا اور میرے انکار کے بعد مسلمانوں میں طرزی مشرتا صاحب کو یہ موقع دیا گیا۔

آپ سے اور مولانا مرحوم سے باز جو ذاتی دوستی اور اہمیت کے میری، اتنی قربت و دوست  
 غالباً سیاسی عقائد کی ہم آہنگی اور یکسانیت ہی ہے جس سے باطنی اور روحانی طور پر مولانا مرحوم مطلع  
 ہے ہوں گے۔ آپ کا رئیس لاہور کا اس خلوص اور محبت کے ساتھ مجھے بھیجتا۔ اور میرا دل و دماغ  
 مبارک لانا مرحوم کے باطنی اور روحانی فیوض و تصرفات کے رشتے سمجھنے جا نہیں۔ رئیس لاہور  
 نے مولانا نے کچھ فراموش شدہ ہستیوں کی بھی جن سے پچاس سال پہلے دوستی، شناسائی یا ہموی  
 واقفیت رکھتی ہے یا دائرہ گردی۔ مثلاً غلام رسول جبر، مولانا ظفر علی خاں، رفیع مسیح،  
 میاں محمد شفیع، میاں عبدالحی، مولانا منظر علی اظہر، ڈاکٹر اقبال، خواجہ احمد شاہ، مولانا محمد  
 کرامت صاحب، مولانا مفتی محمد نعیم صاحب، مولانا محمد رمضان صاحب وغیرہ وغیرہ

میں بھی اب پرانی سحری مولانا عمر کی ۲۰، منزلیں نے کرچکا ہوں۔ آپ کے قبلہ زاد صاحب  
 مرحوم کا سن پیدائش ۱۸۵۲ء معلوم ہوا اور میرا سن ولادت ۱۸۹۳ء ہے لیکن میں نے مصداق  
 بزرگی پر عقل است نہ بہ سال۔ مولانا مرحوم کو کبھی اپنا بزرگ سمجھا۔ اور آپ کو بھی اپنا بزرگ ہی سمجھتا ہوں  
 اگرچہ عمر میں آپ مجھ سے ۳۵ سال چھوٹے ہوں گے۔ اپنا ۹ جولائی ۱۸۵۲ء کا فولڈ پیش کر رہا ہوں  
 تاکہ اگر کبھی حکیم علی کوثر صاحب مجھے گھسیٹ کر دہلی لے جائیں تو آپ کو مجھے پہچاننے میں دقت پیش



نہ آئے۔ حکیم صاحب سے ملاقات ہو تو میرا سلام عرض کر دیا جائے۔ وہ بہت علیم الفرصت ہیں۔  
اسی لئے میں نے ان کے آخری عنایت نامہ کا جواب بھی نہیں دیا۔ بہت سہجہ فراموشی کر چکا ہوں۔ اب  
اجانت دیجئے

ازدہلی ۲۷ اکتوبر ۱۹۶۵ء

محرمی مکرئی قبلہ اختر عزیز صاحب مدظلہ! سلام مستور

آپ نے جس تعلق خاطر محبت اور شفقت کا اپنے خط میں اظہار فرمایا ہے وہ میری توفیق  
کے عین مطابق ہے۔ یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ قبلہ والد صاحب نے آپ کا پتہ کہاں سے معلوم کیا۔  
اتنا ضرور یاد ہے کہ آپ کا جواب آنے پر مسلسل کئی روز تک آپ کا ذکر فرماتے رہے، جو جملہ میں  
کتاب پر آپ کو لکھا ہے وہ دراصل قبلہ والد صاحب کا رشتہ فرمایا ہوا تھا۔ یہ بات تو یقینی ہے کہ  
قبلہ والد صاحب کا آپ سے روحانی اور مخلصانہ ذہنی تعلق رہا ہے۔ مجھے انہوں نے اپنی زندگی  
ہدایت فرمائی تھی کہ اگر تم بھی بھوپال جاؤ تو اختر عزیز صاحب سے ضرور ملنا۔ اسی بنا پر میں آپ  
کی خدمت میں حاضر ہوا تھا

آپ کو پس کر خوشی ہوگی کہ میں نے 'رئیس الاحرار' کا انگریزی ترجمہ کر لیا اور میں اب  
کوشش میں ہوں کہ کتاب کو ہندی رسم الخط میں تبدیل کرواؤں۔ لیکن اس سلسلہ میں ابھی تک کو  
لازوں آدمی نہیں ملا جس پر میں ترجمہ کے بارے میں اعتماد کر سکوں۔ نائب صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر صاحب  
صاحب جو آج سے ۲۵ سال قبل میرے استاد بھی رہ چکے ہیں۔ انہوں نے اپنے ایک انگریزی خط میں  
مجھے تحریر فرمایا ہے کہ انگریزی ترجمہ فوراً شائع ہو جائے تو بہت ہی اچھا ہے۔ اس خط کے بعد میں  
ہمایوں کبیر صاحب سے خط و کتابت کی تاکہ اگر اتفاق سے مدد مل جائے تو انگریزی کی کتاب شائع کر اسکا  
لیکن محکمہ اتفاقات نے بادل جو کبیر صاحب کے توجہ دلانے کے کوئی امداد نہیں کی۔ مالی اعتبار سے یہ  
خود اتنا صاحب حیثیت نہیں ہوں کہ میں یہ بوجھ برداشت کر سکوں۔ آپ نے اپنے بارے میں جو کہ  
تحریر فرمایا ہے اسے پڑھ کر بہت خوشی ہوئی اس زمانے کے باشندوں اور عالم فوج والوں کا نقطہ نظر

نقطہ نگار تقریباً ایک ہی تھا۔ مسلمانوں کے علیٰ طبقوں میں ہم خیالی قدر مشترک تھی۔ کوئی بھی علم دوست  
 دین خیر دیکھیں بھی تھا وہ ملک کی بہبودی اور حیاتِ نئی کے بارے میں اپنی فہم و فراست کے مطابق ایک  
 ہی رائے رکھتا تھا جو لاریب تھی۔ مگر اس کے بعد ۱۹۳۲ء سے ۱۹۴۵ء تک ہندوستان کے اہل لاکہ  
 مسلمان شلوک اور جذباتی افکار میں مبتلا ہو گئے۔ آج جو کچھ بھی رونما ہو رہا ہے وہ اسی مشکوک فکر  
 و جذبات کا نتیجہ ہے۔ طے یہ داستان دراز بھی ہے دل گداز بھی۔

جناب قبلہ کو فرما صاحب کا دل آنا بہت مہربان ہوا کہ آپ سے تعلقات کی تجدید ہو گئی۔ اور  
 یہ تک میں اپنی کتاب پہنچا سکا۔

ڈاکٹر ذاکر صاحب کے بعد آپ کا وہ مرا خط ہے جسے میں نے اور میرے بچوں نے بار بار پڑھا  
 یہ ایسا محسوس ہوا کہ خود آپ ہی سے باتیں ہو رہی ہیں آپ نے یہ بھی عنایت فرمائی کہ اپنی تصویر  
 بھی اور اس بندہ حقیر دنیا چیز کو اپنی نونہل ہائے کرم سے نمازا ہے۔ مجھے آپ کے دل آسنے  
 سے حدِ خوشی ہو گئی۔ کو فرما صاحب کی موجودگی میں یہ گزارش تو نہیں کر سکا کہ آپ میرے  
 دل قیام فرمائیں لیکن میں یہ درخواست ضرور کروں گا کہ ایک دو یوم آپ میرے غریب خانہ پر قیام  
 یا خدمت کا موقع عنایت فرمائیں۔

آپ کی دعاؤں کا بے حد محتاج ہوں۔ میری اہلیہ اور بچے آپ کی خدمت میں سلام گز رہے ہیں۔

عزیز الرحمن جامی مدھیانوی شہدہی

مکتہ۔ ۱۹ مارچ ۱۹۳۹ء

جی فی اللہ

خوانسار معافی ہوں کہ آپ کے خط کا بروقت جواب نہ بھیج سکا، وہی چومیں گھنٹے جو ہر نسل  
 بے حصے میں آئے ہیں، میرے حصے میں بھی آئے ہیں۔ مگر کام اس سے زیادہ ہے جہاں گھنٹوں میں انجام  
 پایا جاسکتا ہے

مشرایع گوپال اچاریہ نے غلط طریقہ اختیار کیا ہے جس مقصد کی حمایت کا وہ دعویٰ کر رہے

ہیں۔ اسی کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ میں نے انہیں بہت سمجھایا لیکن انہیں کسی نہ کسی طرح منطری کے عہدوں پہنچا دیے جاتا اتنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ اند کسی بات پر غور کرنا ضروری نہیں چاہتے۔

والسلام علیکم  
والہلالہام

مری نگر۔ ۴ ستمبر ۱۹۳۵ء

آل انڈیا کانگریس کمیٹی۔ سراج بھون الہ آباد

محی فی اللہ

خیال تھا کہ لاہور میں آپ سے ملاقات ہوگی لیکن سر دست لاہور کا پروگرام منورہ کر دینا پڑا۔ اب تیر کے آخر میں قصد کر دیں گا اور انشاء اللہ ملاقات ہوگی۔ جو بات اب طے کرنی ہے وہ یہ ہے کہ مسافر کا مقصد کیا ہے۔ آپ جمیت احرار کو بدستور مستقلاً الگ رکھیں یا کانگریس میں شامل ہو جائیں۔ میں نے ابھی تک کوئی آخری رائے قائم نہیں کی ہے۔ مشورہ و ملاقات کے بعد اسے طے کیا جاوے گا۔ اس وقت تک میں نے مصحف یہی مناسب سمجھا کہ آپ کو پنجاب کانگریس کے حلقہ میں شامل نہ کروں۔ چند نچے ایک سب کمیٹی جو کہ کل انتخابات کی تیاریوں کے لئے پناہی جا رہی ہے اس میں مولانا غزالی دینہ کا نام شامل کر دیا ہے آپ کا نہیں کیا، اسی خیال سے کہ پہلے آپ سے مشورہ ہو جائے، اس کے بعد حسب محاصرہ وقت آپ طریق کار اختیار کریں۔

والہلالہام

حکومت۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۳۵ء

محی فی اللہ

خط پہنچا کہ آپ کو دل انتہائی کہ آدمی بیماری کے مقابلہ میں ہار جائے۔ بہر حال اب ارادہ کیا ہے۔ چند دنوں کے لئے بند عیال چل کے ایک غیر آباد مقام میں چلا جائے اور سکون خاطر کی کوشش کرے۔

انشاء اللہ بوقت فرصت میں آپ کو بعض امور کی نسبت لکھوں گا جو پیش تبادلاً خاطر ہیں



اپنے والد بزرگوار اور تمام احباب و مخلصین کو سلام و دعائے خیر پہنچا دیں۔

ابوالکلام آزاد

بندھیا چل ضلع مرزا پور۔ ۱۲ نومبر ۱۹۴۷ء

آل انڈیا کانگریس کمیٹی سراج بھولہ آباد

حیاتی اللہ

آپ کا خط مورخہ ۱۲ نومبر وصول ہوا۔ بندھیا چل مرزا پور کے قریب ایک قصبہ ہے، اور اسی ریلوے لائن پر واقع ہے۔ خط و کتابت کے لئے بندھیا چل (ضلع مرزا پور) چہ کافی ہوگا جب تک میری واپسی کی خبر ملے، کلکتہ کے پتے سے خط نہ بھیجئے۔ روڈن کی خبر ہو جاتی ہے۔

پنجاب کانگریس کی جو حالت آپ نے لکھی ہے وہ میں بھی محسوس کر رہا ہوں لیکن جماعت موجودہ اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ نئی کمیٹیوں کے بننے کا، سہل کیا جائے۔

آپ کا ایک تار خط تھا جس میں ریلوے خط کی ترسیل کے لئے لکھا گیا تھا۔ میں اس کے جواب میں کسی قدر تفصیل بذریعہ خط طلب کی تھی۔ اس کا جواب مجھے ابھی تک نہیں ملا۔ میں اس میں نہ بھیجئے، جو صورت حال ہو بلاتامل کیجئے۔ حتیٰ الوسع کوششوں میں آئے گی۔

آپ نے رالہ ٹک رام کی نسبت جو پوچھ لکھا ہے میں نے اسے لکشن فائل میں رکھوا دیا ہے۔ کہ بروقت غور کیا جاسکے لیکن میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ سب سے پہلے آپ کوئی وعدہ اس سے نہ کریں۔

میں معلوم ضلع کانگریس کمیٹی اس حلقہ سے کس کی سفارش کرتی ہے، وہ کانگریس کے نقطہ خیال سے اس کے حقوق کس درجہ کے ہوتے ہیں، سنٹرل اسمبلی کے لئے بعض امیدواروں کا انتخاب صحیح طور پر نہیں ہوا کیونکہ وقت بہت کم تھا اور غلات کی وجہ سے میں وقت نہ دے سکا لیکن اس صورت حال کا کافی بوجھ میری طبیعت پر ہے اور اب میں نہیں چاہتا کہ صوبوں کے امیدواروں کے انتخاب میں اس طرح کی کوئی گزری دہنا ہو۔ میں یقیناً قابلیت اور قابلیت بھی چاہتا ہوں لیکن ساتھ ہی حتیٰ الامکان ان لوگوں کو آگے رکھنا ہے جنہوں نے ملکی تحریک کی راہ میں قربانیاں کی ہیں۔ والسلام علیکم

ابوالکلام

### حضرت امیر الہند حضرت مولانا صاحب

اسلام علیکم۔ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد ہر وقت آپ کی صحت کا خیال رہتا ہے کل پرسوں کے اخبار میں پھر پڑھا کہ آپ کو بخار آ رہا ہے۔ اس خبر کو پڑھ کر طبیعت میں بہت بے چینی ہے۔ اور یہ بھی پڑھا کہ آپ ابھی تک وہاں کانگریس کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا تھا۔ میں اب ایک دو ماہ آرام کروں گا۔ خدا کے لئے آپ اس بد نصیب قوم پر رحم کیجئے اور دو ایک ماہ مکمل آرام کیجئے تاکہ آپ کی صحت بالکل درست ہو جائے۔ کانگریس کو پریذیڈنٹ مل جائیں گے مگر عالم اسلام کو الہام کلام نہیں ملے گا۔ میں اور میرے گھر والے تمام آپ کی صحت کے لئے ہر وقت دعا گو ہیں ہم سب آپ سے بھی دعا کے خواستگار ہیں۔ والسلام حبیب الرحمن۔ حبیب روڈ لدھیانہ

حبیب روڈ۔ شفاعت منزل لدھیانہ۔ یکم اگست ۱۹۴۶ء

خدمت گرامی شیخ الاسلام حضرت مولانا الہام کلام آزاد صاحب دامت برکاتہم  
اسلام علیکم درجۃ اللہ۔ آپ کی کامیابی پر آپ کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں میرے متعلق کوئی خدمت ہو تو اس کے لئے میں تیار ہوں۔ آزاد خیال مسلمان خواہ وہ کسی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں ان کی عزتیں خطرے میں پڑ چکی ہیں اور اپنے قتل کے انتظار میں ہیں، اس کی زیادہ تر ذمہ داری پنجاب کی وزارت پر ہے۔ سائنس ہزارا دل تو ہم سے ملنا ہی پسند نہیں کرتے، اگر ملتے ہیں تو پھانسی وزارت کی طرح۔

پنجاب میں رشوت ستانی پہلے سے زیادہ ہے محکمہ سول سپلائی اور محکمہ راشننگ میں تو رشوت خاص طور پر بڑھ گئی ہے۔ جن شہروں میں راشننگ کی ضرورت نہ تھی ان شہروں میں راشننگ جاری کر کے وزراء نے عوام کو اور زیادہ مشکلات میں ڈال دیا۔

مولانا عبدالرحمن میانوی پر جو ظلم ہوا وہ بیان سے باہر ہے۔ ان پر ایک جھوٹا قرضہ لکھا

بنا کر چلایا گیا۔ لیکن کسی کانگریسی وزیر نے ان کی سشنوائی نہ کی کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے تاخیر جب گواہ ہی انھیں پہچان نہ سکے، تو پولیس کو جھک مار کر مقدمہ واپس لینا پڑا۔ لیکن وزارت اس سلسلہ میں کسی کام نہ آ سکی۔

اسی طرح جالندھر شہر میں آج کل تین مسجدوں کے درمیان سینما ہال بننے کی اجازت دی گئی ہے۔ پھر صاحب اس محکمہ کے انچارج ہیں۔ چونکہ سینما بنانے والے ایسے لیگی مسلمان ہیں جو بعض کانگریسی ہندوؤں کے ذاتی دوست ہیں اس لئے پھر صاحب اس تعمیر کو روکنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ مسلمان سینما ہال کی مسجدوں کے پاس بننے کی وجہ سے لڑیں گے اور پنجاب کی کانگریسی وزارت کو مسلمانوں پر گولی چلانے کا اچھا موقع ملے گا۔

ان واقعات کے متعلق کچھ تفصیل بر فرماؤ۔ عزیز الرحمن بھی آپ کی خدمت میں بیان کر دیا۔ عوام کانگریسی مسلمان جو شہرہ کی کانگریس تحریک میں شامل ہو کر تباہ و برباد ہو چکے ہیں ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔ پنجاب میں ایسے لوگوں کی تعداد ایک ہزار سے اوپر ہے۔ آزاد خیال متوسط الحال مسلمان شہرے اور لاہور اپنی کامیابی زندگی کے لئے کانگریسی وزارت کے دیواروں پر مہلت کو رہنا نہ چاہتی دیتے ہیں، نہ تو ان کو قطعی جواب دیا جاتا ہے نہ ہی ان کا کوئی کام کیا جاتا ہے وہ تنہا بار کر بار چار۔ پانچ پانچ صد روپیہ خرچ کر کے مالوس ہو کر گھروں کو واپس لوٹ آتے ہیں جن سے کانگریس کے مقصد کو نقصان پہنچتا ہے۔

یہاں لکھنؤ میں عیسائیوں کے روزہ جو واقعہ پیش آیا ہے اگر یہ واقعہ دس برس قبل پیش آتا تو بنات ہو جاتی۔ نہ حکام قتل کر دیئے جاتے۔ سیاسی کام بلا قانون کے چل نہیں سکتے۔ جب تک ایک کو دوسرے کی امداد حاصل نہ ہو آزاد خیال مسلمان مطمئن نہ ہو سکیں گے۔ یونیونسٹ وزراء پر کوئی نگاہ نہیں، نہ وہ پہلے ہمارے تھے نہ اب ہیں۔ کانگریسی وزراء سمجھتے ہیں کہ حصول حکومت کے بعد ان کو اپنے پرانے سیاسی دوستوں کی ضرورت نہیں رہی ہے لہذا ان کو مل گئے ہیں حکومت کی مشینری پر انہیں بیٹھ کر خود پر مسلم لیگی حلقوں کو خوش کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ اسی کمزوری دنیا



پر ہماری جماعت کے لوگوں کو مسجدوں اور عید گاہوں سے نکالا جا رہا ہے۔ اگر سرحدی فطارت کی طرح حکومت میں اپنے دوستوں سے مشورہ لیا جائے تو تمام مشکلات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ اور تمام کام آسانی سے ہو سکتے ہیں۔

لدھیانہ کے واقعہ عید اور جالندھر شہر کے سینما ہال کے متعلق آپ کی فوری مداخلت کی ضرورت ہے۔ مگر اس وقت آپ نے توجہ نہ فرمائی اور لدھیانہ کے افسران کو سزا نہ ملی تو آزاد خیال علماء بالخصوص اور آزاد خیال عوام کو بالعموم عزت کے ساتھ زندگی بسر کرنا مشکل ہو جائے گا اور نتیجہ بھی کانگریس کے حق میں بہتر نہیں آئے گا۔ یہ چند واقعات آپ کی خدمت میں اس لئے تحریر کر رہا ہوں تاکہ آپ صورت حال کو بہتر بنا سکیں۔ حبیب الرحمن لدھیانوی

حبیب روڈ لدھیانہ۔ ۱۹ اکتوبر ۱۹۴۶ء

بخدمت حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا ابوالکلام آزاد دامت برکاتہم  
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ پنجاب کے کانگریسی ذریعہ جو سلوک کر رہے ہیں، ان کی بار بار شکایت کرنے سے بھی شرم آتی ہے۔ جالندھر میں یہ بات مشہور ہے کہ چودھری بھری سنگھ نے سینما کے سلسلے میں شیخ غلام دستگیر سے کچھ لین دین کیا ہے مگر میں ابھی اس کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ مگر حالات نہایت بد سے بدتر ہو گئے ہیں۔ لدھیانہ میں عید کی نماز کے سلسلے میں جو جھگڑا ہوا تھا اس کے متعلق گورنمنٹ پنجاب نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ تہ وہ آفیسر یہاں سے تبدیل کئے گئے اور نہ ہی ان کو کوئی سزا ملی۔ اور نہ آپ کے ارشاد کے مطابق ابھی تک یہ اعلان ہوا ہے کہ پر آپ اماموں کی تبدیلی نہیں ہوگی۔

اس خط کے لکھنے کا اصل مقصد میرا یہ ہے کہ کانگریس کے انداز آپ کی پالیسی کیا ہے عام خیال یہ کیا جاتا ہے کہ آپ سوشلسٹوں کے ساتھ ہیں۔ کانگریس کی صدارت کے لئے آپ کے نام کا پیش ہونا اور جے پرکاش نارائن سے اس کی تائید کرنا اور باقی کانگریس درکنگ کی

کے ممبران کا خاموش رہنا اور خصوصاً پنڈت جواہر لال کا۔ اس بارے میں لوگ بہت ہی مختلف  
 ان خیال ہو گئے ہیں۔ مجھے اس سلسلہ میں صاف اور صحیح رہنمائی کی ضرورت ہے کیا یہ صحیح ہے  
 کہ آپ باہر اسلامی ممالک میں تشریف لے جانا چاہتے ہیں یا یہ صحیح ہے کہ کانگریس والے آپ کو  
 بھیجنا چاہتے ہیں۔

کشمیر کے سلسلے میں ہم کیا کریں۔ عبداللہ کی پارٹی ملے دختر امداد ہوس میں آئے ہوئے ہیں  
 اور وہ مجلس امداد سے پوری پوری امداد چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہمیں کیا کرنا چاہئے ان دونوں  
 سلسلوں میں ہر خود دار عزیمت کن کچھ باتیں رہانی عرض کرے گا۔ والسلام حبیب الرحمن لدھیانہ

حبیب لدھیانہ - ۹ نومبر ۱۹۴۷ء

حضرت امیر الہند شیخ اسلام دامت برکاتہم

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ایک عرضیہ ارسال خدمت کیا تھا۔ امیں ہے کہ پہنچ گیا ہو گا۔ آپ  
 کا ناماء جریب میں اس لئے تاخیر ہوئی کہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ کون سا وقت قرار کر کے آپ کی خدمت  
 میں پہنچنے کی اطلاع دوں۔ یکایک مجھے اشکلات عیب کا اندرہ پڑ گیا۔ دو مہینوں میں میں بتا رہا ہوں۔ اس  
 کے بعد چنانک چھوڑ کر کا بیار ہو گیا اور اس کے ساتھ ساتھ کام کی مصروفیت بہت زیادہ تھی۔  
 اب کل میں تیار شیخ کو کاظمی صاحب کے الیکشن میں جو بوقت علی صاحب کے مقابلے میں ضرور ہونے میں۔  
 جانا ہوتا۔ چوبیس تاریخ کو لدھیانہ واپس آ جاؤں گا۔ ۲ نومبر کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہونے  
 کا پختہ ارادہ کر رہا ہوں۔ اگر اس وقت تک آپ کا قیام بندھیا میں میں رہے تو میں انشاء اللہ ۲۹-۳۰  
 نومبر تک آپ کی خدمت میں پہنچ جاؤں گا۔

کل ۸ نومبر کو پنڈت جواہر لال نہرو سنٹرل اسمبلی کے الیکشن کے سلسلے میں لدھیانہ تشریف لائے  
 ان کے زچہ پر کے کھانے کا انتظام میرے محترم دوست خواجہ محمد اعظم صاحب کے مکان پر میرے علم  
 اندہ متروک کے بعد ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی کی طرف سے کیا گیا۔ جب مجھے معلوم ہوا تو میں نے اس مشورے

سے اتفاق کیا۔ سٹی کانگریس کمیٹی کے صدر مسٹر عبدالغنی نے اس سے شدید اختلاف کیا۔ اختلاف ہی نہیں کیا بلکہ مخالفت کی اور جو تار مسٹر عبدالغنی نے مفتی محمد نعیم صاحب صدر ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی کو دیا ہے اس کی نقل آپ کو بھیج رہا ہوں۔ اس تار میں جہاں الفاظ میرے محترم دوست خواجہ محمد اعظم کے لئے استعمال کئے گئے ہیں ان کو پڑھ کر مجھے بے اندازہ دکھ ہوا ہے۔ جب تک مسٹر عبدالغنی کو کانگریس سے نہ نکال دیا جائے اس وقت تک کسی شریف مسلمان کے لئے کانگریس میں آنے کی جگہ نہیں ہے۔ خواجہ محمد اعظم صاحب خواجہ احمد شاہ مرحوم کے بڑے لڑکے ہیں۔ ان کا خاندان تمام ہندو مسلمانوں میں معزز سمجھا جاتا ہے۔ اس گھر سے زیادہ پنڈت جی کی عزت انسانی کے لئے اور کون سی جگہ تجویز ہو سکتی تھی۔ خواجہ اعظم صاحب ہمیشہ سے کھدر پہنتے ہیں اور کانگریس کے ممبر رہے ہیں۔

نہرو رپورٹ کے زمانے میں مسلمانوں کا جو اختلاف تھا وہ آپ کو معلوم ہے۔ جون ۱۹۲۶ء میں لدھیانہ میں آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس کا اجلاس تھا۔ اس اجلاس کو چلانے والے خواجہ محمد اعظم اور ان کے بڑے بھائی خواجہ محمد یوسف تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کے شدید اختلاف کے باوجود پنڈت موتی لال نہرو کو ہر شور سے کانفرنس میں شمولیت کے لئے دعوت دی اور ان کا لدھیانہ میں زبردست استقبال ہوا اور مسلمان کشمیری نوجوانوں نے خود ان کی گاڑی کو کھینچا۔ پنڈت جی کے اس وقت یہاں تشریف لانے سے بھی خوش ہوئے۔ کاش ان کی خط و کتابت میرے پاس محفوظ ہوتی تو میں آپ کی خدمت میں بھیجتا۔ جنگ سے پہلے لدھیانہ میں آل انڈیا اسٹیٹ کانفرنس ہوئی۔ پنڈت جی اہر لال اس کے صدر تھے۔ اس وقت بھی خواجہ صاحبان نے پنڈت جی کو شاندار ڈنڈا اور ایڈس دیا۔

سب سے بڑا دکھ مجھے اس بات کا ہے کہ جب عبدالغنی کو معلوم ہو گیا کہ پنڈت جی کے کھانے کا انتظام خواجہ صاحب کے یہاں ہوا ہے تو انھوں نے مسلم لیگیوں سے کہہ کر خواجہ صاحب کے مکان پر مسلم لیگیوں کا سخت قسم کا مظاہرہ کرایا۔ خدا کا شکر ہے کہ لیگی اپنے مقصد میں ناکام رہے کوئی شرارت نہیں ہو سکی۔ ان کے پرانے تعلقات لدھیانہ میں مسلم لیگیوں سے ہیں۔ مسٹر عبدالغنی نے شکستہ میں



انہی تحقیقات کی بنا پر مسلم لیگ ٹکٹ پر کامیاب میر کو جو لیگ کے ٹکٹ پر لیگ ہی تھا، کانگریسی ممبروں کے دوٹوں سے میونسپل کمیٹی کا صدر بنایا۔ تار کے الفاظ ہی عبدالغنی کے خلاف باز پرس کرنے کے لئے کافی ہیں۔ باقی واقعات ثبوت کے لئے تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی جائے تو سب چیزیں ثابت ہو سکتی ہیں۔ امید ہے کہ اس معاملے میں آپ خاص توجہ فرمائیں گے۔ مہربانی فرما کر آپ مجھے مطلع فرمائیں کہ آپ کاب تک بندھیا چل قیام رہے گا۔

خدمت مولانا ابوالکلام آزاد صدر آل انڈیا کانگریس کمیٹی۔ بندھیا چل

حبیب روڈ سندھیا نہ ۲۹ نومبر ۱۹۴۵ء

حضرت امیر الہند شیخ الاسلام دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا گرامی نامہ ملا۔ اور تاریخ موصول ہوئی۔ میں کاظمی صاحب کے الیکشن سے کل ہی واپس آیا ہوں اس لئے جواب میں تاخیر ہوئی۔ مسلم آزاد بورڈ کے الیکشن کے سلسلے میں شیخ حسام الدین، مولانا مظہر علی انظر اور اپنے دوسرے عزیز کام کرنے کے لئے یو۔ پی میں گئے ہوئے تھے۔ میں انشاء اللہ العزیز ۲۲ ستمبر کو مرزا پور سے آپ کے ساتھ کلکتہ چلوں گا۔ وہاں دو تین دن آپ کی خدمت میں ٹھہروں گا۔ اور اگر مجھے یہاں کام سے فرصت مل گئی تو شاید یکم دسمبر کو آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ مگر اس کے باوجود بھی کلکتہ چلوں گا انشاء اللہ۔ صحت خراب ہے، آپ کی دعا کا محتاج ہوں۔ کئی ایک پتہ گرم صحت کی خرابی کی وجہ سے اچانک ملوئی ہو جاتے ہیں۔ آپ کس ٹرین سے مرزا پور سے کلکتہ تشریف لے جائیں گے تاکہ میں اسی ٹرین سے دہلی سے چلوں۔ عزیز بنیارسا الحسن نے ایک خط آپ کی خدمت میں آج ہی روانہ کیا ہے۔ وہ آپ کی توجہ کا بے حد محتاج ہے۔ والسلام

حبیب الرحمن

حبیب روڈ۔ شفاعت منزل۔ سندھیا نہ ۲۴ دسمبر ۱۹۴۵ء

حضرت امیر الہند شیخ الاسلام۔ دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ۳۰ نومبر کا کچا گرامی نامہ ملا اس خط کے آپ کے اس فقرے

مے "کیا کر دل دل مانتا نہیں کہ آدمی بیماری کے مقابلے میں ہار جائے" میری روح میں یقین اللہ جسم میں کام کرنے کی ہمت پیدا کر دی ہے۔ اختلاج قلب کے مسلسل دورے پڑ رہے ہیں۔ اس کے باوجود کچھ نہ کچھ کر رہا ہوں۔ آپ نے خط کے آخر میں تحریر فرمایا ہے، "شاء اللہ قلعے بوقت فرصت بعض امور کی نسبت لکھوں گا۔ جو پیش نہاد خاطر ہیں اس تحریر کا بے حد انتظار ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو تندرستی عطا فرمائے اور آپ کے فیسن کو عام کر دے۔ اخبارات سے معلوم ہوا ہے کہ آپ بندھیا چل تشریف لے گئے ہیں۔ بندھیا چل کا پتہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے خط کلکتہ کے پتے پر بھیج رہا ہوں۔

پنجاب کانگریس کے حالات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ جو حالات پہلے تھے اب بھی ہیں۔ نہ کام کا ڈھنگ بدلا اور نہ مشورے کو ضروری سمجھا گیا ہے۔ پنجاب کانگریس کی طرف سے جو اقرار نامہ سرگودھل چند نارنگ کو دیا گیا ہے اس نے حالات کو اور بھی خراب کر دیا ہے۔ اس کی کٹنگ بھیج رہا ہوں۔ ہندو مسلم بھائی پوزیشن اس اقرار نامے سے کسی قدر قوی ہو گئی ہے اور آزاد خیال مسلمانوں کی نشستیں پہلے سے زیادہ خطرے میں پڑ گئیں۔ کسی کی شکایت نہیں، حال کی اطلاع ہر دہائی گزارش، لدھیانہ، انبالہ، کرناں۔ شملہ کے شہری حلقے سے پہلے لالہ دیش بندھو اسمبلی کے ممبر ہیں۔ اب نئے اپنے دوست لالہ تلک رام اگر مال جین کی درخواست دلوائی ہے۔ ۱۹۱۳ء سے لے کر آج تک لالہ تلک رام جی نے جس دلیری سے کانگریس اور ملک کی خدمت کی ہے وہ اس بات کی سفارش ہے کہ ان کو پنجاب اسمبلی میں کام کرنے کا موقع دیا جائے اور میں کہہ سکتا ہوں کہ پنجاب بچٹ بنانے میں ان سے مفید آدمی پنجاب کانگریس کو نہیں ملے گا۔ لالہ جی نے اگرچہ جیل نہیں کاٹی لیکن وہ مینسپل کمیٹی میں ممبران سے کام اور حکومت کا مقابلہ کرتے رہے، وہ دو دفعہ کانگریس کی طرف سے ممبر ہونے کی وجہ سے دس ممبر بھی قرار دیئے گئے۔ لالہ جی عملی طور سے غیر متعصب ہیں اور مینسپل کمیٹی میں کام کر کے اپنے شعبہ پر ثابت کر دیا ہے

حبیب الرحمن لدھیانوی

لے لالہ جی شملہ میں کشمیر میل کے حادثے میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور ان کا امرا کا بھی۔

۱۸ دسمبر ۱۹۴۶ء

بخدمت حضرت امیر الہند شیخ الاسلام دامت برکاتہم

السلام علیکم۔ مجھے کلکتہ کے سفر میں خونی برا سیر کا دورہ شروع ہو گیا تھا۔ اب ابھی تک جاری ہے۔ میں صحت اب پہلے سے اچھی ہے اور اب خون بھی کم آ رہا ہے۔ آپ کی دعا کا محتاج ہوں۔ آج اخبارات میں یہ خبر پڑی ہے کہ مشر فیض احمد فیضی کو موٹر سے سخت حادثہ پیش آیا اور وہ بے ہوش ہو گئے جس کی وجہ سے وہ ہسپتال میں داخل کر دیئے گئے۔ ان کی خیریت معلوم کرنے کے لئے میں نے آج کھنکھوتا بھی دیا ہے۔ برخورداد عزیز الرحمن یا حسین الرحمن درود میں سے کسی کو آپ کی خدمت میں بھیجنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ والسلام

حبیب الرحمن

حبیب اللہ۔ لدھیانہ۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۴۵ء

امام الہند شیخ الاسلام حضرت مولانا ابوالکلام آزاد دامت برکاتہم

السلام علیکم۔ آپ کے مقننوں تار ملے۔ آج میں نے آپ کی خدمت میں تار روانہ کر رہے کہ اگر آج سیٹیں ریزد ہو گئیں تو ۲۰ دسمبر کی شام کو آپ کی خدمت میں پنجاب کلکتہ میل سے پہنچ جائے گا۔ آج ریمسایک آدمی کو سیٹیں ریزد کرانے کے لئے بھیجا ہے۔ اگر ریزد ہو گئیں تو کل ۲۸ کی رات کو کلکتہ کے لئے روانہ ہو چکا۔ اطلاع عرض ہے۔ والسلام

حبیب الرحمن

حبیب اللہ۔ لدھیانہ۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۴۵ء

سیدی و مولائی حضرت مولانا ابوالکلام آزاد دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ۲۸ دسمبر کو سیٹیں ریزد نہ ہو سکیں۔ اس لئے میں آپ کی خدمت میں عرض کرنے کے لئے روانہ نہیں ہو سکا۔ ۲۹ دسمبر کو روانہ ہونا اس لئے بے کار تھا کہ میں ۳۰ دسمبر کو کلکتہ نہیں پہنچ سکتا۔ چونکہ آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ آپ ۳۰ دسمبر تک کلکتہ میں قیام فرمائیں گے۔



اب جہاں آپ مستقل قیام فرمائیں اس کی اطلاع فرمائیں تاکہ میں جلد حاضر ہو سکوں۔ والسلام  
حبیب الرحمن

حبیب روڈ لدھیانہ۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۳۵ء

سیدی و مولائی حضرت مولانا دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ۲۸ دسمبر کو سیٹیں رینڈون ہو سکیں اس لئے سفر نہ کر سکا۔ ۲۹ دسمبر  
کو اس لئے روانہ نہیں ہوا کہ آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ ۳۰ تک کلکتہ ٹھہروں گا۔ اگرچہ میری طبیعت  
خراب ہے اور سفر کے قابل نہیں ہوں مگر حالات کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں  
مہربانی فرما کر مجھے مطلع فرمائیں کہ میں کہاں جلد از جلد حاضر ہو جاؤں۔

آپ کے ارشاد کے مطابق پنجاب میں کہیں بھی احرار اور کانگریس امیدوار کا مقابلہ نہیں ہوا  
تھا۔ قصور کے صدف سے احرار نے اپنا امیدوار بٹا دیا۔ اگرچہ ان کو یقین تھا کہ ہمارا امیدوار کامیاب  
ہوگا۔ اب مولانا عبدالغفار صاحب غزنوی اس حلقے سے کانگریس کے امیدوار ہیں۔ تمام مل کر ایک  
دوسرے کی مدد کر رہے ہیں۔ لاہور کے سول حلقے سے میاں محمد رفیق صاحب احرار امیدوار اور  
ان کے مقابلے میں میاں عبدالعزیز بھٹا امیدوار تھے۔ بابو محمد دین مزنگ کے رہنے والے پرانے  
مشہور کانگریسی نے لاہور کے اس صدف سے لاہور سیکٹر امیدوار درخواست دی تھی۔ اتفاقاً  
میاں عبدالعزیز صاحب کی درخواست مسترد ہو گئی۔ اس وقت بابو محمد دین نے وعدہ کیا کہ وہ میاں  
محمد رفیق صاحب احرار امیدوار کے حق میں درخواست واپس لے لیگا۔ اب حالت یہ ہے کہ کبھی کوئی  
شخص ان کی طرف سے اعلان کر دیتا ہے کہ انھوں نے لیگ کا ٹکٹ لے لیا ہے۔ مالا کھلا ناٹھ صاحب سبگل  
ایم ایل اے نے بیان دیا ہے کہ بابو محمد دین صاحب بدستور کانگریسی ہیں۔ اب بابو محمد دین کہتے ہیں  
کہ اگر حضرت مولانا ابوالکلام آزاد مجھے حکم دیں تو میں بٹھ جاؤں گا۔ ان کی کامیابی کی وہاں کوئی امید نہیں۔  
اول تو ضمانت ضبط ہوگی اور ہار جانا تو یقینی ہے۔ مہربانی فرما کر بہت جلدی اس بارے میں بذریعہ تار بابو  
محمد دین کو آپ حکم لکھیں کہ وہ بٹھ جائیں۔ ان کو بیٹھنے کا حکم معرفت مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی دیں۔

والسلام۔ حبیب الرحمن۔ لدھیانوی

عزیزم مولوی حبیب الرحمن

السلام علیکم ورحمۃ اللہ - فرقہ قادیانی کے بارے میں مسئلہ کو اس طرح سمجھتا ہوں  
خودن ازمن ولقمہ شردن از تو

اس کی تفسیر کے مقابل خواہ کل ہمت کا خلاف ہر وہ سب اس کے نزدیک گمراہ میں۔ حدیث پیغمبر  
اسلام کی جو اس کی وجہ کے موافق نہ ہو اس کی نسبت اس کی تصریح ہے کہ ردی کے ٹوکے میں بھینک  
دی جائے۔ ان دو اصول اسلام یعنی کتاب اور سنت کی تو اس کے نزدیک یہ حاصلات ہیں اور حسب  
تصریح اس کے اس پر شریعت بھی نازل ہوتی ہے۔ اور بمقابلہ اسلام کے بعد ختم نبوت کے آئندہ  
کوئی شریعت نہیں ہوگی، صریح اقرار شریعت کیا ہے اور نیز اس کا اعلان ہے کہ آئندہ حج کا دنیا  
کا ہوا کرے گا اور نیز جہاد شرعی اس کے آنے سے منسوخ ہو گیا۔ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم  
کے معجزات تو تین ہزار ہی نقل ہوئے ہیں۔ منشی غلام احمد قادیانی کے نمین لاکھ ہیں جن میں تحصیل چہرہ  
کی کامیابی بھی شمار ہے اور اس کے استوار ہیں۔

زندہ شد ہر نبی بآدم نم ہر رسولے نہاں یہ پیر ہم

آچہ نادوست ہر نبی را جام داداں جام را مرا انجام

نیز اپنی مسیحیت کی امید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جن پر ایمان جزدین محمدی ہے اسی توہین  
کی ہے جس سے دل اور جگر شق ہوتا ہے اور اس کے نزدیک تحقیقی توہین ہے۔ الزامی یا بقول  
نصاری تو درکنار رہی توہین عیسیٰ علیہ السلام میں علاوہ اپنی اپنی تحقیقی توہین کے ایک اور  
طریقہ بھی اختیار کیا ہے کہ نقل نصاریٰ کے سر رکھ کر توہین سے اپنا دل ٹھنڈا کرتا ہے۔

گفتہ آید در حدیث دیگران

یہ معاملہ بیشتر اسی پیغمبر برحق کے ساتھ کیا ہے تاکہ عظمت ان کی دلوں سے اتار دے اور خود  
مسیح بن بیٹھے۔ اس واسطے ہنود کے پیشواؤں کے ساتھ ایسا نہیں کیا ہے بلکہ توفیر کی ہے۔ اور  
ایسے ہی بندگان اسلام امام حسین علیہ السلام وغیرہم کی تحقیر اور اپنی نقلی میں کوئی دقیقہ نہیں

چھوڑا۔ غرض یہ کہ اس دجال کی دعوت اس کے نزدیک سب انبیاء اور رسل صلوٰۃ اللہ علیہم  
 سے بڑھ چڑھ کر اور افضل و اکمل ہے۔ علماء اسلام نے اس فتنہ کے استیصال میں خاصی خدمتیں  
 کیں مگر وہ خدمتیں انفرادی اور خصوصی تھیں، اس وقت ایک لطیفہ غیب نور ارادہ نمایاں ہوا ہے  
 کہ مجاہد ملت جناب ساقی انقلاب مولوی ظفر علی خاں صاحب تمام ظلم اس خدمت کا فرض ادا کر رہے  
 ہیں جس کی وجہ سے جناب ممدوح ادا ان کے رفقاء جناب مولانا عبد الرحمان صاحب اور مولوی  
 لال حسین صاحب اخترا اور احمد رضا صاحب سپرد حوائث ہیں۔ ہم کو کچھ حمیت اللہ حمایت  
 اسلام سے کام لینا چاہئے۔ اہل خطہ کشمیر سمجھ اور بوجھ ہیں کہ جو کچھ قادیانی جماعت ان کی امداد  
 کر رہی ہے وہ اہل خطہ کے ایمان کی قیمت ہے اور ناممکن ہے کہ کوئی امداد اور ہمدردی اس فرقہ کی  
 ایمان فریاد کے سوا ہو۔

دانی کہ چنگ و عود چہ تقریر میکنند

پنہاں خودید بادہ کہ تکفیر میکنند

اور جن لوگوں نے اس فرقہ کے ساتھ کسی قسم کی رواداری برتی ہے وہ خطہ میں ہیں۔ یہ نہ سمجھ  
 کہ یہ کوئی معمولی بیعت ہے بلکہ ایک چھوٹی پیغمبری سے ایک بڑی پیغمبری قادیانی میں تحویل ہونا ہے۔  
 اور جس کا جی چاہے ان عقاید ملعونہ قادیانی کا ثبوت ہم سے لے اور اس شدید وقت میں کہ وطن کو  
 بے ہمیر کر کے ایمان پر چھاپہ مارا گیا ہے کچھ غیرت ایمانی کا ثبوت دے۔

جو حضرات نے اس احقر سے حدیث شریف کے حرف پڑھے ہیں جو تقریباً دو ہزار ہوں گے  
 وہ اس وقت کچھ ہمدردی اسلام کی کر جائیں اور کلمہ حق کہہ جائیں اور انجمن دعوت و ارشاد میں  
 شرکت فرمائیں۔

اس فرقہ کی تکفیر میں توقف یا تاویس وجہ سے ہے کہ صحیح علم نصیب نہیں ہوا اور اب تک  
 ایمان و کفر کا فرق ہی معلوم نہیں ہوا۔ اور نہ کوئی حقیقت فصلا ایمان کی ان کے ذہن میں ہے۔ اور نہ  
 کوئی مصلحت دنیوی دامن گیر ہے۔ اور نہ اسلام کوئی نسب اور نسلی لقب نہیں ہے، جیسے یہود اور مسلمان۔



سوائے ان نہ ہولہر جو کوئی بھی اپنے آپ کو مسلمان کہے پس وہ قومی نسبی لقب یا ملکی و شہری نسبت کی طرح  
 لایفکد ہی رہے۔ بلکہ عقاید اور عمل کا نام ہے اور ضروریات قطعہ اور مستحبات شریعہ میں کوئی تاویل و  
 تخریف بھی کفرناہی ہے۔ (زندگہ) اسلام کا اس کو کہتے ہیں کہ سچے دین کو گڑبڑ کر دے اور یہ کھلے کفر  
 سے بدتر ہے یہی اس دجال کی تسلیم کا حاصل۔ ۱۲ منہ)

جب کوئی ایک حکم قطعی اور مستند شرعی کا انکار کر دے وہ کافر ہے، خواہ اور بہت سے  
 کام اسلام کے کرتا رہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُثَبِّتُ الَّذِينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ اس میں درجہ ہوا ہے۔ حق قوی صحیح  
 علم اور سمجھ اور توفیق عمل نصیب کرے۔ آمین

## انتباہ

آخر میں یہ عاجز ہمیشہ رعیت ریاست کشمیر ہونے کے حکومت کشمیر کو متنبہ کرتا چاہتا ہے کہ  
 قادیانی عقیدہ کا آدمی عالم اسلام کے نزدیک مسلمان نہیں ہے۔ لہذا حکومت کشمیر جمیع اہل اسلام  
 اور مذہب قدیمی اہل کشمیر کی رعایت کرتے ہوئے 'قادیانیوں کی بھرتی اسکولوں اور محکموں میں نہ کرے  
 ورنہ اختلال امن کا اندیشہ ہے۔ نقل مطابق اصل

(شیخ الاسلام علامہ) محمد الودشاہ کشمیری عفا اللہ عنہ از دیوبند محلہ خانقاہ ۱۲۵۱ھ

شیخ الاسلام حضرت الودشاہ کشمیری کے تحریری ملفوظات جو کہ حضرت نے خود اپنے قلم سے لکھے

کر سلطان حبیب الرحمن لدھیانوی کو ارسال فرمائے۔ (عزیز الرحمن لدھیانوی)

نوٹ بر ۲۵ اردی قعدہ کو ایک عظیم الشان جلسہ زیر اہتمام انجمن امداد اسلام دیوبند منعقد ہوا۔ حضرت  
 شہد صاحب منظم نے تاریخ اسلام پر تبصرہ فرماتے ہوئے فتنہ کا دیان پر مفصل تقریر فرمائی۔ اس کے بعد  
 تقریر بالا پڑھ کر سنائی گئی اور تمام حاضرین جلسہ نے خواہش کی کہ اس کو طبع کر کے شائع کیا جائے۔

پیارے پنڈت جی۔

تسلیم! آپ کا گرائی نامہ پہنچا۔ یاد آ رہی کا شکریہ۔ آپ نے اپنے خط میں مجھ سے یہ درخواست کیا ہے کہ میں آپ کو بتاؤں کہ مجھے آپ کے کس طرز عمل سے شکایت ہے، مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ البتہ جب آپ جیسے حضرات جو ہندوستان کی آزادی کے علم بردار ہیں بلکہ ضرورت غلطیاں کرتے ہیں تو مجھے دکھ ضرور ہوتا ہے۔ ہندوستان میں یہ غوغا مچایا جا رہا ہے کہ مسلمان کانگریس میں شریک نہیں ہیں اگرچہ یہ بات سراسر ہی غلط ہے مگر فینلسٹ ہندو اور انگریز اپنے اپنے مفاد کے لئے یہ پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں۔ اس پروپیگنڈے سے مقصد دونوں کا جدا جدا ہے۔ انگریز کا مقصد تو یہ ہے کہ وہ دنیا پر ظاہر کرے کہ کانگریس صرف ہندوؤں کی جماعت ہے۔ اس کے ساتھ مسلمان شریک نہیں اور ہندو اس لئے یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں سے کانگریس پر جھنڈے سے وطن کے لئے قربانی اور آزادی کا کام تو لیں، لیکن جب علی حقوق کی تقسیم کا وقت آئے تو ہم انہیں یہ کہہ کر محروم کر دیں کہ تم نے وطن کی آزادی میں کوئی حصہ نہیں لیا، ورنہ آج بھی اس تعداد سے کانگریس میں شریک ہیں جو ہندوؤں کی تناسب آزادی سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ یہ بھی یقین ہے کہ تنازعے فیصدی ہندو فینلسٹ زبان سے کہتے ہیں کہ مسلمان کانگریس میں آزادوں سے چاہتے ہیں کہ نہ آئیں۔

آپ کو یاد ہو گا کہ مولانا شفیع دادا دی "سید مرتضیٰ بہادر دہلوی" وغیرہ ۱۹۲۰ء تک پکے کانگریسی تھے، لیکن جب سرانجام پانڈی نے سیمبل میں سرحد کی اصلاحات کے متعلق ہندو ہنیت کا ثبوت دیا اور راک آؤٹ کر گئے تو وہ الگ ہو گئے۔ یہاں ان لوگوں میں ہوں کہ جس کا جذبہ یہ ہے کہ ہندوؤں کی تمام غلط کاریوں کے باوجود مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ کانگریس میں شریک رہنا چاہیے۔ میرے وطن کی آزادی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔

فرقہ دارانہ تصفیہ اور کانگریسی لیڈر

فرقہ دارانہ تصفیہ کے خلاف جو پروپیگنڈہ ہندوستان میں ہوا یا ہو رہا ہے۔ اسے پڑھ کر  
بے حد حیرت ہوتی ہے اور میں گھنٹوں سوچتا رہتا ہوں کہ ہم کسی احسن دین میں آباد ہیں کہ یا اللہ  
بیزہارے اپنے تصفیہ کرنے کی ہے اور جس کا تصفیہ ہم نے اپنے بعض خود غرض اور وطن پرست  
مستغنیوں نے اپنی بددیانتی سے خود نہیں ہونے دیا۔ اس کا الزام دوسروں پر کیوں دیتے ہیں  
تو میں نہرو رپورٹ کی شکل میں فرقہ دارانہ تصفیہ ہوا۔ مگر گاندھی جی سکھوں کو خوش کرنے کے  
اس کو دریائے رادی میں غرق کر گئے اور جن لوگوں نے اس تصفیہ کے لئے اپنی قوم سے باز رہا  
پتھر کھائے ان سے اس کے غرق کرنے کے وقت مشورہ تک بھی نہ کیا گیا اس کے بعد وہ مکمل آزادی  
نڈیال کا نفرنس میں لائے گئے ہیں۔ میں ان دنوں بمبئی میں ہوتا تھا اور میں نے ان سے مل کر کہا آپ  
نہ جانے جیتے ہیں آپ ہندوستان کی قوموں میں باہمی تصفیہ نہ کر لیں۔ مگر وہ دنیا میں نہ کسی کی سزا  
لے میں دورہ مانے والے۔ بہر حال راولپنڈی کا نفرنس میں لندن گئے اور ملک کو داس سے نقصان  
کھا بچ گیا ملک کے بقیہ دشمن اس راولپنڈی کا نفرنس میں لائے گئے تھے جنہوں نے وزیراعظم  
مردے کیا کہ ہمارے فرقہ دارانہ معاملات کے متعلق جو تصفیہ کر دیں وہ ہمیں منظور ہوگا۔ جب وہ  
یہ ان لوگوں کے ارادے کے خلاف آیا تو ان لوگوں نے اس کو مسترد بنا کر اس کے خلاف پروپیگنڈہ  
میں لپٹا لپٹا کر دیا نہ کی ایک کانفرنس میں ایک تقریر میں جو پچھلی سیمبل کے انتخاب کے سلسلہ میں  
کہا کہ مادی جی خود وزیراعظم سے فرقہ دارانہ تصفیہ لے کر آئے ہیں اور خود ہی اس کے خلاف  
پیگنڈہ کر رہے ہیں۔ سرور نے سخت الفاظ کے ساتھ مگر میں انہیں نقل کرتا نہیں چاہتا۔ کامش  
ڈی اس تصفیہ کے خلاف اگر اس بنا پر پروپیگنڈہ کرتی کہ یہ فیصلہ ہندوستانی قومیت کے خلاف  
— ان کا یہ کہنا کہ ہندو قومیت پر ایک خوبصورت خلاف ہوتا، مگر بات تو محض ہوتی ایک  
مل لے کیا گیا۔ پنڈت مالویہ جی سے لے کر ان کی پارٹی کے تمام اراکین اور اخبارات نے یہ کہہ کر  
ہاں بنگال میں اسلامی راج قائم ہوگا۔ میرا یقین تھا کہ آپ اس خیال سے علیحدہ رہیں گے  
جو شخص ہندوستان کے لئے مکمل آزادی چاہتا ہے اس کا اس بات سے کیا معنی ہے کہ اگر نہ



ہندوستان کو کیا دیکھا ہے کیا نہیں اس کا تو ایک ہی کام ہے کہ وہ بدیشی طاقت کو کہے کہ میرا گھر خالی کر کے  
 اور بس۔ لالہ لکھنوی نے مجھے دھرم سالہ جیل میں ۱۹۲۲ء میں یہ کہا تھا کہ اگر کانگریس  
 نے ہندوستان کے لئے کوئی آئین تیار کیا، یا وہ کسی آئین کے رد و قبول کی بحث میں پڑ گئی تو تمام اقوام  
 ہندوستان میں لڑنے لگ جائیں گی اور ہندوستان کی آزادی بہت دور ہو جائے گی یہ بات کتنی سچی نکلی  
 آپ سے یہ دکھ سچا ہے کہ آپ نے کمیونل ایوارڈ کے سلسلہ میں کانگریس میں تبدیلی پیدا کی۔  
 آپ اس پارٹی کے سامنے جھکے جو وطن کی آزادی کے ساتھ ساتھ ہندو راج کے خواب دیکھ رہی ہے  
 کیا آپ مجھے سمجھا سکتے ہیں کمیونل ایوارڈ کے مسترد کرنے کے کیا معنی ہیں؟ کہ ہم انگریز سے کہیں کہ وہ دوبارہ  
 ہمارے لئے کوئی فیصلہ کر دے۔ اگر اس سے مراد یہ نہیں تو اس کے استرداد کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ  
 یہ کہ اقوام ہند کسی باہمی تصفیہ پر پہنچیں۔ یہ مطلب ہے کہ ہم ہندوستانی اقوام سے یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ  
 میں مل کر کوئی تصفیہ کر دو۔ اگر پہلی بات سہی تو بدیشی حکومت جو فیصلہ کرے گی وہ ہندوستانی مفاد کے  
 خلاف ہو گا۔ اور اگر ہم خود کوئی تصفیہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ پہلے ہونا چاہئے۔ جب ہم تصفیہ کریں گے  
 تو یہ خود مسترد ہو جائے گا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پنجاب کے سکھ اور ہندو اور بنگال کے ہندو  
 بھی کسی ایسے فیصلے کو ماننے کو تیار نہیں ہیں، خواہ وہ خالص قوم پرستی کی بنیادوں پر ہی کیوں نہ ہو جس  
 سے ان کو یہ خطرہ ہو جائے کہ اس تصفیہ سے پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت ہو جائے گی۔  
 آپ کے موجودہ طرز عمل سے کانگریس کے وقار کو ایک صدمہ پہنچا ہے (مثلاً پنجاب میں)۔ اول تو  
 پہلے ہی کانگریس کا کوئی وقار نہیں کیونکہ پنجاب کی کانگریس آپ نے چار ڈاکٹروں کے ہاتھ میں دے  
 رکھی ہے۔ پندرہ برس سے میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کا سوائے آپس میں لڑنے کے کوئی کام نہیں ہے  
 خیر دو ڈاکٹر تو اس وقت اعلانیہ کانگریس سے الگ ہو گئے ہیں۔ ایک تو مسجد شہید گنج کے ٹکٹ پر دوک  
 کر رہا ہے اور دوسرا امت صبر کی مسجد حوض میں نماز تراویح کے بعد مسلمانوں سے یہ کہہ رہا ہے کہ میں  
 پنجاب اسمبلی میں اس لئے جا رہا ہوں کہ مسلمانوں کو پنجاب میں چھپن فی صدی میٹیں نہیں ملیں۔ ان کے  
 اس حق کو میں لینے کے لئے اسمبلی میں جا رہا ہوں۔ باقی دو ڈاکٹر ہیں ان کو لڑنے سے فرصت نہیں ہے آپ

اس سمجھوتے کے ایک کانگریسی ڈاکٹر کو خفا کر دیا ہے اصرار لوی پارٹی برسر اقتدار آگئی اندھے اندیشہ ہے کہ۔ لوی پارٹی ہی الیکشن میں کامیاب ہوگی۔

ان حالات میں میرا یہ مطلب نہیں کہ پنجاب میں کانگریس کا اثر نہیں۔ خدا کا شکر ہے میرے دوستوں نے کانگریس کے اثر کو پنجاب میں زیادہ پھیلایا ہے۔ مگر میرا اقتدار پارٹی کی جتنے کانگریسیوں کو پنجاب میں فنا کر رکھا ہے۔ مکمل آزادی کے ریزولوشن کے بعد کانگریس کا کام یہ ہے کہ وہ حکومت کے عطیہ سے بے نیاز رہے اور اس کو فرقہ پرستوں کے حوالے کر دے اور جو کانگریسی واقعی کانگریسی اس کا فرض ایک ہی ہے کہ عوام انسان میں سچی آزادی کی تڑپ پیدا کرے۔ اگر میرے بس میں ہوتوں تو وطن کی آزادی کے لئے مسلمانوں کو بندوبست پر بھی راضی کر لوں کیونکہ میرے نزدیک اب ہندوستان میں کون سی اسلام کی حکومت ہے جو ہندوؤں کے ہونے سے چلی جائے گی۔ ہندو راج یوں کا تو راج ہوگا یہ میرے بے ربط خیالات ہیں۔ امید ہے ان سے آپ میرا مافی الضمیر سمجھ گئے ہوں گے۔

نوٹ: میں چونکہ مسلسل سفر میں رہتا ہوں اس لئے آپ کا خط مجھے ۳ دسمبر کو ملے اور اگر یہ نہ جاننے کی وجہ سے پڑھوانے اور سمجھنے میں دیر ہوئی۔ کبھی ملاقات ہوئی اور آپ کو بات کرنے کی کراہی بھی ہوئی تو دل کھول کر باتیں کروں گا۔ فقط

حبیب الرحمن لدھیانوی

شفاعت منزل۔ ۲ فروری۔

بیابے پنڈت جی

تسلیم۔ چند ضروری امور کی طرف آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

۱۔ آپ نے اپنی کتاب میں احمد پارٹی کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ یہ مسلمانوں کی ایک بہترین جماعت تھی۔ لیکن کراچی کانگریس میں ایک مسلمان کے درکنگ کمیٹی کا ممبر بنانے پر یہ جماعت کانگریس سے الگ ہو گئی اور بعد میں معلوم ہوا کہ اس کی تہ میں کچھ اور بھی تھا۔ جو کچھ بھی آپ نے ہماری پارٹی کے متعلق لکھا وہ فقط اطلاعات پر مبنی ہے۔ مجلس احمدیہ ۱۹۲۱ء میں کانگریس کیپ لاہور میں بنائی گئی تھی۔ سن ۱۹۲۳ء کی



کانگریس تحریک میں تمام پارٹی کانگریس کے کام پر لگ گئی اور اپنے نام کو اچھلنے کی کوشش نہ کی۔ جس  
 مسلمان کی ورکنگ کمیٹی میں لئے جانے کی مخالفت کی گئی، وہ کسی ذاتی اغراض یا شخصی عداوت پر نہیں کی گئی تھی  
 بلکہ پارٹی دیانت داری کے ساتھ یہ سمجھتی تھی کہ یہ شخص اس اعزاز کا اہل نہیں بلکہ یہاں پہنچ کر کانگریس  
 کو بھی نقصان پہنچائے گا اور مسلمانوں کی بدنامی کا باعث بھی ہوگا۔ چنانچہ جو کچھ ہم نے اس شخص کی نسبت  
 سمجھا تھا آپ پر بھی ثابت ہو گیا۔ میں کراچی کانفرنس کے زمانے میں جیل میں تھا کیونکہ مجھے عارضی صلح کے  
 سلسلے میں رہا نہیں کیا گیا تھا۔ مگر آپ کو اس کی خبر تک نہیں ہوئی کہ کون کارکن کہاں ہے اور کیوں رہا نہ  
 ہوا۔ اگرچی کانگریس کے بعد ہی پنجاب میں کانگریس کے الیکشن ہوئے۔ اس میں جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ  
 کسی شریف اور خود دار آدمی کے لئے قابل برداشت نہ تھا۔ اب کوئی چارہ نہ تھا کہ کوئی شریف اور خود دار  
 آدمی وطن کے لئے چارے آنے کا ممبر نہ کرے اور اس ذاتی بازی سے الگ ہو جائے۔ یہ وہ اسباب تھے  
 جس کی وجہ سے ہم نے کسی ایسے کام میں حصہ نہ لیا جو ہمارے لئے شہرت کا باعث ہوتا، البتہ اپنی ہمت کے  
 مطابق کانگریس کا کام ضرور کیا اور میں دعویٰ کرتا ہوں کہ ہماری جماعت سے بڑھ کر کسی نے کام نہیں کیا۔  
 انتخاب کے سلسلے میں میں نے اندریری تمام جماعت نے مسلسل ادھ صاف طور پر مسلمانوں کو  
 کانگریس کی طرف جانے کا مشورہ دیا۔ بلا کسی پرواہ کے میں نے ہر بیان اور ہر تقریر میں مسلمانوں کو کانگریس  
 میں شامل ہونے کی اپیل کی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہماری بدقسمتی کا دور پھر پنجاب میں شروع ہو گیا۔  
 پنجاب کانگریس میں ایسی پارٹی برسرِ اقتدار آگئی جو ذاتی عداوت اور اسلام دشمنی کے اندر زیادہ پیش  
 پیش بند تھے۔ عبدالرحمن غازی بنی۔ اے، ایل، ایل، بی امرت سری میرے ان دوستوں میں ہیں جو  
 کسی سبب سے قانع نہ تھے۔ کانگریس میں دوسرا مجھے تو نظر نہیں آتا۔ جس نے دیانت داری، جرات اور دلیری  
 سے پچھلے پندرہ سال میں سخت سے سخت آزمائش کے وقت کانگریس کا ساتھ دیا۔ جس شخص نے اپنے  
 دوستوں کی جالی میں مخالفت کو کانگریس کے بارے میں برداشت نہیں کیا، آج فرضی اور بے قاعدہ انتخاب  
 کر کے اس کو امرت سری کانگریس کمیٹی سے الگ کر دینے کا اعلان کیا جاتا ہے یہ الگ کرنے والے وہی لوگ ہیں  
 جو بدقسمتی سے کانگریس کے نام پر پنجاب اسمبلی کے ممبر ہو گئے اور پارٹی کا ہیڈرٹاکٹر کچلو ہے، جس نے الیکشن



کے نام میں علانیہ کانگریس کی مخالفت کی ادا کیا کہ میں مسلمانوں کو چھپن فی صدی حقوق دلانے کے لئے  
 کونسل میں جا رہا ہوں اور ہندوؤں کی وہی پارٹی آج کانگریس ہے جس نے دو سال ہوئے اسمبلی  
 کے انتخابات میں دیوان چمن لال کی جو اس وقت کانگریس ٹکٹ پر بھائی پرمانند کے مقابلے میں کھڑے  
 ہوئے تھے علانیہ مخالفت کی امداد کو شکست دلائی۔

ندیمپانہ میں احوار پارٹی کے ممبر اور رکن لاہور سمیت پٹنہ متی نال کالیہ، جو کانگریس ٹکٹ  
 پر پنجاب اسمبلی کے لئے منتخب ہوئے ہیں کے استقبال کے لئے گئے۔ مگر مقامی کانگریس کمیٹی کے متعصب  
 عہدہ دار نے ان کو بے عزت کیا اور واپس کر دیا۔ دوسری طرف میری جماعت کی یہ پوزیشن ہے کہ  
 ہم نے انتخاب کے زمانے میں کانگریس کا پرنسپلینڈ کیا۔ مجھے ایک دوست نے کہا کہ تم ابھی ایک مصیبت سے  
 بچت نہیں پاسکتے، تم کانگریس کے حق میں پرنسپلینڈ نہ کرو، ورنہ مسلمان تمہارا ساتھ نہ دیں گے۔ میں  
 نے جواب میں یہی کہا کہ جب میں سول نا فرامی میں کانگریس کے لئے بند ہو سکتا ہوں تو اس وقت تک  
 کیسے ساتھ نہ دوں۔ پنجاب میں آپ نے بھی اور کانگریسی لیڈروں نے بھی کہا کہ پنجاب سرکاری صوبہ ہے  
 حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ پنجاب کے عوام ہندو ہوں یا مسلمان کانگریس سے محبت کرتے ہیں۔ مگر یہاں  
 کی عام آبادی اور غلجیوں کا رکن کانگریسیوں سے تنگ آئے ہوئے ہیں۔ جماعتوں کی زندگی، انسانوں کی  
 شرافت اور ان کی سمجھ پر موقوف ہے۔ پچھلے دو سال میں کس قدر محنت کر کے فضا کو درست کیا ہے  
 مگر ڈر ہے کہ اس فضا کو برباد نہ کر دیں۔

پنجاب میں جہاں کہیں کانگریس کمیٹی کا سالانہ انتخاب ہوتا ہے یا ممبر بنائے جاتے ہیں اس  
 کی حقیقت یہ ہے کہ اخباروں میں اعلان ہوتا ہے، نہ بذریعہ دعوت شہر و دیہات میں اطلاع دی  
 جاتی ہے کہ فلاں تاریخ تک ممبر بنیں گے اور ممبری کے یہ شرائط ہیں، بلکہ مجھے ذاتی تجربہ ہے کہ گزشتہ  
 سال میں نے یہاں کے بعض کانگریسی دوستوں سے ممبری کے فارم مانگے تو نہیں دیئے گئے۔ اگر پنجاب  
 میں کانگریس کا انتخاب بھی اسی طرح ہو جس طرح گورنمنٹ نے کر لیا ہے تو موجودہ پارٹیاں خود  
 ہی ختم ہو جائیں۔ کانگریس کمیٹی کے کارکن، حکومت کے ارکان سے انتخاب کے سلسلے میں زیادہ تنگ دل کیا۔

دنیا کو شکایت ہے کہ حکومت و مردم سپا پنا اثر ڈالتی ہے لیکن میرا تجربہ یہ ہے کہ پنجاب کی کانگریس  
 کمیٹیاں سرے سے عوام کو کانگریس کا ممبر بنانا بھی نہیں چاہتیں تاکہ کانگریس کے ہمدے فناء ہو جائیں  
 یہ حالات اس لئے لکھے گئے ہیں کہ آپ شاید کوئی اصلاح کر سکیں۔ شکایت نہیں اور نہ کوئی پروپیگنڈا۔  
 (۲) آپ کی ایک تقریر کا مقدمہ جو بمبئی میں آپ نے مسٹر جناح کے خلاف کئی اخبارات میں نکالا  
 ہے جس پر ہندوستان کے تمام مسلمانوں نے سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے اور اسلامی پریس نے  
 آپ کے خلاف ایڈیٹوریل لکھے ہیں۔ ہمیں خود مسٹر جناح سے عیسویوں باتوں میں اختلاف ہے۔ مگر ہم  
 حتی الوسع احتیاط سے کام لیتے ہیں اور جھگڑا پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ مسٹر جناح کا ہندوستان میں  
 کوئی مخالف ہو یا موافق، لیکن ہر شخص انہیں دیانت دار مادیٹ سمجھتا ہے۔ گورنمنٹ مسٹر جناح کو  
 کسی قیمت پر خرید نہیں سکتی اور اس <sup>مرکزی</sup> اسمبلی میں کانگریس کی کامیابی مسٹر جناح کی رفاقت پر مبنی رہی ہے جس  
 سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ پچھلے دنوں میں مسٹر جناح نے بار بار اعلان  
 کئے کہ ان کی پارٹی کانگریس کے ساتھ کام کرے گی اور وہ محلیط انتخاب کے حامی ہیں۔ مسلم پریس نے  
 تو یہاں تک بکھریا ہے کہ الیکشن سے پہلے آپ کو بھی علم تھا اور جناح کو بھی کہ مسلمان کانگریس ٹکٹ  
 پر کامیاب نہیں ہوں گے اور آپ کو یہ بھی علم تھا کہ سارے ہندو کانگریس کے ٹکٹ پر نہ آسکیں گے۔  
 اسی لئے اس وقت آپ مسٹر جناح کی انتخابی جدوجہد کو پسند کرتے تھے، لیکن چند صوبوں میں کانگریس  
 کی فتح نے کانگریسی لیڈروں میں غیر ضروری غرور پیدا کر دیا ہے۔ اب وہ سب کو ذلیل سمجھنے لگے ہیں جیسے  
 کہ وہ ۱۹۳۷ء کی عارضی صبح کے بعد سے مسلمانوں کو سمجھنے لگے تھے۔ آپ اس وقت ہندوستان کے  
 بڑے لیڈر ہیں۔ آپ کی زبان سے ایسی باتیں نکلیں جس سے اقوام میں تلخی پیدا ہو ملک کے لئے نقصان  
 رساں ہے۔ ہم فتح کے بعد یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ انگریز ملک سے نکل گیا اور ہم مالک ہو گئے، حالانکہ  
 انگریز ابھی اسی ملک میں موجود ہے۔ میں اس کہنے میں حق بجانب ہو گیا کہ ملک میں فرقہ دارانہ فساد  
 لیڈروں کی غیر ذمہ داری، تقریروں اور تحریروں سے شروع ہوئے ہیں۔ مسٹر جناح سے جس بات پر  
 آپ کا جھگڑا شروع ہوا ہے وہ کوئی بات ہی نہ تھی، بلکہ اگر آپ ان کی تقریر کا جواب نہ دیتے تو البتہ



زیادہ مؤثر جواب ہوتا یا جواب میں ایسے اچھے الفاظ استعمال کئے جاسکتے تھے جس سے تلخی پیدا نہ ہوتی۔  
 نہر درپرٹ میں ہیں کیوں ناکامی ہوئی، صرف اس لئے کہ کلکتہ کنونشن میں مسٹر جناح سے نازیبا سلوک  
 کیا گیا اور آج اسی تاریخ کو پھر وہ ہرایا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم نے یہ بات سچ کہی تھی کہ "ہندو  
 مسلمان میں کوئی جنگ نہیں۔ بیٹروں کی ذاتی رنجشوں نے سارے کام کو تباہ کیا ہے۔ اگر مسٹر جناح اور  
 پنڈت مونی لال نہر در اور حیکم اند مولانا شوکت علی میں ذاتی رنجش نہ ہوتی تو ملک کا یہ حال ہوتا۔" آپ  
 کو معلوم ہے کہ کئی سال کے بعد ملک کی فضا پھر درست ہو رہی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ اسے الفاظ کی تیزی  
 سے بگڑنے نہ دیا جائے۔ مسٹر جناح کے متعلق جو تقریر آپ کی چھپی ہے اس پر ہندوستان کے کل اسلامی  
 پریس نے لکھا ہے، مسٹر جناح خیالات کے اعتبار سے آپ کے بہت قریب ہیں اس سے بہتر اور آدمی نہیں  
 ہے، آپ ان کو اور قریب لانے کی کوشش کریں۔

۳۔ جلد سے جلد آپ سے کسی قریب اسٹیشن پر ملنا چاہتا ہوں بشرطیکہ اسی جگہ آپ کا  
 دو تین دن قیام ہو تاکہ ملک کے اندر آنے والے حالات پر آپ سے تفصیلی گفتگو کر سکیں۔ یہ خط ذرا  
 آپ سے اس لئے کتابوں کو جی چاہتا ہے کہ ملک میں ہائرس کی وقعت ہو اور ملک کی آزادی قریب  
 آجائے چونکہ آپ سے محبت ہے اس لئے حیات دل میں تھی آپ کو صاف صاف لکھ دی خواہ آپ  
 اسے قبول کریں یا نہ کریں۔ احسان کا اڈیٹوریل جس میں آپ کی تقریر شامل ہے ہمراہ ارسال ہے۔

حبیب الرحمن لدھیانوی۔ صدر مجلس احرار اسلام ہند

مخدوم المکرم حضرت مفتی صاحب

آج لاہور سے واپس آیا تو آپ کا گرامی نامہ ملا۔ جن الفاظ کے ساتھ آپ نے مجھ کو مخاطب  
 فرمایا ہے۔ میں ان کا مستحق نہیں ہوں، آپ کی عزت اور احترام میرے دل میں پہلے سے زیادہ ہے  
 مجھے جمعیتہ العلماء کے موجودہ طریقہ کار سے سخت اختلاف ہے لیکن باوجود اس کے میرے دل میں ایک  
 سیکنڈ کے لئے بھی یہ شبہ پیدا نہیں ہوتا کہ جو کچھ جمعیتہ العلماء نے اب تک کیا ہے اس میں کوئی بددیانتی



ہے۔ ہر مسلمان نہیں بلکہ ہر وہ شخص جو شریف ہو، دوسروں کی عزت کرتا ہو اور اپنی عزت کی اس کو قدر ہو، اس سے ہر وقت ہر حالت میں تبادلہ خیالات کیا جاسکتا ہے۔ آپ کے والا نامہ کا قطعی اور آخری جواب میں اس مسئلہ کو اپنی جماعت کے سامنے پیش کر کے دے سکتا ہوں، لیکن علی برادران کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیا مجاز و قدرے جاننے کے وقت سے اب تک ان کا کوئی کام آپ کے نزدیک اخلاص پر مبنی ہے۔ کیا انھوں نے حریت رسول کے مسئلہ میں غلطی نہیں کی مخلصین کو ذیل کرنے اور فرقہ پرستوں کی امداد کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت کیا۔ اور کیا کوئی شخص اس بات کی تردید کر سکتا ہے کہ محمد علی اپنی رہنمائی کے زعم میں سرحد میں جا کر اسلامی تحریک کو قیل نہیں کیا نہ روپورٹ کے متعلق جو کچھ شوکت علی نے کیا ہے کیا اس میں دیانت کا بھی کوئی دخل ہے میں یقین سے کہتا ہوں اگر محترم موتی لال نہرو علی برادران کو اپنے جلوس میں دائیں اور بائیں بٹھالیتے تو علی برادران نہرو روپورٹ کو آسمانی صحیفہ بتاتے میری آنکھوں نے دیکھا ہے اور کانوں نے سنا ہے کہ انھوں نے سوامی جی کے ساتھ مل کر کام کرنے کا پروگرام بنایا اور سوامی جی کے کہنے پر قسم کا پروگرام منظور کرنے پر تیار ہو گئے۔ اس وقت کہنیا لال بزاز احمد گاندھی جی کی مندر ماں برداری کرتا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ \_\_\_\_\_ میں اور کیا عرض کروں اللہ کیا لکھوں۔ کلکتہ میں جو کچھ ان و درام پوری شریف انسانوں نے کیا ہے وہ اس قابل نہیں کہ اسے کوئی شریف آدمی نقل بھی کر سکے۔

شریف سے ملا جاسکتا ہے۔ سر آغا خاں کی دہائی صحت کے لئے دعا ہو سکتی ہے مگر ابوالہلام آزادہ ڈاکٹر انصاری اور مخلصین کی جماعت مقتدر ہاندہ درگاہ ہو چکی ہے کہ رئیس الاحرار حضرت غنیہ اسلام ان بات کرنے کے روادار نہیں، چائے دشمنوں سے روپیہ لے کر ولایت کی سیر کرنے والے تاج ہم پر سرمایہ دارانہ کے روپے کا الزام لگاتے ہیں۔ میں آپ کو یقین داتا ہوں کہ میں نے ان دونوں بھائیوں کے خود اپنے ہاتھوں سے بوٹ صاف کئے ہیں اور پہنائے ہیں۔ اس لئے کہ میں ان کو مسلمانوں کا ہی خواہ سمجھتا تھا۔ لیکن مجاز کے واقعے سے لے کر اب تک جو حالات مشاہدہ میں آئے ہیں مجھے یہ دونوں

بھائی صرف اپنی لیڈری چاہتے ہیں۔۔۔۔۔ ان کی طرف سے مسلمان چاہے تباہ و برباد  
 ہر جہاں آج انصاری کو بے ایمان کہا جاتا ہے اس کی حقیقت سے بھی میں خوب آشنا ہوں۔  
 کاش ان کی باتوں کی وجہ سے وہ ان کی ہزاروں روپے کی مالی اور دیندہ کرنے پر مجبور نہ ہوتے کیا انہوں  
 نے افغانستان کے معاملہ میں باغیوں کی معاونت نہیں کی۔ حقیقت میں ہمارے ان کے درمیان کوئی  
 اختلاف نہیں ہے۔ موجودہ اختلاف تب مٹ سکتا ہے کہ شوکت علی عبدالحمیدی سے استغفہ کریں۔  
 اندر سینٹرل خلافت کمیٹی کا دفتر دہلی میں لایا جائے اور چھوٹائی مل کے لئے ریسورس مقرر ہوں جن سے  
 علی بلددان کا کوئی تعلق نہ ہو۔ یہ میرے خیالات ہیں۔ مگر میں جماعت کے فیصلہ کا پابند ہوں۔

والسلام۔ حبیب الرحمن صد خلافت کمیٹی پنجاب

۲۳ اگست ۱۹۴۵ء

### محترم نیٹ جی

تسلیم۔ آپ نے اپنی کتاب میری کہانی میں لکھا ہے کہ فینلسٹ مسلمان آہستہ آہستہ ختم ہو گئے  
 مگر آپ نے کبھی غور کیا کہ ان کو کس نے ختم کیا۔ میرے نزدیک مہاتما گاندھی اور آپ نے سب سے زیادہ  
 خدمت انجام دی ہے۔ نہ راجہ جی نے اس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ آپ نے مسلم لیگ احمد حجت پسند  
 قوتوں کو مسلمانوں کا نشانہ سمجھ کر ہمیشہ ان سے بات کی۔ آپ نے مسلم لیگ قیامیوں کی پارٹیاں میں  
 جس کی بنا پر عام مسلمان در حکومت یہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ مسلمانوں کی نمائندہ مسلم لیگ ہے،  
 جمعیتہ علماء، مجلس احرار اور آزاد خیال مسلمان نہیں ہیں۔

حافظ ابراہیم صاحب کے الیکشن میں آپ نے ہم سب کو بلایا اور کامیابی کے بعد نواب  
 اسماعیل صاحب کے خواب میں آپ نے یہ لکھا کہ احتجاج میں جو سخت کھڑی یا زیادتی ہوئی ہے وہ  
 احرار اور جمعیتہ کے کارکنوں کی ہے۔ گویا کانگریس کی خدمت کرنے کا یہ سرٹیفکیٹ تھا جو آپ نے ہمیں دیا تھا  
 اسی طرح جب کانگریس کے مشورے سے حافظ ابراہیم صاحب کا جلسہ کامیاب کرنے کے لئے احرار  
 والینڈز اور کارکن جس میں میں بھی شریک تھا، کافی پورہ گئے تو وہاں پر مسلم لیگ کی طرف سے حافظ  
 صد خلافت کمیٹی پنجاب اور علی بھائیوں کا اختلاف ایسا ہی تھا جیسا کہ اقبال نے کہا ہے گلہ ہائے وفا و جفا تھا کہ

میرا اہل حرم ہے کسی بت کو نہ میں بیان کروں تو ضمیر میں کہہ دے میری بی بی



ابراہیم کے جلسے پر پتھروں کی بارش اور لاشیاں برساتی گئیں اور حالات یہ ہو گئے کہ حافظ صاحب اور میں شاید قتل ہو جائیں۔ تب احرار والینٹرز نے حافظ صاحب کی اور میری جان بچائی اور وہ خوب پٹے اور زخمی ہوئے مگر ہوا یہ کہ احرار والینٹرز اور لیگی والینٹرز دھڑلے گئے اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کانپور نے بیان دیا کہ احرار اور لیگ کا فساد ہو گیا اس لئے گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں لیگی والینٹرز کی ضمانت اسی دن لے لی گئی اور احرار کی آٹھ دن کے بعد اس قسم کی دس بارہ لاشیں صرف یو۔ پی گورنمنٹ کی آپ کو بتا سکتا ہوں

شملے میں تو آپ نے مسلم لیگ کو پانچ سیٹیں دینا منظور نہ کیں۔ مگر دلدھاجا کر گاندھی جی نے بیان دے دیا کہ پاکستان سکیشن ابھی تک منظور ہے۔ اس کہنے کا شملہ کانفرنس کے بعد یہ مطلب ہے کہ کانگریس کے ہندو لیڈر پاکستان دینے کو تیار ہیں اور اگر رکاوٹ ہیں تو حبیب الرحمن سے لے کر ابراہیم انارک تک۔ آپ نے کشمیر سمجھتے ہی نواب ممدوٹ صدر مسلم لیگ پنجاب اور نواب دودتا نہ سکریٹری مسلم لیگ پنجاب کی دعوت پر آپ نے پارٹی لی ہے۔ یہ نہ لوگ ہیں جنہوں نے مولانا آزاد پر جوتوں اور پتھروں کی بارش کرائی۔ ان کو آپ نے عزت بخشی۔ آپ نے ان کے اس کہنے کو سچا کر دیا کہ ہمارے دل میں کانگریس کے ہندو لیڈروں کی پوری عزت ہے البتہ کانگریسی مسلمانوں کے لئے ہمارے دل میں کوئی عزت نہیں ہے۔ سینکڑوں مسلمان میرے دوست یہ کہتے ہیں کہ جب پنڈت جواہر لال نہرو اور گاندھی جی لیگی لیڈروں کی عزت کرتے ہیں تو آپ ان کے کیوں خلاف ہیں۔ معاف کریں آپ نے نیشنلسٹ مسلمانوں اور آزاد خیال مسلمانوں کو استعمال کرتے ہیں، اور ہیں۔ آپ میاں ممتاز دولتانہ کے یہاں ٹھہر بیٹھے جو کونست ہونے کے ساتھ مسلم لیگ ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے اس کے لئے پر پارٹی بھی لی ہے۔ اس طریقہ کار نے کانگریس اور ملک کو جو نقصان پہنچایا ہے اس کا اندازہ آپ نہیں کر سکتے۔

پنڈت جی آپ جانتے ہیں کہ میں کانگریس یا آپ لوگوں سے نہ کوئی لالچ ہے اور نہ کوئی غرض۔ جو مسلمان آج ہمارے مخالف ہیں وہ ہمارے پیر چوستے تھے اور پیر چوستے کو تیار ہیں



اُن کا ہم سے ایک مطالبہ ہے کہ ہم کانگریس کے معاملہ میں صرف خاموش ہو جائیں۔ ہم نے جب تک کانگریس کا ساتھ دیا ہے یا دے رہے ہیں۔ وہ ہندوستان کی آزادی اور ملک کی عزت کے لئے ہے ہم نے ملک کی آزادی کی محبت میں عزت، آبرو اور مال سب کچھ قربان کر دیا ہے۔ کاش ہندو کانگریسی لیڈروں کے دل میں اس کا احساس ہوتا۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آپ کا ہمارے ساتھ طریق کار ایک سیاست داں کا ہے ایک محب وطن کا نہیں ہے۔ آپ افتخار الدین جیسے مسلمانوں کے دوست میں جن کے مسلمان ڈائریڈ بھی ان کے ساتھ نہیں ہیں اور یا مسلم لیگ کے لیڈروں سے آپ بے بغیر چل نہیں سکتے۔

میں یہ کہنا بھول گیا کہ جب ملک خضر حیات تھاں نے پنجاب میں جناح اور مسلم لیگ کو ختم کر دیا تو گاندھی جی نے بھائی جنح لکھ کر اس کو زندہ کر دیا۔ اگر ملک کی آزادی کی محبت ہمارے دل میں نہ ہو تو یہ کہتا ہوں کہ آپ کا مرزعلی ایک منٹ کے لئے بھی کانگریس میں کام کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ آپ کا فرض تو یہ تھا کہ کوئی مسلم لیگ لیڈر آپ کے پاس آتا تو آپ اس سے کہتے کہ حیات کرنی ہے جو مولانا اور غزنوی اور حبیب الرحمن سے کرو اور میں۔ اگر آپ لوگوں نے ایسا کیا ہوتا تو آج آپ کو یہ دلی دیکھنے نصیب نہ ہوتے کہ کانگریس میں تلاش کرنے سے بھی مسلمان نہیں ملتا۔ آپ کا جواب آنے پر آپ کی اجازت سے یہ خط پریس کو دیا جائے گا۔

آپ کا بھائی (مولانا) حبیب الرحمن لدھیانوی صدر مجلس حرار اسلام ہند

۱۹۴۱ء

مولائے اکرم

میں نہ آپ کی طرف سے مطمئن تھا اور نہ سب نے لاہور والی برقی، بلکہ سٹی رہائی کے بعد مایوس ہو کر اپنے لادناپ کے جذبہ خود طاری پر بھروسہ کر لیا۔

ہوم سکریٹری اور دیگر ذمہ داروں سے جا کر تبادلہ خیالات اکثر اوقات کرتا رہا۔ لیکن گورنمنٹ پنجاب کی رپورٹ پر ”آپ کی تقریر شدیداً گیزارد پر جوش ہوئی تھی“ ہمارے لئے خود سوال خود داری

کا پیدا ہو گیا اور اس کے بعد اب اس سے زیادہ گر کر التجا کو آپ کے اشارے کے منافی اور خود اری  
کی ضد سمجھا اور مناسب جائگہ دونوں کی مدت پوری کر کے بے منت غیر آپ عنقریب آجائیں گے  
اور جلد از جلد مجھ سے ملاقات ہوگی۔

بعض اہم امور کے متعلق آپ سے جلد ملاقات ہونا ضروری ہے۔ آپ بعد از نادمی آجائیں  
تو بہتر ہے۔

میں ۹ تک تو دہلی میں مسلسل رہوں گا، اس کے بعد شاید بھوپال اور پھر ۷ مارچ کو رام پور  
رہوں گا۔ فقط والسلام مخلص محتار احمد انصاری (ڈاکٹر انصاری مرحوم)  
۱۳ مئی ۱۹۳۱ء

کرمی جناب مولوی حبیب الرحمن صاحب  
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ دلی مبارکباد عرض ہے۔

اپنی مدت قید پوری ہی کر چھوڑی۔ ہاں کیوں کسی کا احسان لیجئے، مردان خود نامہ اسے  
ہی کہتے ہیں۔ ماشا واللہ سبحان اللہ

میں آج رام پور جا رہا ہوں۔ آپ کی ملاقات نہایت ضروری ہے۔ ایک وقت کے لئے آپ  
اگر مرحوم کو آجائیں تو سب سے ملاقات بھی ہو سکے گی۔ باقی عند التلاق  
فقط والسلام۔ مخلص محتار احمد انصاری دہلی دریا گنج

۵ مئی ۱۹۳۱ء  
دہلی

جناب مولانا۔ علیکم السلام ورحمۃ اللہ

آپ کا خط ۵ مرحوم ۱۹۳۱ء کا آج مجھ کو بعد از پسی ملا اور یہ اتفاق ہے کہ بالکل  
اسی طرح کا خط شیخ صاحب کا بھی اترتا ہے آج ہی پہنچا۔ مضمون دونوں خطوط کے واحد ہیں اور  
صرف لفظی طور پر اقلیتوں کے لئے ۳۰ فیصدی پر ترمیم کا اصرار ہے، اسے تو اور سمجھوں یا خیال کی کیا نیت  
بہر حال یہ واقعہ ہے کہ آپ لوگوں کا اصرار کیسا ہے۔

جس نے اپنی فرید پور کی تقریر میں علی الاعلان آپ لوگوں کی منتا کے مطبق ترسیم بجائے تیس فی صدی کے ۲۵ فی صدی کر دی۔ اور نہ صرف یہ بلکہ آپ دیکھئے گا کہ قیادتوں کے تحفظ کی تعداد بجائے ۳۰ فی صدی کے ۲۵ فی صدی کر دی گئی۔ بلکہ پنجاب اور بنگال میں اکثریتوں کے گریبانوں کو حق رائے دی نہ دی جائے یا اگر وڈرٹوں کی فہرست پر مسلمانوں کی تعداد ان کی آبادی کے تناسب سے نہ آ سکے تو اس وقت تک جب تک کہ ان دفعوں میں سے کوئی صورت پیدا نہ ہو ان دونوں صدیوں (پنجاب اور بنگال) میں مسلمان اکثریت کا کم سے کم ۵۰ فی صدی نشستوں کے تحفظ کا مطالبہ کرے گا۔ میں اپنی تقریر کی ایک کاپی شیخ حسام الدین کے پاس دے کر رہا ہوں اور ان سے استدعا کر رہا ہوں کہ وہ آپ کے پاس ترجمہ کر کے جلد بھیج دیں گے۔

میں تقریر میں صفحہ ۵ کی دفعہ الف میں ہے۔ اس میں کو کافی توضیح کے ساتھ حل کر دیا ہے۔ جماعتوں کے اجلاس میں کمی رہ گئی ہے اور جس کی دایرہ پر موقوف ہو رہا ہے۔ اس وقت وہ دفعہ دایرہ پر موقوف ہے۔

موت: میں نے کئی خطوط لکھے جن کے جواب میں آپ کی تشریف آوری کا مقرب جواب لکھا ہے۔ ایا ہو ممکن آپ کے آنے کی اشد ضرورت تھی۔ مجھ کو اپنے بھراتوں کے جواب سے سخت گم ہے۔ وہ آپ سے تو سخت شکایت ہے۔ دیکھئے کہ سب نے نیشنلسٹ مسلم پارٹی کے بعد لکھے تو کے قریب قریب پچھ دنوں سے یا کچھ دنوں بعد چودھری صاحب شیخ حسام الدین صاحب۔ سید علی رالہ شاوخی ری اور غازی عبدالرحمن صاحبان کو ملگ الگ خطوط لکھے۔ ان میں سے کسی نے بھی جواب دیا کہ مجھ کو اس خط کی رسید ہی لکھ دیتے۔

چودھری صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو ایک خط لکھا اور اس کی نقل مجھ کو بھی بھیج دی۔ گویا میرے پاس خط کا جس میں سیاست حاضرہ پر شرکت عمل کی دعوت تھی۔ اس طرح جواب دیا گیا۔ بہر حال میں نہیں سمجھتا کہ اب اس اعلان ترسیم کے بعد بھی آپ لوگوں کے لئے کسی اور جدوجہد کی کوئی ضرورت باقی ہوگا۔



سوانا بکھی ہوئی باتوں پر اعتماد نہ کرنا چاہئے۔ ہم کو ان دماندازوں سے بالکل الگ رہ کر اپنے عزم و استقلال کا مظاہرہ کرنا ہے۔ پیشتر کوئی کون تھا یا اس کا نصب العین کیا تھا اس کا مسئلہ پر گفتگو میں وقت ضائع نہ کرنا چاہئے اور نہ آپ کو اس میں وقت ضائع کرنا چاہئے۔ کہنے والے اس سے بھی زبرد آئندہ کہیں گے۔ ہم کو اپنے کام سے کام ہونا چاہئے۔

آج میں جا رہا ہوں اگر آپ کے یہاں کی تاریخیں ۱۱ اور ۱۲ کے بجائے تیسرے ہفتے چلے کے لئے مقرر ہوئیں تو میں بھی کسی نہ کسی طرح شرکت کرتا اور تبادلہ خیال سے فائدہ اٹھاتا لیکن مجی سے ۱۰ کو روانہ ہو کر ۱۲ کو لاہور پہنچنا میرے لئے ناممکن ہے۔ ابھی ابھی فرید پور سے مارا مار چلا آ رہا ہوں مکان کے علاوہ اب طبیعت بھی اس قدر شبد و محنت کی متحمل نہیں رہی۔ والسلام  
آپ کا مخلص مشتاق احمد انصاری (دہلی دیوبند)

رحمان منزل۔ لدھیانہ۔ ۲۴ جولائی ۱۹۳۷ء

محترمی و مکرمی جناب ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم۔ آپ سے رخصت ہو کر میں اور شاہ صاحب اور شیخ حسام الدین صاحب بعدن میرٹھ ٹھہرے اور ۲ جولائی ۱۹۳۷ء کی شام کو لاہور پہنچے۔ ۲۲ اور ۲۳ دو دن تک مجلس احمدی کی ورکنگ کمیٹی کانگریس کے فارمولا پر غور کرتی رہی۔ بعض اختلافات کی وجہ سے فارمولا ناقابل قبول قرار دیا گیا۔ آج یا کل ایک بیان اس کے متعلق جماعت کی طرف سے شائع ہو جائے گا۔ جن وجوہات کی بنا پر فارمولا کو نامنظر کیا گیا ہے، میرے خیال میں وہ ایسے نہیں ہیں کہ اگر آپ کو شش فرمائیں تو ان کا حل ہو سکتا ہے۔ اس عریضہ لکھنے سے اصلی مقصد یہ ہے کہ ہماری جماعت کا کوئی فرد ایک منٹ کے لئے یہ نہیں چاہتا کہ وہ آپ سے یا حضرت مہمانا ابوالکلام آزاد

سے کسی مخالفت کا اظہار کرے۔ آپ نے دہلی میں کئی تقریریں فرمائی ہیں اس کا خلاصہ جو اخبارات میں شائع ہوا ہے وہ یہ ہے کہ "علیحدہ انتخاب کے حامی سب کے سب گئی ڈسٹ کے تنخواہ دار ہیں۔" اس فقرہ سے ہم سب کو لذیت پہنچی ہے۔ بعض دوستوں کا خیال تھا کہ اخبارات میں اس

کہ تردید کی بیان دے دیا جائے۔ پھر سب دوستوں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ آپ کی خدمت میں  
 لکھا جائے، آپ ہی تردید فرمادیں۔ کیونکہ شاید اخبارات نے غلط رپورٹ شائع کی ہو۔ مجھ کا مبدیہ ہے  
 اس معاملہ میں آپ ہماری رائے فرمائیں گے۔

وہی خواہش ہے کہ آپ کے بھائی جانے سے پہلے آپ سے ایک دفعہ پھر مل سکوں۔ بشرطیکہ ہمدرد  
 ہمارے بچے اطلاع مل جائے کہ آپ اس وقت دہلی میں ہیں۔ والسلام محمد و آلہ کرام

حبیب الرحمن، لکھنؤ، صدر مجلس احمدیہ

صداقت آشرم پٹنہ۔ ۲۵ مارچ ۱۹۳۶ء

کرمی مولانا صاحب

بعد آداب تسلیم۔ میں بخیریت پٹنہ پہنچا۔ آپ کی خیریت چاہتا ہوں۔ آپ نے ہریانہ کی سبکدوش  
 الحجۃ کا پرچہ بھیج دیا تھا۔ اس کی نسبت میں نے یہاں یسوی ایڈیٹر کے منبر کے پاس خط لکھا جو  
 میرا بیان الحجۃ میں چھپا ہے، وہ میں نے نہیں دیا اور وہ کہاں سے ایسوی ایڈیٹر کے پاس لے آئے الحجۃ کے ایک  
 بھیجا۔ اس کے جواب میں جو خط آیا ہے، اس کی نقل بھیج رہا ہوں اس سے صاف ظاہر ہو گا کہ میں نے یہ  
 بیان دیا ہی نہیں۔ چونکہ آپ نے ہریانہ کے میری توجہ اس طرف دلا دی تھی۔ آپ کو اس کی نسبت عرض  
 کر دینا ضروری سمجھا اور شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں تو یہ غلط فہمی رہ جاتی (وہ مجھے کوئی موقع بھی) سے  
 صاف کرنے کا نہیں ملتا۔ زیادہ آداب۔

یاد مند را جند پر شاد۔

۱۶ دسمبر ۱۹۳۶ء۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی۔ سورت بھون الہ آباد

مولانا حبیب الرحمن صاحب صدر مجلس احمدیہ لاہور

کرمی۔ آپ کا خط مجھے بمبئی سے واپسی پر کل ملا۔ اس کا جواب رگنیری میں بھیجتا ہوں لیکن  
 آپ کی آسانی کے لئے یہ مختصر جواب اردو میں بھیجتا ہوں۔ میں نے اپنے پہلے خط میں آپ کی توجہ چند  
 سوالوں کی طرف دینی تھی۔ ان سوالوں کا ذکر آپ نے اپنے جواب میں کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ  
 اس پر غور کریں اور اپنی اصلاح مجھے دیں۔ مجھے اس بات سے غلبہ نہیں ہے کہ ہندو مت سمجھا

نیشنلسٹ پارٹی کی کیا اس مسئلہ میں رائے ہے۔ مجھے تو کانگریس کی رائے سے مطلب ہے اور میں جانتا چاہتا ہوں کہ آپ کو اس سے کیا شکایت ہے۔ کانگریس کی رائے یہ ہے۔

فرقہ دارانہ فیصلہ ہندوستان کی آزادی کے لئے نقصان دہ ہے۔ وہ ہندوستان بھر کے لوگ ٹکڑے کرتا ہے اور جو ہمارے اصلی سوال غریبی اور بیکاری میں ان کو پیچھے کر دیتا ہے۔ یا دیکھئے کہ فیصلہ خالی ہندوؤں اور مسلمانوں کی نسبت نہیں ہے اس میں سب قومیں اور فرقے شامل کئے گئے ہیں یہاں تک کہ انگریز بھی ہیں۔ اس کے ذریعے سے ہندوستان کے آٹھ نو ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ بنگال میں جو یورپین ہیں ان کی خاص اہمیت ہو گئی ہے اور ان کی رضا مندی کے بغیر کسی گروہ کے لئے بھی کام کرنا مشکل ہو گا۔ اس لئے یہ فرقہ دارانہ فیصلہ مسلمانوں کا حالی نہیں ہے بلکہ اس میں اور بھی پیچیدگیاں ہیں جو ہمیں سگے بڑھنے سے روکتی ہیں۔ ایک دوسری بات غور طلب ہے کہ اس فیصلہ سے اکثر کچھ اور پری لوگوں پر آئے ہیں۔ پانچ وہ ہندو ہوں یا مسلمان یا کوئی اور عام لوگوں پر یا ان کے سوا کوئی اثر نہیں غریبی یا ہندوستان کی بڑھتی ہوئی بے کاری سے کوئی مطلب نہیں۔ جو شخص ملک کی آزادی کا مطالبہ کرے یا جو شخص عام لوگوں کی غریبی دیکھ کر رونا چاہتا ہے اس کو ان اور پری باتوں میں دل چسپی نہیں ہو سکتی ہے۔ اور جو برکاد میں اس کے راستہ میں آئیں ان کو ہٹانا چاہتا ہے۔ فرقہ دارانہ فیصلہ ایک بنیادی طور سے ہماری قدیمیت اور آزادی کے خلاف ہے چنانچہ اس کو ہٹانا ہی ہے۔ اگر ہم آزادی چاہتے ہیں کیوں کہ آزادی اور یہ فیصلہ ساتھ ساتھ نہیں چل سکتا۔

یہ کانگریس کی رائے ہے، جہاں تک اصولی سوال ہے لیکن کانگریس کا یہ بھی پختہ یقین ہے کہ اس مسئلہ پر کوئی مناسب فیصلہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ مختلف فرقے مل کر رضامندی کے فیصلے پر نہیں پہنچتے۔ اس لئے کانگریس کوئی قدم بغیر اس رضامندی کے نہیں اٹھانا چاہتی۔ علاوہ رائے دینے کے وہ کوشش اس بات کی کرنا چاہتی ہے کہ ہم سب آپس میں مل کر فیصلہ پر پہنچیں۔ آپ اسی دونوں باتوں میں فرق دیکھئے گا۔ کانگریس کی رائے صاف ہے، وہ فرقہ دارانہ فیصلہ کے بالکل خلاف ہے لیکن عملی طور پر وہ کچھ کیا نہیں چاہتی جب تک کہ آپس کا فیصلہ نہ ہو جائے اس کی رائے کہیں لی جائے



تو وہ رائے خرید دے گی۔ اگر نئی کونسلوں میں یہ بات پیش ہوگا اگر نہیں والے نہیں ہیں کہ مگر تب  
 کانگریس اپنی رائے خرید دے گی کہ فرقہ دراندہ فیصلہ غلط اور نقصان دہ ہے لیکن اس کے ساتھ اس  
 بات کو صاف کرنا چاہیے گی کہ اس میں تنظیم اس سمجھوتہ کے ساتھ ہونی چاہئے اس کے لئے ایسے مسئلہ  
 پر کوئی رائے نہ رکھنا یا خاموش رہنا ایک فضول اور نیکی بات ہو جاتی ہے۔

ہرانی کر کے آپ مجھے بتائیے کہ اس کانگریس کی رائے سے آپ کو کیوں نا اتفاقی ہے آپ  
 اور احمدیوں کی کان آزاری چاہتے ہیں آپ کیا سمجھتے ہیں فرقہ دراندہ فیصلہ کے  
 ہوتے ہوئے ایسی آزادی ہم حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر آپ اس کا ایک کانٹا سمجھتے ہیں تو وہ ایک  
 قلعہ چیز ہے اور اس کو ہٹانا چاہئے۔ سوال یہ نہیں ہے کہ مندرجہ بالا کو کیلئے اندسلیں ڈال کر کیا ہے  
 جو بھی کچھ کسی کو ملے یہ فیصلہ غلامی کا فیصلہ ہے اور کوئی قوم بوتا بوتا پناہ تو ہے اس کو منسوخ نہیں  
 کر سکتی۔ یہ ملک ہے کہ مسلمانوں کو جو کچھ اب رہے وہ کسی درندہ پیر سے بھی محفوظ رہ سکتے ہیں۔  
 اس فیصلہ کی بنیاد ہم صورت سے ہوتی پڑے گی۔ اور عام مسلمانوں کو یہ تکاب ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ آپ ان مسئلہ پر غور کر کے اپنی رائے بھیجیں۔ میرا خیال ہے کہ مسلمانوں کو  
 اس فیصلہ سے زیادہ نقصان ہے نسبت احمدیوں کے اگر کسی کو فائدہ ہے تو وہ ایک مٹھی بھرا پر  
 کے آدمیوں کو، اور عام لوگوں کو نہیں۔ فقط

نیا زمند۔ جواہر لال نہرو

۱۷ اپریل سنہ ۱۹۴۷ء

میرے نبیات ہی عزیز اور قابلِ تکریم دوست و بزرگ

آپ کو شفقت نامہ پڑا۔ خواہ کو کھو یا ہو اس احساس میں کرنے کا میں جیون ہوں اور۔

افسوس کے ساتھ معروض خدمت ہوں کہ میری نسبت آپ کی معلومات سترجہ غلط اور بے معنی ہیں آپ  
 کو یقین ہونا چاہئے کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور صرف محبت کرتا ہوں۔ میں اس بات کا نہایت  
 شرمندگی کے ساتھ، تباہ کرتا ہوں کہ مجھے اپنے والد پر رگزار سے کبھی کوئی دہشتگی اور محبت نہیں ہوئی

میری زندگی میں یہ سب سے پہلا موقع ہے کہ میں ان جذبات کو جو کہ ایک شریر بچہ کو اپنے شفیق باپ کے ساتھ ہوا کرتے ہیں آپ کے ساتھ اپنی طرف سے وابستہ دیکھتا ہوں۔

میری طرف سے آپ کے متعلق سوائے محبت اور عقیدت کے اور کچھ بھی معرض تحریر اور بیان میں نہیں آسکتا۔ میں نے ہرگز کبھی (کسی سے یہ نہیں کہا کہ آپ مجھے مسلمان بنانا چاہتے ہیں بلکہ میں ہمیشہ یہی کہتا رہا کہ آپ سدا ہی میرے دہریہ ہیں سے، اپنی گہری محبت کے باعث دیکھی اور پریشانی رہے۔ مجھے نہایت افسوس ہے کہ اس نے اپنی کم فہمی اور بے وقوفی کی وجہ سے میرے لفظوں کو غلط شکل میں آپ کے سامنے پیش کیا۔ کتابوں کے متعلق بھی کسی نے بالکل ہی غلط کہا کہ میں نے بالکل نہیں پڑھیں یہ بالکل ٹھیک ہے کہ میں نے سب نہیں پڑھیں لیکن ان کا بیشتر حصہ پڑھا جس میں سے ابھی تک بھی بہت کچھ میرے ذہن میں ہے۔ بوقت ضرورت اسے بیان بھی کر سکتا ہوں۔ پھر میں نہایت ادب سے اور نہایت افسوس کے ساتھ جناب کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ میری نسبت جو کچھ آپ سے کہا گیا وہ بالکل غلط و نادر ہے۔ میں نہایت زور سے اس کے خلاف پروٹسٹ کرتا ہوں اور آپ سے نہایت عاجزانہ درخواست کرتا ہوں کہ مجھ کو ہمیشہ اپنا عزیز ایک بے وقوف اور سچا انسان تصور فرماتے رہیں۔ مجھے یہ سب کچھ معلوم کر کے سخت تکلیف ہوئی ہے۔

مجھے آپ کے خطوط سنیں بے درنہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ میں ان کا جواب نہ لکھتا۔ میں حسب معمول نہایت ہشاش بشاش اور خوش و خرم ہوں۔ اپنے ان ایامِ امیری سے بہت کچھ فائدہ اٹھا رہا ہوں۔ خوب ورزش کرتا ہوں اور دن رات آٹھ نو گھنٹے نہایت غور سے مطالعہ کرتا ہوں۔ کم از کم میوے لئے کوئی نہایت ہی مفید ثابت ہوئی۔ میں بہت کچھ سیکھ رہا ہوں جس کے لئے باہرہ کروقت نہیں مل سکتا تھا۔ بات کہ لکھنے کی بھی اجازت ہوتی۔

نہایت افسوس ہے کہ آپ عیسا صلیح جو انسان ایسا نہیں کہہ سکتا۔ اگر بھی لہذا نہ خط تحریر فرمائیں تو اپنے درگوار کی خدمت میں میرا نہایت عاجزانہ سلام لکھ دیجئے گا۔ مجھے ان کی وہ شفقت کیسا اور سبک کبھی نہیں بھولیں گے۔ مولانا عبدالغنی اور اسلم کو بھی سلام کہہ دیجئے گا۔

مجھے سخت افسوس ہے کہ ابھی تک خدا کے متعلق میرے وہی خیالات ہیں بلکہ کچھ زیادہ گہرے  
میں۔ میں شرمندہ ہوں اور جناب سے معافی کا خواستگار ہوں۔

مکرمی پٹنت جگت رام جی کی خدمت میں میری نہایت خلوص عقیدت اور محبت سے تمسکار  
عرض کر دیجئے گا۔ خواہش ہے کہ کبھی ان کے بھی درشن ہو جائے۔ نصیحت کے لئے میں ان کا دل  
سے مشکور ہوں۔ سرور جی لا سنگھ جی پٹنت جی کو بہت یاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔  
آپ کا وہی جنگ۔ طاق سنٹرل جیل

سر اکتوبر ۱۹۶۹ء

قابل تعظیم بزرگ حضرت مولانا تسلیم

متا جیل

واللہ، بہت کوشش کی کہ جذبات کے زیر و بم کو فکر حیات کی فاروں میں ہی خوابیدہ  
پڑا رہنے دوں۔ لیکن ڈرتا تھا کہ ذرا سے مس سے یہ کانپ کر جھنجھٹا اٹھیں گی۔ سرسراہٹیں گی اور  
سردھنٹا شروع کر دیں گی۔

بہ دل من فطرت خاموشی ہی آمد موسم

ساز از ذوق تو اخمد را بجز رانی شب زندہ

آج کم بخت دل ایک عرصہ دھندلے کی جدوجہد کے بعد کشان کشان آپ کے قدموں کی طرف نئے  
چارہ لہے۔ آج وہی پرانی باتیں سامنے آ رہی ہیں۔ روپ کی پدرانہ شفقت آنکھوں میں جھانکنا  
جھانک کر مسکراتی نظر آ رہی ہے۔ بعد میں اپنے وسیع الحیل کے آتے سے آپ کے غامضوں کو چھوہ چلا  
میرا قلب ایک آواز کے لئے تڑپ رہا ہے۔ میں بولتا ہوں لیکن جواب نہیں سنتا۔ گاتا ہوں لیکن آواز  
میں ترنم نہیں پاتا۔ لاچار عاجز ہو کر چیخا ہا ہوں۔ آہ معلوم ہوتا ہے کہ دل کن کی باتوں میں الجھ  
کر اسیر ہو رہا ہے اند میں۔ دبا ہوں جہاں ایک کھوکھلی بانسری کی طرح چیخنے اور چلانے کے  
لئے روٹا ہے۔ بھاگ لہ رہی میری خوشیوں کے ہمراہ کراہتی ہوئی پھر رہی ہیں۔ میری تنہائی اپنی جگہ  
سسکیوں کی تاب نہ لا کر بے حس و حرکت میرے چاروں طرف اپنا دامن پھیلانے لگے ہے  
اب تو چھوڑ کر شیعہ جنگ مادل ڈاون ہل میں قیام پذیر ہیں جو دہریہ صاحب نے ۱۲ سالہ قید کاٹی ہے "مرتب"



آج ایک خیال آیا۔ اتنا عرصہ آپ کے ساتھ رہ کر پھر بھی میں آپ کو کیوں نہ دیکھ سکا اور کیوں نہ اپنے دل کی بات لکھ سکا۔ صبرِ اس لئے کہ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی حیثیت بہت اونچی ہے میں اشارۃً بھی کسی پیغام کو رازدارانہ پیغام نہیں بنانا چاہتا۔ ایسے وسیع خیالات شاید آپ تک نہ پہنچے ہوں۔

محبت! سوز و گداز کے سفیر کھسے ہوئے کنول پر خاموش و باپشتم پر نرم بیٹھی کسی ایک سمت کی طرف دیکھتی رہتی ہے۔ محبت! جذبات کے انتہائی عروج پر پہنچ کر تمام موجودات سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ لیکن محبت بے زبان ہوتی ہے۔

شہیدِ محبت نہ کاسر نہ غازی

محبت کی رسمیں نہ ترکی نہ تازی

پھر بھی میں آپ کو کھنکھاتا ہوں۔ جیسے بادلوں میں گھری ہوئی رات اپنی انتہائی تاریکی میں بھی جھل کی کرن سے چمک اٹھتی ہے اور خوفناک بلائیں طوفانِ جہاں اپنی پوری قوت سے سمتِ درک چھاتی کو طوفانِ خیر موجوں میں تبدیل کر دیتا ہے تو اپنی "ناستا ہی" کو تلاش کرتا ہے کہ میں کتنا غمیں ہوں ٹھیک اسی طرح جذبات میں چھپا ہوا دل۔ دل کے تاریک پہلوؤں کے راز کے افشا ہوتے ہی اپنی انتہا دیکھتا ہے۔ یہی دل کی خوشی ہے، خواستہ و نخواستہ کہتا ہے اور خواستہ و دیکھتا ہے۔

جس طرح کہ پرندے گاتے ہیں۔ چڑیاں اڑتی ہیں۔ برف گھٹکتی ہے۔ گلاب کھلتے ہیں۔ مٹی کاریا زندگی کی لہریں دیکھ کر کھج جاتا ہے۔ صبح کا دقت، کالے کالے درختوں کے پیچھے سے جو کہ متکبر اور غیور پہاڑ کی چوٹی کے پیچھے کھڑا ہے۔ اور پہاڑ کی چوٹی برت کی طرح سفید ہو جاتی ہے۔

نرم بادوں کی باریک سے باریک چادر بھی نہیں تھتی۔ دور کی ٹھنڈی ہوائوں کا آوارہ سے آوارہ جھونکا بھی نہیں تھا۔ میں تھا اور وہ پہلی ہوئی آگ اور میری لامحدود تنہائی تھی اور بس۔  
دماغ میں ایک دھندلا سا خیال تھا اور زبان پر ایک تڑپتی ہوئی آہ تھی۔

میرے خوست زرخ چمن و باد و بہار  
تکیہ بوجہ آل کرد کہ یمن از دست داشت

میں دن بھر اپنی کوٹھری میں پریشان گم کردہ اور اندازہ پیرا کرتا۔ رات آتی اور مجھے چھپر چھپر کر جگاتی رہی۔ بالآخر پریشانی میں گانا شروع کرتا، گانا گاتا اور یہاں تک گاتا کہ صبح اپنا اندیشہ برنٹ لئے میرے لہنوں سے اپنا سنا زنا ڈالتی اور میرے پاس کا بحر خوشی طیر کی نغمی نغمی اور مٹھی مٹھی آواز نغمہ میں تبدیل ہو جاتا اور میں بس مغمم ہو جاتا۔ اگلے دن کی آوارگی پر یانی لکھنے کیلئے اپنے بکھرے ہوئے قوس کو اکٹھا کر کے تیار ہو بیٹھتا۔ یہ نغمی میری حالت جب دستے جوئے زخم کی طرح میں یہاں آیا تھا۔

آپ کا ایک شفقت نامہ اس زمانہ میں موصول ہوا تھا۔ اب تک میرے سامنے جھدک رہا ہے۔ اس کے بعد آپ نہ جیسے کہاں گئے اور کیا ہوئے۔ بات بھی بہت میں یہ لکھ رہا ہوں نہیں جانتا کہ آپ کس مقام پر پاؤں گا۔ اور پاؤں گا بھی یا نہیں۔ کون جانتا ہے۔ اس کا کیا حشر ہو۔ بالآخر اگر کسی سیاہ دیا کے تاریک سہل سے کسی ربم سہل کے کنارے کسی تاریکی پر پہنچے اور عین راستوں سے ہوتا ہوا آپ تک پہنچ بھی گیا تو کیا ہے۔ آپ مجھے لکھیں گے اور سرسرا کر کریں گے (خدا کرے کہ آپ تک پہنچ جاؤں)۔

ہاں! اگر آپ کے پاس ہوں یا اگر کوئی دلت نہ ہو تو ڈاکر ہاتھوں کی اردو اور فارسی تصانیف جو منسلوم ہوں مجھے دیکھ دیجئے۔ زبور عجم آپ کی مٹھی یا دگر میرے پاس ہے۔ اس کے علاوہ بھجوا دیجئے۔ کچھ کچھ گانا جرن گا

مولانا عبد الغنی اور سیدتی عبدالغنی کہیں بہت کچھ سعادت مل گئی یا ابھی نہیں؟ میں نے انہیں ایک خط بھیجا تھا لیکن خط جانے وہ اب تک پہنچا یا نہیں۔ البتہ جواب مجھے نہیں ملا۔ میں نہیں جانتا اور کون کون سے اصحاب ہیں۔ اب محبت اور انسوں کے ساتھ وادع ہوتا ہوں۔

(۱۲ سالہ قیدی عثمان جیل ہے آپ کا ہمیشہ وہی۔ شیر جنگ کرمل جو دھڑکی شیر جنگ پتہ ماڈل ٹاؤن لاہور)

بھائی حبیب الرحمن

آپ کا خط اور اخبار کی کٹنگ ملی۔ اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ میرے لکھنے کا غلط مطلب نکال کر لکھا ہے۔ ہر جہں پڑھئے تو آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ میں نے دراصل کیا لکھا ہے۔

آپ کا کام جی کا ندھی

حبیب روڈ۔ شفاعت منزل۔ لدھیانہ۔ اگست ۱۹۵۵ء

محترم مہاتما جی

خدا آپ کو سلامت رکھے۔ جن دعاؤں کے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا وہ دوسرے پرچہ پر ارسال ہیں۔ کل آپ کا بیان پڑھا کہ آپ مسٹر جناح کو پھر پاکستان دینے کو تیار ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ آپ کو جناح صاحب سے گہرائی (ہم وطن) ہونے کی وجہ سے بہت محبت ہے۔ اس لئے آپ ان کو بھول نہیں سکتے اور ہمیشہ ان کو سر بلند دیکھنا چاہتے ہیں۔ خواہ وہ کتنے ہی غلط ہوں۔ آپ کے اسی شریفانہ طریقہ کار نے رجعت پسند طاقتوں کو مضبوط کر دیا۔ جب سے پاکستان کا ریترو دیویشن مسلم لیگ نے منظور کیا ہے۔ اسی وقت سے آپ یہ فرما رہے ہیں کہ اگر مسلمان چاہیں تو ان کو پاکستان دیا جائے گا۔ میں اسی وقت سے آپ کے ان فقروں کا یہ مطلب خیال کرتا ہوں (یقین نہیں) کہ آپ چاہتے ہیں کہ مسلمان صوبے الگ ہو جائیں اور ہندو مت صوبوں کو مضبوط گورنمنٹ آسانی سے بن سکے تاکہ مسلمانوں کے مطالبات کا قصہ ختم ہو جائے اور حالات کی مجبوری نے آپ کے دل میں یہ خیال پیدا کر دیا۔

خداے پاک ہم سب کو صحیح سوچنے اور سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(مولانا) حبیب الرحمن لدھیانوی

دیوبند۔ ۱۹۵۳ء

محترم المقام زیار مجدد کم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، - مزاج مبارک - مورخہ، (رجبوری باعث سرفرازی



ہر مکتوبات کے متعلق میری رائے نہیں تھی۔ مجھ پر بارہا زور دیا گیا، مگر میں نے انکار کیا جس کی وجہ مستعد ہیں۔ جن میں بڑی وجہ میری ہے۔ بفضلہ تعالیٰ ہمارے پاس حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور کابر کے مکتوبات کا مرانی کا ذخیرہ نہایت مفید اور کامیاب موجود ہے۔ ان کے ہوتے ہوئے مجھ جیسے نادانی اور کم علم بے مایہ کے مکتوبات کا ہونا انتہائی شرمناک ہے اور ان بندہ گوں کی ہمسری کا ادعا ہے، کم از کم یہ تو ضرور ہے کہ اپنی انانیت کا مظاہرہ ہے آپ کو معلوم ہے کہ مجھ میں حضرت شاہ صاحب کا حافظہ اور متحر نہیں ہے۔ نہ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب مرحوم اور مولانا کفایت اللہ صاحب مرحوم کی ذکاوت ہے۔ نہ مولانا شبیر احمد صاحب کی حسن تقریر و تحریر اور عالمیت ہے۔ نہ ان حضرت کا متبحر اور وسعت علمی ہے۔ پھر ان حضرات کے مکتوبات کا شائع نہ ہونا اور میرے مکتوبات کی اشاعت کس قدر بے شہرتی اور انانیت کی بات ہے۔ حضرت شیخ الہند حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی قدس اللہ اسرارہم کے مکتوبات کہاں ہیں حسین احمد کون پیر ہے جس کے مکتوبات شائع کئے جائیں یہ عموماً باتوں پر مشتمل ہوں گے خصوصاً جب کہ علیم الفرستی کی وجہ سے اور کم مانگی کی بنا پر جیلوں اور ریلوں میں لکھے گئے ہیں کتابوں کے لئے اس کے استعداد سے خالی ہوں اور پھر تحریک آزادی کے انہماک نے مختلف اشعار اور احوال کے اندر مبتلا کیا ہو کسی طرح مناسب نہیں تھا کہ ایسا ذخیرہ عام لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ مکتوبات علیحدہ علیحدہ ہونے میں اور حالت ہے جو کہ کاتب اور کتب الیہ کے حالات خصوصیہ اور وقتی معاملات پر مبنی ہوتی ہے اور مجموعہ بصورت کتاب کی اور حالت ہے۔ مگر احباب نے کچھ نہ سنا اور جمع کر کے بغیر دکھائے ہوئے شائع کر دیا۔ میں اسس کو خیر مفید اور ناپسندیدہ مضر سمجھتا تھا۔ اس لئے میرا منع کرنا ان کے اور زیادہ اصرار کا باعث ہوا میری کم مانگی ہرگز ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ بہر حال جو نہ ہونا چاہئے تھا وہ ہو کر رہا۔ مجھ سے یا رہا۔ یہی کہا گیا کہ اس سے لوگوں کو فائدہ ہوئے اور ہوسل گئے شائد اعظم۔ اب اگر وہ مفید ہوں ثمن اللہ اور اگر غیر مفید یا مضر ہوں تو ننگ اسلاف کرام سے اس کے سوا ہو ہی کیا سکتا ہے۔

آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق تحریر کو بہت فرمایا: **عَلَيْهِ السَّلَامُ** جہاں کم اللہ

خیر الجزائر مجھ کو اس کے طبع کے پہلے اور فوری دیکھنے کی نوبت نہیں آئی۔ نیز آپ کے نشان دیئے مقامات پر نظر ڈالنے کی نوبت آئی۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب مرحوم کے متعلق جو ان کی تنخواہ حیدر آباد کے متعلق لکھا گیا ہے وہی علم ہے اور موقوف ذریعے سے ہے۔ ممکن ہے کہ غلط ہو۔ مگر یہ بھی قابل غور ہے کہ سر اکبر حیدری صاحب نہ کوئی منتشر متقی ہے نہ ان کو تحریکات آزادی سے لگاؤ تھا، بلکہ انگریز کے پدمردہ اور اس کے آوردہ تھے۔ وہ اگر تحریک آزادی کی رکاوٹوں میں حصہ لے کر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کے مٹانے میں ایسے حضرات کو کام میں لائیں تو کیا تعجب ہے۔ میرے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے روکنے کے لئے کیا کیا نہیں کیا گیا اور کیسے کیسے طریقے نہیں برتنے گئے۔ اس کاظم مجھ کو باوقافین اسرار انگریز کو بہت کچھ ہے۔ میرے لئے تو بہت سے طریق مرغیب اور ترسب کے لئے عمل میں لائے گئے اور اس میں بہت سے ثقات اور ارباب تقویٰ سے مدد لی گئی۔ میں نہیں کہتا کہ وہ سب ناسد الینیت تھے، مگر انہوں نے کیا اور بہت کچھ کیا۔ بہت کمزور تھے وہ ڈر گئے اور جو کچھ نہ کرنا چاہئے تھا، کر گزریے۔ بہر حال یہ نہ نہ اور حال گزر چکا ہے والعلم عند اللہ وهو بحسب لنا والہم۔

مولانا مفتی حسن صاحب مرحوم کے لئے وہ کلمہ غلط نہیں لکھا گیا۔ واقعات تو بہت زیادہ ہیں اتنے کلمے سے تو کوئی دوسرا زیادہ نفع اٹھا سکتا۔ ہماری معلومات تو اتنی پردہ میں ہی ہیں اور انشاء اللہ رہی گی۔ یوم تبلی السرائر کے مشرور سے اللہ تعالیٰ ان کو اور ہم کو اور تمام مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

محترم! حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک نے بہت سوں کی قلیاں کھول دیں اور بہت سے دوستوں کو دشمن اور بہت سے دشمنوں کو دوست ثابت کر دیا یا ظاہر کر دیا۔ عجیب امتحان تھا جس نے کھرے کھرے کا تیز کر دیا ہے

مرا و دلست دل اند اگر گیم زباں سوزد

دگر دم در کسم ترسم کہ منفر استخوان سوزد

عالیجا! آپ کا حسن ظن مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے مگر یہ تنقیدات

میری سمجھ میں نہیں آئیں ان کتابات کے ذخیرہ کو بالاستیعاب دیکھنے کی ایک نکتہ نہیں آئی اور  
اب اتنی فرصت ہے غصیاں ہوں گی اور ضرور ہوں گی۔ مگر ڈالاجاہ حسب قول شاعر

من از دست دیگرہ گز نہ تمام  
کہ یمن اچھ کر دآں آشنا کرد

شیخ آپ کی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے تہنایوں میں باقیں ہوئیں تو شاید اس قدر حسین ظن  
و خفاء پر آپ ہم کو نہ فرماتے۔ والسلام

نگ اسلات حسین احمد غفرلہ از دارالعلوم دیوبند

(یہ خط ۲۲ جنوری ۱۳۵۷ء مطابق ۱۰ رجبہ الاول ۱۳۷۶ھ کو ملا)

چہ رحمان۔ چاندنی چوک۔ دہلی۔ ۲۶ جنوری ۱۹۵۴ء

بخدمت حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی دامت برکاتہم  
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ حضرت کا حال انا مہ ملا۔ مجھے اس بات کی سخت ہدایت ہے کہ  
میں نے حضرت کو اس قسم کا خط کیوں لکھا۔ جو حضرت کو ناگوار خاطر ہوا۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف  
کئے اور آپ بھی معاف فرمائیں۔

یہ بات میں یقین سے عرض کرتا ہوں اس خط کے لکھنے میں میری نیت نیک تھی کوئی اعتراض  
نہ ہوتا تھا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کے مخالفین کے حالات اور اندیشہ و افکار  
مجھے بھی بہت کچھ علم ہے۔ مگر اسی بیماری کے زمانے میں پرانے "القاسم" رسالے دیکھ رہا تھا  
اور اسے میں اس ایڈریس کا خلاصہ درج تھا جو ۱۹۵۵ء میں گورنر لاٹوش کو مدرسہ میں دیا گیا تھا۔  
اس کو پڑھ کر طبیعت ٹھنڈی ہو گئی۔ کہ مدرسہ کے بزرگوں میں دو قسم کے خیالات قدیم سے چلتے رہے  
اس لئے اس بارے میں یہ خط لکھنے کی جرأت کی۔ وہ مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں آپ کو لکھوں  
بات درست ہے یا غلط۔ آخر میں میں آپ سے پھر معافی چاہتا ہوں۔ اب تو میرا دل بہت چاہتا  
ہے کہ میں اپنا دبدول آپ کو ناکھوں اور آپ سے سنوں جب بھی آپ محمد کو وقت عنایت فرمائیں۔ والسلام



## محترم المقام لہید محمد کم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزارع شریف۔ دالانامہ مورخہ ۱۱ ستمبر باعث سرافرازی  
ہوا۔ یاد فرمائی کا شکر گزار ہوں۔ محترم! مجھے سخت افسوس ہے کہ میں اپنی نالائقی کی وجہ سے  
مہمانوں کی کمائیغنی خدمت نہیں کر سکتا۔ میں جب کسی کے یہاں جاتا ہوں تو وہ حضرات قسم قسم کے  
عمدہ اور لذیذ کھانے کھلاتے ہیں۔ مگر جب وہ میرے عزیز خلیفہ برتشریف لاتے ہیں تو نہایت معمولی  
اور غریبانہ کھانا پیش کیا جاتا ہے۔ وہ حضرات عنایت فرما کر اسی کو قبول کر لیتے ہیں حقیقت میں یہ  
انہی کا احسان ہے۔ اسی طرح پیٹنے کا پاؤ صرف تازہ پیش کیا جاتا ہے۔ برف کا کوئی انتظام نہیں۔  
نہ کمرے عمدہ ہوا دار ہیں نہ پلنگ حسب قاعدہ مطلق ہیں۔ نہ فرش اور ٹوشک تکیہ کا انتظام ہے نہ متعدد  
پتکھے ہیں۔ اس لئے میں خود اپنی جگہ پر شہید رہتا ہوں۔ کسی مہمان کا میرے یہاں آنا اور ٹھہرنا  
فقط اس کا احسان اور کرم ہے۔ میرا برگزہرگنا احسان نہیں ہے۔ مگر کیا کروں عاجز اور غریب ہوں  
پھر آپ کا کرم فرمانا اللہ بھی عظیم الشان ہے۔ آپ ابلا ہوا سالن کھاتے ہیں جو کہ نہایت معمولی ہوتا  
ہے۔ آپ میرے مکان میں ٹھہرتے ہی نہیں، صاحبزادوں کے یہاں ہی قیام فرماتے ہیں، وہ ہی  
آپ کی خدمات انجام دیتے ہیں، اس پر ہی آپ کو بخیرہ خبر پہنچائی گئی جس کی نہ مجھ کو اطلاع تھی نہ  
گھر والوں کو۔ ارشد کی والدہ کو اس کا سخت صدمہ ہوا اس نے اسی روز کہا تھا کہ مولانا جلیل الرحمن  
صاحب نے کیوں آج غلات عادت معاملہ کیا۔ وہ جب تشریف لاتے تھے حکم فرماتے تھے کہ میرے  
لئے ایسا سالن تیار کرو اور بالکل اپنے گھر کا سا معاملہ کرتے تھے۔ مگر آج ان کی روٹی اس  
شیخ ارباب صاحب کے یہاں سے گئی اس کو اس زمانے سے جب کہ آپ کی اہلیہ محترمہ دیوبند  
آئی تھیں آپ کے خاندان سے خصوصی تعلق ہو گیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ مجھ کو کوئی خبر نہیں۔ تحقیق  
پر معلوم ہوا کہ روٹی پکانے والی نے یہ ناشائستہ کلمات کہے تھے۔ گھر والوں میں سے کسی کو اطلاع  
نہ تھی۔ اس پر آپ کو تاثر ہوا۔ یقیناً ایسے معاملہ پر جس قدر بھی مجھ کو والدہ ارشد کو شرمندگی

ہوا کم ہے۔ اس لئے مجھ کو معافی طلب کرنی چاہئے۔ آپ کو اس معاملہ کر رہے ہیں۔ دعوات صالحہ  
سے فراہم نہ فرمائیں۔ فقط والسلام

منگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ از دارالعلوم دیوبند۔ ۶ ار محرم ۱۳۸۵ھ

بخدمت حضرت استاد المکرم

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ ربہ ریاست حیدرآباد کے متعلق جو ایجنسی ٹرین آرہے سماج نے شروع  
رکھا ہے اس کا جواب حکومت کی طرف سے بھی نہیں دیا جارہا اور باہر جو حیدرآباد کی حمایت ہو رہی  
وہ بھی غلط ہے۔ لہذا میں ۱۵ اور ۱۶ فروری کو آل انڈیا پریجا منڈل کانفرنس کا اجلاس تھا  
ہندوستان بھر کے ذمہ دار لوگ اس میں شریک ہوئے۔ کوئی ریاست نہیں جس کے نمائندے یہاں  
آئے ہوں میرا خیال تھا کہ ریاست حیدرآباد سے بھی کوئی ذمہ دار آدمی یہاں آئے گا۔ درخت  
یقین سے اپنے معاملے کو پیش کرے گا۔ لیکن وہاں سے چند آدمی آئے مگر وہ بے چارے یہاں باتوں  
مجھ ہی نہیں سکتے۔ وہ اپنے آپ کو کہتے تھے کہ ہم گورنمنٹ کے آدمی نہیں ہیں۔ ہم پبلک کی طرف سے  
آئے ہیں، حالانکہ وہ نظام گورنمنٹ کے آدمی ہیں ان حضرات نے ایک اعلان بھی شائع کیا جو آپ کی  
دست میں بھیج رہا ہوں۔ ان کو کانفرنس میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ مگر میں نے پڈت جو ناکی  
یہ کہہ کر ان کو اجازت لے دی تاکہ یہ لوگ اپنا معاملہ پیش کریں۔ مگر ان حضرات نے وہاں جا کر  
الگ رہیں ووٹ دینے کا حق نہ لیا جو ہے، تب ہم اپنا کیس پیش کر سگے ورنہ نہیں، چنانچہ قاعدے کے  
مطابق ان کو ووٹ دینے کی اجازت نہیں مل سکتی تھی۔ اس لئے انھوں نے اپنا کیس بھی پیش نہیں کیا  
جس سے انھوں نے ریاست کو شدید نقصان پہنچایا لیکن حسن اتفاق سے ڈیلی گیٹ میں سے ایک  
فصل نے یہ ترمیم پیش کی کہ جہاں ہم حیدرآباد میں ذمہ دار حکومت مانگتے ہیں اسی کے ساتھ  
آریہ سماج کی اس تحریک کو جو اس نے ریاست کے خلاف شروع کر رکھی ہے ناپسند کرتے ہیں۔ چنانچہ  
تحریک پاس ہو گئی۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ ریاست اپنی تمام قوت صرف کرنے کے بعد بھی اس  
تحریک کو پاس نہیں کر سکتی تھی اور یہ حضرات جو حیدرآباد سے آئے تھے انھوں نے اس کا صلہ دیا

کہ رات کو مقامی مسلم لیگ کے ساتھ مل کر ہمارے خلافت ایک جلسہ کیا۔ یہ خط میں نے آپ کو اس لئے لکھا ہے کہ شاید آپ معاملہ کو صحیح لائن پر لاسکیں۔ ریاست حیدرآباد ایک بہت بڑی مشکل میں پھنس گئی ہے مگر وہاں کے لوگ اس کا کوئی حل نہیں سوچ سکتے۔ ریاستوں کے متعلق میرا تجربہ یہ ہے کہ ریاست کے حکمران حکومت اور راجہ کے نشے میں کبھی کوئی بات نہیں سنتے لیکن جب ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے تو پھر یہ اپنے مخالف کے قدموں پر نہالت کے ساتھ کرتے ہیں۔ جس طرح کہ جو مالت موجودہ وقت میں اکبر حیدری کی بنے کہ مشراہیے کوتاہی دے رہے ہیں۔ کبھی ہندو یونیورسٹی کو ایک لاکھ روپے کا اعلان کیا جا رہا ہے جس کو دوسری قوم نے رشوت کے نام سے لے لیا۔ ریاستوں کے معاملہ میں سب سے زیادہ بڑی مشکل یہ ہوتی ہے کہ ان کے گرو جی حضور ہی ہوتے ہیں اور ان میں سے اکثر سی آئی ڈی کے آدمی ہوتے ہیں۔ موجودہ آریہ سماج تحریک کا آسان جواب یہ تھا کہ ریاست ایسے پانچ سات ہندو مسلمانوں کو دعوت دیتی کہ جو ہندوستان میں کانگریسی اور پکے قوم پرست سمجھے جاتے ہیں اور ان کے سامنے آریہ سماج کا تمام حال رکھنا پڑتا کہ انھوں نے اسلام کے ضد کیا کیا کیا ہے۔ تیرا ایسی ہی باتیں ہیں، کوئی ذمہ دار آدمی ملے تو اس سے بات کی جاتی، جو نہ سی آئی، ڈی ہو اور نہ جی حضور ہو۔

کیا آپ جمعۃ العلماء ہند کے اجلاس پر دہلی تشریف لائیں گے۔ اگر تشریف لانا ہوا تو میں بھی ضرور دہلی پہنچوں گا۔ ورنہ ابھی تک میں نے دہلی جانے کا ارادہ نہیں کیا۔ والسلام

مولانا حبیب الرحمن مدظلہ العالی مدظلہ العالی

از ڈاک بھیل ضلع سورت

برادر محترم دامت برکاتہم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ آپ کا خط پہنچا۔ نہایت خوشی ہوئی۔ خدا کا شکر کہ اپنے مجمع میں تم جیسے شیر دل، مستقیم الحال، محب اسلام موجود ہیں۔ بھائی! میں یہاں یک سوئی سے ایک گوشہ میں پڑا ہوا ڈھائی تین سال سے قرآن کریم اور استاد رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کی تھوڑی سی خدمت کر رہا تھا۔ فی الحقیقت مجھے بھی بے انتہا مسرت ہے کہ اس نے محض اپنے فضل و رحمت سے وہ کام کرا دیا جس



کی توقع کم از کم مجھے اپنے سے نہ تھی۔ آپ دیکھ کر امید ہے بہت خوش ہوں گے۔ ادائل ربیع الاول میں میرا قصد وطن آنے کا ہو رہا ہے۔ کاش آپ سے ملاقات ہو سکے۔ مجھ کو آپ سے قلبی تعلق ہے اور آپ کے حق میں فلاح دارین کی دعا کرتا ہے۔ یہاں سب احباب خصوصاً عزیزم مولود محمد عیسیٰ سلمہ سلام مسنون کہتے ہیں۔ جناب مولانا عبدالرشید مرحوم کی وفات کا حال سن کر بہت قلق اور صدمہ ہوا۔ حق تعالیٰ مرحوم کو فردس بریں میں پہنچائے اور ان کی یادگار میں بھی قائم رکھ کر ترقی دے۔

اپنے والد ماجد مولانا محمد رمضان صاحب۔ مولانا نعیم صاحب اور سب بھائیوں کو سلام مسنون کہہ دیں۔ گھر میں سب خورد و کلاں کو سلام و دعا کہہ دیں۔

شبیر احمد عثمانی صفا شہ عہدہ۔ ۱۰ رجب المرجب ۱۳۵۷ھ

دیوبند۔ ضلع سہارن پور

برادر محترم

بعد سلام مسنون آنکہ کل آپ کا کارڈ غیر متوقع طور پر پہنچا۔ مجھے آپ کا دیوبند نامعلوم ہوا تھا۔ اندیشہ بھی کہ مجھ سے ملنے کا قصد کر رہے ہیں۔ بہر حال پھر کبھی موقع ہو گا تو ملاقات ہو جائے گی۔ میں آپ کے لئے دعائے خیر کرتا ہوں۔ میں تین سال سے امراض کے شکنجے میں ہوں۔ وقتاً فوقتاً دورے پڑتے رہتے ہیں پھر کچھ افاقہ ہو جاتا ہے۔ بقول اکبر مرحوم کڑھ ہے میری صحت بھی کمزور مری بیماری بھی زندہ جو ہا کچھ کرنے سکا۔ بیمار جو پڑا تو مرنہ سکا۔ دعا کی ضرورت مجھے بھی ہے۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی۔ ۲۵ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ

دیوبند ضلع سہارن پور

برادر محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا پرچہ مل گیا۔ اس سے قبل کوئی خط نہیں ملا۔ تعجب ہے میں بالکل نہیں سمجھا کہ کس تصور کی سہانی

چاہتے ہیں۔ میرے ذہن میں تو شاید ہی آپ کے تصور کا تصور بھی نہیں۔ مجھے اس سے سخت تکلیف ہوئی کہ

آپ کو میرا جواب نہ ملنے سے تکلیف ہو رہی ہے۔

میرے نہایت پی عزیز اور محترم بھائی، اس کا تہ سوسہ بھی اپنے اندر اس دعا گو کی طرف سے نہ لائے  
 اور اگر فرض کیجئے کوئی تصور تھا تو مجھے معلوم نہیں، کہ آپ بالکل اطمینان رکھئے کہ میرا قلب نہ صرف آپ کی  
 طرف سے صاف ہے، بلکہ آپ کی پکی محبت سے معمور ہے اور اسی طرح یہ بھی یقین رکھتا ہوں کہ آپ کے دل  
 میں بھی میری محبت جاگزیں ہے۔ کیا آپ ایسی چیزیں جس کا تعلق ہمارے قلب سے ہو ہو سکے۔ ہم کہ آپ کے  
 فی اللہ محبت ہے۔ بلاشبہ میں نے پہلے زمانگی سے ایک بڑی حد تک یک سوئی اختیار کر رکھی ہے۔ اس کے  
 اسباب جو کچھ ہوں اس لئے دائرہ خموشی میں پڑا ہوں مگر جان و دل سے اپنے احباب کے لئے دعا کرتا ہوں۔  
 امید ہے اب آپ میری طرف سے بالکل مطمئن ہو جائیں گے۔ البتہ خدائے تعالیٰ اپنے حفظ و امان میں رکھے  
 اور تندرست کر دے۔ آپ کی زندگی بہت قیمتی ہے۔ فقط

شبیر احمد عثمانی - ۲۷ عفر ۱۳۶۷ھ

دیوبند۔ ضلع سہارن پور

برادر محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا نوازش نامہ پہنچا۔ میں اس مرتبہ بہت علیل رہا۔ دردِ نقرس اور دردِ حوالی گروہ کے شدید  
 درد سے پڑتے رہے۔ ایک ماہ تک گھر سے نہیں نکل سکا۔ اب مجھے البتہ صحت ہے۔ کچھ خفیف سا اثر پاؤں  
 میں باقی ہے۔ امید ہے انشاء اللہ زائل ہو جائے گا۔

آپ کی خرابی صحت کا حال معلوم کر کے بہت قلق ہوا۔ حق تعالیٰ ظاہری و باطنی صحت عطا فرمائے  
 برصیت میں اللہ تعالیٰ کی کچھ نعمتیں بھی مرزوموں کے لئے ہوتی ہیں جن کا اندازہ پہلے سے نہیں ہوتا۔ زندگی  
 موت کی یکسوئی اور تنہائی نے قرآن کریم میں تدبر کا موقع دیا۔ یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ بہت سے فقہاء  
 محرمین پر قید کی سختیوں نے علوم کے دروازے کھلوائے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کو اندہم سب کو قرآنی  
 روح سے زندگی بخشنے۔ حواشی قرآن کریم جس نقطہ نظر سے میں نے لکھے ہیں وہ اس سے مختلف ہے جو  
 اس وقت آپ کا نقطہ نظر ہے۔ الحمد للہ ان حواشی نے بہت سے لوگوں کے نظریے قرآن کے متعلق تبدیل  
 کر دیے اور ہر طبقہ کے نادانوں کو ان سے درجہ بدرجہ فائدہ پہنچا۔ وہ بھی دست ہے۔

فی الحال جس نقطہ نظر کے ماتحت آپ مشورہ دے رہے ہیں، میں یہ ضرورت مدت سے محسوس کر رہا ہوں  
 ہاشم اس کے لئے وقت مل جائے اور توفیق حق مسدود۔ آپ بھی دعا فرمائیں۔ امید ہے دعائیں یاد  
 رکھیں گے۔ سب اجاب کی طرف سے سلام مسنون پہنچے۔ عزیزم مولوی محمد یحییٰ سلمہ کی طرف سے سلام مسنون۔  
 دعا گو شبیر احمد عثمانی۔ دیوبند

از ڈائجیل۔ ضلع سورت

خدمت گرامی بمادر محترم دامت برکاتہم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ آپ کا خط ملا۔ میں بہت زیادہ درس میں مشغول تھا۔ الحمد للہ کل صبح  
 بخاری ختم ہو گئی۔ آپ کی پھوپھی کے صبر و سکون کی دعا کی گئی اور مرحوم کی مغفرت کے لئے۔ آپ دونوں  
 صاحب اس مرتبہ جو اشلے کر گئے اسی طرح کا اشل آپ یقین کیجئے کہ ہمارے دلوں پر پھوٹ گئے ہیں۔ اللہ  
 تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے اللہ پیش از پیش اپنے دین کی خدمت کا موقع دے۔ کبھی کبھی اپنے احوال سے  
 اللہ مجلس کی کیفیت سے مطلع کرتے رہیں۔ ترجمان احرار علی گڑھ کے چند پرچے دیکھے۔ بعض مضامین  
 بہت مفید اور پرمغز ہیں۔ یہاں سب حضرات کو آپ کا خط سنا دیا۔ سب سلام کہتے ہیں۔ عزیز الرحمن  
 سنہ کا حال معلوم نہ ہوا کیا صورت ہوئی۔ شاہ صاحب سے ملاقات ہو تو سلام مسنون عرض کر دیں۔  
 میں انشاء اللہ ۱۲/۱۳ شعبان تک دیوبند پہنچوں گا۔ کتاب کے متعلق دوسرا پرچہ ملاحظہ کیجئے۔

شبیر احمد عثمانی۔ ۳۰ رجب ۱۳۵۶ھ

دیوبند۔ ضلع سہارن پور

بمادر محترم!

بعد سلام مسنون آنکہ نور شش نامہ پہنچا۔ بھدا اللہ اس کے مضمرات کو میں نے سمجھ لیا۔ اپنے  
 مسلک سیاسی کے خلاف میری نرم سے نرم تحریر کو فتویٰ قتل سے تعبیر کرنے کی کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں  
 آئی۔ کیا عام حالات کا جائزہ لے کر اس پر کوئی رائے قائم کرنا اور زیادہ سے زیادہ مہذب انداز میں  
 اس کا اعلان صرف آپ ہی حضرات کا حق ہے۔ کسی دوسرے کو اس کی آزادی نہیں اور اگر محض



تعلقات کی بنا پر یہ شکوہ کیا گیا ہے تو اس کا جواب اگر کبھی ملاقات ہوئی تو زبانی عرض کروں گا۔  
 اگر میرے طرز عمل سے آپ کو یہ واضح ہو گیا کہ حقائق بات کہنے میں کسی کا لحاظ نہیں کرنا چاہئے تو  
 یقیناً میں اس سے خوش ہوں بشرطیکہ اسی طرز و شان سے حق کہا جائے جس طرح میں نے کہا ہے ہاں  
 اگر بد لفظی کا جواز اس سے نکالا جاتا ہے تو

حسبنا اللہ ونعم الوکیل وَاللّٰهُ مُسْتَعَانٌ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ

والسلام۔ شبیر احمد عثمانی دیوبند۔ ، رذی الحجہ ۱۴۱۷ھ

دیوبند۔ ضلع سہارن پور

برادر محترم دامت برکاتہم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ مدت ہوئی خط در رسالہ "نفسۃ الابرار" مل چکا ہے۔ میں اپنے احوال  
 عوارض کی وجہ سے جلد جواب لکھنے کا موقع نہ پاسکا۔ اصولی حیثیت سے آپ کو اولاً میری تحریرات پر  
 مشورۃ یا عقلاً تنقید کر کے یہ ثابت کرنا تھا کہ جس مقدمات پر وہ مبنی ہیں وہ صحیح نہیں۔ محقق زوردار اذ  
 مبا لواءہ آمیز الفاظ میں اپنے جذبات یا تنقیدات کا اظہار میرے مسلک کے ابطال کے لئے کافی نہیں  
 ہو سکتا۔ جن خوفناک عواقب دینیہ پر آپ متنبہ فرما رہے ہیں میں بخدا اللہ ان کے امکان سے غافل  
 نہیں، لیکن اگر فدا نکرہ وہ وقوع میں آگئے تو اس کا سبب صرف وہ لوگ ہوں گے جو آنکھ بند کر کے  
 ہندوؤں کی کانگریسی سیاست کے پیچھے چل پڑے، در اپنا قوم کے بہترین احساسات اور صحیح نصب العین  
 کو نہایت لاپرواہی سے بے سوچے سمجھے ٹھکرا دیا۔ جس تسلیم کرتا ہوں کہ اگر مستقبل میں آپ لوگوں کی ہلکا  
 غلطیوں کا خمیازہ عالمین دین کو بھگتنا پڑا تو میری ذات بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رہے گی۔ تاہم اگر میری  
 بہت ہی ناتوان اور ضعیف مگر بروقت کوشش سے ان بڑے نتائج کی شدت میں کچھ کمی ہو گئی تو میں اسے  
 بھی سب کے حق میں ایک طرح کی خوش قسمتی سمجھوں گا۔ کاش آپ سب حضرات دینداری اور سرفروشی  
 کے پچھے جذبے کے ساتھ اس سیاسی ادارے میں داخل ہو کر جس کا دروازہ ہر مذہبی اسلام کے لئے ہر وقت  
 کھلا ہوا ہے سچائی کی طاقت اور جمہور مسلمین کی پشت پناہی سے اس پر قبضہ کر لینے اور بھڑکریوں کے گلے

بھڑیوں کی پاسبانی میں چھوڑ کر دوسری طرف نہ بھاگ جاتے تو اللہ کے فضل سے اس روز سیاہ  
 نہ دیکھنے کا کوئی اندیشہ نہ رہتا جس کے تصور سے آپ گھبرا رہے ہیں۔

(اور وقت نہیں گیا۔ اب بھی ایسا کر سکتے ہیں)

پلوگوں نے اپنی قوم کا ساتھ دینے، دمان کی غلط کاریوں کی اصلاح کرنے کے بجائے کھلم کھلا ایسا  
 دیر احتیاد کر لیا جو قوم سے بے وفائی اور حاکم مشرعیہ سے لاپرواہی کی طرف مشعر ہے۔ کیا ہند  
 شری کی حکومت میں آپ "داروہی اسکیم" سے بدستاب تعلیم پائے جانے کی امید کھتے ہیں۔  
 وہ جماعت جو بے شمار مسلمانوں، قلیل استندانیوں (اور چند زعم خود دعویٰ اسلام رکھنے  
 والے اور کلمہ پڑھنے والے علماء و یاروں پر مشتمل ہوتے ہوئے مسلم قوم کے استقلال اور کلمہ اسلام کی  
 بلندی کے نام پر لڑ رہی ہے کیا اس کے مقابلے میں آپ اس جماعت کا تسلط و اقتدار بڑھ کر اس قدر  
 رہے ہندو مسلمانوں کو معزز و مددگار کو مددگار بن گئے جس میں اکثریت غالبان افراد کی ہے جو کلمہ  
 اسلام سے علانیہ بیزار حکومت اس کے شدید ترین مخالف در مسلمانوں کے قومی و سیاسی استعلا  
 بدترین دشمن ہیں جن کی اسلام دشمنی بڑی و بکبریات و ترات نہ ہر موہکی ہے اور اب بھی ظاہر ہوتا ہے  
 ہر وہاں نہ ہرے بھی ہیں بلکہ ایک دہریہ ہی آج کل سپر مشرکانہ یعنی کے بعد اقتدار رکھتا ہے، اور  
 دینی، شیعہ، مشرقی مغربی کسی کے لئے اس کا دروازہ بند نہیں۔ یہ ہی کمیونسٹ جن کا ذکر  
 علم بیگ کے ساتھ بار بار کیا جاتا ہے کل تک اس میں سب شریک تھے۔ دماغی نیکہ اکا بر سڈار نے اس  
 رکن، اور عہدہ دار بنے رہتے ہیں کوئی مضائقہ نہیں سمجھی اور اب بھی کمیونسٹ کو وہاں سے ان کے  
 واکو دار تدارک و حصہ سے خارج نہیں کیا گیا۔ درندہ جو ابرزال نہر دان سے پہلے خارج کئے جاتے جن کی طرح  
 سرائی اب بھی سیاسی ایجنٹ پر پٹے بڑے مقدار میں کرتے ہیں۔ وہاں علماء و محققین و مفسرین کی موجودگی  
 مشرعیہ کی قیادت کا مسئلہ تو آپ کو معلوم ہے۔ ہم نے ان کو بتا دیا قائم نہیں بنایا۔ وہ اپنی دماغی  
 اہمیت یا دوسرے ٹکڑی اسباب کی بنا پر مسلم اکثریت کے قائل بن گئے۔ اب ان کا مقابلہ کر کے جماعت مسلمین  
 کی تفریق نہ لانا، ملاحظہ لیکہ وہ اس وقت ایک مضبوط، نعلوں اور صحیح نظریہ کے حامل ہیں، کیسے

درست ہو سکتا ہے جب کہ سلطان متغلب یا باقتدار لشکر و طاہر امیر اور خلیفہ کے مستقل اطاعت کی تصریحات موجود ہیں اور جب کہ اس قیادت کو خود اکابر علماء جمعیہ شیعہ میں مستقل اور کئی اختیارات سپرد کر کے خوب مستحکم اور مضبوط کر چکے ہیں۔ (دیکھو خط مطبوعہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی شیعہ) غالباً ان حضرات کی نظر بھی اس وقت اسی نقطہ پر مرکوز ہوگی کہ یہ عصری سیاست کے موافق ایک آئینی جنگ ہے جس سے مشر جناح کی قیادت میں مسلمان اچھی طرح عہدہ برتا ہو سکتے ہیں۔ مشر جناح عالم دینی خوش عقیدہ نہ ہی، محدث و مفسر نہ ہی، لیکن جو یقینی کشتی لڑی جا رہی ہے اس کے دائرہ پیچ سے خوب واقف ہے۔ لارڈ زلسکو کے مقابلے میں اس کا ماہی کو آگے بڑھائیں۔ حضرت اشوہل نبی کی موجودگی میں بنی اسرائیل کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے طاہر کو امیر شکر بنایا تھا اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام نے یرید معاویہ کی قیادت میں مدینہ قیصر پر وہ چڑھائی کی جس کی بشریت صحیح بخاری میں آئی ہے۔ پھر میں نہیں جانتا کہ آج کسی مفسر قرآن کی موجودگی میں مشر جناح کو قائد بنانے سے کیا فیصلہ مت ٹوٹے پڑی اور جو چیز شیعہ میں جنت تھی، مسیحی میں جہنم کس طرح بن گئی۔ حجۃ علماء اسلام نے اگر اس قیادت کی تعریف اور مسلم لیگ کی تائید کی تو کیا گناہ کیا۔ اس کی تائید کرنے والوں کی نیت کیا تھی اور اندرون احوال کیلئے اس کا مجھے کوئی علم نہیں۔ میں تو تمام علماء اسلام کے متعلق یہی حسوس رکھتا ہوں کہ جس نے اپنے نزدیک جو دستہ بحالات موجودہ مسلمانوں کے لئے اصل و نفع سمجھا، اختیار کریں یہ رایوں کا اختلاف ہے، آگے اللہ سبحانہ و تعالیٰ عالم السرائر ہے۔ فیما ہم علی اللہ

مولانا ابوالکلام آزاد کے علم و ادب اور ذاتی عقائد و خیالات پر میں کوئی بحث کرنا نہیں چاہتا۔ نہ میں ان کو خود غرض سمجھتا ہوں۔ لیکن فی الحالہ جس ذہن پر چل رہے ہیں میرے نزدیک وہ اس منزلی مقصود پر پہنچانے والی نہیں جس کا نشان اکھوٹے "البلال" وغیرہ میں دیا تھا۔ اس کے باوجود میرے قلب میں ان کی عزت و براہِ وجود ہے۔ رسالہ "نصرۃ الابرار" میں جو کچھ لکھا ہے آج بھی اس کا عاف کون ہے۔ دنیوی معاملات میں ہندو کے ساتھ جس اشتراک عمل کو مطلقاً کون ناجائز کہتا ہے۔ سریداس چندر اب کہاں ہیں جو ان کے ذاتی عقائد کا مسئلہ زیر بحث لایا جائے۔ تمام اعلیٰ گڑھ والوں کو یک ظہان کے جملہ عقائد



میں ہم تو مکھن محض محکم ہے۔ کیا آپ کے یا دوسرے اکابر علماء کے نزدیک تمام علی گڑھ والے کافر و مرتد نہیں۔  
ایسے مسائل میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ غلط بحث نہ کیجئے۔ کفر و ارتداد کی بحث اسلام کے نانک ترین  
مباحث میں سے ہے۔ آپ کے آزاد پارلیمنٹری بورڈ نے جن لوگوں کو امپروورمنٹ کلب کہا ہے کہ ان میں کوئی  
علیگ یا انگریزی تعلیم یافتہ نہیں اور اس میں فیصدی کتنے علماء دین لئے گئے ہیں۔ یہ بورڈ تو کانگریس  
کا نہ تھا۔ خالص مسلمانوں کا تھا۔ جو پچاس فیصدی علماء کا مطالبہ آپ مسلم لیگ سے کر رہے ہیں، وہاں  
کیوں نہ مولیا گیا، بلکہ بعض ایسے کنڈیڈیٹ کھڑے کئے گئے جن کو منصب سے کوئی لگاؤ نہیں۔

ہاں تو نصرة الابرار کا ذکر تھا جو الفاظ آپ نے میرے نقل کئے ہیں میں اب بھی ان کو صحیح  
سمجھتا ہوں۔ لیکن آج کی کانگریس اٹھاون برس پہلے کی کانگریس نہیں۔ نہ آج کے عام حالات وہ ہیں  
جو اس وقت تھے۔ اگر آج کل کے حالات اس وقت ہوتے تو کیا "نصرة الابرار" صحیحہ پر پہلے سوال  
کا جواب آپ کے اور علماء لدھیانہ کے نزدیک یہ ہی ہوتا کہ "سرکار انگلشیہ بہتر ہے کیونکہ سرکار دلدھیا  
مثل روس کے متعصب نہیں اور سلطان اور (جماہیک بڑا بادشاہ ذی اقتدار اہل اسلام خادم حرمین  
شریفین اور محافظ بیت المقدس (گربانے معنی ہے) اور سرکار دولت مدار میں برخلافت روس کے  
اتحاد قائم چلا آتا ہے۔ اگر بالفرض والتقدیر سرکاری دولت مداری مملکت روس سے بہتر نہ سمجھی جائے  
تب بھی دعائے اہل اسلام کو شرعی حرام ہے کہ سرکار کے برخلافت روس یا سلطان روم وغیرہ سے درپردہ  
مابطہ و اتحاد پیدا کرے۔" غور کیجئے کہ شرکت کانگریس کے متعلق جس سوال کا جواب دینا ہے اس  
سوال میں یہ الفاظ بھی ہیں "اور ان کا (یعنی کانگریس والوں کا) اصل اصول یہ ہے کہ بحث ان ہی امور  
میں ہو جو کل جماعت ہائے ہند پر مشتمل ہوں اور ایسے امور کی بحث سے گریز کیا جائے جو کسی ملت یا مذہب کو  
مضر ہو یا خلاف سرکار ہو۔ اس جماعت میں شریک ہونا درست ہے یا نہیں؟"

کیا آج بھی شرکت کانگریس کے متعلق آپ کے سوال کے یہی الفاظ ہو سکتے ہیں۔ آپ تو بڑے  
سیاسی کارکن ہیں اور اگلے پچھلے احوال پر نظر رکھتے ہیں۔ تعجب ہے کہ ۵۸ برس پہلے کے قادی کو موجودہ  
صورت حال پر منطبق کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ایک چیز اور بھی واضح رہے کہ اس فتوے پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے ایسے علماء کے دستخط ہیں جو یقیناً کسی سیاسی جماعت میں اس وقت کام نہیں کر رہے تھے۔ کیا آپ کے نزدیک ان علماء کبار کہ یہ سیاسی مسائل میں فتویٰ دینے کا حق تھا؟ اگر تھا تو آج کسی مولوی کو آپ اس حق سے کیوں محروم کرتے ہیں۔ میرے بھائی، اپنے کو حد سے زیادہ ذہین و فہیم اور دوسروں کو باطل و تو نہ سمجھئے۔ کسی ایک چیز غائب کو حاضر سے بہتر سمجھ لینا ہے۔ میں جس چیز کو پورے غور و فکر کے بعد محمد اللہ شریعت کی روشنی میں صحیح سمجھتا ہوں جب تک اس بنیادی اصول کی غلطی مجھ پر ظاہر نہ ہو تو دائرے مطمئن نہیں ہو سکتا۔ لیکن ماولیٰ خطوط کا سلسلہ قائم رکھنا نہ میری قدرت میں ہے نہ ہر ہر سطر کے جواب میں سارا لکھنا بحث کو ختم کر کے گا۔ اس قسم کے شبہات جو نفس مسکد سے متعلق ہیں، ان کے متعلق میں ایک تحریر مرتب کر رہا ہوں جو چھپ کر شائع ہو جائے گی، کیونکہ ہر ایک شخص کو فرداً فرداً جواب دینا ممکن نہیں۔ ایک آپ ہی کے خط کے ہر لفظ اور سطر پر بحث کی جگہ تو خاصی سبب تیار ہو جائے۔ یہ چند سطور قدر روک کر لکھی ہیں۔ امید ہے اسے پڑھ کر قدیم تعلقات کی نسبت کوئی برا اثر نہ لیں گے اور اگر یہ سورتوں میں ٹھہرے دماغ سے غور کریں تو کیا بعید ہے کہ مزید حالات کے اعتبار سے صحیح رہے۔ سمجھیں آجائے۔ سید ابوالفتح حدیث جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے "المصادق یتقلب فی یوم واحد مائة مرة"۔ فی مثبت علی حانہ واعدۃ مائة سنۃ" (سچائی کا عائن ایک دن میں سو مرتبہ بدل سکتا ہے، زیادہ ایک ہی حالت پر سو برس بھارتا ہے) والسلام

شبیر احمد عثمانی لے

حبیب روڈ، لدھیانہ، ۷ اکتوبر ۱۹۳۵ء

حضرت استاذ اکرم علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ برفوتویٰ ہمارے قتل کے جو اذیہ کھاتے میں تیار کیا گیا اس پر آپ کے دستخط پڑھ کر کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ اس دنیا میں ہر چیز کی امید کرنی چاہئے۔ آپ کے ان دستخطوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حق بات کہنے میں کسی کا لحاظ نہیں ہونا چاہئے۔ امید ہے کہ آپ بھیریت ہوں گے

والسلام۔ حبیب الرحمن

۷۹۶

لے۔ اگر آج مولانا شبیر احمد عثمانی زندہ ہوتے تو خود دیکھ لیتے کہ جن لوگوں نے پاکستان یا تھانہوں نے

پاکستان کو آزاد نہ کیا اسلئے کہ اس نے خود کو اسلئے آزاد کیا ہے۔ اس کا جواز اس لئے کہ اس نے خود کو آزاد کیا ہے۔

استاذ المکرم حضرت علامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا کرمی نامہ پہنچا۔ جواب کا بہت بہت ممنون ہوں۔ آپ کی عزت اور محبت جس قدر میرے دل میں ہے اس کا اندازہ آپ نہیں فرما سکتے۔ آپ نے مجھ ہی کو نہیں بلکہ اپنے سینکڑوں بے فرض مخلص محبت کرنے والوں کو بے گناہ قتل کر دیا ہے۔ جناح کی قیدت کا، سلا اور پاکستان کی حمایت سوائے قتل کے فتوے سے، درکن لفظ سے تعبیر کر دیا۔ یہ کس کی مجال کہ کوئی آپ کو یہ کہے کہ آپ کو اپنی رائے کے اظہار کا حق نہیں۔ لیکن آپ لفاظ فرمائیں کہ جو شخص کسی جماعت میں کوئی کام نہ کر رہا ہو اسے کسی سیاسی رائے دینے کا کیوں حق حاصل ہے۔ آپ یقین فرمائیں کہ آپ نے ہمارے ہی قتل کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ آپ نے اپنے اور ہم عمر کے خلاف قتل کا فتویٰ صادر کر دیا ہے زمانہ میری اس بات کی مشہوریت دے گا اور نہ انتہائی گاہے گاہے کرنے والے جناح کے پیچھے لگ کر اسلام کو کتنا نقصان پہنچایا۔ آپ آج اس جماعت کے ساتھ کھڑے ہیں جو قادیانیوں، تیرائیوں، ضد اللہ مذہب کے منکر کمپونٹوں کو ہمراہ لے کر اسلام کو سرسید کرنے کے لئے چلی ہے۔ آپ کے بزرگوں کا فتویٰ تو یہ تھا کہ سرسید احمد خان کے ساتھ اشتراک غم بھی جائز نہیں۔ اور ہندوؤں سے مل کر دنیاوی کام چلانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔ تقریباً ۳۰ برس کا عرصہ ہوا، آپ نے نصرة البرار کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ ہمارے بزرگوں کے سرسید اللہ قادیانیوں کے بارے میں جس رائے کا اظہار فرمایا وہ ان کا کشف عریض تھا۔ اور انھوں نے مسلمانوں کو گراہی سے بچا لیا۔ رسالہ نصرة البرار بھیج رہا ہوں۔ اس پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی دستخط ہیں۔ اللہ کی شان ہے سرسید احمد کو کافر کہنے والوں کی روحانی اولاد اسی سرسید احمد کو روحانی اولاد کے پیچھے ہاتھ جوڑے کھڑی ہے۔ اسے اسی کو اسلام اور مسلمانوں کا نجات دہندہ سمجھتی ہے۔ ہیں اور مولانا حفظ الرحمن صاحب سہارن پور میں آپ کے اس بیان کا ذکر کر رہے تھے۔ مولانا حفظ الرحمن کے آنسو آ گئے۔ انھوں نے کہا کہ آگے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے سے ہمارے اور اسلام کے دشمن ہم کو ذبح کرتے تھے۔ اب



آپ نے ان کی جگہ لی۔ ایک طرف آپ کی عظمت اور عزت اور دوسری طرف دشمنان اسلام کے ہاتھوں  
 اپنا دھار اسلام کی تباہی دیکھ رہے ہیں اور خاموش بھی نہیں رہ سکتے۔ آپ خود ہی فرمائیے کہ ہم کیا کریں  
 اور کیا نہ کریں۔ آپ نے لفظ بدعاطی کا تحریر فرما کر مجھے بہت دکھ پہنچا یا میری بدعاطی کی حقیقت یہ  
 ہے کہ میں نے سہارن پور کے جلسے میں آپ کے اس بیان کا ذکر کرتے ہوئے یہ غلط کہہ دیا کہ میں علامہ  
 شبیر احمد صاحب کے جوتوں کو اپنے سر پر رکھنا باعث فخر سمجھتا ہوں۔ آپ نے مجھے جناح خیال فرمایا  
 ہے کہ میں اپنے سے اختلاف رائے رکھنے والے کو گالی دوں اور ان کی بے عزتی کروں میں نے آج تک  
 اپنی تقریر میں معمولی سے معمولی لہجے کے متعلق سخت بات نہیں کہی چہ جائے کہ آپ جیسی بزرگ ہستی کے  
 متعلق کوئی بات کہوں یا دل میں بھی لاؤں۔ حضرت اقدس غور سے سنئے۔ یہ مسلم لہجے طبقہ کسی بھی عالم  
 کا وقار اور اس کی عزت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ صرف اپنے اقتدار کو بڑھانے کے لئے اور مذہب  
 کو مٹانے کے لئے مذہب کے نام پر آپ حضرات سے کام لے رہا ہے۔ میں نے اعلاق کیا تھا کہ اگر مسلم لیگ  
 میں صداقت ہے تو پچاس فیصدی نشستیں علماء کے لئے مخصوص کر دے۔ ہم پنجاب سے احمدیوں  
 کانگریس کے ٹکٹ پر چھ مستند علماء کھڑے کر رہے ہیں۔ عالموں کے لئے میں کوئی شرط لگانا نہیں  
 چاہتا۔ عالم ہوں، خواہ بریلوی ہوں، خواہ دیوبندی ہوں۔ کیونکہ میرے نزدیک ہندوستان  
 کے مسئلہ کا حل اور مذہب کی آزادی اور ہندو مسلمان کی حفاظت صرف علماء کے ذریعے ہی ہو سکتی  
 ہے۔ اسمبلیوں کے اندر اور باہر سیاسیات پر علماء کا قبضہ ہونا چاہئے۔ جب تک علماء اسمبلیوں میں پچاس  
 فی صدی نہیں ہوں گے ہندوستان کا مسئلہ کبھی حل نہیں ہوگا اور یہ پاکستانی مسلمان اسمبلیوں کے  
 ذریعے سے ایسا انصاف تعلیم بنائے گا جس سے مذہب کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے۔ اگر علماء اسمبلیوں  
 کے اندر کیا یہ حقیقت نہیں واجب الاحرام بزرگ جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ کو اس لئے وجود میں لایا گیا کہ وہ  
 جناح صاحب اور مسلم لیگ کی واحد نمائندگی کی لوگوں میں تبلیغ کرے کہ علماء کی قیادت اور مذہب  
 کی سرپرستی کے لئے۔ دوسرے فقہوں میں اس جماعت کا وجود انگریزی اقتدار کو قائم کرنے کے لئے  
 عمل میں لایا گیا۔ آپ خود جانتے ہیں کہ ان میں اکثر وہ علماء ہیں جو تحریک خلافت سے لے کر آج تک ہر

اسلامی تحریک کی مخالفت کرتے رہے۔ اگر آپ یا یہ علماء یہ کہتے ہیں کہ ہماری تقلید کرو۔ ہم قرآنی اور  
ایشیاء کے راستے سے ہندوستان کو آزاد کرائیں گے اور اسلام کو سر بلند کر کے دکھا دیں گے تاکہ  
دنیا کو معلوم ہو جائے ہم عنہا مسجدوں کے علاوہ نہیں بلکہ ہم قرآن شریف کی تعلیم کے ذریعے سے دنیا  
کی سیاسی رہنمائی بھی کر سکتے ہیں اور قرآنی ہی کی تعلیم سے دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے۔ مگر آپ نے  
جتنے علماء اسلام نے کہا تو یہ کہا کہ جناح کی تقلید کرو، وہی ہندوستان کا سیاسی رہنما ہو سکتا ہے۔  
اس کا اطلاق بھی سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ قرآن جاننے والے قرآن کے ذریعے سے ہر  
قوم پرے دل کو بے حدسرت ہوئی۔ سیاسی رہنمائی نہیں کر سکتے۔ مگر مولانا ابوالکلام کی عزت اس وقت  
میرے دل میں اس لئے سب سے زیادہ ہے کہ وہ کانگریس کے صدر ہو کر مذہب اسلام کی حفاظت  
کر رہے ہیں انھوں نے کانگریس کی صدامت سے لے کر دہریوں اور تمام غیر مذہبی پر نہیں بلکہ مسلمانوں  
کے اس غیر اسلامی ذہن رکھنے والے طبقے پر یہ ثابت کر دیا کہ قرآن کا عالم اور صرف قرآن کا عالم جو  
جناح کی موجودہ تعلیم سے کوئی تعلق نہیں رکھتا وہ اس دنیا میں بڑی سے بڑی سیاسی رہنمائی کر سکتا  
ہے۔ مولانا آزاد کے اس طرز عمل نے یہ اعلان کر دیا کہ قرآن کا جاننے والا ہی حقیقی معنی میں ملک  
کی آزادی اور امن قائم کر سکتا ہے۔ کاش آج آپ بجائے جناح کے مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ  
ہوتے تاکہ دنیا پاک نامہ تھی کہ قرآن جاننے والے مولانا ہی ہندوستان کو آزاد کرائیں گے۔ نصاب  
تعلیم میں مذہب کا خیال رکھا جائے گا۔ مجھے آپ کے اس ٹکھنے سے کہ جناح کو ہندوستان کا سیاسی  
لیڈر تسلیم کیا جائے بڑا دکھ ہوا ہے، گویا ہندوستان کے قرآن کے سب سے بڑے مفسر نے انگریزی  
داں طبقے کے سامنے اقرار کر لیا ہے کہ مولوی سیاست نہیں جانتا اور یہ بھی اقرار کر لیا کہ وقت کی  
سیاست کو قرآن کا مفسر نہ چلا سکتا تھا، نہ سمجھ سکتا تھا یہ علماء کے قتل کا فتوے نہیں تو اور کیا  
ہے۔ میرے محترم پاکستان الیکشن کے لئے ایک نعرہ ہے۔ الیکشن ختم ہو جائے گا تو مسلم لیگ کانگریس  
کے ساتھ مل کر وناز میں بننے کی کوشش کرے گی۔ واحد نامہ تھی کا مقصد یہ ہے کہ تمام اقتدار  
برہی طبقے کے ہاتھ میں رہے اور سیاسی اقتدار کسی ایسی جماعت کے ہاتھ میں نہ آجائے جو مذہب کی



سر بلندی اور ہندوستان کی آزادی کی خواہش مند ہوں۔ اور یہ بھی کہ آپ کو میری بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہ انگریزی دن طبقہ کانگریس سے صلح کرنے کے بعد علماء کو کچلنے کے لئے علماء سے بھی یہی فتویٰ پیش کرائے گا کہ ان علماء نے ہم کو کانگریس میں شریک نہ ہونے اور وطن کی آزادی کے لئے روکا کیوں کہ اس طبقہ کے سامنے ناہب نہیں ہے چند نوکریاں اور نشستیں ہیں اور بس۔ اور جب ہندو نے یہ ٹکڑا اس کے سامنے ڈال دیا۔ اور یہ طبقہ انگریز سے مایوس ہو گیا۔ تو پھر یہ طبقہ اپنی ملازمتوں اور نشستوں کی طرح اسلام کو مٹا کر ہندو دوستی کا ثبوت دے گا۔ میں نے اپنے دل کا سارا دکھ ان افظاظ میں آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ اب آپ کا جی چاہے اپنوں کے ساتھ رہیں یا غیروں کے ساتھ رہیں مصیبت زدہ درد مند اور بالخصوص جس کو پتوں ہی نے ماما جو وہ اچھی زبان اور اچھے الفاظ لکھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اس لئے معافی کا خواستگار ہوں۔

والسلام — حبیب الرحمن لدھیانوی

حبیب ردو۔ لدھیانہ۔ ۹ جنوری ۱۹۴۶ء

حضرت استاذ المکرم مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ نامہ اور نصرتہ الابرار، دونوں اکٹھے موصول ہوئے۔

آپ کے گرامی نامے کو میں نے بخود پڑھا اللہ کا شکر ہے کہ آپ نے آنے والے خطرے کو محسوس

فرمایا۔ باقی اس کی ذمہ داری کس پر ہے اور اس کا حل کیسے یہ آنے والا وقت بتلائے گا۔

آپ سے عقیدت اور محبت ہے اس لئے آپ سے میرا کوئی بحث و مناظرہ نہیں چل سکتا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی املا دفرمائے چونکہ آپ کے اچانک بیان سے ایک صدمہ پہنچا تھا

اس لئے اپنے جذبات و خیالات بغیر کسی لفاق کے آپ کے سامنے رکھ دیئے۔ کوئی گستاخی ہو تو

معافی چاہتا ہوں باوجود اس کے آپ کی رائے کو اسلام اور مسلمانوں کے لئے ہلک جانتا ہوں

اگر اجازت ہو تو خط و کتابت شائع کر دی جائے۔ والسلام

حبیب الرحمن لدھیانوی



بازار بلیا مان دہلی۔ ۲۵ اپریل ۱۹۳۹ء

محترم مولانا حبیب الرحمن صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ کہ آپ کی ضمانت تو ہوئی۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں ڈھائی ماہ کے بعد  
برائے داپس ہوا۔ یہاں پہنچ کر تبادلہ خیالات کا بھی موقع نہ ملا تھا کہ آپ گرفتار ہو گئے۔ یہاں  
کی پارٹیوں میں جو صورت حال تھی وہ ہمیشہ ہے وہ آپ کو معلوم ہے مسلمانوں میں یہ صداقت ہی نہیں  
کہ کسی معاملے پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ ذاتی اغراض اور ذاتی منافع کے پیش نظر یا جماعتی وقار  
اور جماعتی استحکام کے مد نظر مختلف باتیں کہتے جا رہے ہیں۔ مسلم لیگ، درکار مس کی باہمی کش مکش کے  
مقابلے میں فلسطین کی فکر ہے اور عرب کی ہے۔ انگریزوں نے ایسا خوش فائدہ ڈالا ہے کہ ہر شخص اپنی  
فکر میں مبتلا ہو گیا ہے آپ مقدمہ کو وسیع کیجئے۔ میں کل آٹھ یوم کے لئے ڈابھیل اور ماہانہ جاری ہوں  
فاسپی پر انشاء اللہ پہلے ٹرین سے لدھیانہ حاضر ہوں گا۔ آپ سے زبانی باتیں کرنے کے بعد کوئی رک  
تاکم کروں گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اگر آپ کے لدھیانہ سے جانے پر کوئی پابندی نہ ہو تو آپ کو دہلی ہالوں گا۔  
بہر حال تبادلہ خیالات کی ضرورت ہے آپ اس عرصے میں تمام ممبران کو خط لکھ کر جواب حاصل کر لیجئے۔  
میں اس لئے سے متفق ہوں کہ آپ ایک اجتماع بہت جلد لدھیانہ میں کیجئے۔ جو لوگ سفر خرچ نہ برداشت  
کر سکیں ان کے لئے سفر خرچ کا بھی انتظام کر دیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ لیکن آپ اجتماع سے پہلے  
اکیس آدمیوں کو خط لکھ کر ان کی رائے معلوم کر لیجئے تاکہ کسی کو عند باقی نہ رہے میں اتنے ڈابھیل سے  
ناپس آ جاؤں۔ نقیض سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ جو کچھ آپ نے کہا ہو گا وہ میں جانتا ہوں اور  
جو کچھ کہا گیا ہے اس سے بھی سمجھتا ہوں آپ میرے خط کا جواب ضرور دیں۔ ڈاک ڈابھیل جائے گی، اگر  
کوئی ضروری امر ہو تو میں ڈابھیل ہی سے جواب دے دوں گا۔ میں نے ڈاک کا انتظام کر دیا ہے امید  
کہ آپ بھی بخیر ہوں گے۔ فقیر احمد خاں۔ گل قاسم جان دہلی

بازار بلیا مان دہلی۔ ۲۳ مئی ۱۹۳۹ء

محترم مولانا زاد مجدکم

السلام علیکم۔ بیاد دل کی واپسی پر مفصل خط ملا۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہندوستان میں انقلاب کی خواہش کا بہت بڑا مسئلہ یہ تھا کہ ممالک اسلامیہ کے مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچے گا اور وہ سب آزاد ہو جائیں گے۔

انہی جذبات کے ماتحت ہر قسم کی جدوجہد کی گئی تھی۔ لیکن ۲۰ سالہ نتیجہ آپ کے سامنے ہے انگریز کی قوت بحال موجود ہے۔ ممالک اسلامیہ کے مسلمانوں کے ساتھ یہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ سرحدی مسلمان، فلسطین کے مسلمان، عرب اور افریقہ کے مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

ہماری حالت یہ ہے کہ انگریز سے جنگ یا مسلمانوں کی اسلادیا ملک کی آزادی صرف زبانوں پر رہ گئی ہے جب کہ ہمارے سامنے دذارتیں ہیں، ملازمین ہیں اور ناقص تین کو چلانا ہے۔ کانگریسی حکومتوں سے منافع حاصل کرنا ہے، خواہ خوشامد کی راہ سے ہو یا ان کو مرعوب کر کے ہو۔ انگریز کی پوزیشن بالکل محفوظ ہے، اگر کوئی حرکت کرنے کا خیال بھی آتا ہے تو مسٹرینت اور سرسکندر کی دذارتیں سامنے آجاتی ہیں۔ ان حالات میں آپ ہی فرمائیے کہ کیا کیا جائے۔ قراردادوں میں پہلی اور ثانی قرارداد وہی ہے، اور انبار میں شائع بھی ہوئی ہے میں اس کی نقل ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ استقبالیہ کمیٹی کا تقریب اعزازی پارٹی سے شروع ہوئی اس لئے مجبوراً شریک ہوتا ہوں میرا تمام ادھ شرکت کا نہ تھا۔ پارٹی کے بعد استقبالیہ کا سلسلہ شروع ہوا اور جو کچھ ہوا اس سے کم و بیش آپ واقف ہو چکے ہوں گے۔ میں آپ کی توجہ دفعہ ۷۲ کی طرف منقطف کرانا چاہتا ہوں اس میں اپنے اراکین کا جلسہ منعقد کر کے کہا ہے اگرچہ عالم یا منقطفہ کا نام نہیں ہے لیکن بظاہر منقطفہ معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ صوبہ کی جمنیہ کے اراکین تو وہی ہیں جو اس کی منقطفہ کے رکن ہیں۔

رہا یہ معاملہ کہ آپ کی منقطفہ کے کون حضرات ہیں ان کا حال آپ کو معلوم ہوگا۔ بہر حال آپ لوگوں کو اطلاع دے دیجئے جو حضرات جمع ہو جائیں ان سے ہی مشورہ کر کے منتخب کر لیں۔

فقیر احمد سعید۔ کان اللہ

بازار بلیا ران۔ دہلی۔ ۲ مئی ۱۹۳۵ء

محترم و مکرم جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب

السلام علیکم! مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی خدمت میں ابھی تک حاضر نہیں ہو سکا۔ لیکن میں آپ کے کام سے غافل نہیں ہوں، مگر میں صرف صلح صاحب کو آپ کے کام کا انچارج کر آیا ہوں۔  
محل اللہ محل مشابھل فلت اقرا۔

جمعیت کے سالانہ اجلاس کی دہلی میں سہ سہ کر رہا ہوں۔ خیال تو یہ تھا کہ وسط جون میں ہو جائے لیکن باہمی اختلاف کے باعث کچھ تاخیر ہو گئی۔ اختلاف کو سمجھانا آپ جانتے ہیں کس قدر مشکل ہے۔  
ذاتی قاتیوں اور عداوتوں کے اظہار کا اس سے بہتر کوئی موقع نہیں کہ کسی اجتماع کے موقع پر اس کا منظر ہر کیا جائے۔ بہر حال حالات پر قابو پانے کی سہ کر رہا ہوں دعا فرمائیے۔

کانگریس اور اتحاد کی باہمی کش مکش سے توقع ہے کہ امرت سر میں مسلم لیگ کامیاب ہو گئی ہوگی۔ میں نے ایک انتخابی اعلان کیا تھا جو نظر سے گزرا ہو گا۔ پنجاب میں اگرچہ غلام آزاد جو دہلی کا رہنے والا ہے لیکن آپ ہی حضرات کا نام مفتخر علی میں ہے اور آپ ہی کا نام احرار ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جمعیت مرکزیہ کے لئے غلام آزاد کا انتخاب ہو جائے، کیونکہ اگر مرکزی جماعت نے انتخاب کیا تو نہ معلوم کس قسم کے حضرات کو منتخب کیا جائے۔ بہتر ہے کہ آپ اور مولانا مفتی نعیم صاحب اور مولوی عبدالغنی اور مولانا احمد علی صاحب اور دیگر حضرات باہمی مشورت سے انتخاب کر دیں۔ میں آپ کی خدمت میں اصول و ضوابط کی کاپیاں بھیج چکا ہوں۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا مفتی محمد نعیم صاحب کی خفیت میں بھی آج خط لکھ کر رہا ہوں۔

جواب کا منتظر فقیر احمد سعید۔ گلی قاسم جان۔ دہلی

بازار بلیا ران۔ دہلی۔ ۲ جون ۱۹۳۵ء

محترم مولانا زاد محترم

السلام علیکم۔ الحمد للہ آپ کا مقدمہ بدل گیا۔ خدا کرے آپ کی ۱۵۲ بھی ختم ہو۔



آپ کا جیل میں رہنا اس وقت مفید نہیں بلکہ آپ کو باہر رہنے کی ضرورت ہے۔ میں نے آپ کو کہا تھا کہ آپ علماء کا ایک اجتماع کر کے انتخاب کر دیجئے۔ مولانا محمد نعیم صاحب سے بھی ذکر کیا تھا اور وہ بھی آمادہ تھے اور اسٹنوں نے غالباً اختیار کو ایک بیان بھی اس سلسلہ میں دیا تھا۔

ملاقات کے سلسلے میں آپ سے بہت نادم ہوں۔ مجھے خود بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ جمعیتہ علماء اہل مجلس احرار کے متخذاً عمل ہونے کا بہترین وقت یہی ہے۔ جابین میں اس قسم کی خواہش ترقی پر اس موقع کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے اور تمام محاسب قوتوں کا صحیح اور مستعدہ قوت سے مقابلہ کرنا چاہئے میں جلد از جلد آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعی کر رہا ہوں۔ میں ممنون ہوں گا اگر آپ فیصلے کی آخری تاریخ سے مطلع فرمائیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آخر جولائی تک تو بہر حال مقدمہ جاری رہے گا۔

بہر حال احباب کو سلام۔

خیریت کان سب بخیر زند مسجد نماں۔ گلہ قاسم جان۔ دہلی۔

دہلی۔ ۲ ستمبر

سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب کا کتبہ شریف محمد علی جناح کے نام  
شرف جناح کی حالیہ تقریر پر سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب نے حسب ذیل خط  
شرف جناح کو روانہ کیا ہے۔

محترم کرم جناب محمد علی جناح صاحب

سلام مسنون۔ آپ نے تقریباً دو سال کے بعد پھر اس ضرورت کو محسوس کیا ہے کہ تمام مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع ہو جانا چاہئے۔ آپ نے جمعیتہ علماء احرار، جماعت خاکسار اور نیشنلسٹ مسلمانوں کا نام لے کر ان سے اپیل کی ہے کہ وہ مسلم لیگ کے پرچم کے نیچے جمع ہو جائیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلمانوں کی کوئی جماعت بھی ایسی نہیں ہے جو باہمی اتحاد کا احساس نہ کرتی ہو یا انھوں نے ایسے زمانے میں جب کہ اس باہمی اتحاد پر آئندہ مسلمانوں کی باعزت زندگی کا دار و مدار ہو۔

لیکن مجھے افسوس ہے کہ آپ جب اس قسم کی عام دعوت دیتے ہیں تو فیراٹنی طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ جیسا کہ میں آپ کو اس سے پیشتر بھی سیال کوٹ کی ایک تقریر پر مطلع کر چکا ہوں۔ آپ تمام مسلمانوں کو ٹولینگ کے پرچم کے زمرے میں بلا سکتے ہیں لیکن جماعتوں کو دعوت دینے کا یہ طریقہ سنیاً فیراٹنی ہے۔ اگر آپ فی الواقع یہ چاہتے ہیں کہ تمام مسلمان باہمی مل کر مستقبل کے لئے کوئی راہ مقرر کریں۔ تو آپ کا فرض ہے کہ آپ ایک آل پارٹیز کانفرنس منعقد کریں۔ یا تمام جماعتوں کے مخصوص نمائندوں کو ایک مشترکہ اجتماع کی غرض سے جمع کریں اور اس اجتماع میں مسلم لیگ کے بھی مخصوص نمائندے جمع ہوں اور باہم تبادلہ خیالات سے ایک مشترکہ اور منفقہ راہ عمل مقرر کریں ایمان احمدا علیہ الامور پر غور کریں جن کی وجہ سے مسلمانوں کی آزادی پسند جماعتیں اس وقت تک مسلم لیگ سے علیحدہ رہی ہیں۔ یا شریک ہو کر علیحدہ ہو گئیں۔ اگر آپ میری رائے سے مشتق ہوں تو اس قسم کے اجتماع کی دعوت دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ مسلم جماعتیں جن کا آپ نے اپنی تقریر میں نام لیا ہے باہم جمع ہو کر مسلم لیگ سے تبادلہ خیالات نہ کریں۔ اور کسی خفیہ نتیجے تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہوں۔ میرے نزدیک یہ حقیقت بہت غیر آئینی بلکہ غیر جمہوری ہے کہ آپ اپنی طے شدہ پالیسی کو قبول کرے کی دعوت دیں جس سے ملک کا ایک بہت بڑا اور معقول طبقہ مستفیق نہ ہو۔ بلکہ آپ مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو باہم مشورہ سے پالیسی طے کرنے کی دعوت دیجئے۔ تاکہ یہ سمجھا جائے کہ آپ غیر لیگی مسلمانوں کی رائے کو بھی سننے اور اس پر غور کرنے کو تیار ہیں اور آپ کی یہ خواہش ہے کہ تمام مسلمانوں کی منفقہ رائے سے مسلم قوم کے مذاہ کی کوئی راہ تلاش کی جائے۔

میں آپ سے توقع کرتا ہوں کہ آپ میرے عرضیہ پر خاص نوید فرمائیں گے میں آپ کے امیدوار جواب کا بے غرضی سے انتظار کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ کے مزاج بخیریت ہوں گے۔ چونکہ آپ کی تقریر پر میری شگ ہو چکی ہے۔ اس لئے میں بھی اپنی یہ تحریریں کوڑے رہا ہوں۔ فقط

فقیر احمد سعید کان اللہ۔ صدر جمعیت علماء رضویہ دہلی

نوٹ:۔ یہ خط مولانا احمد سعید صاحب نے رئیس الاحزاب کو لکھ دیا تھا جس نے اس کی حراست کر لیا۔

موترا المصنفین۔ کوچہ چیلان۔ بیت السعید دہلی۔ ۶۹ جولائی ۱۳۵۷ھ

محترم و مکرم حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب زید مجدکم

السلام علیکم اگر امی نامہ ملا۔ شکریہ۔ اپنی کامیاب رہائی پر دلی مبارکباد قبول کیجئے۔ میں تقریباً ایک سال سے صاحب فراش ہوں۔ قلب اور معدے کے دوروں نے ختم کر دیا ہے۔ ریاضی و اسیر کا یہ انجام ہوا کہ نہ سفر کے قابل ہوں اور نہ تقریر کر سکتا ہوں۔ خیال تھا کہ آپ دہلی تشریف لائیں گے تو زیارت کروں گا۔ سیاسی حالات کے متعلق بھی یہ ہے کہ صرف و شعبدہ بازی نباہ رہا ہوں۔ دندہ ہوں مگر زندگی کی لذتوں سے محروم ہوں۔

کوشش سچے سمجھوتے کی ہمیشہ رہے گی۔ لیکن خدا جانے کیوں ناکامی ہوتی ہے۔ دہلی میں احرار کا کن اور ورکر جو کچھ کر رہے ہیں وہ جمعہ اور احرار کے سمجھوتہ کی راہ میں حائل ہیں اس لئے آپ کو اندازہ نہیں کہ سمجھوتہ کی راہ میں کون سی باتیں حائل ہیں۔

صاحب زادے بلند اقبال جس کام کے لئے تشریف لائے ہیں اس کی کوشش ہو رہی ہے دعا فرمائیے کہ خدا تعالیٰ کامیاب فرمائے۔ میرت کی ایک کتاب ارسال کر رہا ہوں۔

فقیر احمد سعید کان اللہ ناظم موترا المصنفین

لدھیانہ۔ ۷ مارچ ۱۹۳۷ء

بخدمت حضرت مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیتہ علمائے ہند دہلی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ میرا ارادہ تھا کہ میں مجلس تحفظ مائوس شریعت کے اجلاس مورخہ ۷ مارچ ۱۹۳۷ء کو جو دہلی میں مستقد ہونے والے ہیں شرکت کروں۔ لیکن یکایک میری صحت آج خراب ہو گئی اور نیز میرے لئے ۹ مارچ کو لاہور پہنچنا ضروری ہے۔ اس لئے اپنی غیر حاضری کی عذرت چاہتا ہوں۔

شاردا ایکٹ کے سلسلہ میں جمعیت کے حکم پر مسلمانوں نے ہڑتال اور جلسوں اور جلسوں اور تاروں پر تقریباً ایک کروڑ روپے کا نقصان برداشت کیا ہو گا۔ اب ہر مسلمان اس بات کا منتظر



کہ آیا جمعیت یکم اپریل سے کس قسم کی سول نافرمانی کے لئے عملی قدم اٹھاتی ہے۔ ہندوستان کے تمام آدمی اب تحقیقاتی کمیشنوں کی حقیقت سے واقف ہو چکے ہیں امدان کو یقین ہے کہ یہ کمیشن صرف دفت اور روپیہ کے ضائع کرنے سے متور ہو کر رہتے ہیں۔ اس لئے میری رائے میں اگر ہم اس کمیشن جمعیت کے دقت کو قائم رکھنا چاہتے ہیں اور واقعی شاردہ ایکٹ کی نامنظوری ہماری دل خواہش ہے، تو ہمارے فرض ہے کہ ہم جمعیت کی طرف سے سول نافرمانی کا عملی قدم یکم اپریل سے پچھے اٹھائیں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو ہر مسلمان جس نے جمعیت کے حکم پر اپنا وقت اور روپیہ کا نقصان کیلئے ہم پر علامت کرنے میں حق بجانب ہو گا۔

حبیب الرحمن

مولانا احمد سعید کے نام

لہر ضیاء۔ حبیب روز۔ شفاعت منزل۔ ۳۱ فروری ۱۹۳۷ء

محترمی مولانا

سندھ مسنوں۔ مسٹر رفیع احمد قدوائی کے نام میں نے ایک خط لکھا ہے۔ اس کی نقل آپ کو بھیج رہا ہوں۔ اس پر بہت جلد غور فرمائیں۔

میں بجنور کے الیکشن سے فارغ ہو کر میرے فلسطین کانفرنس میں پہنچا وہاں سے سید عا سہارن پور گیا۔ چار دن سے یہاں صرٹ اس لئے ٹھہرا ہوا کہ یہ معلوم کر لوں کہ یہاں کوئی شخص کانگریس کے ٹکٹ پر کامیاب ہو سکتا ہے۔ مجھے اندس ہے کہ ہماری کئی سال کی محنت ڈسٹرکٹ بورڈ کے کانگریس پر بیڈنٹ نے فنا کر دی۔ دو ماہ پہلے تمام مسلمان کانگریس کے حق میں تھے۔ مگر یہاں کے کانگریسی حضرات کی مخلصانہ کوشش سے وہ مسلمان کانگریس سے بالکل دور ہو گئے۔ یہاں کی سیٹ پر تین آدمیوں میں سے ایک کامیاب ہو گا۔ خان بہادر مقصود علی خاں مولانا منقعت علی صاحب ذکیل سہارن پور مسٹر شاہ نذر حسین صاحب۔ ان تینوں میں سے دو جس طرف ہوں گے وہ کامیاب ہو گا۔ بلکہ حالات کا فیصلہ اس وقت یہ ہے کہ مولوی منقعت علی صاحب اگر مقصود علی خاں کی طرف ہوں تو وہ کامیاب ہو جائیں گے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مولوی منقعت علی کے اس فیصلہ کے بعد کہ وہ

کس طرف ہوں گے۔ دوسرا فریق مقابلہ ہی نہ کرے۔

کل دوت چھ ہزار ۶۰۰۰ ہیں۔ جس میں سے ساڑھے تین ہزار مولوی منفعت علی خاں صاحب وکیل کی برادری کے ہیں۔ جو ان کے زیر اثر ہیں۔ میرا خیال ہے کہ مولوی منفعت علی صاحب، مقصود علی خاں صاحب کے ساتھ ہوں گے۔ میں نے مقصود علی خاں سے کہہ دیا ہے کہ ہم اس شخص کی مدد کریں گے جو کانگریس کے ٹکٹ پر چلے گا۔ اب یہ آپ کی مرضی ہے جس کو چاہیں ٹکٹ دیں، نہ دیں مگر آپ نے ان تینوں آدمیوں کے سوا کسی اور کو کانگریس کا ٹکٹ دیا تو پھر کانگریس کنڈیڈیٹ کو عبد السمیع کی طرح شکست ہوگی۔ اگر آپ کو کوئی اور اچھا کنڈیڈیٹ ملے یا یہ لوگ کانگریس کا ٹکٹ نہ لیں تو بہتر ہے کہ آپ یہاں اپنا امیدوار کھڑا نہ کریں۔ مجھے یہ بھی معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی اس الیکشن میں غیر جانبدار رہیں گے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر آپ لوگوں کے لئے اور بھی زیادہ مشکل ہوگی۔ اس خط کی وصولی کی اطلاع مجھ کو لدھیانہ کے پتے پر ملنی چاہئے۔ پتہ یہ ہے

جلیب رڈ۔ نہایت منبر۔ لدھیانہ۔ جلیب الرحمن۔ ازبھارن پور

دہلی، ۲۷ جولائی ۱۹۳۸ء۔ سنٹرل خلافت کمیٹی

جناب محترم مولانا جلیب الرحمن صاحب

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے جناب کی خدمت میں ایک عرضیہ اس مضمون کا ارسال کیا تھا کہ حسب تجویز مرکزی خلافت کمیٹی آپ کی موجودہ خلافت کمیٹی پنجاب کا الحاق مرکزی کمیٹی سے توڑ دیا گیا ہے اور مرکزی خلافت کمیٹی پنجاب میں ایک سو بہ کی جدید خلافت کمیٹی قائم ہو گئی ہے۔ لہذا حسب سابق پنجاب خلافت کمیٹی کا سارا ریکارڈ جدید خلافت کمیٹی کے سیکریٹری کے حوالے کر کے ان سے رسید لے لیجئے کہ جدید خلافت کمیٹی باضابطہ کام کر سکے۔ میرے اس عرضیے کے جواب میں جناب نے مجھے لکھا ہے کہ میں مرکزی خلافت کمیٹی کی وہ تجویز آپ کے پاس بھیج دوں جس کی رو سے پنجاب خلافت کمیٹی کا الحاق مرکزی خلافت کمیٹی سے توڑا گیا ہے اور اس قرار داد کی نقل پر مولانا شوکت علی صاحب کے دستخط ہوں۔ نیز میں اس امر کی بھی آپ کو اطلاع

دوں گفلاں مقام اور فلال تاسیخ پر پنجاب خلافت کمیٹی کا الحاق توڑا گیا ہے اور اس کے وجہ سے بھی لکھوں۔  
جواباً گزارش ہے کہ قرارداد حسب ذیل ہے :-

۱۔ صوبہ پنجاب کی خلافت کمیٹی نے جمعیت خلافت کے قواعد و ضوابط کی اس طرح خلاف انداز کی ہے کہ جن ہدایات کے مطابق عمل کرنا لازمی کے دفعہ (۱) اس کا فرض تھا اس کے خلاف عمل کرنے اور پڑ پائی کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور پھر کمیٹی کی رپورٹ کی موافقت میں ہدایات جمعیت خلافت کے خلاف مسلسل کامیابی کی جس کے بعض نہایت اہم حصوں کے خلاف جمعیت مرکزی نے لکھنؤ میں فیصلہ کیا تھا اور بالآخر صوبہ پنجاب کی خلافت کمیٹی کے عہدہ داروں اور نمائندوں نے ہر رپورٹ کی بے جا حمایت میں مرکزی کمیٹی کے جسے منعقدہ ۲۴ دسمبر مقام کلکتہ میں ناجائز طور پر متینہ پیدا کرنا چاہا اور جمعیت مرکزی کے عہدہ داروں اور نمائندوں کے خلاف جھوٹے بے بنیاد اور نہایت رکیک الزامات لگائے اور ان کی خدمات میں تان کر دیا۔ اور ایک بے ضابطہ جلسہ میں شریک ہو کر جلسہ کے فیصلے کو جمعیت مرکزی کا فیصلہ قرار دے کر کمیٹی رپورٹ کی حمایت میں آل پاؤنڈیشن میں شرکت کے لئے نمائندے بھیجے جس نے مجلس مرکزی نہایت نفوس کے ساتھ ان پر اس اختیار کو استعمال کرتی ہے۔ جو انہوں نے دفعہ ۳۱ دستور میں اسے دیا گیا ہے۔ اور پنجاب کی خلافت کمیٹی کو حق سے غلط کر کے ملوث عہدہ داران جمعیت خلافت ہدایت کرنی ہے کہ جلسہ سے جلسہ پنجاب کے عہدے میں خلافت کمیٹی کو راز سرور قائم کریں اور تمام صوبہ میں خلافت کمیٹی کی مقامی شاخیں قائم کریں۔

یہ تجویز ۲۴ دسمبر کو کلکتہ میں پاس ہوئی ہے جس میں پنجاب خلافت کمیٹی کا الحاق مرکزی کمیٹی سے توڑا گیا ہے اور تجویز میں ان وجوہ کا بھی غلط ذکر کر دیا گیا ہے جن کی بنا پر الحاق توڑا گیا ہے۔

قرارداد کی نص پر مبنی ناشریت علی عہدہ داران کے دستخط کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ یہ محض ایک رسمی اور دفتری چیز ہے جسے کوئی بھی سکریٹری انجام دے سکتا ہے اس قدر لکھنے کے بعد مجھے یقین ہے کہ آپ اس فضول بحث کو غور نہ دے کر قدیم خلافت کمیٹی کا سارا ریکارڈ جدید خلافت کمیٹی کے حوالے کرنے میں ذرا بھی تاخیر نہ کریں گے۔ محمد عرفان۔ ممبئی۔ دفتر جمعیت خلافت ہند



کا صدر دفتر اور پریس بمبئی میں ابتر سے قائم ہے۔ افسوس ہے کہ ہم کو اول سے خیال نہ آیا، ورنہ نہایت معمری قیمت پر اپنا مکان خریدنا جاسکتا تھا اور جو روپیہ کرایہ کی صورت میں مالکان مکان کو دیا گیا ہے وہ بچ جاتا اور دوسرے اہم کاموں میں صرف کیا جاتا۔ گزشتہ آٹھ سال میں مکانوں کے کرایہ کی مد میں قریباً اسی ہزار روپیہ دیا گیا۔ آج بھی جمعیت خلافت اپنے دفتر اور پریس وغیرہ پر تقریباً پانچ سو روپیہ ماہوار صرف کرتی ہے اور پھر بھی آرام نہیں ملتا اس وقت مکان بہت سستے بک رہے ہیں اور جناب صدر و دیگر جناب کے مشورہ کے بعد جو گزشتہ مئی کی مجلس عاملہ کے وقت ہم کو دیا گیا تھا۔ ہم مکان کی تلاش میں ہیں۔ ایک مکان تلاش کیا گیا جو عایدائیس ہزار روپیہ میں مل جائے گا۔ ایک وسیع احاطے میں تین مختلف تعلقات ہیں علاوہ شاگرد پیشہ وغیرہ کے یہ دفتر خلافت، عملہ پریس اور مدرسہ وغیرہ سب سامان آسانی سے اس میں آسکے گا اور پھر بھی اس کے کچھ خلوت بچ رہیں گے جو کرایہ پر اٹھائے جائیں گے۔ تقریباً پانچ ہزار سے دس ہزار تک اس کی مرمت اور اصلاح میں صرف ہوگا۔ عایدائیس ہزار میں آسانی سے ساڑھے تین لاکھ مہرمانے کا دار احتیاط دس ہزار تک کی منظوری طلب کی جاتی ہے۔ ہم فرار خلافت کے جو بمبئی میں ایم بی ایس میں ہیں یہ بھی طرح دیکھ لیا ہے اور ہماری تجویز ہے کہ :

”چھوٹائی منز“ سے چالیس ہزار روپیہ تک قرض لے کر دفتر خلافت اور پریس کے لئے، یہاں مکان خرید لیا جائے جو ہمیشہ کے لئے ایک مسقر بن جائے۔ چھوٹائی منز کا روپیہ بینک میں جمع ہے جس پر پانچ فی صدی منافع ملتا ہے۔ وہی منافع بلکہ اس سے تھوڑا یا زیادہ جمعیت خلافت چھوٹائی سا منز کرما ہا نہ ادا کر دیا کرے گی اور اس کے علاوہ عطیات اور ماہانہ مصارف سے بچا کر رفتہ رفتہ اس قرض کو ادا کرے گی بلکہ ایک صورت یہ بھی ممکن ہے کہ مکان خرید کر چھوٹائی سا منز کے پاس رہن کر دیا جائے۔

ہم کو قوی امید ہے کہ دفتر عملہ اور پریس سب کو جگہ دینے کے بعد اتنی مکانیت بچ جائے گی کہ انشاء اللہ اس کے کرایہ سے چھوٹائی منز کے روپیہ کا منافع ادا کر دیا جائے گا اور دفتر پریس پانچ سو روپیہ ماہوار کے بوجھ سے سبک دوش ہو جائے گا۔ بینک کا منافع چالیس ہزار روپیہ پر دو ہزار سالانہ ہوتا ہے

جو کہ کی آمدنی سے بآسانی ادا ہو جائے گا۔ خود تحریک خلافت کے لئے اس کا مستقل مکان اس کے  
 استحکام کا باعث ہوگا۔ یہ جامداد ہر وقت انشا اللہ اپنی قیمت وصول کر سکے گی۔ اور کسی طرح اس  
 میں کسی قسم کے خسارہ اور خطرہ کا اندیشہ نہیں ہے۔ ہم دستخط کرنے والوں میں جمیعت خلافت کے  
 خدام ہی نہیں بلکہ شہر بمبئی کے ذمہ دار ایسے تاجر بھی ہیں جو تحریک خلافت سے مدد دی رکھتے ہیں اور  
 اس کے ہی خواہ ہیں۔

امید ہے کہ آپ بواہسی ڈاک بہت جلد اپنی تحریری اجازت خط فرمائیے گا تاکہ یہ موقع ہاتھ  
 سے نہ نکل جائے اور جلد تر ہم پانچ ساڑھے پانچ سو روپے یا پورے کے بار سے سبک دوش ہو جائیں۔  
 گرا دل سے ایسا کرنا ممکن ہوتا تو اتنی ہزرتی رقم ضرور کی جیب میں نہ جاتی۔ اب ہم کو رکتہ تو  
 لازم کرنا ہے وہ مضبوطی اور تنوع کے ساتھ کرنا ہے جس کے لئے ایک مستقل مرکز کی ضرورت ہے۔ داسرہ  
 آپ کے یہ زمتد بھائی۔ عبدالستار نقیہ خود۔ ۲۔ عمر بھائی چند بھائی۔ ۳۔ عبدالرؤف۔  
 ۴۔ سید عبدالرؤف حاجی عبدالکیر۔ ۵۔ فشی ولی اللہ۔ ۶۔ محمد یوسف ولد محمد حسن سہوار۔ ۷۔ محمد رفیق  
 ۸۔ سید علی۔ ۹۔ حمید احمد۔ ۱۰۔ قمر احمد سکریٹری سنٹرل خدافت کمیٹی۔ ۱۱۔ سید عبداللہ بھٹی۔  
 ۱۲۔ محمد عرفان آنریری فٹ نیشنل سکریٹری۔ ۱۳۔ ایچ۔ اے۔ جلال الدین۔ ۱۴۔ شوکت علی  
 خدام کعبہ قانیری سکریٹری سنٹرل خدافت کمیٹی۔ ۱۵۔ عبد لشکر صدیقی محمد۔ ۱۶۔ شعیب قاسمی  
 آنریری سکریٹری خدافت کمیٹی۔ ۱۷۔ عبدالرحمن صدیقی یہ تمام شوکت علی بعد اجازت۔ ۱۸۔ محمد جمیل علی۔  
 محب مکرّم

السلام علیکم! ہم اس خط کے ذریعہ آپ کی ترجمہ ایک ہم مسئلہ کی طرف منصف کرنا چاہتے  
 ہیں کہ آپ مرکزی خلافت کمیٹی کے آئندہ جلسہ میں جو ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹ اگست ۱۹۲۸ء کو مکتبہ  
 میں منعقد ہونے والا ہے شرکت فرمائیں گے اور اس وقت تک ہماری تجویز پر غور کر سکیں گی کہ اسے  
 قائم کریں گے تاکہ اس جلسہ میں اس ضروری امر کا فیصلہ ہو سکے۔

آپ صاحبان کے سامنے ان گراں بہا خدمات کا ذکر کرنا جو آپ کی جمیعت خلافت نے ترکوں،

اسلام اور خلافت اسلامی کے لئے کی ہیں تحصیل حاصل ہے۔ ترکوں کی مصیبت و ابتلا کے وقت مسلمانان  
 ہند کی عظیم مثال قربانیاں ہماری ملت کی تاریخ میں ہمیشہ ایک درخشاں صفحہ رہیں گی۔ ہم مسلمانان ہند  
 ایک غریب جماعت ہیں، منتشر ہیں، پریشان ہیں لیکن باوجود اپنی تمام اندرونی مشکلات کے جب خلافت  
 اسلامی خطرے میں تھی تو ہم نے نہ اپنے مال کو مال سمجھا۔ نہ جان کو جان جانا۔ ہماری مجلس جماعت نے  
 ترک مجاہدوں کو تقریباً ۳۰ لاکھ روپیہ نقد بھیجا۔ خود ملک کے اندر مسلمانوں میں ایسی بیداری پیدا کی  
 اور ان کے منتشر اوراق کی اس طرح شیرازہ بندی کی کہ ترکی معاملات میں ۷ کروڑ مسلمانان ہند کی  
 ایک متحدہ رائے بن گئی جس کے اخلاقی وزن نے آخر ترکی صلح نامہ کی ترتیب میں غازی مصطفیٰ کمال پاشا  
 کی تلوار کے اثرات کو معتد بہ مدد پہنچائی اور اس لئے گزرے وقت میں بھی دنیا کو توحید ملت اسلامی کا  
 روح پورے بخارہ دکھلا دیا۔ جتنی رقم نقد دینا کو بھیجی گئی تقریباً اس قدر ہندوستانی مسلمانوں میں بیداری  
 و نظم پیدا کرنے کے اہم کام پر صرف کی گئی۔ جمعیت خلافت کے پاس ان اکثر مصائب کے بعد جب صرف  
 بیسویں سال کا سرمایہ باقی رہا تو اس وقت سے خلافت کے رکنوں میں ایک با اثر جماعت اس  
 خیال کی صفائی تھی کہ اس سرمایہ کو ہندوستانی مسلمانوں کی مختلف ضروریات کے لئے ایک مرکزی  
 سرمایہ کی شکل دی جائے۔ جسکی پھر بھی ہم نے اپنی ضرورتوں کو پس پشت ڈالا اور جب بلال احمد کا وفد  
 ہندوستان آیا تو اس کے لئے ملک میں باوجود ہر مردگی کی فضا کے کافی سرمایہ جمع کر دیا۔ اگرچہ اس  
 وقت کہ ”تجدیدی“ باضابطہ قانونی طور پر جمعیت خلافت کے نام منتقل نہ ہو سکی تھی۔ تاہم اس وفد کی  
 خدمت میں ہم نے یہ ”مل“ بھی ترکوں کی مدد کے لئے پیش کر دیا۔ اس وفد کے اراکین نے تقریباً  
 ۱۰ لاکھ کا سامان فروخت کیا اور خود ”مل“ کو بھی فروخت کرنے کی کوشش کی۔ گورنمنٹ آف انڈیا  
 کے ہاتھ بیچنے کی کوشش کی گئی۔ صوبہ بمبئی کی حکومت اور محکمہ جنگلات کے ہاتھ فروخت کرنے کی کوشش  
 کی گئی۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ وفد کے جانے کے بعد جب اس ”مل“ کا حق ملکیت باضابطہ جمعیت خلافت  
 کے نام منتقل ہو گیا تو اس جمعیت نے بھی ہر طرح اس کو بیچنے کی کوشش کی۔ لیکن خریداری کی کوئی معقول  
 اور قابل قبول تجویز پیش نہ ہوئی۔ لہذا چار جمعیت خلافت اس کا دھانا نہ کر چلائی رہی اور عرصہ تک



نقصان پر چلائی رہی اور کہیں اب جا کر ہزار وقت اس کی آمدنی و خرچ میں توازن پیدا ہو سکتا ہے۔  
 ہماری رائے میں اب وقت آگیا ہے کہ ہم سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کریں کہ اس کارخانہ کے متعلق کیا  
 کیا جائے۔ خدا کا رکھ لاکھ شکر ہے کہ ترک اپنی مصیبت و ابتلا کے زمانے سے نکل چکے۔ اب ان کی  
 ضروریات کی کفالت کے لئے ایک آزاد و مضبوط قومی حکومت کے تمام وسائل موجود ہیں۔ دوسری  
 طرف ہم مسلمانان ہند کی موجودہ حالت نہایت تشویشناک ہے۔ جمعیت خلافت نے مسلمانوں کی جو شیرازہ  
 بندی کی تھی اس میں پھر انتشار پیدا ہو گیا ہے۔ قومی تحریکوں میں ٹپ مردگی آئی ہے۔ ہمارے مفید سے  
 مفید کام سرمایہ کی کمی کی وجہ سے رکے ہوئے ہیں۔ اور اگر چل رہے ہیں تو نہایت دقت و پریشانی  
 کی حالت میں۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے ہماری تجویز ہے کہ بجائے اس کے کہ چھوٹی ملیں کو فروخت کر کے  
 ترکوں کو بیچ دیا جائے یا ترک آکر اسے چلائیں، درجہ دونوں صورتیں تقریباً ناممکن ہیں۔ ہمیں  
 اس کارخانہ کو مسلمان ہند کی قومی ضروریات اور ملی کاموں کے لئے بھروسہ محفوظ سرمایہ کے  
 رکھنا چاہیے، کہ اس ضرورت کے وقت قومی تحریکوں اور ملی اداروں کو اس سے قرضہ دے کر  
 ان کی دشواریوں کو دفع کیا جاسکے اور ان کے وجود کو مستحکم بنایا جائے۔ ضرورت رفع ہونے پر یہ  
 رقم قرضہ پھر واپس لے کر اسی سرمایہ محفوظ میں شامل کر دی جائے تاکہ آئندہ اس قسم کے کاموں  
 میں ان سے مدد پہنچائی جاسکے۔

اپنے منہج کو واضح کرنا کے لئے ہم دو مثالیں آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ مرکزی  
 جمعیت خلافت کی موجودہ مالی مشکلات سے آپ ناواقف نہیں ہیں، جمعیت کا دفتر آغا دار سے اب تک  
 کرایہ کے مکان میں ہے اور محض کرایہ مکان میں ۸۰ ہزار روپیہ ادا کیا جا چکا ہے۔ کیا یہ قریب مصلحت  
 نہیں کہ چھوٹی ملیں کے سرمایہ سے کوئی رقم قرضہ لے کر جمعیت کے دفتر کے لئے ایک وسط درجہ کا مکان  
 بیسی میں خرید لیا جائے۔ جس سے اس وقت جمعیت خلافت کی مالی مشکلات میں بھی موقوف کی ہو جائے گی  
 اور جمعیت کے پاس اپنی جائیداد بھی رہے گی۔ جمعیت کے کارکن فضا کے بہتر ہونے کے ساتھ ہی اس

رقم کو پھر سرمایہ محفوظ میں واپس کر دیں گے۔

یا پھر مسلمانان ہند کی دامادانا تعلیم گاہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کو لیجے جو ہماری گزشتہ  
تک دو دو کا نہایت اہم تعمیری نتیجہ ہے۔ خوش قسمتی سے اس وقت اس درس گاہ کو نہایت اچھے اور مخلص  
اساتذہ مل گئے ہیں۔ کام کرنے والوں کی یہاں کمی نہیں۔ لیکن مالی مشکلات کی وجہ سے اندیشہ  
ہے کہ ان لوگوں کی تمام کوششیں اور ایثار و قربانی کہیں بے کار نہ جائے کیا ہماری قومی دودار ہندو  
کا یہ تقاضا نہ ہونا چاہئے کہ اس محفوظ سرمایہ سے ہم جامعہ ملیہ کو ایک معقول رقم قرض دے کر ان کی  
مشکلات کو کم سے کم عارضی طور پر رفع کر دیں تاکہ جب جامعہ کے کارکنوں کو اطمینان نہیب ہو تو وہ  
اپنے لئے جلد کچھ سرمایہ فراہم کر سکیں اور اس قرض کو واپس کر دیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنے مفہیم کو گاہ فی طور پر واضح کر دیا ہے آپ سے درخواست ہے  
کہ آپ اس سہ مند مذکورہ صدر پر مرکزی خلافت کمیٹی کے آئندہ جلسہ تک غور فرمالیں گے اور اس جلسہ میں  
آئندہ ہندوؤں کے متعلق یہ فیصلہ کرنے میں مدد دیں گے کہ ”چھوٹائی“ کو بجائے ترکوں کو دینے  
کے مرکزی خلافت کمیٹی اسے اپنے قبضے میں رکھے اور اس سے مسلمانان ہند کے قومی کاموں کے لئے  
بظور سرمایہ محفوظ کے کام لے۔ والسلام

نیاز مند۔ ممتاز احمد انصاری۔ محمد شفیع داندوی

از شملہ۔ مورخہ ۱۵ جولائی ۱۹۳۶ء

مکرمی و معظمی مولانا صاحب دام عطفکم

السلام علیکم۔ میں چند روز کے لئے یہاں رہا ہوا ہوں۔ ہفتہ کو لاہور واپس جاؤں گا۔ میں  
نے لاہور میں یہ خبر پڑھی تھی کہ جماعت احمدیہ نے فیصلہ کیا ہے کہ اسمبلی کے الیکشن میں اپنے امیدوار  
پیش کرے۔ میرا ارادہ تھا کہ جس وقت آپ کی طرف سے یہ اعلان ہوگا کہ مختلف امیدوار صاحبان  
آپ کو درخواستیں دیں تو میں اپنا نام بھی پیش کر دوں گا۔ لیکن آج شملہ میں ایک دوست سے معلوم  
ہوا کہ شاید آپ یہ اعلان نہ کریں اس واسطے میں نے ضروری سمجھا ہے کہ آپ کو اپنے ارادے

سے متعلق کر دوں۔ میں نے محض طور پر یہ فیصلہ تو کر لیا ہے کہ شخصی ٹکٹ پر کھڑا نہیں ہوں گا۔ ہاں اگر آپ جیسی جماعت مجھے نامزد کرے تو اس صورت میں میں ملک اور قوم کی خدمت کرنے کے لئے تیار ہوں اور اسمبلی کے الیکشن میں حصہ لوں گا۔ مجھے اپنے متعلق کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ میری سیاسی خدمات آپ کو معلوم ہیں۔ میرا نام ادیبہ نگاہ اور آپ کی جماعت کا سیاسی اعتقاد ہم سے ملے ہوئے ہیں اور میں پورے ضمیر کے ساتھ آپ کی جماعت کا انجمن عمل اور سیاسی اعتقاد قبول کر سکتا ہوں۔ اس لئے آپ کے ٹکٹ پر الیکشن میں حصہ لے سکتا ہوں۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ملک و قوم کی کچھ خدمت ممبر اسمبلی بن کر کر سکتا ہوں تو میں اس صورت میں آپ کی جماعت کی امداد کو اپنے لئے یا جماعت عزت سمجھوں گا۔ اور آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ مجھے نامزد فرمائیں۔ لیکن اگر آپ اس عرض کے مجھے اہل نہ سمجھیں تو پھر قصہ ہی ختم ہو جائے گا اور میں اس سیکشن میں حصہ نہ لوں گا۔ اس کا جواب اگر ضروری سمجھیں تو لاہور کے پتے پر ارسال فرمائیں فقط

حاکم۔ ملک برکت علی، لاہوری سابق ایڈیٹر آئین روزہ انگریزی، زندان امرہ، حکومت ہند کا پرتاب، منسوب

کان پور روڈ۔ لاہور

مقدم و مکرم بندہ حضرت مولانا صاحب

السلام علیکم۔ میں بفضلہ ۲۰ مارچ کو کان پور اور ۲۶ کو لاہور آیا ہوں پچھلے گیارہ دنوں میں

رات کو سٹیشن پر ریگیا۔ جہاں سے یکم جنوری کو واپسی ہوئی۔ پھر یہاں کام ہی میں مصروف رہنا پڑا

حافظ خلیل کا خطا و وسوسہ کے لئے آیا ہے۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ بچہ کی ولادت کے سلسلے میں ضرورت

ہوگی۔ سینا ستر روپیہ کا چیک ہر شہتہ ارسال ہے جو مولوی عزیز الرحمن صاحب کے نام کا ہے۔

وہ اس کو وصول کر کے روپیہ حافظ خلیل کو اور روپیہ مولوی وحید الزماں صاحب کو دیں گے۔

یہ گائے کی آباد کاری کی کتابت کے سلسلے میں ہے۔ رسالہ آباد کاری گائے کی ۱۰۰ یا اس سے کچھ زیادہ

جلدیں جو ۵ سیر کے پائل میں آسکیں بذریعہ ریلوے پارسل میرے پتے پر روانہ کر دیئے جائیں گے۔

معلوم تھا کہ پارلیمنٹ کا اجلاس ۱۰ فروری سے ہے۔ لیکن ابھی تک کوئی پروگرام نہیں بنا سکا ہوں



امید ہے کہ آپ بخیریت رہیں گے۔

کہنیا صاحب کے رہوے پاس کے متعلق جو خط دیوے ہوڈ کو لکھا تھا۔ اس کا جواب آگیا ہے۔ وہ بھی ہر شے ارسال ہے۔ سید مجتبیٰ صاحب کی خدمت میں سلام مسنون۔ والسلام  
خاکسار۔ محمد احمد کاظمی

۱۱ جنوری ۱۹۴۵ء

مخدوم مکرم حضرت مولانا

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ یوپی کے اہم معاملات کی وجہ سے لکھنؤ گیا ہوا تھا۔ تاگمہ پر وہ نہ ہو رہا تھا تو مولوی اصحٰ الحسن کا تار ملا جس میں ۱۲ جنوری کو لدھیانہ پہنچنے کا حکم تھا۔ مگر میری اہلیہ سخت علیل ہیں تنفس کا سخت دورہ ہو رہا ہے۔ میں اگر کوہلی واپس آیا۔ کل ڈاکٹر کا معائنہ ہے پرسوں نسخہ بخیر گزارا ۱۳ کو مرحہ کے دورے کے لئے روانہ ہو جاؤں گا۔ اس لئے ۱۴ کو عاضری سے معذور ہوں۔ سخت شرمندہ ہوں مگر کیا کروں، وقتی پریشانی نے مجبور کر دیا۔ اگر فریڈیسل سے روانہ ہو تو تاروں کا اور اگر بھٹنڈہ سے روانہ ہوا تو واپسی سے اطلاع دوں گا۔ مجھے سخت افسوس ہے جناب محترم نے میری گزارش کا قطعاً کوئی جواب نہ دیا۔ اس لئے اس کو اقلنا سمجھا۔ حالاں کہ میں نے محمود علی خاں صاحب کو دیو بند بلا کر کہا تھا کہ آپ کو اس فرض سے تکلیف دیں اور خود میں نے بھی تحریر کیا تھا۔ مگر اب اس کا وقت گزر چکا۔

آپ کا مخلص۔ محمد حفظ الرحمن

دفتر جمعیتہ علماء ہند گلی قاسم جان۔ دہلی

معظم و محترم ذیلہ مجددکم

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ موصول ہوا۔ مولانا حفظ الرحمن صاحب آہی میرٹھ تشریف لے گئے ہیں۔ آپ کا خط ان کو دکھلا دیا تھا ان کی ہدایت کے مطابق یہ عریضہ لکھ رہا ہوں۔ گزارش ہے کہ ایشیائی کانفرنس ۲۲-۲۳ مارچ کو ہوگی۔ یعنی اس کے کھلے اجداد

۲۴/۲۵ مارچ کو ہوں گے۔ اس کے قیمتی ٹکٹ دس دس روپے تک ہیں۔ مشاہیر کے لئے پاس بھی ہیں۔ اگر آپ تشریف لائیں گے تو میں آپ کے لئے پاس حاصل کرنے کی سعی کروں گا اور امید ہے کہ آپ کے لئے پاس مل جائے گا۔ والسلام  
محمد میاں (دفتر جمعۃ العلماء ہند)  
آل انڈیا جمعۃ علماء ہند

مخدوم دکریم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مزاج گرامی گرامی نامہ موصول ہو کر باعث عزت ہوا۔ میں نے بھی دھی احمد صاحب اور حکیم آفتاب احمد صاحب کو خط لکھا ہے (لہذا) اس سے اپیل کی ہے کہ دہلی کے خزانے کے بعد کنوئیں آپ کے زیر اہتمام عوبانی اجتماع کر لیا جائے گا۔ مگر مرکزی اجتماع دہلی میں ہی ہو جانے دیجئے کل مولانا آزاد صاحب سے بھی باتیں ہوئیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ کانفرنس سے قبل لائحہ عمل طے کرنا ضروری ہے۔ اس کے لئے ۲۳ اگست کو تعلیمی کمیٹی کا جو جلسہ دہلی میں مولانا کے مکان پر ہوا گا اسی دھان میں اس کے متعلق بھی ایک نشست ہو جائے گی۔ بہتر یہ کہ آپ ہی ۲۳ اگست کو یہاں تشریف لے آئیں۔ تاسری مزاج سے اللہ تعالیٰ جلد شفا عطا فرمائے۔

آپ کا مخلص محمد حفظ الرحمن۔ ۵ در رمضان المبارک

از دہلی۔ ۵ نومبر ۱۹۳۵ء

مخدوم دکریم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مزاج گرامی بارہ روز کے بعد دہلی سے واپس آیا ہوں اور کل عید کا دن چھوٹ کر پھر چارہا ہوں۔ ۵ نومبر تک یہی سلسلہ رہے گا۔ معاملات پر تو پھر گفتگو ہوتی رہے گی۔ اس وقت آپ کی آمد کی یہاں اشد ضرورت ہے مولانا بشیر احمد صاحب کسی نہ کسی دلت یہاں موجود ہی رہیں گے۔ چند دن جو مرکزی اسمبلی کے سلسلے میں باقی ہیں اس میں ان کی امداد مل جاتی تو اچھا مرنہ مالی مصارت کے متعلق مولانا بشیر احمد صاحب سے گفتگو ہو جاتی۔ اور کوئی بات نہیں جو باعث تصدیق ہو۔ والسلام۔  
آپ کا مخلص محمد حفظ الرحمن

### مکرم و محترم مولانا - زہبت معالیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ - مزاج گرامی - گرامی نامہ موصول ہو کر باعث مسرت ہوا۔ کانفرنس کے متعلق آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے میری ناقص رائے میں ایسی عجبت نہ چاہئے۔ اس لئے کہ ادلی تو ابھی لیگ کانگریس مفاہمت کا نتیجہ سامنے نہیں آیا ساج کے دن تک نازک مرحلہ پر ہے اور ہر وقت ٹوٹ جلتے کا اندیشہ ہے۔ ورم کانفرنس کے انعقاد کے اعلان سے قبل پہلے جمعیتہ علماء ارادہ مجلس احرار کے ذریعہ حضرات کو مشورہ کر کے یہ طے کرنا چاہئے کہ اس کانفرنس کی غرض و غایت کیا ہوگی کیا اس سے قبل کسی نقطہ نظر پر پہنچنے کی اشد ضرورت ہے یا بغیر کسی نقطہ نظر متعین کئے مدعوین کانفرنس پر مہوڑ دینا ہے کہ وہ جو کچھ طے کریں گے وہی دونوں جماعتوں کے لئے فیصلہ کن ہے۔ ان دونوں امور میں سے کس امر کے پیش نظر کانفرنس کرنا ہے۔ اس کا طے ہونا از حد ضروری ہے تاکہ کانفرنس کسی نتیجہ پر پہنچ سکے۔ اس لئے ابھی لیگ کانگریس سمجھوتے کے نتیجے کا انتظار کر لیجئے اور پھر باہم مشورہ کر کے کانفرنس کی طرح ڈالئے میرا خیال ہے کہ ملتان کی دایمہ پر ۲۵ اکتوبر سے دیوبند میں دارالعلوم کی مجلس شریعہ کی ہے۔ اس درمیان میں لیگ کانگریس کی مفاہمت کا جو نتیجہ نکلے اس کے پیش نظر ۲۳ یا ۲۴ کو چند گھنٹوں کے لئے آپ تشریف لے آئیں۔ غالباً شیخ حسام الدین صاحب بھی ان تاریخوں میں سہارن پور موجود ہوں اور حضرت مولانا سعید صاحب اور حضرت مفتی صاحب بھی ہوں تو باہم مشورہ ہو سکے گا۔ اگر اس مشورہ کے لئے وہاں وقت نکل سکا اور آپ نے اس عرض کو قبول فرما لینے کی مجھے جلد اطلاع دے دی تو پھر میں ۲۱ یا ۲۲ کو ارجنٹ ٹاور دے کر آپ کی دیوبند تشریف آوری کے سبب جرات کروں گا۔ ملتان کے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ جمعیتہ کانفرنس کے ارکان مقامی مجلس احرار کا تعاون ضرور جلتے ہیں۔ ٹھیک وہی اشکال پیش آ رہا ہے جو ابتداءً لاہور میں پیش آیا تھا کہ اگر تعاون حاصل کیا جائے تو تعاون دینے کی بجائے اس کی کوشش ہے کہ اس کانفرنس کا یہ سپہر نمایاں نہ رہے کہ یہ جمعیتہ علماء کی کانفرنس ہے اور سمجھا جائے کہ یہ سب کچھ ہمارا صدقہ ہے۔ اور اگر



نہ حاصل کیا جائے تو تفرقہ کا الزام جمعیت کا خرفی اور ارکان پر لگا کر ناخوش گوار حالات کا انتظار کیا جائے۔

مگر میں نے اپنی افکار و طبیعت کے مطابق جمعیت کے ارکان کو سختی کے ساتھ ہدایت کر دی ہے کہ اب ہم اس مرحلہ پر نہیں ہیں کہ اس قسم کی تیسرے درجہ کی باتیں سوچیں در کریں۔ آپ بڑے محنت مقامی احرار کا تعاون حاصل کیجئے اور حتیٰ امکان میں زندگی میں دو جماعتیں نہ سمجھ کر باہمی یک جہتی کو ہم میں لائیے۔ مگر ان سے آج دوسرا خط آیا ہے جس میں وقت پر پہنچنے کی تاکید کی ہے لیکن اس کے اندر سازگار حالات کا ذکر تک نہیں ہے تاہم میں نے آپ کے گرامی نام کی مدد شکنی میں ان کو صحیح کوالت سے مطلع کرنے کی تاکید رکھ دی ہے اور خطا و تمار در وئی پر اظہار طلب کی ہے۔ امید کہ مزاج گرامی مدد سخت ہوگا۔

آپ کا مخلص محمد حفیظ الرحمن

از دہلی۔ ۳۱ رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ

### مقدم و محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! مزاج گرامی۔ گرامی نامہ موصول ہو کر بے انتہا مسرت ہو۔ شب تو ہر دن کے اخبار پڑھ کر حیران ہوں کہ آخر ہماری جدوجہد کا آغاز کب ہوگا اور کب یہ طے ہوگا کہ کون کون سی جماعتیں باہم نزدیک ہو کر اس جدوجہد میں متحدہ محاذ بنانے کو تیار ہیں۔ اور مانی اور اخلاقی اور کے لئے ہر جماعت اپنے حلقہ اثر میں کب اپیل کر کے یہ اپنے ارادوں کا ثبوت دے گی۔ ہندو میٹلسٹ کیا کر رہے ہیں۔ اس کے متعلق نوزبانی عرض کروں گا کہ ان سے نقصان پہنچ رہا ہے یا نہیں یا وہ لیگ کے موجودہ ہنگاموں سے متاثر ہو کر مجبوراً اس قسم کی صورتیں اختیار کرتے ہیں جو بالواسطہ قوم پرست مسلمانوں کیلئے مضر ہو جاتی ہیں۔ اس وقت تو سب سے زیادہ اہم باہم مشورت کے بعد پوری جدوجہد کا ہے اور اس بات کو آپ آسان فرما رہے ہیں۔ مجھے تو یہی سبب سے زیادہ مشکل نظر آتا ہے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ علامات اور کمزوری کے باوجود رمضان المبارک میں ہر ایک مذہب کے لئے خدمت میں حاضر ہوں۔ اگر ہمت ہوئی تو پیر کو یا منگل کو حاضر ہوں گا یعنی

۸ ایوانہ کو در نہ پھر ۲۵/۲ رمضان کو اس وقت تفصیلی گزارشات پیش کر دیں گے۔ صاحبزادی کی  
 حالات کے متعلق عرض ہے اللہ تعالیٰ ان کو صحت کامل عطا فرمائے۔ تمام رفقا و سلام کہتے ہیں اور  
 مزاج پرستی کرتے ہیں۔ آپ کا مخلص محمد حفظ الرحمن  
 از دہلی۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۳۵ء

### مخدوم محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مزاج گرامی۔ اس سے قبل ایک عریضہ ارسال خدمت کر چکا  
 ہوں موصول ہوا ہوگا۔ وقت کی قلت اور کام کی اہمیت کے پیش نظر مجلس عاملہ اور مجلس مرکزیہ کے اجلاس  
 بالترتیب ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹ ستمبر ہونے قرار پائے ہیں۔ میرے کوشش کی کہ رمضان سے قبل حاضر  
 ہوں لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ دوسرا اور کمزوری سفر سے مانع رہا۔ خدا را اب عید کے فوراً بعد  
 آپ تکلیف گوارا فرما کر مجلس احرار کے ذمہ دار حضرات سے اس بارے میں خطی گفتگو کر لیجئے کہ وہ جمعہ  
 علماء ہند کی اس دعوت پر شرکت فرما کر اشتراک عمل کے لئے تیار ہیں یا نہیں۔ وقت بہت کم ہے اس  
 لئے لاہور میں اگر مجلس احرار کی مجلس عاملہ کا اجلاس ۱۵ یا ۱۶ میں ہونا ہے تو ۱۶ کو شب میں روانہ  
 ہو کر ارک صبح تک وہ حضرات یہاں پہنچ سکتے ہیں جو اس غرض سے منتخب کر لئے گئے ہوں لیکن  
 آپ کا اس اجلاس میں شروع سے ہی شریک رہنا ضروری ہے۔ مجلس عاملہ اور مرکزیہ دونوں  
 میں شرکت فرما کر اپنے قیمتی مشورہ سے مستفید فرمائیں۔

آپ کا مخلص محمد حفظ الرحمن

از دہلی۔ ۳ اکتوبر ۱۹۳۶ء

### مکرم و معظم حضرت مولانا! زیدت مبارک

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! مزاج گرامی۔ گرامی نامہ موصول ہوا تھا۔ پیہم اسفار کی وجہ سے  
 جلد جواب نہ دے سکا۔ ادھر شیخ حسام الدین صاحب سے ملاقات ہو گئی تھی۔ ان سے زبانی گفتگو  
 ہوئی اس لئے جلد عریضہ ارسال نہ کر سکا۔ معلوم ہوا کہ کانفرنس سے مراد آپ کی یہ ہے کہ جمعہ علماء

اور مجلس احمد کے چند ذمہ دار حضرات کو مدعو کر کے مشورہ کیا جائے تو اس کے لئے جمعیت علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے ساتھ ساتھ قبل یا بعد دہلی میں ہی دعوت دی جاسکتی ہے اگر حضرت محترم اس کو پسند فرمائیں۔ ورنہ جو رائے عالی ہو اس سے مطلع فرمائیں کہ اس سلسلہ میں قدم اٹھایا جائے۔

آپ کا مخلص محمد حفظ الرحمن

از دہلی۔ ۳ ستمبر ۱۹۳۵ء رمضان ۱۳۵۴ھ

جناب محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کو معلوم ہے کہ ملک میں انتخابی مہم نے نازک صورت حال اختیار کر لی ہے۔ قوم پرور جماعتوں کے لئے یہ دور بہت زیادہ پر آشوب ہے۔ اس لئے جمعیت علماء ہند حالات کا جائزہ لیتے ہوئے مدد دینی سمجھتی ہے کہ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۵ء کو جمعیت علماء ہند کی مجلس عاملہ (ورکنگ کمیٹی) کے جلسہ میں قوم پرور حضرات اور قوم پرور جماعتوں کے چند نمائندگان کو بھی دعوت دی جائے۔ تاکہ یہ طے ہو سکے کہ کیا اس انتخابی مہم کو تمام قوم پرور متحد ہو کر سر کرنا چاہتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ ظاہر ہے کہ موجودہ صورت حال میں جدا جدا طاقت آزمائی قطعاً بے کار اور بے سود ثابت ہوگی۔ اس لئے جناب سے پتہ اندازہ شفاست ہے کہ اس موقع پر ضرورت شرکت فرما کر ممنون فرمائیں اور اپنے بیش قیمت مشورہ سے مستفید ہونے کا موقع بخشیں۔ اجلاس کی کارروائی دفتر جمعیت علماء ہند (گل قاسم خان) میں ۱۶ ستمبر کو ۹ بجے شروع ہوگی۔ جواب سے جلد مطلع فرمائیں۔ والسلام

حسین احمد غفرلہ صدر جمعیت علماء ہند۔ محمد حفظ الرحمن ناظم اعلیٰ جمعیت علماء ہند

۳۰ مئی ۱۹۳۵ء عروج

عزیزی مولوی عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مولانا حبیب الرحمن صاحب کا ایک مکتوب مجھے ایک ہفتہ ہوا موصول ہوا تھا جس کا جواب دینے لکھ دیا ہے۔ کچھ ضرورت کی اشیاء مائٹوں کے طلب کی ہیں اور یہ فرمایا ہے کہ تم ڈی آئی جی سے ملاقات کی اجازت حاصل کرو اور انھیں یقین دلاؤ کہ سیاسی گفتگو نہیں ہوگی اس لئے اگر مجھے



اجازت مل گئی تو خود اپنے ہمراہ اسٹیا مطلوبہ لے جاؤں گا۔ درنہ کوئی دوسری صورت اختیار کر دیں گا۔ ٹی اکٹر کو پی چند صاحب نظر بندی سے رہا ہو گئے ہیں ماں کی رہائی نے مولانا عبدالرؤف کی رہائی کے امکانات پیدا کر دیئے ہیں میں کوشش کر رہا ہوں۔ مگر خدا بھلا کرے دفتر احرار کی کراخوں نے نئی مجلس عالمہ کے اراکین کا اعلان کرتے ہوئے جہاں اور فرضی نام لکھ دیئے ہیں وہاں مولانا موصوف کا نام بھی لکھ دیا ہے اس سے میری کوشش کو سخت دھکا لگے گا۔ آپ ہر بانی کر کے اخبارات میں اشاعت کئے ایک بیان مجھے لکھ کر بھیج دیں تاکہ اس کی اشاعت اخبارات میں کر دیں مگر جس قدر جلد ممکن ہو تاخیر مناسب نہیں جس میں آپ یہ ذکر کریں کہ میں نے قبلہ والد صاحب سے جیل میں کئی دفعہ ملاقات کی۔ انھوں نے غیر مبہم طور پر مجھ سے ارشاد فرمایا کہ مولانا داؤد غزنوی صاحب کا کانگریس میں شمولیت کے متعلق بیان ہماری آپس کی یا ہی گفتگو کا نتیجہ ہے اور ہم دونوں کافی غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہم اپنی تمام سیاسی سربراہی صرف کانگریس کے ساتھ وابستہ رکھیں۔ اس لئے ہم پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ دفتر احرار نے نئی مجلس عالمہ کے اراکین کی فہرست میں قبلہ والد صاحب کا اسم گرامی ان کی اجازت اور منشا کے بغیر نہ کیا ہے جو شرعاً اور اخلاقاً نہایت ناپسندیدہ چیز ہے۔ غرض اس قسم کے مناسب الفاظ لکھ کر اور آخر میں یہ بھی اظہار کر دیں کہ گجرات جیل میں بھی کئی ایک احرار ڈکٹیٹر نے مجھ سے ایسی خیالات اور عزائم کا اظہار کیا۔

فقط والسلام  
فقیر محمد داؤد غزنوی۔ لاہور

محترم بھائی۔ السلام علیکم

امید ہے کہ ہمارے خط آپ کو مل گئے ہوں گے۔ بلکہ درجن محمد طیب سخت بیمار ہے۔ سہ ماہی کو اسے ۱۰ درجہ کا بخار تھا۔ ہمارے پاس کوئی دوا لانے والا بھی نہیں ہے۔ روزانہ بخار جو جاتا ہے والدہ کی حالت بدستور ویسی ہی ہے۔ اس لئے آپ جلد آنے کی کوشش کریں۔ مجلس احرار سے اختلافات اس تاریخ سے شروع ہوئے۔ والسلام

بلقیس قاطمہ۔ لدھیانہ (در دفتر مولانا حبیب الرحمن لدھیانہ)

## مولانا المکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امرت سر کے احباب کے فیصلے اور چودھری افضل حق صاحب  
اور مولوی منظر علی صاحب کی تائید تو شیخ کے بعد یہ اطلاقاً عرض کر رہا ہوں کہ یہ عا ہذا  
آپ روزوں دار دھا جا کر مولانا ابوالکلام صاحب اور پنڈت جواہر لال نہرو صاحب سے ملاقات کریں  
اور جو وہ حالات کے متعلق جو پنجاب میں ہمیں پیش آ رہے ہیں اس کے تمام پہلوؤں پر بیان سے گفتگو  
کریں اور بھی بہت سی باتیں جو بغرض اختصار تحریر میں نہیں لائی جا سکتیں اس لئے یہ عاجز ہفتہ کی  
شام کو لاہور سے براستہ امرت سر ولدھیانہ عازم دہلی ہو جائے گا۔ آپ اگر لدھیانہ میں تشریف  
فرما ہیں تو لدھیانہ سے نہیں تو دہلی اسٹیشن پر ملیں۔ آپ کے کرایہ کا انتظام کر لیا گیا ہے مگر آپ کے  
تذدیک بہ سفر غیر مفید یا نامناسب ہو تو بذریعہ تار بجھے لاہور میں اطلاع دیں تاکہ میں رک جوں میں  
۵ بجے شام ہفتہ کو لاہور میں رہوں گا۔ اس کے بعد بجز دہلی، امرت سر چلا جاؤں گا۔ ایک اور عا  
بھی میرے ہمراہ شامل ہو جائیں گے۔ والسلام

فقیر بارگاہ محمدی۔ محمد داؤد غزنوی۔ لاہور

۲۳ اگست ۱۹۳۵ء باسمہ عزوجل

مولانا المحترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

وکی خط موصول ہوا۔ زبانی بھی حالات معلوم ہوئے۔ میں اپنی صحت کی خرابی کی وجہ سے  
صدارت کی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں اور اس تاخیر سے نہ جانے مجھے بالکل ادھوا  
کر دیا ہے۔ پھر یہاں کی مسجد کی جماعت کی ذمہ داریاں بھی مجھ پر ہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر صدارت کے  
فرائض سرانجام دینے سے بالکل قاصر ہوں اسی حالت میں مولوی خلیل الرحمن اور مولوی عزیز الرحمن کا  
استعفا مجلس احوار سے مناسب ہو گا یا نہیں، یعنی ایسی صورت میں وہ کانگریس میں کام کرنے کو  
تیار ہوں گے کہ نہیں آپ سوچ لیں۔ اس لئے میں نے عبدالرحمن سے کہہ دیا کہ ان کا استعفا ابھی

دفتر میں متدد۔ معلوم نہیں آپ اسے پسند کریں یا نہیں۔ مولانا منظر علی صاحب کا معلوم ہمیں آج کل مزاج کیسا ہے۔ اگر آپ ان سے بات کرتے تو زیادہ مناسب تھا۔ مجھ سے تو وہ بہت ہی پرغاش رکھتے ہیں۔ میری لڑکی کی وفات پر تعزیت کے لئے آئے نہ میری رہائی پر آئے۔ جب ان کے احساسات ایسے ہوں تو میرا منا مناسب نہیں۔ آپ ہی ان سے ملاقات کر کے کچھ فیصلہ کر سکتے ہیں۔ پنڈت جی کوئی کر آپ کا خط سنا دوں گا۔ آپ کا خط بہت صحیح اور حقیقت پر مبنی ہے۔ لیکن بعض فقرے بہت تیز ہیں۔ یہ اسی صورت میں لکھے جانے چاہئیں جب تعلقات ختم کرنے ہوں۔ اس لئے میں نے اس میں صرف دو فقرے قلم زد کر دیئے ہیں۔ ایک بازاری عورت کی طرح استعمال کرنے کا فقرہ۔ دوسرا فقرہ پرہیز میں دیئے جانے کا۔ بانی جوں کا توں رہنے دیا ہے اور پنڈت جی کو سنا دوں گا۔ اگر انھوں نے جواب دیا تو دوستی بھجوا دوں گا۔

سندھ دار کر کے اسے حد معینہ ہو گا۔ انشاء اللہ جو مقصد مخالف کرنا چاہتے تھے وہ الٹ ثابت ہو گیا۔ دلائل یحییٰ الملک السجی الا باہلہم آپ نے یہ لکھا ہے کہ اس بارے میں کوئی کوشش ہوئی چاہئے کہ فیصلہ ہمارے حق میں ہو۔ آیا عدالتی فیصلہ ہو یا نجی اس سے جلد مطلع فرمائیں انشاء اللہ جو خدمت سرانجام دے سکتا ہوں اس میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ والسلام  
دلند غزلوی۔ لاہور

۲۷ اگست ۱۹۴۱ء

باسمہ عزوجل

اچی الملکم رحمۃ اللہ علیہ مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ ورضی عنہ دارضاء السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بعض اخبارات میں یہ معلوم کر کے بہت افسوس ہوا کہ آپ پر قلع کا حملہ ہوا اور اس کی وجہ سے آپ بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ مہربانی فرما کر اپنی صحت سے بہت جلد مطلع فرمائیں نہایت شکر گزار ہوں گا۔ میرے معدے کی تکلیف بہت بڑھ گئی ہے۔ گزشتہ دو ماہ سے بڑی تکلیف میں ہوں۔ تبخیر معدہ کی وجہ سے دل کی حرکت پر برا اثر پڑتا ہے۔ خون کا دباؤ دماغ کی طرف ہو جاتا ہے اس سے ناقابل بیان تکلیف ہوتی ہے۔ سوہمضم ایسا ہو گیا ہے کہ مرغ یا ثقیل غذا کھانے



سے (سہ ماہی شروع ہو جاتا ہے۔ اسی پریشانی میں اس سال باہر کہیں نہیں جاسکا۔ اس خیال سے کہ شاید باہر علاج ہو سکے۔ آپ کو بھی خط نہیں لکھ سکا۔ نہایت نا دم ہوں۔ مگر معذرت ہوں۔ واللہ عند کرام الناس معتدل۔ آپ کی صحت کے لئے گنہگار۔ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہوں اور سب دوستوں سے دعا کی درخواست کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم عاصیوں کی دعا قبول فرمائے۔

ڈاکٹر گنی چند صاحب سے میں نے آپ کے متعلق گفتگو کی۔ آپ کی تکالیف کے سلسلے میں کچھ کوشش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے۔ آپ کے لئے بستر کی چادر میں اور ٹیڑی چادر انتہا اللہ کسی آنے والے کے ہاتھ بھیج دوں گا۔ آپ سے ملاقات کی اجازت نہیں ملی۔ مہربانی فرما کر اپنی صحت سے بہت جلد مطلع فرمائیں والسلام

فقیر محمد داؤد غزنوی۔ لاہور

اور دو غلام لوکیل بہت کثرت سے پڑھتے۔ اگر دس ہزار مرتبہ پڑھ سکیں تو بہتر حد تک ایک ہزار مرتبہ ضرور پڑھیں۔ درود شریف ۱۱۰ مرتبہ۔ اگر دھڑوٹ بجائے تو پھر درود کر لیں۔

دریاء۔ جناب عالی

کل بتاریخ ۲۲ اگست ۱۹۳۷ء شہر کے لوگوں کا ایک ضروری اجتماع میری عمارت میں دو منزل مسجد میں منعقد ہوا۔ مختصر اظہار کے باوجود شہر کے چار پانچ سو اصحاب شریک تھے۔ سنگ میں فیصلہ ہوا کہ شہر دھنچ میں گڑ بڑ اور فساد سے جو کچھ آؤ بڑھ رہا ہے۔ اس کے سدھار اور وطن پرستی کا جذبہ بڑھانے کے لئے شہر میں پنچایت قائم ہو جس کا نام وطن پارٹی ہو جس میں سارے شہر کی مدد شریک ہو۔ یہ پارٹی فوری قیام امن کی کوشش کرے۔ فرقہ وارانہ اتحاد قائم کرے۔ شہر کی حقوق، لوگوں کی آبرو عزت اور کاروبار کی حفاظت کرے۔ پہلک کا عہدہ سے حکومت کو مدد کرے تاکہ ہندوستانی قومی حکومت مضبوط ہو۔ یہ پروگرام اس وقت چل سکتا ہے جب تمام لوگ پوری طرح اس میں شریک ہوں۔ اس لئے باہمی مشورہ سے مشترکہ پروگرام چلانے کے لئے ایک ضروری سنگ بتاریخ ۲۵ اگست بوقت ۳ بجے شام یوسف باغ محلہ اقبال گنج میں منعقد ہو۔

آپ جیسے وطن پرست اور دردمندان سے درخواست ہے کہ آپ اس میں ضرور شریک ہوں۔ اور اپنے مفیاء مشوروں سے نیک کاموں میں مشہر کی رہنمائی فرمائیں۔

مخلص محمد یوسف خواجہ۔ پوسٹ باغ اقبال گنج، لدھیانہ۔

ڈھاکہ۔ ۱۴ جنوری ۱۹۳۶ء

محبت مکرم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ سنا جاتا ہے کہ آپ بہار سے بہت حفا میں اور میں آپ کو بہار میں بلانے کی دعوت دینا چاہتا ہوں۔ اب اس کا فیصلہ خود آپ ہی کر لیں کہ یہ دعوت میری ذاتی غرض کے لئے ہے یا قومی۔

میں چیمپارن ضلع کے حلقہ ڈھاکہ سے اپنے الیکشن کے لئے کھڑا ہوا ہوں۔ آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ مجھے ناکام بنانے کے لئے مسلم لیگ اڑی چوٹی کا زہر لگا دے گی۔ نضا پور بھی کہیں بہتر ہے لیکن میری ادویہاں کے لوگوں کی تلاش ہے کہ آپ ایک دودن کے لئے اس ضلع میں تشریف لائیں۔ یہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ یوں تو آپ آئیں گے نہیں۔ لیکن میرے الیکشن کے بہانے سے میں آپ کو مجبور کروں گا آپ یہاں ضرور آئیں۔ پنجاب کا الیکشن ختم کر کے بہار آنے کا قصد کیجئے۔

مہربانی فرما کر مجھے ابھی سے بذریعہ تار آنے کی تاریخ سے مطلع فرمائیے اور ایک خط سکریٹری جمعیت علماء ڈھاکہ ضلع چیمپارن کے نام بھی لکھ دیجئے تاکہ وہ نجی انتظامات کر سکیں۔ بہار میں اور جگہ بھی گھومنا ہو گا۔ آپ سے دیرینہ تعلقات کی بنا پر امید ہے کہ آپ میری گزارش ضرور قبول فرمائیں گے۔

لفظ و اسلام۔ آپ کا مخلص دیرینہ۔ سید محمود رضا کٹر سید محمود نائب وزیر خارجہ حکومت ہند

جون ۱۹۳۶ء

جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب ملا، مسنور،

السلام علیکم۔ ملکی حالات نے مدت سے سفر کی اجازت نہ دی جس کی وجہ سے ملاقات نہ ہو سکی۔

دل چاہتا ہے۔ انشاء اللہ رمضان شریف کے بعد زیارت حاصل کر دلا گا۔ ہندوستان کی تقسیم کا اعلان

سن کر دل ہم گیا۔ قبر مدینہ یحییٰ مدینہ۔ قوم پرست مسلمانوں کے لئے نہ جائے رفیق نہ پائے مالک  
 ولا قصہ ہے تینیس سالہ محنت کا پھل وہی غلامی۔ پانچ کروڑ مسلمان ہندوستان میں اکثریت کے  
 زیر اثر اور کچھ ریاستوں میں اور تین کروڑ بے دینوں کی قیادت دجاگیرداروں، سرمایہ داروں، میر  
 سول، نوابوں اور انگریز کی منشا کے مطابق ان کی پکڑ کے ماتحت انگریز کی سامن نہ ملے میں سامے  
 کا سارا مسلمان غلامی و غربت کی نئی کڑی سے جکڑا گیا۔ قوم پرست مسلمان نہ ان کو اس حالت میں دیکھ  
 سکتا ہے نہ بدل سکتا ہے جبکہ انھوں نے خود اپنے اندر یہ حالت لائی۔ آخر مجھ بھی انھیں لوگوں نے کچھ  
 سوچنا ہے اور بہتری کی طرف حرکت کرانی اور کرنی ہے۔ علاوہ انہیں اختیار ہے آپ ہ مضمون پڑھا۔  
 کہ آپ قوم پرست ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کو یک جہتی کی دعوت و حفاظت حقوق کے  
 رہے ہیں اور علی بہاد صاحب کی صدارت نے بھی تو اپنے گزشتہ تجربہ کی بنا پر، آپ کو اتنے عرض کیا ہے پر  
 مجبور کر دیا۔ اگر آپ ماننا ہیں اور سب کچھ آپ کے ہاتھوں میں گزرا پہلے نے قبر کا رہیں۔ ہم نے بھی آپ  
 کی خدمتوں سے اور نوابوں سے حاصل کیا۔ اپنے فرائض کو پورا کرنے کے لئے عرض کر دیتے ہیں باوجود  
 تیس سالہ محنت کے بھی نقصان و پریشانی کا سبب جس کو دوبارہ دور کرتا ہے وہ ہے کئی جماعتوں  
 میں بٹ جانا اور کئی جماعتوں کا ہونا اگرچہ وہ مخلص بھی ہوں یہ ایک دوسرے کی تعریف بھی کرتے ہیں  
 پرانی لڑائی کا استعمال جس نے بیماری میں اضافہ کیا خطرناک ہے جب کہ ہمارے پاس مسلمانوں میں  
 ۸۰ سال کا بنایا ہوا مرکز جس کے علی فیض سے تمام ہندوستان فیض یاب ہے ان کی سیاسی قربانیاں  
 بھی کسی سے کم نہیں مسلمانوں کے اسلامی و دنیاوی حقوق کا بھی محافظ شرعی صورت میں حق رکھتا ہے  
 اس کی اکثر شخصیتیں اور خصوصاً شیخ الہند صاحب صدر مخلص و نیک دل ہیں۔ ہندوستان کا اعلیٰ مسلمان  
 اس بات کا فخر رکھتا ہے جب کہ وہ دیوبند کا سند یافتہ ہو۔ ہندوستانیوں کو اس بات کا بھی فخر  
 ہے کہ ایسا مرکز دنیا میں نہیں۔ اگرچہ مسلمان خود بھی اس مرکز کو نہیں پہچانتے۔ لیکن انگریزوں سے اس مرکز کو  
 پہچان کر قسم قسم کے نشانوں سے اس پر دھار رہے تاکہ مسلمانوں کے دل میں اس مرکز کا اثر نہ رہے  
 حتیٰ کہ وہ بالی کہلایا، کفر کے فتوے دلائے۔ گالیوں، دھڑوں، ہندو پرہ اور ہندو فرود شدہ کہلایا، انگریز کے



سائنس ہی ایک مرکز دیر بند مسلمانوں کا تھا جس کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں۔ اس نے علماء و دیوبند پر طرح طرح کے الزام ترشوائے تاکہ لوگوں کے دلوں میں سے ان لوگوں کی عزت و وقار نہ رہے۔ اگر آج ہم بھی ان لوگوں کو چھوڑ دیں اور پرانے مرکز پر مٹی ڈال کر نئے مرکز کی تلاش میں چلیں تو لیگیوں میں اذیت ہمارے میں کون سا فرق رہا جب کہ ان کو چھوڑنے میں انگریز کی بھی خوشی ہو۔ اور لیگیوں کی بھی۔ اور پرانی دوائی کو بھی استعمال کیا جائے جس سے مرض میں اضافہ ہو۔ ہم نے اپنا فرض ادا کرنا تھا۔ اگرچہ آپ پہلے سے اس تجربہ کے شکار ہیں۔ عزیزان کو سلام علیکم

زیریں خیل ضلع میانوالی۔ صوفی اللہ داد خاں

۳۰ اگست ۱۹۳۹ء

حضرت مدنی کا خط بسلسلہ صبح صحابہ

مسئلہ صبح صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے متعلق گزشتہ مئی میں شیطان لکھنؤ سے میرے التجا کی تھی کہ وہ نصار لکھنؤ کو عفات کر دیں تو قوی امید ہے کہ ان کے حقوق مسئلہ مذکورہ بالا میں حاصل ہو جائیں۔ میں جدوجہد کر رہا ہوں اور مجھ کو کامیابی کی امید ہے۔ اگر خدا نخواستہ ناکامی ہوئی تو کوئی موثر قدم اٹھایا جائے گا۔ میں لکھنؤ کے شیعوں کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انھوں نے میری عرض سنی اور درستی نصار و امن رسکون کا قابل رشک مظاہرہ کیا۔ میں نے اس مدت میں بہت زیادہ کوشش کی اور ہر اس دروازہ کو کھٹکھٹاتا رہا جس سے کسی فائدہ کی امید ہو سکتی تھی۔ مگر نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بد قسمتی سے آج تک مجھ کو کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ میں شیطان لکھنؤ کو تعلقین صبر کرتے کرتے ٹھک گیا۔ جب کہ وہ حضرات بھی اپنے جذبات کو روکتے روکتے تھک گئے۔ اب مزید انتظار کے لئے ان کو روکنے کا میرے پاس کوئی معقول پہلو موجود نہیں۔ شیطان لکھنؤ خود غور و فکر اور اہل عقل و تدبیر سے مشورہ کر کے جو مناسب سمجھتا اور سادہ عمل قرار پائے یا ان دامان رہ کر اس پر گامزن ہو سکتے ہیں۔ میں ان ذمہ داریوں کے پیش نظر طاقت کے موافق حد تا پیش کرتا رہوں گا۔ واللہ ولی التوفیق۔ ننگ اسلات حسین احمد غفرلہ۔ ۳۰ اگست ۱۹۳۹ء دیوبند

مکرمی جناب دہی احمد صاحب سکریٹری مجلس احرار اسلام لکھنؤ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس عریضہ کے ہمراہ اس بیان کی نقل ارسال خدمت ہے جو حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی نے بغرض اشاعت حرمت فرمایا ہے۔ اگرچہ آپ لوگوں کا شخصی نقطہ نظر یا بھی گفتگو کے موقع پر ظاہر ہو چکا ہے۔ لیکن مناسب ہو گا کہ آپ جماعتی حیثیت سے اس بیان پر غور فرما کر اپنی جماعت کے ارادہ سے ہمیں مطلع کریں کہ آیا قانون شکنی شروع کرنے کی صورت میں ان کی جماعت ہمارے ساتھ شریک رہے گی یا موجودہ مصالح کی بنا پر آپ لوگ قانون شکنی کے لئے فی الحال تیار ہیں گے۔

ہم لوگ تو اس بات کو پہلے طے کر چکے تھے اگلے شش ماہ میں ہماری غیر موجودگی میں ہماری جماعت کے لوگوں نے قانون شکنی بھی شروع کر دی تھی۔ اب صرف حکومت کو ایک انتہائی اطلاع کر دینا ہے جس کے بعد اکتوبر یا اس کے بعد ہم قانون شکنی شروع کر دینا چاہتے ہیں۔ آپ لوگوں میں سے جن کا تعلق کانگریس سے یا منابطہ ہے یا جو فی الحال مسلم ماس کینڈیٹ کمیٹی کی خدمت میں منسلک ہیں ان کے لئے میں جانتا ہوں کہ قانون شکنی میں شریک ہونا بہت سی مشکلات کا باعث ہو گا مگر اس سے بچنے کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ فی الحال ایسے اصحاب کو جماعت سے رخصت دے دی جائے۔ بشرطیکہ آپ کی جماعت اس آہام میں ہمارے ساتھ شریک ہونے کا فیصلہ کرے۔ اس عریضہ کے جواب میں براہ کرم مطلع فرمائیے کہ آپ کی جماعت کا فیصلہ کب تک معلوم ہو سکے گا۔ اگر آپ جلد ہی فیصلہ کر سکیں تو میں اس کی اشاعت (مولانا کے بیان کی) اس کے بعد کروں گا کہ ساتھ ہی ساتھ اپنی طرف سے اس کا اعلان بھی کیا جاسکے کہ ہم نے قانون شکنی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ والسلام

خاکسار۔ ظفر الملک علوی لکھنؤ

نوٹ:- براہ کرم مولانا کا بیان ابھی صیغہ وار میں رکھا جائے۔ اس کی اشاعت نہ کی جائے۔ میں مناسب وقت پر اشاعت کروں گا۔ ظفر الملک

مخدوم المکرم دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا گزری نامہ آج لہیانہ میں مجھ کو ملا۔ اس خط کو پڑھ کر بے حد  
حیرت بھی ہوئی اور صدمہ بھی۔ حیرانی ہوں کہ اس کا کیا حجاب نکھوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مولانا  
عبد الشکور صاحب کیا کر رہے ہیں اور وہ کیا چاہتے ہیں۔

غریب مفلس لفنگے اور نوخیز لونڈوں کی جماعت نے کام شروع کیا اور مدح صحابہ کے سلسلے  
میں اپنے آپ کو مصیبت میں ڈال دیا۔ سب خاموش ہی نہ رہے بلکہ یہ بھی کہہ دیا گیا کہ یہ تحریک ہماری  
طرف سے نہیں ہے اور ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حکومت نے ان حالات کو من کر پورا تشدد کیا  
صوبہ کی مجلس اسماعیل نے کام کو ہاتھ میں لے لیا اور ڈیڑھ گھنٹہ مقرر کر دیا۔ جنگ نہ نہ کرنے سے پہلے مشورہ  
اور کانفرنسوں کی ضرورت ہوتی ہے اور جب جنگ شروع ہو جائے پھر یا تو اس کی مدد کی جاتی ہے  
اور یا اس کو فنا کرنے کے لئے مختلف کانفرنسیں بلائی جاتی ہیں۔ اب کانفرنس کا کیا مطلب ہے کچھ نہیں  
سوئے اس کے کہ اپنی کمزوریوں کو چھپانے کے لئے دوسروں کی آڑ تلاش کی جائے۔ اب تو سیدھی اور صفا  
بات ہے کہ جس کے دل میں مدح صحابہ کی بندش کے خلاف جذبہ ہے اس کو چاہئے کہ لفنگوں کی زیر قیادت  
یا تو خیل میں جائے اور یا خاموش ہو کے بیٹھ جائے۔ میرے مالی حالات ایسے نہیں ہیں کہ میں ضرور نکھو جاؤں  
اگر ہو سکا تو صفحہ خطبوں کا (وہ بھی آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے۔ ورنہ میں اس احتجاج کو بالکل بے فائدہ  
سمجھتا ہوں۔ یہ عرض صرف آپ ہی کے لئے ہے۔) خط حضرت مدنی مدظلہ کے نام ہے (حبیب الرحمن لہیانوی)

از دفتر مرکزی سیرت کمیٹی ضلع لاہور۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۳۹ء

محترمی و معظی زاد و لطفہ

السلام علیکم۔ اس وقت سیرت کمیٹی کی طرف سے جمعہ کے لئے جو اردو وعظ شائع کئے جا رہے ہیں  
وہ ہر جمعہ کے دن پانچ ہزار مسجدوں میں سنائے جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس سلسلے کو اور زیادہ وسعت  
دے کر دس ہزار مسجدوں پر عادی کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ خطبات وعظ ایک ایسا ذریعہ ہیں جس سے



سرنی گریے اس گمراہی تک کے مسلمانوں میں ایک آواز کی گونج پیدا کی جاسکتی ہے کہ مسلمانوں کو جنگ عظیم کے حالات اور مسائل سے باخبر رکھنے کے لئے خطبات جمعہ کا ایک خاص کورس شائع کیا جائے۔ اس میں آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ آپ کی رائے میں ایسے بنیادی اصول کون سے ہیں جن کو پیش نظر رکھ کر یہ خطبات لکھے جائیں؟ مسلم لیگ نے اپنے گزشتہ اجلاس میں فلسفین اور حقوق کے متعلق جن شکایتوں کا اعادہ کیا تھا ان خطبات میں ان کا ذکر کرنا چاہئے یا نہیں؟ موجودہ جنگ کے متعلق مسلمانوں کے لئے کون سی پالیسی پر عمل کرنا بہتر ہو سکتا ہے؟ چونکہ یہ مسئلہ نازک تھا اس لئے آپ سے استصواب کرنا ضروری سمجھا گیا۔ امید ہے کہ آپ واضح جواب سے ذرہ مشکور فرمائیں گے۔ والسلام

فاکسار عبد المجید قریشی۔ پی ٹی ضلع قصور

نوٹ:- اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ قریشی صاحب سی آئی ڈی کا کام بھی کرتے ہیں۔ جواب نہیں دیا گیا۔

مخدوم المکرم

السلام علیکم۔ ذیل کے سوالات اور مسائل خدمت میں۔ حالات کا اقتضا ہے کہ ان کا جواب جلد از جلد ملک میں شائع کر دیا جائے۔ مجھے امید ہے کہ آپ بہت جلد صاف اور مختصر مدلل جواب ارسال فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ اس وقت شاہ امان اللہ غازی پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا ہے اور باغیوں کی شرعی حیثیت سے امداد کی جا رہی ہے جس سے دشمنان اسلام بے حد فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک سلطنت اسلام کو برباد کر رہے ہیں۔

### سوالات

۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شاہ امان اللہ غازی دہلی افغانستان نے جو

اصلاحات اپنے ملک میں جاری کی ہیں کیا وہ ان کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا؟

۲۔ (الف) کیا ان اصلاحات کا اجرا شاہ امان اللہ کے خلاف بغاوت کرنے کی شرعاً اجازت دیتا ہے؟

(ب) اور جو جماعت ان اصلاحات کے اجرا کی بنا پر بغاوت کرتا چاہتی ہے اس کی کسی قسم کی

سزا لاہور میں ۹۴۷ھ میں قریشی صاحب جس مکان میں ٹھہرے تھے وہ انارکلی میں تھا کسی نے رات کو قریشی صاحب کو

مخدوم المکرم کے لئے لکھی گئی تھی۔ یہاں پر علامہ جازہ کے ہونے کی وجہ سے دقت کو دور کیا گیا۔

معاذنت کرنا کسی مسلمان کے لئے شرعاً جائز ہے ؟

- ۳۔ جو لوگ ان اصلاحات کے اجرا کی وجہ سے شاہ امان اللہ کو کافر کہتے ہیں وہ حق پر ہیں ؟
- ۴۔ جب کہ دشمنان اسلام مختلف ذرائع سے سلطنت افغانستان کا قاتلہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان حالات میں شاہ امان اللہ کی امداد کرنا ہر مسلمان پر شرعاً فرض نہیں ہے ؟
- سنٹرل خلافت کمیٹی بمبئی

مولانا حبیب الرحمن صاحب دام مجاہد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ : آپ کا پہلا خط پہنچا تھا۔ بمبئی میں بے شک اتنی دور سے میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس لئے کہ یہ معاملات خطوط اور مراسلات سے نہیں حل ہو سکتے، بلکہ خود جانا چاہئے اور تدبیروں اور حکمت عملیوں کے ساتھ ان بے ایمان سرمایہ داروں سے بڑھ چڑھ کر چاہئے۔ اس بارے میں میں نے خاموشی اختیار کی تھی۔ میرا منیر بخش سے کہنے کے لئے کئی دفعہ گیا مگر وہ آج کل ایک عرصہ سے دیوالی میں مقیم ہیں۔ انشاء اللہ رمضان کے آخری عشرہ میں جب کہ وہ ماہم پہنچ جائیں گے ان سے عرض کروں گا۔ میں نے کہا تھا اگر آپ خود بمبئی آجائیں تو میرا منیر بخش اور ان کے جہانی میاں محمد دین جو بہت زیادہ امیر ہیں کوشش کی جائے۔ محمد دین صاحب پر مولانا محمد علی کا بھی خاص اثر ہے اور میں نے سنا ہے کہ کوئی شخص ان کے دروازے پر سے خالی نہیں جاسکتا۔ میں رمضان کے بعد واپس آؤں گا۔

مسئلہ افغانستان میں بھی آپ کی دوستی اور طریق کار مخصوص ہیں۔ ہماری ذاتی اطلاعات یہ ہیں کہ افغانستان میں سوائے چند نوجوانوں کے ایک مستفس بھی نہیں جو شاہ امان اللہ خاں کے پس سے موافق ہو۔ یہ مسکہ کسی ایک گروہ کی بغاوت کا نہیں ہے۔ بلکہ تقریباً تمام حمال حکومت، دوسرا اور تقریباً ساری پبلک کی مخالفت کا ہے اور یہ سارا کیس کم از کم مجھے انقلاب افغانستان سے چار ماہ پہلے معلوم تھا جب سردار علی احمد خان بمبئی میں آئے تھے تو اس وقت ان سے سارے حالات معلوم ہو گئے تھے اور یہ بھی معلوم تھا کہ آپ آئندہ افغانستان میں ضرور کوئی نہ کوئی تپیلی ہوگی پر کیف

ہماری معلومات یہ تھیں کہ سردار علی احمد خاں، جنرل نادر خان اور ان کے دونوں بھائی، سردار محمد ولی خان شیر علی خاں، وادو، ان اللہ خاں سراج الدولہ اور تقریباً ساری فوج اور علماء یہ سب امان اللہ خاں کی پالیسی کے موافق نہیں ہیں اور خود افغانستان کے انقلاب نے بھی یہی ثابت کیا ہے کہ فوج اور حال حکومت موافق نہ تھی۔ ورنہ نجات کی بغاوت تو چند ہفتوں میں قلع قمع کر دی جلتے۔ لیکن ایک بچہ سقہ کی بغاوت جیسے ڈاکو کہا جاتا ہے اتنی مؤثر اور ہمہ گیر ہے کہ اس کے سامنے ساری سلطانی فوج نے ہتھیار ڈال دیے اور اپنی بے چارگی کا اعلان کر دیے۔ پھر حال ہماری اطلاع افغانی سرکاری ذرائع سے یہ ہے کہ بچہ سقہ قریباً نامہ ہے اور اس کی پشت پر تقریباً سارا ملک ہے

ایسے حالات میں جو آپ کا رویہ ہے نہ بہت نامعقول ہے اور افغانستان کے لئے تباہ کن ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ امان اللہ خاں سے بہتر سرزمین افغانستان کے لئے کوئی دوسرا شخص نہیں ہو سکتا لیکن ان کو واپس لانے کی تدبیر بھی یہ نہیں کہ تمام علماء و افغانستان کو گایاں دکھا جائیں اور بچہ سقہ نامہ کا جو ایک شخص ہے اسے گتہ اور کیا کیا کھا جائے۔ صورت یہی ہے کہ امان اللہ خاں کو بھی سمجھایا جائے کہ ساری مصدعات عورتوں کے تنگے بدن میں نہیں رکھی ہوتیں اور ادھر علماء اور مرثیہ اور قبائلی کے سرداروں کو بھی سمجھایا جائے کہ یہ چیزیں اتنی اہم نہیں ہیں کہ آپ ان کی وجہ سے ایک بہتر آدمی کو ضائع کر دیں۔ بد نصیبی یہ ہے کہ مرکزی خلافت کے ٹکڑے ہو گئے ہیں ورنہ ایک جگہ بیٹھ کر اگر کوئی مشورہ ہوتا تو سب ایک ہی رائے پر جمع ہو جاتے۔

جن حاجیوں کو آپ بھیجنا چاہتے ہیں، ان کی روانگی سے قبل تار دے دیں تاکہ اسٹیشن پر انھیں رضا کار سیں اور انھیں ہر قسم کا آرام پہنچا دیں۔ اگر مسافر خانہ میں جگہ ہوئی تو انتظام کر دیں گا۔ ورنہ کوئی کمرہ دے دیں گا۔ ہر گز کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ کھانے پینے کا سامان ساتھ ساتھ نہ لائیں اور نہ خریدیں، اس لئے کہ کمپنی کے تمام جہازوں میں مسلم ہوٹل کھل گئے ہیں جو نہایت عمدہ اور سستا کھانا بہم پہنچاتے ہیں۔

محمد عرفان (دفتر خلافت کیٹی۔ بمبئی)



سکندر اردو۔ دہلی جدید۔ ۲۲ مارچ ۱۹۳۹ء

جناب مستطاب مولانا حبیب الرحمن صاحب زاد الطافکم

السلام علیکم۔ امید ہے کہ مزاج دہاج ترین عافیت ہوگا۔ منشور کے پرچے مطبوعہ مورخہ ۲۲ مارچ میں کچھ مضمون آپ کی طرف منسوب کیا گیا ہے جس کا تعلق امان اللہ خاں سے ہے چونکہ آپ دیرینہ کرم فرما ہیں لہذا یہ عبارت استفسار کرتا ہوں کہ آیا فی الحقیقت یہ آپ کا بیان ہے یا اپنی آپ کی طرف منسوب کیا گیا ہے ؟ زیادہ ایام بکام

مخلص محمد فاضل۔ از سفارت خانہ افغانستان

ڈیرہ اسماعیل خاں۔ ۷ اراگست ۱۹۲۹ء

عالی جناب مخدومی و محترمی حضرت فخرالاحرار صاحب مدظلہ العالی

سلام سیکہ و رستہ اللہ و بکاتہ۔ مزاج اقدس۔ زمان زمان جب کہ ہر طرف سے حوادث انقلابی رونما ہو رہے ہیں اور ہندوستان و افغانستان میں بحیثیت سیاسیات دشوار عبور طرائق سے گزر رہے ہیں ایک سلطنت کا دوسری ہمسایہ سلطنت پر اثر ہونا ہر حیثیت سے ضروری ہے۔ اعلیٰ حضرت غازی محمد نادر شاہ زبجی و استقلال بخش افغانستان و سلطنت محروسہ اش کے برخلاف چند گمراہ کوتاہ اندیش اشتیاق منہ سے ضرورت حال و اقمندانے زمانہ سے نا آشنا ہو کر گمراہ کن پراپیگنڈا شروع کر رکھا ہے جو منافی امن۔ اصلاح و قیام سلطنت ہے، اس سے جناب بھی باخبر و واقف ہوں گے۔

اکابر اسلام کی متفقہ آواز کو نہایت سرد مہری و کم دانشی سے پس پشت ڈال کر بے سرو پا خورختہ افسانے گھڑ کر عام مسلمانوں کو دولت عالیہ افغانستان کے خلاف بدظن کرنے کی جو ناپاک کوششیں شروع کر رکھی ہیں ان سب ہتھکنڈوں سے جناب والا مطلع ہوں گے۔ کیا اب وقت نہیں آیا کہ اکابر اسلام کی مقتدر و واجب الاحترام جماعت ارشادِ ربانی لا تقسدا وافی الارض بعد اصلاحها کی تعمیل کر کے اعلیٰ کلمۃ الحق فرما کر ایک آزاد شان دار اسلامی سلطنت کو اشرار

کے شرعے جنہوں نے اپنی بے جا عندا درمٹ پر مفاد اسلامی کو قربان کرنے کی ٹھان رکھی ہے، نجات دلائے اور ایک اہم فرض سے سبک ہو کر عام مسلمانوں کو جی کی نگاہیں بے قراری سے ان طرف اٹھ رہی ہیں۔ مہنا کی کرے۔

برائے مہربانی اپنے ارادہ و خیال سے جو شرعی و پولیشکل نکتہ نگاہ اور موجودہ ضرورت وقت کی بنا پر کسی قریبی فرصت میں مطلع فرما کر سرور فرمادیں۔

افغانستان پراپیگنڈا کمیٹی نہایت بے چینی سے جوابدہ کے ارشاد کی منتظر ہے۔ والسلام

نیازمند۔ (شاہزادہ) فضل داد صد افغانستان پراپیگنڈا کمیٹی۔ کوچہ حافظ جمال

ڈیرہ اسماعیل خاں

(بائیکل پرائیویٹ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۵

وقت گنت کہ خیر را ہمہ ایشا رکینم [اصلاح] بے اصلاح و طن کرشیش بسیار کینم

ریگاں

مقتہ دار

جلد اول۔ جاتی۔ یوم چہار شنبہ۔ ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۸ اگست ۱۹۲۵ء شمارہ ۴

حوالہ خواہش میکنم

برادرم ہریرہ صاحب جریدہ اصلاح! این مکتوب مرا عیناً درج ہمیرہ اصلاح نماید

جریدہ عاجز اند اصلاح باین متعین است کہ ہزاراں ہمیرہ ہندی ما از یہ پیکر نہ انداد و اعانت

خود داری نکرده بغیریت این اعانت مالی خودشان مالیاں ملی خواہند پورشانند چہا برادران

حساس ہندی مادہا و قات مصائب ملل شرق خصوصاً ملل اسلامی ہمہ وقت اعانت و ہمہ روز

خودشان را عملاً ثابت کردہ اند چندیہ یکہ چند مرتبہ در می رہے ہائے بلقان و طرابلس و لبنان و غیرہ

بر برادران ترکی ما فرشادہ ایدیک مسئلہ مسلم است۔ ہمچنان در ہمیں انقلاب حاضرہ افغانستان

وقتیکہ امیرامان اللہ خاں مخلوع در قندار بر علیہ سقویا کالبدانی و استند جمعیت ہائے تعادلی

ہند خلی فداکاری نمودند۔ جریدہ اصلاح امید میکنم کہ عنقریب این اعانت مادہ مالی برادران

هندی ماکه امروز نجات مملکت افغانستان ازین تهنک است و تا همین حیات آئیده یکم کردند  
 نفوس اسلامی وسط آسیا را میناید خیلے بسرعت درمیدن عمل اثبات دولت دد رسیده  
 انم کشیده افغانستان را ممنون دمر مین احسان خویش فرمایند  
 همچنان این حمیده محقره از همه نوع بشر استمداد هرگز نه انداد اعانت درد مندان  
 انسانیت کارانه شلزار نسبت به این حالت تباہ ملت و مملکت افغانستان چشمداشت دارد

## نوحه کابل

برادران غور افغان مان!

اباالی کابل بری اثر حکومت افغانی درین سالهای دراز خدمت، فداکاری و جان نثاری  
 نموده برایشما برادران افغانی خود اسباب همه گونه استراحت و آرامی بودیم آیا، بیچوقت  
 از خدمت شما کوتاهی کرده ایم - مزد و رستم شما نبودیم، طباطبی، نان بنائی، خیاطی، چپ سازی  
 پیرزدوزی، دباغت و امثال آن برایشما نمیکردیم؟ سرسریا، دکانها، خانه ها و برای راحت  
 و بود و باش شما نبود؟ اگر ما بگوئیم از شما استفاده یعنی کمائی، نکرده ایم، بل، ما قائل هستیم که شما  
 حفاظت مال، جان، ناموس و شرف ما را بینمودید بنیر سایه شما آرام بودیم، از پول شما فائده  
 نمیکردیم، شب در دزد به دغایه استقرار حکومت و سلطنت شما بودیم،

وے امروز اگر فلاکت و تباہی ما را به بنید مبدایند که ما چه مصائب و فوایب و چاریم بر ایماندار  
 نمیرسد، غام فائده، ناموس ما بر باد رفت، اختیار جان، مال، زن و بچه خود را نداریم، روز  
 شب بشکجه و اذیت این دزدان و ظالمان خونخوار ایم، اگر شما گمان کنید که ما خاموش هستیم و این  
 خاموشی ما بر سر آراسیت، نه، این قسم نیست، خاموش بودن ما از، ستم و دظلم و سفاکی  
 دزد و ظالم و اشرار محبت ادرست، تا حال به طرف دست و پا زدیم، و از هیچگونه دسالتی که در د  
 فسق و فساد این ظالمان از دست ما پوره بود کوتاهی نکردیم، و لے چوں کمک ماوجب از دیگر طرد



بر شمع از سیر ما تنها و بکس مانند زیاده تر شکسته ازین دزد و ظالم گرفتار شدیم و هر روز با جوان  
 ما، شخصی ص سر برآورده و خدمتگاران شما اقوام بلکه اکثر پیشانیان و مقتدیان ما را شما مقتول و مروج  
 مجبورین تعیین نمائید بے پرده، بکاب، بے ناموس و ضبط و تاراج گرفته نمائید این واقعات نیست  
 که شما خبر نمائید با شهید البته اگر عظم شما چشم خود ندیده اند بعضی نثری شده که در کابل آمده این  
 حالت ندارد البته س عظیم ما ملاحظه کرده اند، آیا بجهان کا به یک پیشتر دیده بودید که هم چهار تن و بدید  
 آدم را دیدید که خطای فرعی باشد در میان بود، مسافرت دیده میشدند و بکس در دهان  
 غریب که خودشان برائے خرید و فراجم کردن نشت خود در بازار میرفتند و یک نفرشان را کسے دید  
 متعصفا اهل کابل در شهر فاده در مساجد مختلف بر بر احاطه فریضه نماز که اسے فدا و نسی است  
 زنت و یکجا شده نمیتواند، خاص اینکه هر آدم از صفی و خوشنودی و زودان ناسق تر میال و هر زمان  
 است انما شکوائتی و حذنی انی الله

شهر کابل پایتخت سلطنت افغانی امروزه جارفت و فجور و بختنفر دزد که هر دانی زکریستانی  
 شده و بس، در دقتیکه از طرف بچه سفته و شهرت شد که بعضی نثری و فاعله و جنوبی آمده بودند  
 میخواستیم که زن و مرد را در سر کباب برآمده و حست و بهر بهریت و بهریت بچه سفته و زودان معیته و  
 ساد حال تباه خود را برای شان عرض نمائیم، میدانستیم که این اقوام دلاور با غیرت محبت جنوبی  
 و بیشتر محض برائے یک جزئی مسئله مکه دار مسائن دینی و دنیادی فداکاری و جفا نثاری نموده  
 مانند حال این همه بیدینی و بی ناموسی و زودان رایگان یگان دیده و زودان استند چهره  
 برائے اصلاح و انصاف بچه سقا و در بن سے آید و ان نسلی و قیاس کرد که است اینها برای اخذ  
 و محرمات و حالت تباه و مظهر و بیداد این دزدان چند نفر فرستاده و هر روز در بازار و بی عرض حال  
 و خود برائے شان برسانیم، دلی کجا، بیچاره که چهار نفر هم کجا شده، نمیتوانیم، خود را بای  
 نسلی کردیم که شاید فدا سے و من و منان از فضل بکیران خود در بے ب و ز که ماعرض حال خود را  
 و برادران با غیرت خود برسانیم و انانها استمداد و استخانت کم، تا اینکه بعضی پیر میال اخبار

مبارک اصلاح ما کہ بعضی برادران با غیرت و جوانان با ہمت ما بکابل رسانیدہ بودند مطالعہ نمودیم

اللہ الحمد ہر آن چہ کہ خاطر میخواست

آفراند ز پس پردہ تستایہ پدید

علاوہ ازیں از خبریائے مسرت آوردہ اتفاق شما اقوام با غیرت سمت جنوبی و سمت مشرقی مجاہدت مردانہ اسلامیت کارنامہ تان واقف شدیم و شکر یہ حضرت الہی را بجا آوردہ منتظر نجات خرد و یقین و احسان خدای سبحان و ز دست این ظالمان گردیدیم، خوش بختانہ باین مسئلہ ریاضہ ترغیر شدیم کہ جریدہ اصلاح میسر شد و عرض جان و مظلومیت ما را بہ عموم شما برادران غیور و مجاہد ما برساند، لہذا این احوال جانکاہ خود را بشما برادران تقدیم درجہ میکنم کہ وقت غیر ہمت، اسلامیت، ترجمان، دانش، شہادت، شفقت بحال ما بیچارہ با و مظلومین و در کردہ لکہ بدنامی و ز دامن پاک سلطنت افغانی خودتان نہیں است۔ زود شویید، ہمت کنیز بہ پنجوہ رحمت خود خود ہا ما و ما بیچارہ ہا ما حیات دوبارہ برہم در دین و دنیا خود را ازین محلولیہ بکشید، سقاویان رو بہ خصاں کسے نیستند کہ طاقت یک ساعتہ حملہ مردانہ شمارا داشته باشند، فتا سنبلی، غفلت دہیہ پروائی خود شدہ است کہ این ظالمان ما ظاہر اقوی ساختہ برادران نگاہی و ہزارہ ہا خیلے حملہ ہائے مردانہ نموده و نمایند، ما این مردان و خاندان سقاہ را بدقتہ اس تہ اند کہ بہ اصلاح ما کابلی ہائے شہر، در قلعہ شہر ولی سرحدی و خاموشی شما با غیرت ما ما خیلے مایوس ساختہ۔

در خاتمہ از جناب مدیر جریدہ اصلاح درجہ میکنم کہ این عریض عاجزانہ ما را در ادلتہ

شمارہ جریدہ مبارک خود درجہ ز با قوام با غیرت و برادران با ہمت، ما ان اقوام غیور سمت جنوبی و

دعوم افغانستان شایع نماید، س، ع کابلی

### حوادث داخلہ

ملکان احمد زئی از بیر، حفرد، نوگیرہ، برگ، چکری و غیرہ بہ تعداد شصت نفر

در او وند، بیان شان این بود که پنجاه هزار شکر ما استعداد خدمت است، بر نقطه که اجماع باشد  
داخل خدمت میشویم، جناب اعلیٰ محمد نادر خان نازی با آنها هدایت دادند که حال در حدود خود  
توقف باشند بعد از فیصله گردید که دیگر شکرها بطرف سمرقند حرکت کردند با وقت لشکر  
خاتم شامل خدمت شوند.

اصلاح از دیگر ذرائع موثق که معلومات دارد سه هزار شکر این اقوام جمع و مستعد

خدمت اند.

## مخاربه گردیز

اقدام اشهر مستقامی: شب ۱۵ در بیج الاول اشهر مستقامی معاضدت در خیال  
بدلت و بعضی از نفری مینگل به ماتخی فستک و خانوی و خان پسر سنگ و آدم خان پسر خان دلی در  
بند نفراط خیل در احمد زلی، اینکه به مستقامیت داده بودند تا به حدود طوطا خیل آمده شب نقاط  
هم ترن با احمد مستحکام خود ساختند کوه سیکرام الی کند خیل. این حدود را گرد و طرف شرق  
ردیز و فتح است.

## شجاعت فوق العاده مجاهدین حریت

هریت بزرگ و تلفات زیاده مستقامیان.

ساعت عجبی صبح مخابره شد که گردیز به مخابره خیال بیشترت علم ساعت و دام نمود  
باعت ۸ مستقامیهاتاب مستقامت مانا داده به عقب نشینی مجبور شدند، ۲ توپ ایتالوی و  
میتوپ نه پونصد صحرایی، داشتند از زیاد و خیال سلمه و جبهه شاه غنیمت مجاهدین گردیده تلافی  
بخشند نفرشان زنده امیر و مانفر مستقامی خسارت مجروح شدند، لشکر با سه مجاهدین مستقامیان  
امداد داده که از استحکامات مخدوم گردیده مسافران است و گردیز را به قریب است تصقیبت  
شان را کرده استحکامات و نقاط مهم را مجاهدین استول نموده شب مخابره معطل و لشکر  
استراحت داشتند.



پسپائی عارضی مجاہدین :- زرداران شکر ہا باز بہ تعرض شروع نمودند و لے دریں روز  
 نظر بے اعتباری کہ درین بعضی طوائف لشکری پیدا شدہ بود، مجاہدین بہ پیشتر وقت اقامت  
 نکرده و ضلالت مدافعہ را اختیار نمودند بعضی نفری فوق الذکر پیشتر بہ سقا دہیت دادہ بودند، ہر گاہ  
 اینکه مصدبات لشکری خراب شود بہ پسپائی شروع کرد و ہر قوم در بحیل سقا دیہا ازین موقع  
 استفادہ کردہ بہ پیش رفت طرف رود احمد زئی اقدام کردند

## خداناترسی و سقا کی سقا دیان

احمد زئی ہائیکہ طرفدار سقا دی بودند و بہیت ندادہ بودند، آہنہا مال و عایالہ خود را  
 کشیدہ کن رہ کردند و کسایکہ طرفدار مطیع و منقاد بودند آنہا بخاطر ترحیم قلعہ ہائے خود با قیامت  
 بودند و فسوس بحال اینہا کہ انداہائی شہر کابل و خوشی و باخواب سو گروہ دیگر نقاط کہ سقا دہیت  
 بمال و ناموس طرفداران خود چہ ظلم و جبر کردند، بد بخندانہ بیچ تنبیہ نشد، بخواب غفلت بودند خیر  
 بہمہ جہت دیر تدا پنچہ در ہند

نتیجہ خدمت زردان یا مکافات عمل :- سقا دیہا کہ ڈال رود احمد زائی شدند اولاً  
 ہماں اشخاص مطیع و منقاد خود را چو زنجیر بدل کردہ نہ بنائے شانرا زندہ اسیر بردہ، حتی و نفر  
 طفل صغیر ملک عبد الرحمن کٹورا احمد زئی رہ دراکہ یگانہ طرف دار سقوی و بکابل ہم رفتہ بعد ذبح کردند  
 ملا داد در شاہ مالی نیل کہ دین را بہ ینا فروختہ بہ پنجرہ پیہ پستادی بر علیہ جمیع اقوام افغانہ و جناب  
 حضرت صاحب کہ پیرا دہد شدہ کارروائی نمود، سقا دیہا قلعہ اورا سوختاندرہ خودش را  
 یا سعت نفر قوم و عایالہ د خورد و کلاں و بہ تیغ ستم خویش شوق کردہ کشتند، باقی قلعہ ہائے احمد زائی  
 و طوطا خیل را تا کنہ شیل آتش دادند، فاعبر وایا، دلی، لا بصار

جمعیہ اصوات :- اینست نتیجہ مہربانی سقا کہ بطرفداران خود شش نظیفین گردیدہ جان  
 ان، ناموس، شان بر باد شد، و لے آہنہا یکہ طرفدار سقا بودند بعد الحمد جان و مال، شان  
 محفوظ ماند، اگر ینہم اقوام افغانہ تنبیہ نمیشوند بہ الحال شان، نظر با بن حیات مرگستان

بہتر نسبت بایں موجودیت عدم آنها افضل است، از اقسام با غیرت افافتنہ چہ شد غیرت، ناموسداری  
 شہامت، شجاعت، دینداری، قوم پنداری شان، آیا ازین ذلت خود تنبیہہ نشود، این واقعات  
 جانسوز شہادا از خواب غفلت شان بیدار میکنند، هنوز ہم قریب و بلیس دشمن را میخورید، دیدید کہ  
 قریب خورده با بشما چہ شدند، ناموس جان و مال شان را سقوطی با چطور سر باد دادند، بجز شمشیر  
 و غیرت و مجاہدات، شان، اتفاق و اتحاد شان چیز دیگر ذریعہ نجات شما نمیشود، با خبر باشید  
 هنوز سوت است،

## اسیران ستاوی کہ جمعیہ ستاوی رسیدہ

گل محمد فند مشر یا دارہ مار بزرگ	یکنف
کنک مشر	۲ نفر
تولی مشر	۱ نفر
سپاہی	۱۱۹ نفر

## پسپائی دوبارہ ستاویان

ساعت ۲½ بجہ شب ۲۲ ربیع الاول اطلاع رسیدہ :-

اطلاع آتش دادن قلعہ ہائے احمد زنی مکند خیل، طوطا خیل کہ بہ لشکر ہائے مجاہدین  
 رب: فوراً بیک جوش و خروش بہ تعرض آغا زکریا و اندو از ہر طرف دشمن بہ زیر آتش گرفتند، جسٹیس  
 احمد خیل جاتی از ہمہ اولتر داخل محاربہ شدند، دیگر لشکر ہائے جاتی و دیگر اقوام مینگل میرزہ، تہا  
 طوطا خیل یکے بعد دیگرے داخل خطوط حربی گشتند، تا حال کہ ساعت ۶ عصر محاربہ در درہ  
 ستاد یہ قریباً ۶ میل عقب نشستند، مجاہدین نشاط ہم در ہماں استحکامات دیدہ خود شان را  
 کما زست دیہا گرفتہ بودند دوبارہ اشغال کردند، ستاویان باز در درہ بار محصور شدہ بمقتات  
 زیاد ستاد یہا دریں محاربہ دادہ اند تفصیل آن در ثانی دادہ میشود،  
 می زانی جہان کہ مکان شان بیشتر آمدہ بد نزدیک لشکر قومی جمع آوری کردہ و درنگ

رسیدند غلیگ از گردیز قریباً ۶ کوفه جیسا که دارد) خط فرستاده بودند که مادر کدام نقطه  
داخل محاربه شدیم، برائے نشان ہدایت حربی داده شد، مردم درہ ۱۰ دنا از کہ طرفدار سقادی  
بودند بآہن ملکان و لشکر ہائے میزانی امید است کہ مدست شوند،

اصلاح دعائے کامیابی را اتحاد اتفاق لشکر ہائے مجاہدین را نماید و همچنین فتوحات  
شاندار شانرا از خداوند مسئلت میکند.

## قندھار

کوہستانی د کوہدانی سقادی در شہر قندھار توقف دارند از سور رفتا تا ہنہا اہالی شہر  
بہ تنگ آمدہ خیلی پریشان اند، اقوام قندھاری مثل زمیند اور دگر م سیل و جمیع اہالی بحالات آن تدارک  
دہیہ لشکر را بر علیہ سقوی ہا دارند،

سقادیہا در داخل شہر تہیہ استحکامات و پیش بینی محصوریت نمودہ دارند، قندھایہا  
را چیزیکہ پیشتر متاثر و مشتعل ساختہ پیشانی اعمال خودشان است و از بے ہمتی خود کہ سقادیہا  
را در شہر قندھار داخل ساختہ خیلے دم اند،

دو کندک از شش کردنی کایل کہ بقندھار فرستادہ شدہ روز آہنہا در منزل باغ  
توقف دارند تو خاندان عسکری قندھار کو ششش دارند کہ آہنہا داخل شہر دیا دو کندک کو ہد امنی و  
کوہستانی یک جا شوند و لے کن کہاسے شش کردنی کہ از احوال دسور رفتار کو ہد امنی ہا متفر اند داخل  
شہر نمیشوند، اختلافات زیادے در بین عسکری سقادی ہم است۔

امید است کہ عنقریب اقوام قندھاری از محوقعے استفادہ داری بحالت خود را بر باشند  
بہون اللہ تعالیٰ۔

## وحشت در نظام سقوی

تنگاب :- سقویہا بعض کہ یک فتح غرضی در تنگاب حاصل کردند، قلو چنے تنگاب را  
آتش داند، اشجار را یکی پے و باغ با در اراضی مزروعہ شان را خراب کردند، در حق اہالی آن



تا جائیکه دست شان میرسد یک قتل عام را جاری حتی ریش سفیدان پامانده و اطفال معصوم  
شکارزایه تیغ ستم بجاگ نموده از بنار ابرودند

این نظام را محالاً وحشیان امریغه نم اجرا نمیکند، درین عصر حاضر این اولین وحشت  
است که محض برائت تعیش و نفس پرستی یک درد ظالم در حق مسلمانها و، فغانهای افغانستان  
اجرا می شود

خدایا اگر افغانه غیرت نمیکند و غیرت از انبار رفته، تو غیور هستی منتقم حقیقی هستی،  
تو غیرت ناموس مظلومین کبسن و انتقام این نظام را که در حق ما بیچاره با اجرا میشود مگردان  
از شر این زندان وحشی محفوظ دار

### “مجرورین سقادی”

مجرورین و زکیر اسیران سقادی که مجاهدین دین محارب اسیر گرفته اند و در غل غنیل حاجی نو  
دارند مجرورین آن که هم انفر است طوریکه مجرورین مجاهدین پرستاری و تیمارداری میشوند همان  
قسم تحت معالجه گرفته شده اند، غذا و ادویه شان خیل به نظامت داده میشوند بقیه بیدان  
آنها را بجای علیحدده داده شده، نوراک مثل، فرا و شکری بادشان داده میشود اسیر گفته  
نمیشوند، اگر راست بگویم مجاهدین حاجی آنها را بطوریکه همان محافظ میکنند، حال وحشت سقوی  
و انسانیت مجاهدین را ملاحظه کنید که آنها چه مظالم می نمایند، اینها چه سلوک میکند  
بهین تفاوت ره از کجاست تا بکجا

ایک واقعه جا نگاه، شهادت یک نفر جوان رسید وطن خواه آقائے فضل احمد خان  
فرقه مشرک جوان وطن دوست و افسر نظام یافته حریفی بود، قرار یک ما پیشتر مطلع شده بودیم  
در حبس خانه ارگ محبوس بود

حال جرات دهنده خبر شهادت معزای الیه را شایع کرده اند، نفر سفاک و وحشت  
سقادیان که در حق دیگر صاحبان دلازه افغانستان اجرا شده، ما این خبر تسلیم

میکنم، ما از خدائے متعال برائے شہید راہ حریت طلب مغفرت و برائے پسماندگان شان صبر جمیل  
 میخوانم و خاتمہ این نظام را نیاز میکنم  
 از لاہور۔ ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۶ء

جناب مولانا صاحب

تسلیم۔ آپ کے دز نوں خط مورخہ ۲۸ ستمبر و ۸ اکتوبر آج موصول ہوئے۔ ۲۹ ستمبر کا خط  
 شملہ سے بذریعہ ڈاک واپس آیا ہے۔ وزیراعظم آج کل اس وقت لاہور میں ہیں۔ امید ہے کہ ۱۵ اکتوبر  
 کے قریب قریب لاہور پہنچ جائیں گے۔ امید ہے کہ لاہور پہنچنے پر جلد از جلد آپ کو ملاقات کے  
 لئے تحریر فرمایا جائے گا۔

آگے آپ کو معلوم ہو گا کہ میں استراریہ کی شام کو لدھیانہ پہنچ رہا ہوں امید ہے کہ وہاں  
 آپ کے نیاز حاصل ہوں گے۔

خیر اندیش۔ بھیم سین سپر

مجلس احرار اسلام ہند۔ لدھیانہ۔ ۱۳ اپریل ۱۹۳۸ء

والدہ حضرت

انشاء اللہ فرا شام بخیر خواہد بود، عرض حال اینکه در حال مایاں آل انڈیا احرار پریشکھ  
 کانفرنس در پٹنہ منعقد کردہ بودیم و در اذاعلان یا لیبسی خود کہ در اخبارات شائع شدہ است  
 بالفاظ ذیل کر دیم۔

”ایں اجلاس افغانستان قبائلی دسر صدر را متنبہ میکند کہ بعضے از حکومت ہائے  
 غیر ملکی از عرصہ در پے بر پائے انقلاب در افغانستان زبستہ و دوائیان دارند۔ چنانکہ ایشان  
 در ۱۹۳۹ء بر غلات حکومت امان اللہ خان شورش بر پا کردہ تحتہ اش ما بباد دادند، خصوصاً  
 در ایں جنس ایام دقیقہ در ادرویا اندیشہ جنگ نفیم در پیش باشد، قبائل را باید کہ نہایت  
 محتاط و ہوشیار باشند و گوشش بر پرا بچندہ غلط نہ ہند۔ ایں اجلاس بخیریت مطبع و

اخبارات ہمدی نہایت مؤدبانہ استدعا دار دکھائشان اذانتاعت۔ اخبار دلدغ نسبت  
حکومت افغانستان کہ ہمسایہ ملک اسلامی ما است پر ہیز کنند دنیا بر ذاتی مفاد و اغراض خویش  
دلا من اش رخساندازی نکنند۔ والسلام

نیاز آگین حبیب الرحمن صدر مجلس احرار البند۔ حبیب لدی لدھیانہ

حبیب لدی۔ شفاعت منزل، لدھیانہ۔ ۳۱ مارچ ۱۹۳۷ء

بمادر مکرم و محترم شاہ صاحب

السلام علیکم۔ اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو مجھے یاد ہے کہ سیاسیات میں آنے سے  
پہلے میرے اور آپ کے ذاتی تعلقات ۱۹۱۳ء سے شروع ہوئے تھے، ۱۹۱۵ء سے آج تک  
میں نے پوری سچائی اور نیک نیتی کے ساتھ آپ کی دوستی کو نبھایا اور یہ بھی امید نہ رکھی کہ دوست  
میرے متعلق آپ کو کیا کچھ کہتے رہے جس سے آپ کبھی متاثر ہوئے اور کبھی شدت کے ساتھ میرے مخالف  
دوستوں کی زبان بندی۔

اس فیصلہ سے قبل میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ آپ کی اور برادر م شیخ حسام الدین  
صاحب کی موجودگی میں ایسا تباہ کن طریق کار پاس کیا جائے گا۔ مجھے امید تھی کہ آپ میری  
دوستی اور اخلاص کی بنا پر کسی فیصلہ پر پہنچنے سے پہلے اجلاس کو ملتوی کر دیں گے۔ مگر میری  
امید کے خلاف ایسا نہ ہوا۔ میں آپ سے جدا ہوا ہوں اس حال میں مجھے انتہائی دکھ اور  
رنج ہے، لیکن میں اپنی سیاسی رائے اور معلومات کی بنا پر ایسا فیصلہ کرنے پر مجبور ہوا۔ مجھے  
مجلس احرار کے دوستوں سے نہ کوئی ذاتی گٹھ ہے نہ رنج، بلکہ میں نے اپنی تشریحی جہتی میں جو  
کچھ لکھا ہے وہ مجلس احرار کی مجموعی پالیسی اور احرار دوستوں کی بعض ایسی سیاسی آراء کی مخالفت  
کی ہے جن سے مجھے کسی حال میں بھی اتفاق نہیں ہو سکتا تھا۔

کلاش اب یہ دوست آپ کے ساتھ ہیں۔ یا آپ ان کو اپنے ساتھ چلا سکیں، کیونکہ  
میں واقعات کی بنا پر جانتا ہوں کہ زیادہ دنوں تک احرار کی گاڑی نہ چل سکے گی۔



ماسٹر تاج الدین صاحب بھی ویرینہ دوست ہیں۔ انھوں نے اپنے مقاصد میں جس وقت مجھے چاہا مجھ سے کام لیا اور اب جب وہ خود آگے بڑھ کر کام کرنے لگے تو انھوں نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ مجھے مستغفی ہونے کا مشورہ دیں۔ مجھے ماسٹر صاحب کے اس طرز عمل پر کوئی شکوہ نہیں، وقت اور حالات خود بتا دیں گے کہ ان کا طرز عمل صحیح تھا یا غلط۔

میری تشریحی چٹھی اس ہفتہ تک پریس میں جائے گی اور آپ سے امید کرتا ہوں کہ آپ اسے اپنے اخبار میں شائع کریں گے۔ مجلس سے علیحدہ ہوتے ہوئے بھی میرے اور آپ کے ذاتی تعلقات میں کمی نہ ہوگی اور ہمیشہ یہ امید کروں گا کہ آپ بھی ذاتی تعلقات کو فراموش نہ کریں گے والسلام۔ حبیب الرحمن لدھیانوی سابق صدر مجلس احرار اسلام ہند

حبیب روڈ شفاعت فنرل۔ لدھیانہ۔ ۳۱ مارچ ۱۹۴۷ء

محترم گرامی حضرت مولانا سید عطار اللہ شاہ صاحب

صدر مجلس احرار اسلام ہند۔ لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۷ء کو مجلس احرار ہند کی مجلس عامہ نے جس میں ۲۱ ممبران میں سے ۷ حاضر تھے (یو، پی، دہلی اور سرحد سے کوئی بھی اس اجلاس میں شامل نہیں ہوا) جس طریقہ کار کا اعلان کیا اور جس طریقہ سے اس کی تشریحات غیر ذمہ دارانہ طور پر اخبار آنا د کے ذریعہ سے کی گئی ہیں مجھے افسوس ہے کہ میں ایسے حالات میں مجلس احرار کے دوستوں سے مل کر کام کرنے سے محذور ہوں، لہذا مجلس احرار کی نائب صدارت اور ابتدائی رکنیت سے علیحدہ ہوتا ہوں۔

ماسٹر تاج الدین صاحب سے اس سلسلہ میں میں نے جو گفتگو کی تو انھوں نے مجھے یہی

مشورہ دیا کہ اب تمہارے لئے استفادہ دینا ہی مناسب ہے، جن دوستوں اور جن جماعت

کے لئے اپنی زندگی کی ہر متاع خرچ کر دی، مجھے دکھ ہے کہ آج انھیں دوستوں نے مجھے جماعت سے علیحدہ ہونے پر مجبور کر دیا۔

حبیب الرحمن لدھیانوی سابق صدر مجلس احرار

نوٹ :- یہ استغفہ مہربانی کر کے اخبار آزاد میں شائع فرمادیں۔ اس استغفہ کے ساتھ ایک  
تشریحی خط بھی ہے۔ امید ہے کہ وہ بھی اخبار آزاد میں شائع فرمادیں گے۔

حبیب الرحمن لدھیانوی

جزری ۱۹۵۵ء

## قصہ کشمیر

جہاں جہ پری سنگھ معزول والی کشمیر جب گدی نشین ہوئے تو انھوں نے اختیارات  
ہاتھ میں لیتے ہی دو کام ایسے کئے جس کی وجہ سے انگریزی حکومت ان سے ناراض ہو گئی۔ کشمیر  
میں سے یونین جنک کا جھنڈا اتار دیا گیا کہ یہ میرا جھنڈا نہیں ہے اور ریڈیو ڈیٹ بجائے جوں یا  
کشمیر کے سیانکٹ میں رہ بیٹے لگا۔ جہاں جہ کا یہ طرز عمل انگریزوں کو رتی طور پر ناگوار تھا۔  
انگریز بدلا لینے میں نہ جلدی کرتا ہے، نہ شور مچاتا ہے، وہ ٹھنڈے طریقے سے اپنے مخالف کو  
ایسے طریقوں سے شکست دیتا ہے کہ دریا بہ نہ سمجھے کہ وہ اپنے کسی واقعہ کا بدلہ لے رہا ہے۔ کشمیر  
میں خواجہ کمال الدین لاہوری مرزا کے بھائی خواجہ جمال الدین انسپکٹر تعلیمات تھے۔ ان کے  
اثر و رسوخ سے کشمیر میں تمام تعلیمی اداروں میں لاہوری قادیانی اور مرزائی بھرتی کر لئے گئے اور  
شیخ محمد عبداللہ کو لاہوری قادیانیوں سے علی گڑھ یونیورسٹی سے باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے کے  
لئے امداد بہم پہنچائی۔ شیخ صاحب چونکہ نہایت نیک خوش مزاج اور اچھے نوجوان تھے اس  
لئے تعلیمی نفعانے میں ان کا تعاون کشمیری عوام میں کر دیا گیا۔ گویا قادیانیوں نے حکومت کے اشارے  
سے ان کو طالب علمی کے زمانے میں رہنمائی کے لئے منتخب کر لیا تھا۔ اور شیخ محمد عبداللہ کے نوٹ  
ریاست میں اس قدر تقسیم کئے گئے کہ وہاں کا ہر مسلمان ان سے واقف ہو جائے۔

۱۹۳۱ء میں جب کانگریس کو نمک سول ٹا فرمائی کی تحریک میں ایک مذہب کا خیالی ہوتا

یعنی "کانڈھی رول" سمجھوتہ ہوا، اسی زمانے میں یکایک تحریک کشمیر کا آغاز ہوا۔ ۱۹۳۱ء میں

یہ شور مچا کہ جوں میں کسی ہندو سپاہی نے قرآن شریف کی توہین کی ہے جب کہ ایک مسلمان

سپاہی پولیس لائن میں قرآن شریف پڑھتا تھا۔ اس افہ کا شور تمام کشمیر اور ہندوستان میں بڑے پیمانہ پر ہوا  
 اور حکومت کشمیر کو ان واقعات کی بنا پر جموں اور کشمیر میں دو مرتبہ گولی چلائی پڑی۔ جب حالات  
 زیادہ نازک ہو گئے تو ہمارا جہ کشمیر نے مولانا ابوالکلام آزاد اور دوسروں کو کشمیر بلا کر مشورہ کیا کہ  
 اس معاملہ میں کیا کرنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں کیا ان سے بات چیت ہوئی یہ ہم نہیں جانتے۔ لیکن  
 یہ ضرور سمجھا گیا کہ ہمارا جہ کا ذہن غیر فرقہ دارانہ ہے کیونکہ مشورہ کے لئے انھوں نے ایسے اشخاص  
 کو منتخب کیا جن میں سے ایک کانگریس کے بڑے وفادار لیڈر تھے اور دوسرے اعتدال پسند۔ ہم سے  
 یہ بھی کہا گیا کہ ہمارا جہ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان عوام جن کی آبادی ۹۰ فیصدی ہے اگر کچھ مطالبات  
 کریں تو میں غور بھی کروں۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ پٹنوں اور ڈوگروں کا راج ہے وہ یہاں کی  
 آبادی کو ابھرنے دینا نہیں چاہتے۔ ان دونوں لیڈروں کے مشورہ اور ملاقات کے باوجود حالت  
 میں کوئی سکون پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ کشمیری عوام میں زیادہ گڑبڑ شروع ہو گئی اور سارے ملک میں  
 ہندو مسلم فرقہ داریت ترقی کرنے لگی۔ آخری جون اور شروع جولائی میں چودھری انجمن حق مروجہ  
 جوہ گریس کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے جیل سے رہا ہو کر آئے تھے اور احراء کے وفادار لیڈر تھے  
 انھوں نے اپنے تمام ساتھیوں کو بلا کر یہ کہا کہ کشمیر کا فتنہ انگریزوں نے شروع کر دیا ہے اور وہ اس  
 کے ذریعے تمام ہندو مسلم اتحاد ختم دہر باد کر دے گا۔ اور کشمیر میں مسلمانوں کو اپنے مفاد کے لئے  
 استعمال کرے گا اور ان کو کوئی نفع نہ ہوگا۔ مگر سب نے ان کی بات سن کر ان سنی کر دی اور ٹال دیا۔  
 یہ بات سب سے زیادہ عجیب تھی کہ سرہری کشن کول جو انگریزی حکومت کو سب سے زیادہ  
 مقبول تھے وہ کشمیر کے وزیر اعظم بنا دیے گئے۔ ب ہم کیا دیکھتے ہیں کہ یکایک لاہوری اور قادیانی  
 مرزاہوں نے کشمیری مسلمانوں کی ہمدردی میں بے پناہ اور زہر آلود فرقہ دارانہ پردہ سگینڈا شروع کر دیا  
 اور کشمیر کے دس نئے لیڈر سامنے آئے، شیخ عبداللہ بتانے گئے اور انھوں نے اس قسم کے مطالبات  
 رکھے کہ جو جائز و مذکور تھے مگر فرقہ دارانہ تھے۔



## ”کشمیر کمیٹی کا قیام“

۲۴ جولائی ۱۹۳۱ء کو شملہ میں سر میاں فضل حسین کے اشارے سے تمام سرکاری مسلمانوں کا اجتماع ہوا جس میں کشمیر کے یہ نئے بیدار بھی شریک ہوئے۔ اس اجتماع میں مرزا بشیر رضا محمد خلیفہ قادری، کشمیر کمیٹی کا صدر منتخب کیا گیا۔ مسٹر عبدالرحیم قندہ کو جو خلیفہ کے پرنسپل سکریٹری تھے کشمیر کا جنرل سکریٹری بنایا گیا۔ اور وہیں شملہ میں مرزا صاحب کی طرف سے یہ اعلان ہوا کہ کشمیر کے سلسلے میں تمام مسلمانوں نے مجھے اپنا رہنما تسلیم کر لیا ہے۔ اس لئے میں یہ تجویز کرتا ہوں کہ ۱۵ اگست ۱۹۳۱ء کو تمام ہندوستان میں ”یوم کشمیر منایا جائے۔“ مسٹر عبدالرحیم قندہ نے ہندوستان کے تمام مشہور علماء و فضلاء و کلرز اور ڈاکٹروں کو خطوط لکھے کہ آپ کو کشمیر کمیٹی کا ممبر بننا چاہیے۔ اس سلسلہ میں آپ کی منظوری کا انتظار بھی نہیں کیا گیا جائے گا۔ چنانچہ ممبر بنانے کے یہ خطوط عمل درآمد ہوئے اور علماء و دہلی کو بھی موصول ہوئے، چونکہ تمام علماء اور ملک کے لوگ حقیقت حال سے ناواقف تھے کسی نے اس سازش کی طرف توجہ نہ کی کہ نگر نیر اور قادیانی مل کر ملک میں کیا کرنا چاہتے ہیں۔ ہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ غالباً ۱۵ اگست ۱۹۳۱ء کو ہی جہانگیر گاندھی، انڈیا کی آفر میں شریک ہونے کے لئے لندن روانہ ہو گئے۔ اب جب کہ ملک کو بہت زیادہ اتحاد کی غارتی تھی، اس وقت کشمیر کمیٹی کا وجود عمل میں آیا اور ٹھیک گاندھی جی کی روانگی کے وقت کشمیر کمیٹی نے ۱۵ اگست ۱۹۳۱ء کو کشمیر ڈے منانے کا فیصلہ کیا۔

ممبئی میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا جو اجلاس ۷ تا ۱۲ اگست ۱۹۳۱ء ہوا، اس میں شریک ہونے کے لئے مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، شیخ حسام الدین و حبیب الرحمن جی ممبئی پہنچے۔ اس اجلاس میں ان تینوں نے کشمیر کے تمام معاملات میں وہاں کے لیڈروں سے بات کی کسی ایک لیڈر نے کہا کہ کشمیری عوام کو کچھ بیدار ہونا چاہئے تاکہ وہاں کچھ اصلاح ہو سکے۔ اور پنجاب میں تادم یا نول نے کشمیر کمیٹی کے نام پر ہنگامہ برپا کر دیا۔ چونکہ ٹی ٹی محمد تال

کشمیر کمیٹی کے دامن پرویز چیمبرس تھے اور میاں فضل حسین اس کمیٹی کے سرپرست تھے اس نے تمام انگریزی داں اور سرکاری طبقہ کشمیر کمیٹی کے ساتھ ہو گیا۔ عوام بھی اسلام کے نام پر ہندو راجہ کے خلاف ہو گئے۔

## احرار اور کشمیر

لاہور، در پنجاب میں جب احرار دستوں اور رہنماؤں نے محسوس کیا کہ ساری مسلمان قوم مذہبی طور سے قادیانیوں کی طرف راغب ہو جائے گی، اور ہندوستان کی مشترک سیاسی زندگی اور آزادی کی جدوجہد کو سخت دھکا لگے گا۔ تب انھوں نے فوراً کشمیر کے مسئلہ میں دخل دیا۔ مولانا مظہر علی اظہر کھاسی وقت ڈنکیشن بنا دیا گیا اور تمام ہندو مسلمان اور سیاسی جماعتوں کو دعوت دی کہ کشمیر کا مسئلہ ہم سب کو مل کر حل کر دینا چاہئے۔ ورنہ کشمیر کمیٹی صورت حال کو ملک میں خطرناک بنا دے گی، اور اُدھر ہمارا جبرہ صاحب کو لکھ گیا کہ ہم آپ کے خلاف نہیں ہیں بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ میں اور کشمیر کے عوام میں اتحاد و اتفاق ہو جائے، دلمان کو بھی حق زندگی ملے۔ اور ہم آپ کو کدھی سے اتارنے کے حق میں نہیں ہیں۔ ہمارا جبرہ کے سکرٹری نے اس کے جواب میں لکھا کہ گدی سے اتارنے کا حل ہی آپ کے ذہن میں کیوں آیا۔ ہم نے ان کو بتایا کہ کشمیر کمیٹی آپ کو گدی سے اتارنا چاہتی ہے۔ ان کا مقصد نہ کشمیری عوام کا بھلا ہے اور نہ وہ وہاں کوئی سیاسی زندگی چاہتے ہیں، انگریز ہتھی ہندو پریس نے ہماری مخالفت شروع کر دی اور تمام نیشنلسٹ مسلمان احرار کی موافقت تو کیا کرتے، بلکہ مخالفت شروع کر دی اور انھوں نے ہر طرح کے الزام ہمارے خلاف لگائے۔ عجیب بات یہ تھی کہ کشمیر کے لیڈر تو یہ کہتے تھے کہ احرار حکومت ہند سے مخالفت کر کے اور میاں فضل حسین کو ناراض کر کے ہم کو نقصان پہنچائیں گے اور دوسری طرف نیشنلسٹ مسلمان اور ہندو پریس یہ کہتے تھے کہ احرار میاں فضل حسین سے مل کر کشمیر میں انگریزی راج چاہتے ہیں، یہاں تک کہ مہاتما گاندھی جی نے بھی ایک بیان لندن سے اخراج کیا، خلاف قے دیا۔ مگر احرار بچتے عقیدہ اور مضبوط عزم کی جماعت تھی جس نے لوگوں سے کشتہ کشی کو ختم کر دیا اور قادیانیوں کو میدان سے بھاگ پڑا اور ملک پر

وہ کوئی خدا نہ کر سکے تو میرا فضل حسین نے چودھری، فضل حق سے کہا کہ تم کشمیر کے مسئلہ میں میں ذلیل  
 کر رہے ہو میں احرار کو ایک ہی دن میں مٹا دوں گا، تو قائد صاحب مرحوم نے بڑے نرم الفاظ میں کہا  
 کہ یہ تو پہلے ہی سے مٹے ہوئے ہیں۔ اب اپنی فکر کیجئے۔ کشمیر تحریک کے سلسلے میں تقریباً چالیس ہزار ریٹائر  
 جیلوں میں چلے گئے سرکار پرست اور مشنٹ مسلمان مل کر اس تحریک کو مدد کرنا چاہتے ہیں دونوں نے  
 کوشش کی کہ دالینٹر معافی مانگ کر باہر آجائیں، مگر ان سب کو ناکامی ہوئی۔ احرار اور کشمیریوں نے  
 اختلاف کر بھٹا۔ احرار کہتے تھے کہ کشمیر میں ذمہ دار حکومت قائم ہو۔ کشمیری کہتے ہیں کہ راجہ گدی  
 سے اترے اور حکومت انگریزوں کے ہاتھ میں منتقل کر دی جائے، اور یہی کشمیر کمیٹی کا مطالبہ تھا۔ سرکار  
 پرست مسلمانوں اور ہندو پرستوں نے احرار سے پوچھا کہ کیا وہ حیدر آباد میں بھی ذمہ دار حکومت قائم نہ  
 کریں گے تو احرار نے اس کا جواب مثبت میں دیا، وہ کہہ رہے تھے کہ آجمل ہوئی چاہئے، بلکہ احرار نے  
 یہاں تک کہا کہ تمام ریاستوں میں ذمہ دار اسمبلی بن جانی چاہئے، کہ ملک میں آزادی کا راستہ جلدی  
 طے ہو سکے۔ جب تمام ریاستوں کے لئے احرار نے ایسا کہا تو نواب بھوپال نے احرار کے عدالت اور  
 ہما ماجہ کی موافقت میں ایک بیان دے دیا حبیب الرحمن نے چودھری فضل حق مرحوم سے کہا  
 کہ احرار نے کشمیر میں ذمہ دار حکومت کا مطالبہ کر کے تمام ریاستوں کو اپنا دشمن بنالیا اور انگریزی  
 حکومت کی جڑوں کو ہلادیا اس لئے احرار کو جیل جانے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔ دکھ کی بات یہ ہے  
 کہ احرار کے ستانے میں وہ لوگ بھی شریک تھے جو اپنے آپ کو آزادی پسند اور عوام کا خیر خواہ کہتے تھے۔  
 مگر خدا کا فضل احرار کے شامل حال تھا، وہ اپنی غربت اور افلاس کے باوجود ہر کام کرتے رہے اور  
 سرکار حکومت ہند کو جھکنا پڑا اور اس نے گلف کمیشن کا تقرر کیا کہ کشمیر میں کیسی حکومت ہو اور  
 عوام کو کس قدر حقوق دیئے جائیں۔

نزدہلی، ۴ اپریل ۱۹۵۷ء

مکرم و محترم جناب نواب زادہ لیاقت علی خاں وزیراعظم پاکستان  
 السلام علیکم۔ آپ کے اس دوستانہ مشن کے ہندوستان آنے پر حتمی خوشی مجھے ہوئی ہے میں



اسے بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں پاتا۔ آپ کے ہاتھوں میں کرڈروں انسانوں کی قسمتوں کا فیصلہ ہے بحیثیت ایک مسلمان کے میرا یہ دل چاہتا ہے کہ پاکستان میں غیر مسلموں کے لئے ہر قیمت پر عملی طور پر ایسا امن و انصاف موجود ہو جائے جس کے بعد کوئی نہ کہہ سکے کہ اسلامی حکومت اور ظلم کی حکومت دو مترادف الفاظ ہیں۔ جب کوئی شخص تقریر و تحریر میں اسلامی حکومت اور ظلم کی حکومت کے مترادف معنی بیان کرتا ہے تو میرا دل دھجکڑی ہو جاتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں لکھنے والے اور کہنے والے کو کس طرح سمجھاؤں کہ اسلامی حکومت امن و انصاف اور رحمت کی حکومت ہے۔

آپ ہندوستان کے مسلمانوں کے مصائب سے بے نیاز ہو کر اسلامی نقطہ نظر اسلامی روایات کے مطابق پاکستان میں غیر مسلم اقلیت کو ایسے حقوق دے دیں جس پر ہندوستان کی غیر مذہبی حکومت اور یہاں کے غیر مسلم عوام رشک کریں۔

ہندوستان و پاکستان اگر مل کر اپنا ایک مساویانہ یونٹ بنالیں تو یہ دونوں ملک ایشیا کی رہنمائی کا فخر حاصل کر سکتے ہیں اور جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک کو غیر سری جنگ سے بچا سکتے ہیں اس سے بھی زیادہ یہ کہ عرب میں یہودی حکومت کے بڑھتے ہوئے اثرات فوراً رک جائیں گے اور دنیا میں مسلمان حکومتوں پر جو مصائب آنے والے ہیں وہ بھی ٹل جائیں گے۔ وہ کیا مصائب ہیں آپ خود جانتے ہیں ان کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا۔

ہندوستان کے ساتھ بہتر تعلقات کے بارے میں میری قطعی رائے ہے کہ پاکستان کا پریس پٹت جواہر لال نہرو کی عظمت کے ساتھ ساتھ سردار پٹیل کی بھی عظمت کرے کیونکہ شخصیتوں کی عظمت ہی سے قوموں کی زندگی بدل جاتی ہے۔ موجودہ ہونے والے فیصلے کے بارے میں میں ذیل کے نکات کی طرف ان کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔ موجودہ معاہدے اور فیصلے کے بعد یہاں سے یا پاکستان پہنچ کر آپ مغربی پنجاب، سندھ سرحد کے ان غیر مسلموں کے متعلق بھی جو شکستہ میں تباہ ہوئے تھے ایک ہمدردانہ بیان دیں گے جس سے مستقبل قریب میں ان غیر مسلموں کو بھی پاکستان آنے جانے کی امید

پیدا ہو جائے۔

- ۱۔ ہندوستان میں رہنے والے لاکھوں شہرناہق ایسے ہیں جو صدق دل سے پاکستان اپنا وطن بنانے پر ماضی میں اور پیمانہ زندگی پاکستان کو اپنا وطن بنانے پر ماضی میں اور پیمانہ زندگی پاکستان کے وفا دہ رہنے پر رضامند ہیں۔ ان میں نہ شرارت کا جذبہ ہے اور نہ بغاوت کا۔
- ۲۔ پاکستان، ہندوستان پر ہے جیسے درستانہ مشغلوں کے خیر مستدم کی فضا پیدا کی جائے۔
- ۳۔ پاکستانی پسیدہ سودی ترقی نہ کرے اور دنیا کے ہر شخص کے لئے امن چاہے۔
- ۴۔ آئیں یہ جنگ نہ کرنے کا عدان بھی اس درستانہ فضا میں گر ہو جائے تو دونوں ملکوں کے لئے باعثِ رحمت ہے۔

- ۵۔ کشمیر کو مسئلہ کو شریعت و درستانہ کانفرنسوں پر کر حل کر دیا جائے۔
- ۶۔ پاکستان اگر ہندوستان کی وجہ سے حاصل کرے تو وہ دنیا کی تاریخ بدل سکتا ہے۔
- ۷۔ پاکستان میں اسلام کے نام پر یہ ادیت کے لئے ایسے شہری حقوق و اختیارات دینے کا اعلان کیا جائے جس سے دنیا کے دوسرے غیر اسلامی ممالک بھی رشک کریں۔
- ۸۔ ہندوستان و پاکستان میں آزاد تجارت کا معاہدہ فوری ہونا چاہئے۔
- ۹۔ پرمٹ سسٹم کی بجائے پاسپورٹ کا طریقہ رائج کیا جائے تاکہ پرمٹ کی اصطلاحی تاخیر کا بھار کوئی شخص نکال سکیں۔

- ۱۰۔ نکاسی جانہ اردوں کے بارے میں ایسا واضح اعلان کر دیا جائے جس سے مغربی پنجاب، سرحد، سندھ کے بٹاؤ زمین اپنی جائدادوں کے بارے میں مطمئن ہو جائیں۔
- ۱۱۔ ہندوستان و پاکستان میں کریشیا کی تباہی نہ ہو سکتی ہے جب دونوں حکومتیں اپنی اندرونی سرحدات کے حضرات سے نجات حاصل کریں۔

- ۱۲۔ پاکستان کے اخبارات اندرپس سے آپ اپیل کیجئے بلکہ اپیل کے بعد حکم نافذ کیجئے کہ وہ غیر مسلموں کو تحریر و تقریر، نظم و نثر میں کفر اور کافر کا طعنہ دیتے میں ہر میز کریں کیونکہ کفر اور

کا طعنہ اسلام کی تبلیغی شان کے بھی خلاف ہے اور پھر اس کے جواب میں دنیا سے وہ سب کچھ سننا پڑتا ہے جس کے سننے کو کوئی بھی مسلمان تیار نہیں ہے۔

مجھے امید ہے کہ آپ میری معروضات کی طرف ضرور توجہ فرمائیں گے۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ میرے درد مند دل کی آواز ہے جس کو آپ تک پہنچنا ضروری سمجھا، آخر میں میری دعا ہے کہ ہندوستان پاکستان کے دستخانہ اتحاد کا یہ آغاز ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے اور دونوں حکومتیں ایشیا میں اپنے صوابدید کے مطابق پھیلیں اور پھولیں۔ والسلام

مخلص حبیب الرحمن لدھیانوی۔ حال مقیم کوئٹہ جن گلی شہید دالی۔

گھنٹہ گھر چاندنی چوک۔ دہلی

مورخہ ۹ فروری ۱۹۴۲ء

از دفتر مجلس احرار اسلام ہند لاہور

نمبر ۱۰۵۹- لدھیانہ

سرکریہ

کرمی و محرمی جناب سکریٹری صاحب مجلس احرار اسلام

آپ کو معلوم ہو گا کہ مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی مرحوم سو اسالی سے منٹگری جیل میں نظر بند ہیں۔ ان کی صحت کے متعلق متعدد دفعہ اطلاعات موصول نہیں ہوئیں کہ طبیعت خراب ہے۔ بدن کے ایک حصہ کے شل ہو جانے کی بھی اطلاع آئی۔ ماہ دسمبر میں مولانا سید محمد احمد صاحب کاظمی ممبر سنٹرل اسمبلی نے آپ سے ملاقات کی۔ ملاقات کے بعد آپ نے مولانا صاحب کی صحت کے متعلق ایک دردناک بیان پریس کو دیا۔ اب تازہ ترین اطلاعات سے معلوم ہوا ہے کہ مولانا کی صحت بہت بگڑتی جا رہی ہے۔

حکومت ہند کے ایما سے صوبائی حکومتوں نے اپنے اپنے نظربندوں کو گجرات اسپیشل جیل میں مقید کر دیا ہے۔ چنانچہ حکومت پنجاب نے بھی دیوبلی کیمپ اور دیگر جیلوں کے نظربندوں کو گجرات اسپیشل جیل میں اکٹھا کر دیا ہے۔ ۳۰ جنوری کو مجلس احرار اسلام منٹگری کی طرف سے ایک تار



وصول ہوا کہ مولانا صاحب منٹگری سے گجرات تبدیل کئے جا رہے ہیں۔ زیارت کے لئے بیسیوں رکن رات کے ایک بجے تک لاہور اسٹیشن پر منتظر رہے۔ اور جب ٹرین آئی تو دوسرے رستہ والوں کی زبانی معلوم ہوا کہ مولانا کا سامان اسٹیشن پر پہنچ چکا تھا۔ مولانا کو ہتھکڑی بھی لگ چکی تھی۔ لیکن جب مولانا ڈیوڑھی سے چلنے لگے تو گورنمنٹ پنجاب نے تار کے ذریعہ آپ کا چالان روک لیا۔ وقت مولانا اکیلے ہی منٹگری جیل میں نظر بند ہیں۔ کسی قیدی کو آپ کی بیماری پر کسی کی اجازت نہیں۔ مولانا صاحب کے ساتھ یہ اقیانوسی سلوک انتہائی جذبہ کے ماتحت کیا جا رہا ہے کیونکہ آپ مجلس اسلام کے مخلص اور مقتدر رہنما ہیں۔

مجلس مرکزی نے مورخہ ۱۰ فروری بروز جمعہ تمام ہندوستان میں "یوم حبیب الرحمن" کے فیصلہ کیا ہے۔ اس سے آپ کو حمایت کی جاتی ہے کہ اس دن پبلک جلسے منعقد کرے، رینڈیشن کرے جس میں حکومت ہندو پنجاب سے مولانا کی رہائی کا مطالبہ کیا جائے۔

یہ مولانا پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے اعدان کے کیشنل درجہ بال کے گزبان کے لئے معقول دوس کا انتظام کیا جائے۔

رینڈیشن کی نقول براہ راست حکومت ہندو پنجاب اور دفتر مرکزیہ احمد لاہور میں بھیجی

نیں۔ والسلام

عبد الغفور الوری سپرنٹنڈنٹ دفتر مجلس احمد لاہور، اسلام ہند لاہور

تاریخہ ۳۰ اگست ۱۹۴۲ء

از دفتر مجلس احمد لاہور، اسلام ہند لاہور

مرکبہ ۲۲ بنام ممبران و کارکنان نمبر ۵۲/۹۸۴

مجلس عالمہ احمد اسلام ہند نے ۱۷ اگست کے اجلاس میں ملک کی موجودہ حالت پر

تاکید کیا اور سبک قرار دیا اس کی جو اخبار "زمزم" مورخہ ۲۲ اگست اور اخبار "الفصل" مورخہ

۱۷ اگست ۱۹۴۲ء میں منہ و عن شائع ہوئی ہے۔ مجلس عالمہ نے تاکید کی ہے کہ احمد لاہور کے تمام ارکان،

کارکن اور رضا کار اس فیصلہ کی پابندی کریں۔ اور اس پر سختی سے عمل پیرا ہوں، خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف سخت تادیبی کارروائی کی جائے گی اس قرارداد میں مجلس عاملہ نے بحالات موجودہ سول نافرمانی کے خلاف فیصلہ کیا ہے اور مجلس مرکزیہ کے ۲۱ فردی کے فیصلہ کی تائید کی ہے۔  
پس تمام ارکان احرار کا فرض ہے کہ وہ سول نافرمانی یا کسی اور جارحانہ اقدام سے قطعاً باز رہیں اور مجلس کے تعمیری پروگرام کو تندرستی سے انجام دیں۔

۲۔ سرکلر ۱۸ جنرل کے ذریعے مجالس ماتحت کو دفاعی اور خدمت خلق کے پروگرام پر عامل ہونے کی تلقین کی گئی تھی۔ مجالس نے اپنی استطاعت کے مطابق اس پر عمل کیا۔ یہ ایک ٹھوس اور مستقل پروگرام نہایت غور و فکر کے بعد تیار کیا گیا تھا، کیونکہ آنے والے خطرات و حالات میں ایسی لائن پر گامزن ہوتے ہوئے مجلس احرار ملک و قوم کی خدمت انجام دے سکتی ہے۔

گزشتہ چند ماہ سے حالات پہلے سے بھی زیادہ بولناک ہیں۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ مجالس اس پروگرام پر زیادہ سختی اور کوشش سے عمل کر کے عوام کی ہمدردی حاصل کریں اور اپنی کارکردگی کی اطلاع دفتر مرکزیہ اور دفتر اخبار الفضل سہارن پور کو دیں۔

۳۔ دستوراً عمل مرکزیہ کی دفعہ ۴ جزو (د) کے ماتحت عام ممبران کی بھرتی ۳۱ دسمبر تک مکمل ہو جانی چاہئے۔ تمام کارکنان احرار ممبران کی بھرتی پر پوری توجہ دیں کیونکہ کسی جماعت کی طاقت ممبران کا تعداد و بصورت کی جاتی ہے۔ ہر ممبر ذہنی بلکہ ہر مسلمان کے پاس پہنچ کر جماعتی پروگرام بتایا جائے اور نہایت بے کوشش کی جائے۔ انتخابات کی تاریخ کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔ فقط  
عبد الغفور ندوی۔ سپرنٹنڈنٹ دفتر مرکزیہ۔ احرار اسلام ہند لاہور

مورخہ یکم دسمبر ۱۹۴۲ء

از دفتر مجلس مرکزیہ احرار اسلام ہند لاہور

نمبر ۹۸۷/۱۱

سرکلر ۱۸ جنرل

۱۔ عبارت کے ذریعہ آپ کو مقدم ہو گیا ہو گا کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مدظلہ

سابق صدر مجلس احرار اسلام ہند عرصہ پورے دو سال سے منگری جیسے سخت گرم علاقے کی جیل میں نظر بند تھے۔ اب موسم سرما کے شروع ہونے میں حکومت پنجاب نے انہیں دھرم سالہ جیسے سرد ترین مقام پر تبدیل کر دیا ہے۔ یہ تبدیلی حکومت کی منتہی نہ پالیسی کا بہین ثبوت ہے کہ ایک فلج کے مریض کو گرمیوں میں ایسے علاقے میں رکھا جو پنجاب بھر میں گرم اور تیز ہے، جہاں بارشیں بہت کم ہوتی ہیں اور انتہائی درجہ کی گرمی ہوتی ہے اور سردیوں کے شروع میں دھرم سالہ جیل میں منتقل کر دیا جو برہان علاقہ کے علاوہ ایک سرد پہاڑی مقام ہے۔ مولانا کی سخت بہت خراب ہو چکی ہے۔ آپ کا وزن ۲۵ پونڈ کم ہو گیا ہے۔ آپ دائم المریض ہیں۔ متعدد امراض میں مبتلا ہیں۔ مثلاً خونی و بادی بواسیر، ذیابیطس (پیشاب کا زیادہ آنا)، درد گردہ، اختلاج قلب اور دایچ جیسے موذی امراض لی ہمیشہ شکایت رہی ہے۔ مزید یہ معلوم کیے کہ آپ کے عام دانتوں میں ابھی تکلیف ہو گئی ہے۔ صغیف العمر اور دائم المریض بزرگ کو ایسی چھوٹی اور تنگ جیل میں رکھنا جہاں کل میں چالیس قیدی مقید ہوں اور علاج کے لئے ادویات تو کیا خود کھانے پینے کی استیاری یعنی سبزی وغیرہ بھی سیر نہیں آسکتی۔ یہ حدیث پنجاب کی غیر منصفانہ اور منتہی نہ پالیسی کی کھلی دلیل ہے۔

لہذا صدر مرکز یہ محترم شیخ حسام الدین صاحب نے جملہ مانت مجاہد کو یہ حکم دیا ہے کہ مودعہ اردسمبر میں جمعہ المبارک منہ رستان بھر میں "یوم مولانا حبیب الرحمن منایا جائے" اور عام جلسے منعقد کیے کے حسب ذیل ریزولیشن پاس کیا جائے اور اس کی نقول براہ راست حکومت پنجاب اور سرمنوہر لال دزیر جیل خانہ جات پنجاب کے نام بذریعہ ٹاک بھیجی جائیں۔ اس کے علاوہ اخبارات اور دفتر مرکزی و ادارہ آئین مجلس احرار "الفصل مسہان پور کو اپنی مفصل کا رد" سے آگاہ کیا جائے۔

رہنما و لیویشن بر مسلمانان ..... کا یہ عظیم الشان جلسہ حکومت پنجاب کے اس منتہی نہ پالیسی غیر منصفانہ و ذیادہ پر صدامت حجاج ہند کرتا ہے جو اس نے حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے ساتھ کیا کر رکھا ہے۔



(الف) کہ متعدد دفعہ مجالس احرار اور عوام کی طرف سے حکومت سے مطالبہ کیا جا چکا ہے کہ حکومت نے جو مولانا صاحب کو غیر معین عرصہ کے لئے بلا وجہ نظر بند کر رکھا ہے، رہا کر دے یا کھلی عدالت میں مقدمہ چلا کر جرم ثابت کرے۔

(ب) کہ مولانا موصوف کی بیماری کے پیش نظر اکثر دفعہ حکومت کو توجہ دلائی گئی کہ وہ مولانا صاحب کی بیماریوں کا غلط خواہ علاج کر لے یا موقع دیا جائے تاکہ وہ خود باہر سے علاج کرالیں۔

(ج) کہ مولانا موصوف کثیر العیال ہیں اور ان کے اہل و عیال کا گزیران آپ کے کمزور کندھوں پر تھا۔ حکومت نے آپ کو نظر بند کر کے آپ کے گھر والوں کے لئے کوئی الاؤنس نہیں دیا جس کے لئے ہندوستان بھر سے فیملی الاؤنس کا مطالبہ کیا جا چکا ہے مگر افسوس کہ حکومت پنجاب نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جس کے لئے یہ اجلاس حکومت کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ فی الفور مندرجہ بالا مطالبات کی طرف توجہ دے، نیز یہ اجلاس حکومت پنجاب اور وزیر۔ جیل خانہ جات پنجاب سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مولانا موصوف کو ماہور جیسے مرکزی مقام پر منتقل کر کے علاج کرانے کا موقع دے کیونکہ مولانا صاحب ہومیوپیتھک اور یونانی علاج کے عادی ہیں اس علاج کے لئے آپ کو لپٹی سہولیات پہنچائی جائیں فقط

عبد الغفور نوری سپرنٹنڈنٹ دفتر احرار اسلام ہند۔ لاہور

رئیس الاحرار  
در حدیث و دیگران

خوشتر آں باشد کہ سیر دلبراں  
گفتہ آید در حدیث دیگران  
مرتب

مولانا عزیز الرحمن جامعی لدھیانوی ثم دہلوی 5296 کوچہ رحمان  
۲۵ جنوری ۱۹۷۱ء

بمسلسلہ جنگ آزادی کے مسلم مجاہدین حصہ چہارم — باب سوم

# خطوط

## رنج و الم کی دردناک داستان

انقلاب خواہ گھرانے میں آئے یا بستی میں، شہر میں آئے یا ملک میں، چھوٹے پیمانہ پر ہو یا عالمگیر پیمانے پر بے مقصد انقلاب شمنی اور عداوت پر مبنی گئی جنگ میں عوام تعمیر حیات اور مسرت حیات سے مایوس کر دیئے جاتے ہیں۔

بے مقصد آیا ہوا انقلاب ایک ایک فرد کو نہ دبا کر دیتا ہے۔ زندگی کی ساری دلچسپیاں ختم ہو کر رہ جاتی ہیں۔ سماج کا ڈھانچہ نہ صرف بگڑ جاتا ہے بلکہ ختم ہی ہو جاتا ہے اور اخلاق کی جگہ نہایت ہی خوفناک قسم کے جرائم کی پیداوار سے لوگوں کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ دنیا کی عظیم جنگوں میں محاسبین کا انازہ یہ ہے کہ کم از کم ایک ایسا آدمی اس میں ختم ہوئے اور تہہ پہن گئے ان کی زندگیاں "محتاج" ہو کر رہ گئیں۔ انقلاب اور جنگ کے اثرات بے گناہ لوگوں کو ظالم و جبر کی پک کے دوا کیسے پاٹوں میں پسینے کی بجائے گیسول کی کے دوا پاٹوں میں پس جاتا ہے لیکن دوسری جنگ عظیم میں سائنس اور سائنس دانوں نے یہ خبر سنائی ہے کہ اب جنگ میں ہاتھ پتے نہیں آتے مگر عمارتوں سمیت ہوا میں تحلیل ہو جاتے ہیں ہیر شیا اور ناگاساکی ایک ہین دیل میں اور ایک ایسا حقیقت میں جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا جن سائنس دانوں نے ان جگہوں کا قریب کا مطالعہ کیا ہے ان کا بیان ہے کہ ہیر شیا اور ناگاساکی کی حدود کے اندر دس لاکھ انسانوں کی مدد میں چلتی پھرتی، اٹھتی جاگتی کھاتی پیتی ہیں لیکن یہ سب حقوق خدائی مخلوق میں سائنس دان انہیں سن سکتے ہیں لیکن دیکھ نہیں سکتے محسوس کرتے ہیں لیکن یہ لوگ ان کی گرفت باہر ہیں۔

رہیں الا حرار کے نام جو خطوط آپ آئندہ پڑھیں گے یہ ایک ایسے انقلاب کی صدائے بازگشت میں جو آندھ کی طرح آیا اور بگڑے کی طرح نکل گیا۔ زخمی جسموں میں درد کی جو کرک اور انسانی ظلم میں جو پیہم رستا ہوا خون ہوا ہے، وہاں آئندہ خطوط میں الفاظ کے قالب میں آپ کے سامنے ہے۔ نامعلوم کشتوں کے گھر لٹے۔ ہزاروں برقی مسرت انگیز سماج آج ان واحد میں اجر گیا۔ اس لئے ان خطوط پر تفصیلاً کچھ لکھنا اور تشریحات کی راہ میں قدم رکھنا ایک بے سوسہ کوشش ہے۔ بستی بستی کھیں نہیں ہے بستی بستی بستی ہے

عزیز الرحمن جامی لدھیانوی ثم دہلی - ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۵ء



نمبر شمار	جن کے خطوط والد صاحب کے نام	خط نمبر	سنہ
1A	مولانا یحییٰ مولوی انیس الرحمن کے خط		۱۹۴۸
B	غلام محمد لدھیانوی کا خط ایران سے		" "
C	حاجی جان محمد جنوٹ والوں کا خط		۱۹۴۸
۱	مولانا محمد عبداللہ سیالکوٹی کا ایک خط	۱	۱۹۵۵
"	مولانا محمد سعید ضلع سورت۔ حاجی محمد منشی ایٹ ازرقہ	"	" "
"	خواجہ محمد اکرم لدھیانوی لدھیانہ	"	" "
۲	ڈاکٹر بدایاں بکھڑ	۲	۱۹۵۵ جنوری
۳	مولانا مصدق علی ندوی اعظم گڑھ	۳	" " "
۴	سید معین الدین ندوی اعظم گڑھ	۴	" " "
۵	شورش کشمیری لاہور	۵	" " "
۶	راجہ رام ایرارٹھلا دلی	۶	" " "
۷	بے۔ این نیر دلی	۷	" " "
۸	بی۔ این آزاد دلی	۸	" " "
۹	دولت رام گپتا رور تک	۹	" " "
۱۰	عبدالمنگہ رائے دلی	۱۰	" " "
۱۱	محمد حنیف انصاری محی آباد ضلع اعظم گڑھ	۱۱	" " "
۱۲	سوم ناتھ بن کویت	۱۲	" " "
۱۳	سید اسد حسین ضلع ہوشیار پور	۱۳	" " "
۱۴	امرتا قند سا حرخوش نویس	۱۴	" " "
۱۵	ڈاکٹر اتم پرکاش سرحدی دلی	۱۵	" " "

نمبر شمار	نام جن کے خطوط والد صاحب کے نام	خط نمبر	سنہ
۱۷	مرزا جمیل احمد بیگ حیدر آباد	۱۶	جنوری ۱۹۵۵ء
۱۷	گردیال سنگھ سندھو ضلع گجنگا نگر	۱۷	" " "
۱۸	گردیال سنگھ سندھو ضلع گجنگا نگر	۱۸	" " "
۱۹	دعیدالزماں بجواڑہ - آندھرا	۱۹	فروری ۱۹۵۵ء
۲۰	سردار محمد شفیع سالار احرار ضلع لاہور	۲۰	" " "
۲۱	بی۔ امین آزاد۔ دلی	۲۱	" " "
۲۲	لطف اللہ خاں گورکھ پوری	۲۲	" " "
۲۳	دولت رام گپتا۔ دلی	۲۳	" " "
۲۴	سوامی دیشست۔ راجستھان	۲۴	" " "
۲۵	ایف۔ بی۔ مرزاؤس۔ بمبئی	۲۵	" " "
۲۶	والد صاحب کا خط گردیال سنگھ کے نام	۲۶	" " "
۲۷	ریاض الحسن شمسی بریلیوی	۲۷	مارچ ۱۹۵۵ء
۲۸	شیخ اقبال علی صاحب گھیاری منڈی لکھنؤ	۲۸	" " "
۲۹	بشن بے پوری راجستھان	۲۹	" " "
۳۰	سید ابوالحسن علی ندوی۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ	۳۰	" " "
۳۱	برج لال، جہلا کالونی گاندھی نگر۔ دلی	۳۱	" " "
۳۲	خانی	۳۲	" " "
۳۳	مولانا اسد اللہ میرٹھی	۳۳	" " "
۳۴	آفتاب احمد مرحوم محلہ چاہ غوری اروہہ	۳۴	" " "
۳۵	خانی	۳۵	" " "
۳۶	خلیفہ مقبول احمد مرحوم روضہ سرہند	۳۶	" " "

نمبر شمار	نام جن کے خطوط والد صاحب کے نام	خط نمبر	سن
۳۷	کافی زین العابدین میرٹھ	۳۷	اپریل ۱۹۵۵ء
۳۸	خالی	۳۸	" " "
۳۹	حافظی بہادر خاں ایڈیٹر لال بہی	۳۹	" " "
۴۰	مولانا محمد سلیمان باجوڑی صاحب	۴۰	" " "
۴۱	دیس احمد آزاد خدام خلق بکھنؤ	۴۱	اپریل " "
۴۲	سعید اختر ایڈیٹر مہینہ بھنور	۴۲	" " "
۴۳	میری حبیب الرحمن مقام باجری انبالہ	۴۳	" " "
۴۴	کوثر میرٹھی پمدانہ میرٹھ	۴۴	" " "
۴۵	سید معین الدین ایڈیٹر معارف اعظم گڑھ	۴۵	" " "
۴۶	سید محمد احسان حکیم بادشاہ میاں الہ آباد	۴۶	جون ۱۹۵۵ء
۴۷	کاری محمد طیب دیوبند	۴۷	جولائی ۱۹۵۵ء
۴۸	سید انیس الرحمن دریا پورہ پٹنہ	۴۸	" " "
۴۹	حضرت اقدس شاہ عبدالقادر ریلے پوری کے نام	۴۹	" " "
۵۰	مولانا حبیب الرحمن ریلے پوری	۵۰	" " "
۵۱	مولانا حبیب الرحمن ریلے پوری	۵۱	" " "
۵۲	مولانا حبیب الرحمن ریلے پوری	۵۲	" " "
۵۳	مولانا حبیب الرحمن ریلے پوری	۵۳	" " "
۵۴	لطیف اللہ خاں زمیندار علاقہ میرچند پورہ	۵۴	" " "
۵۵	منشی پیارے لال لدھیانہ	۵۵	" " "
۵۶	انور ملک انیسرا میر لاٹنر کولہو لاہوری	۵۶	" " "
۵۷	یدھ دیو ایڈیٹر طالب حیدر آباد	۵۷	" " "



نمبر شمار	نام جن کے خطوط والد صاحب کے نام	خط نمبر	سنہ
۵۸	چودھری عبدالرحمن فروٹ منڈی لائلپور	۵۸	جولائی ۱۹۵۵ء
۵۹	خان محمود علی خاں ایم۔ ایل۔ اے کیلاش پوری	۵۹	" " "
۵۹	کمرہ نمبر B بلاک دارالشفار لکھنؤ	"	" " "
۶۰	جسرنٹ رائے شرمالہ دیانوی لدھیانہ	۶۰	" " "
۶۱	حامد الحسینی منیچنگ ایڈٹیر عرفانی بھوچر آباد بہار	۶۱	" " "
۶۲	میاں عبدالعزیز لائلپوری۔ لائل پور	۶۲	" " "
۶۳	سید رشید احمد دین پور شریف سندھ	۶۳	" " "
۶۴	نواب احمد سعید صاحب نواب آٹ چٹاری	۶۴	جنوری ۱۹۵۶ء
۶۴	راحت منزل۔ علی گڑھ	"	" " "
۶۵	سید احتشام الحسن کاندھلہ ضلع مظفر نگر محلہ مولویان	۶۵	" " "
۶۶	سید مجتبیٰ احمد پکی سرسہ مظفر پور۔ بہار	۶۶	" " "
۶۷	لال چند	۶۷	" " "
۶۸	سید فضل الرحمن منڈی سلاوالی سرگودھا	۶۸	فروری ۱۹۵۶ء
۶۹	لالہ بدری ناتھ فیروز پور چھاؤنی	۶۹	" " "
۷۰	خان محمد کنڈیان ضلع ڈیرہ غازی خاں	۷۰	" " "
۷۱	شمس النصار بیگم بیوہ آفتاب احمد امرہہ	۷۱	مارچ
۷۲	شمس النصار بیگم بیوہ آفتاب احمد امرہہ	۷۲	" " "
۷۳	ڈاکٹر ریاض الدین سرگودھا پاکستان	۷۳	" " "
۷۴	سید عبدالحمید بھادلی پور پاکستان	۷۴	" " "
۷۵	محمد آصف ابن مولانا محیر طاهر مرحوم دیوبند	۷۵	" " "
۷۶	علی محمد جالندھری گوجرا ضلع لائل پور پاکستان	۷۶	" " "

نمبر شمار	تمام جہ کے خطوط و لد صاحب کے نام	خط نمبر	تاریخ
۷۷	احمد حسن حیرہ شاہ میں ضلع منٹگمری	۷۷	۶، ۹، ۵۶
۷۷	حسن نظامی	۷۷	۵، ۵، ۵
۷۸	بابو محمد بیاسید سیوہ منڈی اورت سر	۷۸	۵، ۵، ۵
۷۹	مولانا غلام رسول مہرا جیٹیر نقاب لاہور	۷۹	۵، ۵، ۵
۸۰	ڈاکٹر حفیظ الدین سرگودھا پاکستان	۸۰	۵، ۵، ۵
۸۱	چمن خان ڈاکٹر شیر پور اپ دہلی	۸۱	۵، ۵، ۵
۸۲	اکرام الحق سرفراز جانی محمد گلزار رنگ دہلی	۸۲	۵، ۵، ۵
۸۲	متن علی گڑھی گلزار دہلی - کراچی نمبر ۲	۸۲	۵، ۵، ۵
۸۳	دکین حق لال کالیہ دھیانہ	۸۳	۵، ۵، ۵
۸۴	محمد بیہ الدین تاجر صدر - کراچی نمبر ۳	۸۴	۵، ۵، ۵
۸۵	مولانا فضل الرحمن حسن پوری	۸۵	ستمبر ۱۹۵۵
۸۶	مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث	۸۶	۵، ۵، ۵
۸۷	گلزار احمد لدھیانوی	۸۷	سے نہیں ہے

۱۵ جولائی ۱۹۳۸ء

قبلہ والد بزرگوار دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ہمیشہ نہ بیدہ مرحومہ صدقات سے بالکل چور ہو گئی تھی۔ میں پانچ تاریخ کو پہنچا تھا اور عزیز چھ تاریخ کو لائل پور پہنچ گیا تھا۔ عزیز جب پہنچا تو اس کے ہوش و حواس قائم تھے۔ ہمیشہ جنت کو سدھار گئی۔ اس کی آخری باتیں ہمیشہ یاد رہیں گی۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خداوند تعالیٰ کی محبت کا غلبہ آخر میں اس قدر تھا کہ مجھ سے کہنے لگی عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور محبت خدا تعالیٰ مجھے اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ جلدی وصال ہو جائے۔ مجھے اور عزیز الرحمن کو دیکھ کر بہت مروتی رہی۔ ہم دونوں بھیائوں نے بل کر زیادہ سے زیادہ جتنی خدمت ہو سکی کرتے رہے۔ اپنی موت کا وقت اور دن پہلے بتا دیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ مرحومہ کے دل میں دنیا کی محبت کا ایک شائبہ تک نہیں تھا۔ اللہ اور اللہ کے رسول کے سوا اس کو اور کوئی چیز یاد نہیں رہی تھی۔ باقی حالات ملاقات کے وقت عرض کر دوں گا۔ عزیز الرحمن دونوں بچوں کو ہوائی جہاز سے ہمراہ لے کر دہلی پہنچ جائے گا۔ والسلام خلیل الرحمن

محترمی قبلہ والد صاحب

السلام علیکم۔ میں ۶ جولائی کی دوپہر کو لائل پور آیا۔ مرحومہ کی زندگی اور ہوش میں پہنچ گیا۔ آپ مرحومہ کی کوئی خدمت نہ کی۔ میرے سامنے انتقال ہوا اور میں نے ہی ان کی آخری خواہش کے مطابق قبر میں اتارا۔ آج لاہور جارہا ہوں۔ سیٹیں ریئر د ہو جائیں گی تو خیال ہے کہ ۲۲/۲۳ جولائی تک عزیز بلال اور عزیزہ حاجرہ کو ساتھ لے کر حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔

والسلام۔ خادم عزیز الرحمن جامی۔ لدھیانوی

۸ شوال ۱۳۶۷ھ ۱۹۳۸ء

محمدی و محترمی جناب بھائی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم۔ آپ کا نوازش نامہ ملا۔ بندہ کو اور مولوی انیس الرحمن کو لیگ دالوں نے سہ ہمشیرہ زبیدہ کا انتقال ۸ جولائی صبح دس ہوا۔



سبے دخل کر دیا ہے۔ قصور یہ ہے کہ ہم آپ کے رشتہ دار ہیں۔ وغیرہ۔ خداوند تعالیٰ ہمارے  
 حال پر رحم فرمائے اور ہمارے گناہ معاف کر دے۔ آمین۔ ہر طرح سے خیریت ہے۔ سب سے  
 سلام عرض کر دیجئے۔ فقط والسلام محمد عیسیٰ۔  
 ۸ رزی الحجہ ۱۳۹۸ھ، ۱۳۴۸ھ

محمد عیسیٰ محترمی جناب بھائی صاحب دام نہرکم

السلام علیکم۔ آپ کا فالانامہ ملا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہت جلد صحت عطا فرما دے۔  
 جناب بھوپتی صاحبہ اپنے نواسے سیف اللہ کے ساتھ ضلع گوجرانوالہ میں رہتی ہیں۔ کبھی بھی انہوں نے  
 اپنی خیریت کا خطاب تک نہیں بھیجا۔ ہم سب یہاں بے کار ہیں۔ کسی کاروبار کے لئے کوشش کر رہے  
 ہیں۔ مذہبی خدمت سے بالکل محروم ہو گئے ہیں جس کا بہت زیادہ افسوس ہے۔ دعا کریں کہ اللہ  
 تعالیٰ کوئی سبیل پیدا کرے۔ چودھری محمد علی صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ہماری زمین کے متعلق  
 ضرور سفارش کریں گے۔ یوپی کے بہت سے لوگ کراچی چلے گئے ہیں۔ جھوڑ نے اپنا کاروبار  
 یہاں شروع کیا ہوا تھا۔ ان میں سے اگر کوئی آدمی اپنی دکان وغیرہ میں دے دے تو ہمارا کام  
 چل سکتا ہے۔ ڈپو جو ہمارے پاس تھا وہ بند ہو گیا تھا۔ حضرت منتر صاحب نے اپنی چھوٹی لڑکی زہرا  
 کا نکاح مولوی محمد رمضان صاحب کے چھوٹے لڑکے سے کر دیا تھا۔

محمد عیسیٰ غفرلہ لدھیانوی

ابادان سیران۔ ۱۲ فروری ۱۳۵۴ھ

خدمت شریف جناب حضرت مولانا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ موجودہ خیریت مطلوبہ عافیت احوال آنکس مدت کے بعد  
 آپ سے بذریعہ خط ملاقات کر رہا ہوں۔ ماہ نومبر ۱۹۲۷ء میں آپ کی قدم پوسی کے بعد بندہ ایران  
 کے سفر کو روانہ ہوا تھا۔ وہیں نے دو دفعہ بذریعہ خط آپ کو یاد کیا۔ مگر نامعلوم میرے خط آپ کو ملے تھے

ایک نہیں میری واپسی ایران سے ۲ سال ۶ ماہ بعد ہوئی۔ ۳ ماہ گھر رہا جس میں جناب کی ملاقات  
 چار دفعہ دولت کدہ پر حاضر ہوا مگر ملاقات سے محروم رہا۔ مولانا خلیل الرحمن صاحب سے  
 ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ جناب گورنمنٹ کے گھر کے مہمان ہیں۔ مولانا محمد حسن صاحب (جو کہ میرے  
 پرانے استاد مسلم ہائی اسکول دسویہ ضلع جوشیار پور ہیں) اور مولوی عیسیٰ صاحب سے ملاقات  
 نصیب ہوئی۔ پھر بندہ نے سفر ایران کی تیاری کی۔ دوسری بار واپس ایران سے دو سال چھ ماہ  
 بعد گھر آیا۔ چار ماہ پھر گھر رہا۔ دوبارہ دولت کدہ پر حاضر ہوا جب بھی آپ اسی گھر کے مہمان تھے  
 جب میں بمبئی جہاز کے انتظار میں مقیم تھا تو آپ کی رہائی شملہ سے ہونے کی خبر سنی۔ ۱۵ روز بعد  
 ایران آنے والے جہاز پر سوار ہو کر اگست ۱۹۴۵ء میں آبادان پہنچ گیا۔ اب انشاء اللہ اگست ۱۹۴۶ء  
 کے بعد واپسی رخصت وطن کے واسطے ہوگی۔ اگر میرے مولا کو منظور رہا تو ملاقات نصیب ہوگی۔ جو  
 خواہش ان ۱۰ سال تک ملاقات کی رہی ہے اور میں کوشش سے آپ کی خدمت میں پہنچتا  
 رہا ہوں وہ خدا ہی جانتا ہے۔ باقی میں اپنی زبان سے کیا ادا کروں فقط آپ کی خدمت میں تمام  
 کرتا ہوں کہ آپ بزرگ دعا فرمائیں کہ خداوند کریم مجھ گنہگار کو آپ کی ملاقات نصیب فرما دے تو میرے  
 دل کی آواز قبول ہو دے۔ شاید آپ مجھے بھول گئے ہوں گے۔ میں چودھری محمد علی صاحب جو  
 جالندھر شہر میں رہتے ہیں ان کا چھوٹا بھائی غلام محمد ہوں۔ ہم دسویہ کے پاس ایک گاؤں  
 کے قریب زمیندار ہیں۔ میں بھولا نہیں ہوں جو جو احسانات میرے ادب پر آپ بزرگوں نے کئے ہوئے  
 ہیں میں وہی ہوں جس کو آپ نے دہلی محلہ بلیار ان میں سیٹھ احمد حسن کے مکان پر بلایا تھا، وہاں  
 سے لو اب حاجی مقصود علی خاں صاحب کیلاشپور۔ سہارن پوری کے پاس بھیجا تھا۔ انھوں نے  
 مجھے یوپی ہائیڈرو الیکٹرک میں ملازم کر دیا تھا۔ خیر یہ قصے لمبے ہیں۔ آپ مجھے پہچان گئے ہوں گے  
 دو دفعہ رخصت کے دوران میں لو اب صاحب کی ملاقات کو گیا ہوں۔ مگر محروم رہا ہوں۔ آپ  
 کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ میرے نام وہ اخبار جاری کر دیا ہے گا جو کہ جماعت احرار کا  
 حامی یا خود جماعت کا جاری کردہ ہو۔ ایک صاحب امرتسر سے اپنی جماعت کے یہاں رخصت سے

سے حل میں واپس آئے تھے۔ انہوں نے کہہ ہے کہ ”آزاد“ نام سے ایک اخبار جاری ہے اور وہ  
 احرار کا اخبار ہے اور سنا ہے کہ ایک اخبار نواب صاحب کے ہاں سے نواب محمود علی خاں صاحب بھی  
 سہارن پور سے نکالتے ہیں۔ دوسرے زمزم لاہور۔ مدینہ بخیر بھی سنا ہے کہ احرار کے حامی ہیں  
 جو اخبار اپنا ہونے کو دہی چاہتے ہیں جو آپ سمجھادیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک خط اخبار کے منیجر ایڈیٹر  
 کی طرف سے ہوا کہ چندہ کیا ہے اور کس کے نام روانہ کریں، کیونکہ ہم الزامات، برائے منہ آرہے ہندوؤں  
 کو نہیں کر رہے۔ ایمان گورنمنٹ کے قانون کے خلاف ہے۔ البتہ ہم جماعت کے حامی ہیں تو اپنے  
 حساب بنک انڈیا سے یا رخصت پر آنے والے اصحاب کے پاس دے کر جو ہندوستان پہنچ کر منی آرہے  
 ان کے نام کر دے گا۔ چندہ کی کوئی فکر یا اندیشہ نہ ہونے پائے۔ اخبار جاری جلد سے جلد کر دیا  
 جائے۔ ہم مسلمان ہندوستان کی یہاں بہت ہیں۔ کوئی ۳۰۰ روپیہ سے کم تنخواہ دے نہیں۔ اپنی  
 جماعت کے آدمی یہاں بہت ہیں۔ لنگی بھی بہت ہیں۔ پچھلے دنوں میں لیگ کا چندہ یہاں سے چندہ ہر  
 روپیہ ہوا ہے۔ اور سب نااہل لوگوں نے کیا ہے۔ زیادہ تر وہ لوگ جو کہ ہندوستان کے سیاسی معاملات  
 کو نہیں جانتے ہیں محض یہ سمجھتے ہوئے کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی جماعت ہے۔ یہاں ۳۴ آدمی خکسار  
 میں جنہوں نے اپنی جماعت کو ۲۳۰۰ روپیہ بھیجا ہے۔ ہمارے آدمی بہت ہیں انڈیا پر دیکھنا کہ  
 ضرورت ہے اور صحیح حالات کی خبر تاکہ لوگ سمجھ جائیں۔ لہذا آپ اپنی جماعت کے حالات اور جلد  
 سے اخبار جاری کرنے سے مستفیذ فرمائیں۔ اخبار یہاں آسکتے ہیں۔ صرف لڑائی کے وقت  
 میں سنسر ہوتے تھے اور مخالفت تھی صرف سیاسی اخبارات کو باقی آتے تھے، ہم کو اس بات کی  
 خبر ملے کہ اپنی جماعت آج کل کیا کر رہی ہے اور اگر ہم لوگ متفق ہو کر کچھ رقم بھیجنا چاہیں تو کس کے  
 نام بھیجیں لہذا اخبار ضرور جلد ہی جاری ہو جائے تو حالات صحیح لوگوں پر انکشاف ہوتے رہیں۔  
 اپنی جماعت کے آدمی بہت ہیں مگر خاموش۔ اخبار آنے سے ہم لوگ کچھ جاگ پڑیں گے۔ دوسرے  
 ان لوگوں کو اسلامی جماعت کی واقفیت ہوگی جو کہ خدا واسطے کی دشمنی ہم سے کرتے ہیں۔ میں امید  
 رکھتا ہوں کہ آپ مجھے ناامید نہ رکھیں گے۔ میرے خط کا بھی جواب دیں گے اور میری آرزو کو بھی



پورا کریں گے آپ کی نہایت ہی مہربانی اور اسلامی خیریت ہوگی۔ دوسرا بندہ چونکہ ۶۱۵ ماہ تک نصرت پر آمادہ ہے۔ لہذا کارملائی سے یاد فرمادیں۔ دوسرے ایران اور عراق کے حالات تو دیکھنے اور سننے سے تعلق رکھتے ہیں۔ سب لوگ آ رہے ہیں۔ خرچ بھی کچھ نہیں ہے آپ ایک دورہ ادھر کا کریں۔ اب تو اجازت عام ہے۔ نواب صاحب نے مجھے جب آیا ہوں تو فرمایا تھا کہ خط لکھنا میں آؤں گا، میں نے خط بھی لکھے، مگر نہ وہ یہاں تشریف لائے اور نہ ہی میرے خط کا جواب ملا، کبھی ملاقات ہو تو میرا سلام عرض کر دیجئے گا۔ باقی بندہ کی طرف سے مولانا محمد نعیم صاحب، مولانا محمد عیسیٰ صاحب مولانا محمد حسن صاحب مولانا خلیل الرحمن صاحب، مولانا عزیز الرحمن صاحب دوسرے سب اہل قبلہ و پرسان حال کی خدمت میں دعا سلام قبولی ہو دے۔ رخط ہوائی جہاز پر ایک روپے چاس پیسے کا ٹکٹ لکھایا جائے۔ دعا گو غلام محمد الیکٹریشن ای۔ بی۔ ۵۲۴ کوادر نمبر ۱۰۵۸

اینکوار ایرانین آئیل کمپنی لمیٹڈ آبادان - ایران

صلح ملتان - ۱۹۳۵ء

محترم حضرت مولانا صاحب

السلام علیکم۔ گرامی نامہ ملا۔ حضرت سائیں طور شاہ صاحب اسی جگہ تشریف رکھتے ہیں۔ برسر حکومت پارٹی قابیل کے زمانے سے غریبوں کی دشمنی ہے۔ خود عیش و عشرت اور اصراف میں مصروف ہیں۔ مسلمان ہاجرین طرح طرح کے عذاب میں گرفتار ہیں۔ اہلکاروں کو اگر دوزخ کے فرشتوں سے تشبیہ دی جائے تو بے جا نہ ہوگا آتشیں گرز لے کر ہاجرین کے پیچھے بے چین پھرتے ہیں۔ حاکم اور اہل طبقہ اول درجے کے زنا کار بے شرم ہیں یہاں اگر نہ کسی داناکہ دانائی نہ ہنرمندی نہ ہنرمندی نہ کاشتکار کی کاشتکاری غرض کہ جو صفات اللہ تعالیٰ نے دی تھیں سب کھو بیٹھے۔ بے ایمانی، دغا بازی، بے دینی کا دور دورہ ہے۔ زندوں کے سینے کو کپڑا مردوں کو کفن نہیں ملتا۔ تجارت برکیوں کا اس قدر بڑھ چکا ہے کہ تاجروں کی کمری تو ڈری ہیں۔ حکومت خود ادا سرمایہ دار بلیک کر کے غربا کو بھوکے اور نیلے مار دینے پر تے ہوئے ہیں اور ۱۹۳۵ء سے پہلے کی غلطی

اور موجودہ آزادی کا مقابلہ کیا جائے تو عوام اس فٹلٹی کو ترجیح دیتے ہیں / ۲۵۰ روپیہ سے ناپید ادا کرتے  
 والوں پر زرعی بھاری ٹیکسء مذکور دیا گیا ہے۔

سنا ہے آپ نے کچھ کپڑے کی تجارت کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ کیا یہ ٹھیک ہے۔ باقی باتیں  
 ایسی ہیں جو زبان پر لائی نہیں جاسکتیں۔ فرمایئے وہی میں مسلمانوں کی کس قدر تعداد ہوگی اور اب ان  
 کی حالت اچھی ہوگی۔

جان محمد بلاک ۷۷ خاص

مصنف: المبارک

محترم و مکرم حضرت مولانا زید مجاہد سلم علیکم درمۃ اللہ

آپ کا محبت نامہ اور احاطہ اس اور درد سے بھرا ہوا محبت نامہ ۲۶ جولائی کو ملا جس شخص کے  
 لئے آپ جیسا دل اور سآپ کی آنکھیں ہیں اسے کسی بات کا غم نہیں کرنا چاہئے۔ میرے یقین اور یگانہ ہے  
 کہ ایک درد مند دل کی دعا ہر قسم کے مصائب کو راحتوں سے بدل دیتی ہے لڑکی اور بیوی مرحومہ کے  
 انتقال کا صدمہ بے شک بڑا صدمہ ہے مگر مرنا ہم سب نے ہے۔ کوئی بد دن آگے کوئی دودن پیچھے۔  
 مگر ان صدقات کے مقابلے میں جو دعائیں مجھ کو ملی ہیں اور مرنے والوں کو وہ سب سے بڑی نعمت ہے کہ  
 اللہ تعالیٰ ہم کو اخلاص اور ایمان اور عمل صالح کے ساتھ زندہ رکھے اور سب کو تنہا رستی عنایت فرمائے  
 ۔ زندہ میں کسی کا محتاج نہ کرے اور سامن سے بیٹھنے کی جگہ نصیب ہو سآئین۔ اور موت ایمان اور اخلاص  
 پر نصیب ہو۔

۱۔ ہم اللہ آپ جب چاہیں مل سکتے ہیں کوئی خطرہ نہیں۔ آپ جب چاہیں یہاں تشریف لے گئیں۔  
 اگر آپ کو کوئی غمی پریش کی ضرورت ہو وہاں سے بندہ سبست کر لیں۔ ورنہ میں یہاں سے بندہ سبست  
 کر سکتا ہوں۔ ایک ایسے آدمی کو جس کا مقصد دین اسلام کی خدمت ہو اور سیاسی الجھنوں سے علیحدہ رہا  
 ہو اسے کہیں بھی کوئی خطرہ نہیں۔ آپ مصنفان شریف کے بعد ضرور آئیے۔ ضرور تشریف لائیے مجھے  
 بہت خوشی ہوگی

۲۔ بعض لوگ غیر مسلموں کیلئے دعا نہیں کرتے ہیں اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ یہ راستہ صحیح نہیں۔ ہمیں رد و گران کی اصلاح حال کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے جنگ خندق کے ہر حال میں اپنے مخالفین اور قاتلوں کے لئے ہدایت کی دعا فرمائی اور جب کچھ الفاظ بد دعا کے نکلے تو دھمی الہی نے رد کر دیا۔

کُنْ لَکَ مِنَ الْأَمْرِ شَیْءٌ کہہ کر بد دعا کرنے کو بند کر دیا۔ میرا ناقص علم یہ کہتا ہے کہ پیر کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخالفین کے لئے بد دعا نہیں فرمائی۔

۳۔ حضرت رائے پوری قطب عالم دامت برکاتہم سے کسی نے سوال کیا کہ اسلام اور مسلمان اب کیسے زندہ رہ سکتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ مکی زندگی، ختم کر لیں۔ یعنی مکے میں جس طرح مسلمانوں نے سچا تقویٰ، پیر میر گاری، دیانت، خدا پرستی کا علی الاعلان کر کے اپنے عزیزوں، رشتہ داروں، دوستوں ہم وطنوں سے صرف ماری نہیں کھائی بلکہ بعض ان میں سے قتل بھی ہوئے۔ مگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر کسی مسلمان نے اپنے ان مخالفین کے لئے بد دعا نہیں کی۔ لڑنا تو وہ کتنا انتقام کا جذبہ بھی پیدا نہیں ہوا۔ رہ سچائی پر رہے، سچائی کا راستہ، ایسی حالت میں ترک نہیں کیا۔ اور جو سچائی سے انھیں ہٹانا چاہتے تھے ہر حال میں ان کے لئے دعا کی۔ اگر مجھے غلط یاد نہیں تو ایسا ایک روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھی جو بہت مصیبت زدہ تھے حضور کی خدمت میں آئے اور کہا کہ اہل مکہ کے لئے آپ بدعا فرمائیں تو آپ نے فرمایا خدا نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے بد دعا کرنے کے۔ نہیں بھیجا اور اس وقت فرمایا کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے۔ یہ نہیں جانتے کہ میں کیا کہتا ہوں۔ صرف اصلاح خیال کے لئے یہ سب کچھ لکھا گیا ہے۔

۴۔ بعض انبیاء میں یہ شور برپا ہے کہ پاکستان میں اسلامی نظام حکومت ہونا چاہئے۔ مجھے اس لفظ کے سننے سے سخت گجرا ہٹ ہوتی ہے کہ غیر مسلم دنیا اسلامی قانون کا معنی دہی سمجھتی ہے جو ہمارا انفرادی اور اجتماعی زندگی کا طرز عمل ہے۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ اسلام کا نام اور اس کا کلمہ بلند ہو جائے کہ پاکستان کے مسلمان عوام اور حکومت اور علماء یہ اعلان کریں کہ جو غیر مسلم پاکستان سے



نکالے گئے ہیں ان کو واپس یہاں بسایا جائے گا۔ اور ان کے مال، جان، آبرو کا جو نقصان ہوا ہے  
 سب ادا کیا جائے گا۔ اور جو تکلیف ان کو مسلمانوں کی طرف سے پہنچی ہے اس کی معافی مانگی جائے گی۔  
 یہ اذن اسلام کے قانون میں کوئی بڑی بات نہیں تھی بلکہ اسلام کے قانون نے بدترین خلیفوں کے زمانے  
 میں بھی غیر مسلموں کا تحفظ یعنی ان کی آبرو ان کی جان، ان کا مال ان کے مذہب کا اس سے کہیں  
 زیادہ تحفظ کیا ہے۔ قانون اسلام اس بارے میں بالکل واضح اور صاف ہے کہ باہر کے غیر مسلم  
 کچھ بھی کریں لیکن جو غیر مسلم اسلامی حکومت میں رہتے ہیں ان سے کسی قسم کا بدلہ یا انتقام نہیں لیا  
 جائے گا۔ بلکہ اگر اسلامی حکومت کے اندر بھی کوئی غیر مسلم مسجد کی تعمیر کرے تو اس کے بدلے میں بھی  
 ان کی عبادت گاہ کی تعمیر نہیں کی جاسکتی۔ آج یہودیوں سے عربوں کی جنگ ہے۔ مگر قاہرہ (مصر)  
 میں جو یہودیوں کی بستیاں آباد ہیں ان میں سے کسی کی تکسیر پھوٹنے کی خبر بھی آپ نے پڑھی ہے ؟  
 میرے محترم پاکستان میں غیر مسلموں کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ کم ہوتا ہے۔ زیادہ اس کا صحیح معادلہ ان کو فوراً  
 منہ چاہئے۔ اور ان کو بے سہارا چاہئے کیونکہ اسلام کی تبلیغ کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں تو یہی طرز عمل ہے  
 جو پاکستان میں غیر مسلموں سے اختیار کیا۔ خدا مولا غلام محمد صاحب گنڈوڑی کو جنت الفردوس میں سب  
 سے بڑی جگہ عنایت فرمائے۔ انھوں نے بھاول پور میں جیسے ہی فساد ہوا فوراً فتویٰ شائع کیا کہ کسی  
 غیر مسلم کا مال، جان، آبرو مٹانے کی حرام ہے۔ کاسٹس پاکستان کے سارے علماء اس قسم کا اعلان  
 انگریزی، اردو ہندی میں لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر شائع کرتے۔ دہلی سے کسی نے پوچھا تھا کہ یہ  
 جہاد ہے یا فساد۔ کیا یہ قوموں کے درمیان جنگ یعنی ہندو مسلمان، سکھ کے درمیان جنگ ہے۔  
 انھوں نے فرمایا: یہ جہاد نہیں ہے۔ فساد ہے۔ نہ یہ قوموں کی آپس کی جنگ ہے، کیونکہ جہاں ہر قوم کے  
 کئی آدمیوں نے ایک دوسرے پر ظلم کیا ہے وہاں ہر قوم کے آدمیوں کو بچایا۔ اسی طرح بچنے والے ان کا سکھ  
 ادا کرتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ پاکستان میں کہا جاتا ہے کہ ہندو تو برباد شدت کیا جاسکتا ہے، سکھ  
 برباد شدت نہیں کیا جاسکتا۔ اگر یہ بات کہی جاتی ہے تو اس سے زیادہ غلط کوئی بات نہیں سیکرول  
 اور ہزاروں سکھوں کو یہیں جانتا ہوں جنھوں نے مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کو بچایا ان کی عورتیں

بچا کر دیں۔ اگر بابو بچن سنگھ ایم۔ ایل۔ اے کو مشرقی پنجاب کا وزیر بنا دیا جائے تو آج مسلمان دنیا  
 آباد ہو سکتے ہیں۔ بابو بچن سنگھ صاحب نے جان پھیل کر میری موجودگی میں مسلمانوں کو بچایا ہے  
 یہ فساد نہ مذہبی تھا نہ قومی ران فسادات کے پیچھے سیاست کے گہرے اغراض تھے۔ یہ سب کچھ میں نے  
 تفصیل سے اس لئے لکھا ہے کہ آپ جیسے علماء کو ٹھیک ٹھیک اسلام پیش کرنا چاہئے اور غیر مسلم  
 دنیا کے لوگوں کو یہ ظاہر کرنا چاہئے کہ اسلام امن ہے فساد نہیں ہے۔ میں تو یہ سمجھا تھا کہ پاکستان  
 بننے کے بعد پاکستان کے غیر مسلم اعلان کریں گے کہ جو ہمیں امن و راحت اس حکومت میں ہے کسی  
 حکومت میں نہیں حاصل ہو سکتا۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ اصل مقصد تو اسلام کی عزت  
 اور اس کی حفاظت ہے۔ لیکن اگر ہندوستان کے چار کروڑ مسلمانوں کو بچانا چاہتے ہیں اور ان کو  
 آباد و دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے بھی شدید ترین ضرورت ہے کہ پہلی فرصت میں پاکستان کے عوام  
 اور حکومت ہاتھ جوڑ کر مغربی پاکستان کے غیر مسلموں کو یہاں سے لے جائے۔ لاکھوں غیر مسلم اس وقت  
 جلد فرکوتیار ہیں بشرطیکہ ان کو امن کے ساتھ رہنے کا یقین ہو جائے۔ باقی پھر۔ ڈاک سب کی  
 سنسر ہوتی ہے۔ فکر نہ کریں، بلکہ سنسر کرنے والے گو نہ اس قدر زیادہ لگا دیتے ہیں کہ خط لفظ  
 کے ساتھ چپک جاتے ہیں۔ فقط

(مولانا) حبیب الرحمن لدھیانوی۔ کوچہ رحمن۔ چاندنی چوک۔ دہلی

غانی جناب، مکارم اخلاق مولانا دامت برکاتہم

اسلام علیکم درجۃ النور۔ آج شریف۔ اپنے حالات کیا عرض کئے جائیں، انسان کچھ  
 سوچتا ہے مگر مولا کریم کچھ کرتے ہیں۔ ہر ارادہ اور ہر فعل اس کے ماتحت ہو کر سب ویسے ہی ظہور  
 کرتے ہیں جو اس کا اپنا ارادہ اور حکم ہو۔ دیرا مکمل بنوایا۔ قائل بنوانے کے لئے ہدایت ہوئی کہ وہ  
 افضل صاحب بنوادیں گے۔ بارش اس درجہ کی آئی اور ساتھ ہی اس کے ایسے سیلاب کا آسمان  
 سے نازل ہوا کہ الاماں۔ میں درجہ کا سیلاب آیا اس کی کیفیت کیا بیان کی جائے۔ ضلع سیالکوٹ  
 کی تحصیل و زوال اور ارد گرد کا شدید جانوں اور مالوں اور مکانات کا نقصان ہوا سیالکوٹ

خاص طور پر بچ گیا۔ سیلاب اس درجہ کا آیا کہ سلسلہ ڈاک بند۔ گاڑیاں بوجھ لائن خراب و تباہ ہونے کے بند، لاریا بوجھ سٹرکیں خراب ہونے کے بند ہو گئیں۔ لاہور میں جس قدر پانی آیا اس کا ذکر کیا ہو سکے۔ گاڑی سیدھی لاہور نہیں جاتی۔ اب لائن بننے میں کافی دیر لگے گی۔ وزیر آباد سے الگ ہو کر شیخوپورہ کے راستے گاڑی بڑا چکر کاٹ کر جاتی ہے۔ ملتان کا راستہ بند، گاڑی بند اور لاری بھی بند تھی۔ عارف دار اور لنگری پاک پٹن میں اب تک پانی بہہ رہا ہے اور ابھی کم نہیں ہوا۔ راستوں پر بڑی مصیبت پڑتی ہے۔ وہاں سب نیست و نابود ہو گیا ہے۔ سیلاب کیا تھا حق تعالیٰ کی تار و خالی کا باعث، یہ حال تھا۔ لائل پور گیا۔ سیالکوٹ سے لاری پر وزیر آباد تک گیا۔ وہاں سے گاڑی پر لائل پور آیا۔ لائل پور میں پانی نہ تھا۔ صرف ایک یوم رہا۔ دل نہ لگا۔ مولوی انیس الرحمن سے صرف گھنٹہ دو گھنٹہ ملاقات کر سکا۔ قیام شہر میں تھا، جلد آنا تھا، عصر کے وقت طے مغرب کے بعد وہاں سے شہر آگیا۔ ضروری باتیں جو قابلِ دریافت سفر تھیں ہوئیں۔ ان دنوں میں ڈاک کا سلسلہ بھی بند ہر طرف تھا۔ اس وجہ سے مبلغ شہر پیہ بھاؤں پر حسب الارشاد اس پتہ پر نہ بھیج سکا۔ یہ خیال تھا کہ ۱۰۰ کی بجائے ۲۰۰ ہوتے تو اچھا تھا۔ جس پر خط جناب کو لکھا کہ ۱۰۰ سے میرا سفر میں کچھ نہ بنے گا۔ باقی ۱۰۰ اکہاں بھیجا جائے۔ تاکہ ۲۰۰ روپیہ دہلی میں مل جائے۔ پر کچھ بن جائے گا۔ جس کا جواب صرف والا میں مانگا تھا۔ پھر راستے یکا یک سیلاب کی وجہ سے بند ہو گئے اور میرا بھی وہاں جان بند ہو گیا۔ معلوم نہیں آپ نے بھی وہاں جواب دیا ہے یا کہ نہیں۔ لائل پور سے راولپنڈی چلا گیا۔ وہاں صرف دو روز رہا۔ دل نہ لگا۔ ہر طرف بیماری، بد بختیاں تھیں۔ ادھر احقر کے بھی سرد، دائر بدن میں بوجھ درٹاگوں میں درد محسوس ہوتا ہے۔ طبیعت پریشان و مغموم رہتی ہے۔ دل پر خوشی نہیں آتی۔ امراض بڑھ رہے ہیں۔ یہ موسم پہلے ہی ایسا ہو چکا ہے۔ مگر سیلاب نے اور بھی عوام کو پریشان و بیمار کر رکھا ہے۔ کوئی گھرا یا نہیں جہاں میاں نہ ہو۔ یہ بھی اثر دل پر پیدا ہے۔ علالت میں جو حالت مریض کی ہوتی ہے، میں اللہ ہی حافظ ہے۔ پندرہ سی کی علالت تو ایک قابلِ رحم حالت ہے۔ کاروبار کا حال ایسا ہی ہے۔ خیال تھا کہ ماہ اکتوبر میں سفر



ہندوستان کا کیا جائے اور نومبر کے آخر میں سفر ختم کر کے واپس بخیریت تمام حق تعالیٰ اپنی جگہ پر پہنچا دیں۔ اب حالات ایسے پیش آگئے، نیز اب سردیاں سر پر زور سے آرہی ہیں۔ سفر ہر طرح بجائے راحت کے موجب کلفت و اذیت ثابت ہوگا۔ جان پر بوجھ و خطرہ اور مال و وقت ویسے ضائع۔ ان باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اس وقت ارادہ سفر کا ملتوی کر دیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا اور صحت و زندگی نے ساتھ دیا تو انشاء اللہ فروری میں سفر اختیار کیا جاوے گا تاکہ فروری اور مارچ بحکم الہی ہندوستان کی سرزمین پر بسر کئے جاویں۔

مولوی انیس الرحمن صاحب نے کہا تھا کہ جس قدر روپیہ خرچ ہوگا جلتے پر وہاں سے مل جائے گا۔ مگر آپ نے یہ نہیں لکھا کہ آپ نے ۱۰ روپے کا لکھا ہے کہ وہاں بھادول پور بھیج دوں۔ اگر زیادہ ضرورت ہوگی یہاں ہم دے دیں گے پھر جس طرح کہیں گے اس پر عمل کرنا۔ اگر یہ خیال رفع کر دیتے تو تسلی ہو جاتی۔

مولانا محمد صادق صاحب خطیب مسجد ٹوپیاں والے لہور منڈی لاہور والے شاہین الہی انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ اللہ مغفرت فرمائے۔ کیا اچھے سادہ عالم سنا خلق و خدا پرست حق گو نہ تھے۔ میرے لئے توادر ہی مصیبت ہوگئی کہ آتے جاتے وہاں قیامت بکھن کیا جاتا تھا۔ دل ملا ہوا تھا۔ اب لاہور کس کے پاس ٹھہرا جائے گا۔ مولانا صاحب مرحوم سے مسجد میں رونق اور دینداری اور خوش اعتقاد لوگوں سے رونق تھی۔ گویا لاہور کا آنا جانا بند ہو گیا۔ اللہ ان پر رحم فرمائے اور ہمارے حال پر بھی رحم و کرم فرما کر ہم پر احسان عظیم فرما دے۔ کل لاہور سے محمد فضل صاحب کا خط آیا کہ حسب ہدایت حضرت مولانا لدھیانوی بھیج دیں۔ اگر باڈر پہ سہولت پہنچا سکتے ہیں کہ آجادیں۔ جواب لکھ دیا ہے کہ مولانا کی ذات گرامی کی عنایات کا شکریہ اور آپ کی ہمدردی جو اس کے توسل سے کی جا رہی ہے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جب جانا ہوگا آپ جیسے مہربان کو لکھوں گا۔ غالباً ماہ فروری میں سفر ہندوستان کی انشاء اللہ تیاری کی جائے گی۔ والسلام

طالب دعا عبد اللہ غفرلہ سیالکوٹ دعا مولانا عبد اللہ سلمہ حضرت علیہ السلام میں نظام عالم تکوینی میں  
ابن کا درجہ رکھتے ہیں

سب کو اسلام علیکم عرض کر دیں۔

دیوبند جو رقم روانہ کی تھی وہ وہاں پہنچ چکی ہے۔ اطلاع بذریعہ دارالعلوم مل چکی ہے مگر اس میں تفصیل سے لکھا تھا کہ اس رقم میں سے حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب ندوی کو مبلغ ۵۰ روپے دئے جائیں۔ کیا آپ کو ۵۰ روپے ملے یا کہ نہیں تاکہ دریافت کر دیں، لکھا تو ہوا ہے۔ مگر ابھی تک جواب نہیں آیا۔ آپ ضرور منگوا دیں، مستم صاحب قاری محمد طیب صاحب سے دریافت فرمادیں۔ والسلام۔ کتبہ الاحقر عبد اللہ غفرلہ معرفت محمد فیروز سیٹھیاں  
صنلع سیالکوٹ۔ یکم نومبر

۵ نومبر سنہ شنبہ

مکرام اخلاق حضرت مولانا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف۔ نوادش نامہ ملا۔ انشاء اللہ مورخہ ۲۱ نومبر کو دیوبند پہنچ جائے گا۔ آج حسب لہرتی در محمد فضل صاحب کو خط لکھ دیا ہے، ان کا بھی خط آیا تھا۔ ۲۱ نومبر کو انشاء اللہ پہنچ جائے گا۔ یزید صاحب دیکھئے وہاں وہ کب دینا تیار کر کر دیا گھبرا کر عبور کراتے ہیں۔ خدا کرتے تکلیف نہ ہو، مجھ سے خود پہلے ہی واقف ہیں میں۔ خدات سے ان کے راہ و رسم کا پتہ چلے گا، کہ کس طرح سے پیش آتے ہیں۔ اور پھر اگر گاڑی چل چکی ہے تو لاہور ہو کر فرنیہ میں سے سیدھا دہلی پہنچوں گا۔ اگر امرت سر سے جالندھر لاری میں جانا ہوا تو جالندھر سے جو کچھ ہوگا دیکھا جاوے گا۔ سب ارادے اس کے حکم اور منشا پر موقوف و جاری ہیں۔ بندہ کا کوئی ارادہ اور کام نہیں ہوتا جب تک کہ اس کو منظور نہ ہو۔ اگر صحت و زندگی نہ ہی تو انشاء اللہ حاضر ہوں گا۔ امید ہے مجھے کوئی تکلیف ظاہر و باطنی نہ ہوگی۔ روپیہ کے متعلق آپ نے تسلی تحریر ہی کر دی ہے جس سے اندیشہ رفع ہو گیا، مجھے آپ پر اعتماد اور آپ کو مجھ پر اعتماد ہونا چاہئے۔ میں نے دیوبند خط لکھ دیا ہے کہ مبلغ ۵۰ روپیہ دہلی مولانا صاحب کو کیوں نہیں بھیجے۔ جواب ابھی تک نہیں آیا۔ اب انشاء اللہ آنے پر جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ سب کو اس سب صاحبزادگان کو اسلام علیکم عرض کر دیا۔

دعا فرمائیں کہ سفر مبارک رہے۔ اگرچہ سردی کا زور ہو رہا ہے۔ خیر جو اللہ کو منظور۔ وہ ذات پاک ہمیشہ نوازش و کرم ہی فرماتے رہتے ہیں۔ اس لئے اس کی رحمت سے ایسی ہی امید ہے۔

والسلام عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ

سہارن پور۔ ۱۲ نومبر ۱۹۵۵ء

مکرم اخلاق عنایت فرما رہا حال نیازمند حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج احقر سہارن پور صبح فرنیٹر میل میں سوار ہو کر رات آیا۔ تفصیل سنئے۔ مورخہ ۱۲ نومبر کو لاہور محمد افضل صاحب کے پاس پہنچا۔ ۲۳ کے بجائے تک وہاں رہا۔ اس خیال سے کہ جو ویزا پہلے ۳۱ اگست کا بن چکا ہے جو صرف سہارن پور کا تھا وہ محمد افضل صاحب اس میں دہلی اور ضلع سہارن پور کا لفظ بڑھوا دیں گے یا پھر سی ویزا آزاد ہو کر بنوا دیں گے۔ کھنوں نے کافی کوشش کی۔ مگر بوجہ نادانغنی کامیاب نہ ہو سکے۔ اس سے میرا حوصلہ بجائے بڑھنے کے کمزور ہو گیا۔ اور دل کی خوشی جو ویزا حاصل کر کے میدان دہلی پہنچنے کی تھی وہ خوشی بے لطفی سے تیریلی ہو گئی۔ بلکہ ارادہ اپنا سفر کرنے کا قریب قریب ملتوی کر دیا تھا کہ واپس چلو پھر انشاء اللہ دیکھا جائے گا۔ اس وقت کامیابی سے محروم ہیں۔ محمد افضل صاحب نے خاطر و کوشش میں کمی نہیں رکھی۔ حالانکہ پہلے ان سے ملاقات نہ تھی۔ یہ صورت تعارف و ملاقات صرف اس وجہ سے پیش آئی۔ مگر سب نے یہ مشورہ دیا کہ اب واپس ہونا درست نہیں، ضرور سہارن پور پہنچ جاؤ اور وہاں سے دہلی اطلاع دو، مولانا اپنے اندر سوخ سے تمام کام و حالات ساز و درست کرانے کی سعی و کوشش کریں گے اور ان کو بفضل خدا کوئی مشکل نہیں۔ اگر ویزا کی اصلاح ہو جاتی تو آج آپ کے پاس ہوتا۔ دل کی حالت کیا بیان کر دوں۔ ایسی سردی میں سفر بھی کیا اور تکلیف

بہت زیادہ ہو رہی ہے۔ اور دھڑپہ کی کمی، کیونکہ وہ بھی آپ ہی نے تکلیف حسب التحریر فرمائی تھی۔ ایسی صورت میں سہارن پور آیا ہوں اور اپنا سمجھ کر ہی لکھ رہا ہوں۔ دل نہیں لگتا۔ تاحق سفر اختیار کیا۔ خوشی و راحت کے بجائے پریشانی اور تاحق تکلیف اٹھانی پڑی۔ ساری رات گاڑی میں



بے آرامی کی کاٹی جس کا عادی اب نہیں ہوں۔ اب نہ دہلی آسکوں، نہ گنگوہہ و دیوبند جاسکوں۔  
 حیرانگی سی ہو رہی ہے کہ اب کیا کروں نہ ادھر کارہانہ ادھر کا۔ خلاف عنا بطہ قدم ٹھکانا بھی معیوب  
 نظر آتا ہے۔ اپنا حال آتے ہی بذریعہ ڈاک لکھ کر بھیجتا ہوں اور آپ سے خیر خواہی، مشورہ و اذکار  
 پوچھتا ہوں۔ اپنا حال ظاہر کر دیا ہے۔ خیال تھا کہ بعض اشیاء جو دہلی سے ہی خرید مرنی تھیں،  
 خرید کرتا اور ہر شے آپ کے مشورہ سے ہوتی۔ سردی کے لئے گرم کپڑے، کی جی ضرورت تھی وغیرہ  
 وغیرہ۔ اب ہر کام درمیان میں رہ گیا۔ جب آپ کی ملاقات جس میں سرور و رحمت، مسرت تھی وہی  
 نصیب نہ ہو سکی تو باقی ہمہ اشیاء اس کے مقابلے میں غیر ضروری کیا معنی دے رہی تھیں۔ دعا  
 فرمائیں میری صحت درست رہ جائے۔ کمزور و ضعیف انسان پر پریشانی و غم کا بھی زور  
 نہ آدے۔ اگر یہ سب تک جناب کا جواب نہ آیا تو واپس ہونا پڑے گا۔ یہاں سفر نہ رہے گا۔  
 والسلام۔ احقر نیاز مند طالب ملاقات و زیارت عبداللہ غفرلہ سہرت نمبر ۲۴ نومبر صحت  
 معرفت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب۔ منظر ہر سیزم سپارن پورہ  
 بحمدت مولوی خلیل الرحمن صاحب و عزیز الرحمن صاحب و دیگرہ۔ حب زادوں کو السلام  
 علیکم عرض کر دیں۔

کپڑے کے خریدنے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ بعض کپڑے طویل میں کم ہوتے ہیں اور قیمت  
 میں کم ہوتے ہیں کپڑے جس کی لمبائی اچھی طرح کھل آجائیں اور مٹا دیں نہ کھٹے۔ خیر یہ بعد کی  
 باتیں ہیں ضروری نہیں، اس جگہ سے بھی انشاء اللہ دیکھوں گا۔ سبب میں اس وقت پیسے کی  
 کمی ہے۔ دیگر اشیاء بھی بغیر پیسے خریدنی مشکل ہیں۔ والسلام۔ ۲۴ نومبر پنجشنبہ  
 اگر یہی قلب کی حالت رہی تو کم قیام بھی بدمزہ ہو کر جلد واپس ہونا پڑے گا۔ خدا کرے  
 ایسا دل رہ جائے کہ آپ کا جواب یہ دل دیکھے کہ کیا آتا ہے۔

مکرم اخلاق مولانا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ہم جیسے، بلاناواقف وال پر تو سدا فیس و غفلت کا دورہ

جاری رہتا ہے۔ مگر یا خبر سالک بسط کے مقام و درجات میں بھی رہ کر اہل فیض کو فراموش کر رہے ہیں۔ اللہ ہی حافظ ہے۔ پہلے خبر معلوم ہوئی تھی کہ غیر محرمات کا سفر آغناہ نے کیا ہے۔ مگر واپسی کی صحیح خبر حاصل کرنے سے محروم اب تک ہوں۔ ویسے تو کل علی اللہ رضیہ لکھا جا رہا ہے۔ دنیا بھی تیار ہو گیا ہے۔ مگر دنیا بنوانے والے نے صرف سہارن پور ہی لکھوایا ہے۔ دہلی کا بھول گیا شاید اب دہلی کا بنوانے کے لئے از سر نو درخواست دینی پڑے تاکہ حسب الارشاد دینا حاصل کرتے ہی پہلے دہلی خدمت عالیہ میں پہنچا جاوے، بعد میں دوسری جگہ۔ مگر بغیر کافی روپیہ سفر کا ارادہ کرنا بے لطف معلوم ہوتا ہے۔ جناب نے فرمایا تھا کہ تنہا ایک جگہ دیا جاوے گا وہی یکصد روپیہ مولوی انیس الرحمن کو دیا جائے۔ یہ بہت مشکل مسئلہ حل ہو گیا۔ کیا، چنانچہ دوسروں کو روپیہ آپ مہربانی کر کے دے دیں اور جس وقت فرمادیں وہی ۲۰۰ روپیہ مولوی انیس الرحمن کو دے دیا جائے۔ سفر سے پہلے یا بعد۔ تھوڑے دنوں تک لائل پور جانے کا ارادہ ہے۔ اگر فرمادیں تو اسی وقت ان کو دے دیا جائے، اور وہ بذریعہ خط آپ کو اسی وقت اطلاع دے دیں، تاکہ طرفین کو اطمینان ہو جائے۔ پھر جلد سفر کی تیاری کی جاوے۔ موسم بھی خوش گوار آ رہا ہے۔ لائل پور سے پھر سیدھا ملتان جانے کا ارادہ ہے تاکہ حضرت سید عطار اللہ شاہ صاحب سے ملاقات کر کے دل خوش کیا جائے۔ یہی فرمادیں کہ دہلی کے لئے از سر نو درخواست دے کر اجازت اسی دنیا پر لینی پڑے گی یا علیحدہ وہ بنا دیں گے یا جو سہارن پور کا بن چکا ہے یہی کافی ہے۔ اور اسی سے سیدھا دہلی پہنچا جاسکتا ہے انشاء اللہ تاریخ آمد پہلے لکھ دوں گا۔ اللہ کرے ہر کام اور حال اس مفہوم و پریشان حال کو رہ و موافق آجائیں، کیونکہ یہ وجود بے سود تکلیف ذرا بھی اٹھانے کا خوگر نہیں ہے۔ اللہ کی رحمت بھی شامل حال آج تک رہی ہے۔ ورنہ یہ اور اس قدر انعامات، یہ حقیر اور اس قدر الطاف اکرام۔ جو مئی آرڈر دیوبند کراچی کے راستے روانہ کیا گیا اس کی کراچی سے تو اطلاع آچکی ہے مگر دیوبند بھی روپیہ پہنچا نہیں ہے۔ اگر دیوبند میں کراچی والے صاحب (قاری شریف احمد صاحب) نے باقاعدہ اطلاع دے دی ہے اور اسی روپیہ میں سے آپ کو خرچہ ملے گا۔ اسی طرح اور بھی روپیہ

امداد دارالعلوم کے لئے جو ہے وہ کراچی رکا ہوا ہے معلوم نہیں اس میں کیا راز ہے۔ آج کل سیالکوٹ  
 میں قیام ہے، گاہے سٹیٹل، دونوں جگہ بھدا اللہ رام کے سامان حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے  
 حبیب کئے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت کا شکر ادا کیا جائے۔ ایک روز سیاہ علم و عمل  
 سے کورا بد باطن، حرص و ہوا کا پتلا اس کا شکر یہ کسی حال میں ادا کرنے کے قابل ہو ہی نہیں  
 سکتا۔ سخت عاجز و قاصر و نادام و خائب و خسران ہوں۔ پتہ نہیں اس کا لطف کس کی بدولت  
 احقر و سیاہ پر ہو رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے گنلوہی قدس سرہ کی محبت کا اظہار ہو رہا ہے۔ اس  
 قدر عرض ہے دہلی ریلوے اسٹیشن سے اتر کر تلاش کرنے میں دشواری ہوگی۔ پھر قیام کی صورت  
 میں خالص گھی کا استعمال ضروری چیز ہے اور خالص اشیا رکاملن خدا کرے نصیب ہو جائے۔  
 تاکہ کوئی غذا نا موافق اگر غیر صورت طبیعت اختیار نہ کرے جو صحت خراب ہو جائے، پھر ڈاکٹروں  
 اور طبیعوں کا دروازہ نہ دیکھنا پڑے اور سفر بجائے راحت و رحمت نہ بن جائے، ہر شے وقت پر  
 ملے اور ہر غذا طبیعت کے موافق ہو۔ اور ہر نشست و برخاست اور گفتار و رفتار عادت کے  
 موافق ہو وغیرہ اس کے موافق جب بدمذہب اعظم یہ خیال فرمائیں یہ جہان نوازی کا حق ہو گا۔ اور  
 اسی میں راحت ہوگی تاکہ جب حق تعالیٰ واپس لادیں پھر جو ان اخلاق و تواضع حسنہ کا نقشہ  
 سامنے پھر نظر آئے تاکہ طرفین کی زندگی میں پھر بھی ملاقات کا لطف اٹھایا جاسکے۔ انشاء اللہ  
 ماہ اکتوبر میں سفر ہوگا بشرطیکہ میری تمام درخواستوں کو منظور کیا گیا اور تسلی بخش جواب ملا۔  
 اگر یہ سابق بھی کچھ ٹی چکے ہیں مگر مزید اس پر کچھ روشنی ڈالیں تاکہ خوش بخوش اور بار راحت  
 سفر کا ارادہ کیا جائے اور یہ سفر خدا کرے موجب اجر و راحت کا حکم رکھے اور حضرت مولانا  
 مدنی مدظلہم العالی کے قیام صحیح سے بھی مطلع فرما کر شکور فرمادیں جو گفتگو لائے پور میں مولوی  
 انیس الرحمن صاحب سے ہوگی انشاء اللہ اس کی بھی اطلاع دوں گا۔ اگر فی الفور جناب کا  
 جواب آگیا اور آپ نے لکھ دیا کہ انیس الرحمن صاحب کو ابھی ۲۰۰ روپیہ دے دو تو دے دیا  
 جائے گا۔ انشاء اللہ ہر وقت تیار ہوں اور کون سی بات ہے جو تمہوں۔ مولوی خلیل الرحمن و



عزیز الرحمن صاحب و دیگر صاحبزادوں کو السلام علیکم عرض کر دیں۔ اگر میری تحریر میں غلط و گستاخ  
لفظ ہو تو بڑے بھائی معاف فرمادیں۔ اُدھر بے علمی جہالت و بد عملی کا حال ہے اُدھر علم و عمل  
جہاد بالنفس، تدبیر سیاست، بیان موثر و تحقیق کا عالم اس قدر فراوانی پر نزول و انکشاف  
کر رہا ہے۔ احقر عبداللہ غفرلہ سیالکوٹ۔

مگر جواب ستمبر ہال میں آئے اور جلدی

مڈی ستمبر ہال۔ ضلع سیالکوٹ معرفت فتح محمد

(احقر خادم عبداللہ عفا اللہ عنہ خاک کفش گنگوہی قدس سرہ)

۲۸ دسمبر ۱۹۵۳ء۔ ڈابھیل ضلع سورت

محمد سعید ابن مولانا احمد بزرگ

محترم المقام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی بخیر! بعد سلام مسنون! مرسلہ گرامی نامہ نے شرف صدور فرما کر بیکران

مسرت و بشادمانی بخشی! خدا پاک نے زندگی بخشی تو حاضری دیو بند کے وقت خدمت ہرکات

میں حاضر ہو کر تشریف نیاز حاصل کروں گا۔ آپ کی علالت اور خرابی صحت سن کر بے حد قلق ہوا۔

خدا پاک سے دعا کا خواستگار ہوں۔ مختلف کاموں کی مشغولیت کی وجہ سے عریفہ کی ترسیل

میں قاصر رہا۔ آپ کی خیریت اور مزاج کا حال معلوم ہونے کا متمنی ہوں اللہ دعا کا خواستگار ہوں

پیرسان حال کو تحفہ سلام مسنون! فقط والسلام

احقر محمد سعید سملی غفرلہ

۱۲ مئی ۱۹۵۳ء۔ نیلپرٹ

خدمت محترم المقام جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب دام اقبالکم

بعد از ادا آداب و تسلیمات و تحفہ تعظیمات واضح ہو کہ آپ کا نیاز نامہ موصول ہوا۔

پڑھ کر زہد خوشی ہوئی۔ ہم نے مسرت کے ساتھ پڑھا کہ آپ نے دینی تبلیغ کا کام نہانے کی زد

کے مطابق شروع کیا ہے یعنی آپ کی مذہبی ہمدردی اور خیر پسندی کا یہ عملہ کہ قرآن مجید کو  
 ہندی زبان میں پیش کرنے کا قصد کئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کار خیر میں غلبہ و  
 عطا فرمائے اور آپ کی بے مثل ہمت کا نتیجہ جلد از جلد دنیا ہمارے دیگر اس خط میں ۲۳۰ روپیہ کا  
 ڈرافٹ ملوث ہے۔ رقم صدقہ کی ہے۔ اس سے آپ آیا محتاج لوگوں میں تقسیم کریں یا مستحق لوگوں  
 کو دے کے لئے صرف کریں۔ ہم آپ سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا زکوٰۃ کی رقم آپ نے جو  
 تبیینی کام ہاتھ میں لئے ہیں اس میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں؟ چونکہ ہمارے پاس اس طرح  
 کی قہوڑی رقم باقی ہے۔ اور یہ ڈرافٹ موصول ہوتے ہی وسیع بن کر اللہ تعالیٰ سے کریں  
 منوں فرمائیں۔ عین نواز شش ہوگی۔ ہم دعا کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم آپ کے  
 ہمیشہ شامل حال رہے۔ آمین۔ آپس اہتمام سے کہ آپ اپنے وقت خاص میں ہم سب کے  
 لئے دعا سے سرنواز فرمائیں۔ مشکرم۔ فقط والہ۔ م

منجانب حاجی محمد منشی

۳۱ فروری ۱۹۵۴ء۔ سو بھاش بوٹ ہاؤس۔ لاہور

قبلہ مولوی صاحب

السلام علیکم۔ میری صحت اب بہت خراب ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر کو حیرل کا مرتبہ دعا دے رہا  
 کہ اللہ تعالیٰ شفا بخشے۔ ابھی خط موصول ہوا کہ تپن جوڑ جوڑت پنڈت جواہر لال نہرو  
 کو رسالہ کی کئی وہ اکھوں نے پنجاب گورنمنٹ کے پاس غنہ فری کا روڈ لکے کے بھیج دیا ہے  
 آئندہ آپ ان سے خط و کتابت کریں۔

من چٹی کا  $\frac{6}{255/54E}$  بت اور تاریخ  $\frac{12}{7}$  ہے۔ براہ مہربانی آپ اب

ایک خط خود منیجر صاحب کو روانہ فرمائیں کہ میرا کام ہو چکے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو حضرت  
 مولانا ابوالکلام سے خط لکھوا دیں۔ دنیا کہتی ہے کہ منیجر صاحب ان کو نہ نہیں کر سکتے مشکور ہوں۔

والسلام خواجه محمد اکرم

عریزان کو دعوت۔

دارالمصنفین اعظم گڑھ۔ ۸ جنوری ۱۹۵۵ء

قبلہ محترم و معظم العالی

وعلیکم السلام۔ نامہ ملا۔ پڑھ کر دل خوش ہوا کہ جناب کی زیارت قدرے اطمینان سے  
انشاء اللہ ہوگی۔ گو وعدہ کے الفاظ بہت محنت دہیں، بہر حال جناب تشریف لائیں اور ضرور  
تشریف لائیں اور شروع ذوری ۱۹۵۵ء میں لائیں۔ آخر سردری میں مکان کا حساب کتاب  
کرنے کے لئے ہفتہ خوشہ مکان پر قیام کرتا ہوں۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ کانگریس سیشن کے بعد جناب اس کا اندازہ لگائیں کہ مجھے  
امیدوار و معقول مدد کس طرح مل سکتی ہے۔ اس کے بعد میں آپ کے پاس درخواست مرتب کر کے  
بھجواؤں۔ یہ خط میں نے نجی طور پر جناب کو بھیجا ہے۔ میں اس وقت بعض مجبور لوگوں کی دھڑ سے دہلی  
ہاؤس میں ہو سکتا۔ ورنہ میں خود حاضری کر کے عرض کرتا۔ کافی غور کے بعد میں اپنے  
لئے زائد اس کام کے لئے جناب کو موزوں سمجھا۔ بہر حال ابتدائی مراحل ابھی آپ حل فرمائیں۔  
انشاء اللہ ذوری میں زبانی گفتگو کے بعد کوئی عملی قدم اٹھایا جائے گا۔

خادم مسعود علی

دارالمصنفین شبلی اکید می اعظم گڑھ۔ ۱۵ جنوری ۱۹۵۵ء

قبلہ محترم و معظم مدظلہ العالی

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والا نامہ ملا۔ خط کا پہلا حصہ پڑھ کر سخت تعجب ہوا کہ یہ  
کن برگ کا خط ہے۔ پتہ دیکھا تو جناب کا اسم گرامی اوپر درج تھا۔ حافظہ پر براہِ ذہن و تیار ہوا کہ  
کہ جناب مجھے کس وجہ کی معافی مانگ رہے ہیں۔ مجھ کو تو کوئی تلخ خط اور اس پر اپنی ادنیٰ ناگواری  
یاد ہی نہیں آتی۔ استغفر اللہ آپ اور میری ناگواری۔ یہ دونوں چیزیں قریب قریب ناممکن ہیں۔ اگر  
اس سے قدرائی صاحب مرحوم کے واقف سے مراد ہے تو میں نے تو جناب کی رائے سے اتفاق کر کے  
اس کو ترک کر دیا تھا، چنانچہ وہ تحریک سوائے جمعیت کے اور کسی اخبار میں شائع نہیں ہوتی۔ اور نہ



سی کے پاس پھر گئی وہیں پر اس کو ختم کر دیا۔ سردی یہاں آپ کی طرف سے تو بہت ہی کم ہے۔  
 ایک ہفتہ یہاں بھی زائد سرد رہا اور اب تو مسمون سردی ہے۔ اگر بارش نہیں مونی و آخر جو رہی تک  
 ہاں کا موسم بہت خوش گوار ہو جائے گا۔ لیکن جناب تشریف نہ لائیں گے اس کا پورا پورا یقین ہے  
 مدثرہ صاحبہ وغیرہ بھی بہت ہی خوش ہوئے لیکن میں نے سب کو یقین دلایا کہ آخر جزیری تک  
 تشریف رکھ کر سب تشریف نہیں لائیں گے۔ جناب کا دوا نامہ مشاء و خدا جب تو دکھا دیا۔ یہ قہر کی  
 بہت حد تک ہو کر لے لوں گا۔ یہ قہر کی جملہ دل زد نہ کر رہا ہوں۔ ہاں ایک حد درجہ زار و  
 عسے عریضہ لکھنے والی ہی تھی۔ یہ کھل کر تشریف و پریشانی حال رہیں گی کیونکہ بہت ہی زیادہ  
 وجہ سے مجھ کو بڑا اطمینان۔ یہ تھکا دینا میرے سب کی ضرورتیں پوری کرتے تھے۔ اب میں سمجھتا ہوں  
 پریشان ہوں کہ کیا کروں کس سے کہوں۔ مگر جناب نے اکثر سید محمود صاحب سے کہہ کے پاس گیا  
 مدثرہ صاحبہ کے قریب سو گھر پورا میں متی بہن کے یہاں وہ اکثر تشریف لایا کہتے ہیں تو ایک دن  
 دیکھ کر یہ ممکن ہے کہ یہیں مل جائیں۔ مگر پریشانی کے سوا کچھ نہ ملے۔ مقتصد یہ تھا کہ ان سے لوگوں  
 اور ان کے لئے درخواست کر دوں۔ ایک خط جناب کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں۔ بدر الزمان حسب  
 مروی رسم مرحوم کے خاندان کی بکھنوں میں یادگار باقی رہ گئے ہیں۔ کم و بیش دس دنوں سے  
 وہاں کے لئے ہاتھ پیرا رہا ہوں۔ وہ سخت پریشان ہیں۔ یہ آخر یہ صورت اور وہاں نے مجھ کو کسی  
 سے میرے نزدیک جناب سے زائد تو کیا کم بھی مجھ کو کوئی نہیں مل سکتا۔ محترم بندرت جی۔ پک  
 متعلقہ نظر آتے ہیں، وہ بھی مجھ کو خوب معلوم ہے۔ اس لئے کوشش فرما کر آپ اس زمرہ میں  
 رکھ کر جو دوا دیجئے اس سے اس وقت خودی درد غریب کی ہو جائے گی۔ کچھ رقم اگر مل جائے تو  
 ہی قیمت ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے تو بس مشورہ دے دیا ہے۔ جواب کا سختی سے انتظار  
 رہا گا۔ اور آخری صورت آپ کی تشریف آوری ہے۔ براڈ الٹر پیر الزماں کا خط، چند صفحات

خادم مسعود علی

منبع بارہنگی - ۲۶ جون ۱۹۵۵ء

محترمی و معظی زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہذا کرے جناب معہ متعلقین بخیر و عافیت ہوں۔ میں کئی سال کے بعد معہ بال بچوں کے اپنے وطن آیا ہوں اور ۵ جولائی تک قیام کا قصد ہے۔ میری اہلیہ غریب فالج کی مریض ہیں۔ ۳ سال ہو گئے اچانک کل جناب ڈاکٹر سید محمود صاحب کا نانا نامہ ملا کہ ۷ آدمیوں کا ایک وفد زمانہ حج جناب کو صدارت میں جا رہا ہے۔ مجھ سے بھی اس میں شرکت کے لئے دریافت کیا ہے۔ کیا عرض کر دوں اس اطلاع کے بعد کئی الجھنوں میں مبتلا ہو گیا ہوں۔

میری اہلیہ سخت ندرہ ہی ہیں۔ فالج کی زبردست بیماری کے بعد جب ہاتھ پیر میں اللہ تعالیٰ نے کچھ قوت عطا فرمائی تو اب ان کا مشغلہ صرف نماز روزہ رہ گیا ہے اور صرف خواہش حج کی ہے۔ شاید ہی کوئی دن مانعہ جاتا ہو کہ مجھ سے تاکید کے ساتھ یہ نہ کہتی ہوں کہ بس مجھ کو وہاں پہنچا دو۔ چاہئے راستہ ہی میں دم نکل جائے۔ میرے پاس ۷-۸ ہزار روپیہ کا جمع ہونا قریب قریب محال ہے اس سے میں سخت پریشان رہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ موقع اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے لیکن وقت بہت کم ہے۔ اس لئے روپیہ کی فراہمی میں سخت دشواری ہے۔ اہلیہ اپنا زیندہ کی قیمت مسئل سے۔ اس روز پیسہ تک ہوگی فروخت کر رہی ہیں۔ اب جناب سے درخواست ہے کہ اس ہم کو آپ حل فرمائیں تاکہ آپ کی معیت کی سعادت حاصل کر سکوں۔ یہ وفد کب تک روانہ ہوگا۔ یہ اہلیہ کو بھی میں ساتھ لے جاسکتا ہوں۔ کتنے روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ اگر کچھ روپیہ قرض مل جائے تو میں انشاء اللہ ایک سال میں ادا کر دوں گا۔ کل تک یہ خط آپ کو مل جائے گا۔ اگر جناب کی توجہ خاص سے ہم دونوں کو یہ سعادت نصیب ہوگئی تو تمام زندگی ہم دونوں آپ کے اس احسان کے شکر گزار رہیں گے۔ برا درم سید انور علی صاحب کو بھی لکھا ہے کہ جناب سے مشورہ کریں۔ ڈاکٹر صاحب کو بھی لکھا ہے کہ میرا جواب آپ کے پاس بھیج دیں میں تو کسی طرح اس وقت نہیں جاسکتا ہوں۔ واپسی میں شاید اہلیہ کو زندہ نہ پاؤں۔ اس درجہ ان پر غلیہ سفر ہے جو اب ممتنی ہیں۔ خادم مسعود علی مرحوم

امور۔ ۱۳ جنوری ۱۹۵۵ء

مخدومی مولانا۔ سلام مسنون

بیٹھے بھائے آپ کی یاد آگئی۔ اور کچھ گم شدہ لمحے آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے۔ آپ  
میں ہیں یا کبھی کبھار یاد کر لیا کیجئے۔ والسلام

شورش کشمیری

ہور۔ ۲۹ اپریل ۱۹۵۶ء

مخدومی مولانا۔ سلام مسنون

آپ کا خط ملا۔ میں اور میری اہلیہ آپ کی محبت کے بہت زیادہ ممنون ہیں آپ سے ملے  
وئے خاصا زمانہ ہو گیا ہے۔

اے خانہ بر اندازہ چین کچھ تو ادھر بھی

میں بھائی اور خلیل بھائی کو مسدود اندھ بن فرمائیے۔ آپ کو پرچہ باقاعدہ مل رہا ہے اور آپ کا  
جود پتہ درست ہے۔ والسلام

شورش کشمیری

مان۔ لاہور

مخدومی مولانا۔ سلام مسنون

چٹن کا پہلا دور دوم پرچہ آپ کو مل ہو گا۔ ہوسکے تو میری طرف توجہ فرمائیے۔ چاہتا ہوں  
میں کو ایک کامیاب ہفت روزہ بنادوں۔ نہ جانے آپ نے کس بنا پر خط لکھنا ترک کر دیا۔

غالباً آپ معافی کی تلخی کے شکار رہیں گے۔ یقین کیجئے میرا دلی فرض ہے۔ اور اب تو میں نے

کشت ہراہ اختیار کی ہے۔ ادب شاہراہ !!

پس، شورش تقسیم کے سانحہ ہی تقسیم ہو کر مر گیا تھا۔ یہ آپ کو شورش کشمیری کا سایہ دکھ رہا ہے  
مکان کے لئے خود ہی کوئی مناسب فضا پیدا کیجئے۔ ہاں دہلی سے کچھ مضمون لکھا کیجئے۔ مثلاً دہلی کیسی ہے؟

آپ کا شورش کشمیری



### مخدومی مولانا سلام اخلاص

شکریہ القہات۔ چٹان کو ادبی پرچہ ہی بنانا چاہتا ہوں۔ لیکن ادب بھی قوزندگی کا ہی عین ہوتا ہے۔ اور زندگی کا دروازہ نقشہ اسلامیات سے کیونکر الگ رکھا جاسکتا ہے؟ البتہ کوشش کر رہا ہوں کہ سیاسیات کا اس سے کوئی تعلق نہ رہے اور ابھی تک اس پر قائم ہوں۔ آئندہ ابھی ادبیات کا رنگ دوں گا۔ آپ کے مشورہ کا مستحق ہوں۔ پہلا پرچہ آپ کو بھیج دیا گیا تھا۔ نہ جاننا اب تک کیوں نہیں پہنچا۔ بہر حال کسی درست سے لے کر بھیجوا دوں گا۔ دفتر میں ختم ہو چکا ہے۔ پرچے کی اشاعت، رٹھانی اور تین ہزار کے درمیان ہو گئی ہے۔ لیکن اشتہارات کا قصہ ایسا ہی ہے۔ اور آپ سے کہ لوگ آپ کی سے ذہن کی کافی برداشت نہیں کیا کرتے اور پھر سرمایہ دار۔

وہاں کتابتیں میں اشتہارات تقسیم کرنے کی ایک مشہور لمیٹڈ فرم ہے۔ غالباً لارنس لینڈ نام ہے۔ آپ اس کو چٹان کے لئے ہموار کریں! خود ہی کوئی ایسا راستہ نکالیں تو چٹان اور بھی ترقی کر سکتا ہے! اور اس کی زندگی خطروں سے خالی ہو جاتی ہے؟ بہر حال اس پر سوچنا اور دیکھنا آپ کا کام ہے۔ اگر آپ اس طرف نئے غمنوں کے لئے اور وہ بھی سال میں ایک آدھ مضمون درج وقت، درستوں کو کہہ دیں تو پرچہ کی معنویت میں ذرا دل کشی پیدا ہو سکتی ہے۔

مارچ کے دوسرے ہفتے میں اقبال نمبر نکال رہا ہوں۔ سو صفحے میں چاس نقویریں، قیمت صرف ایک روپیہ اور سائز سی۔

آپ خود عد مر اقبال سے اپنے تعلقات ہماری طرح رکھیں۔ کسی اور مضمون پر نہ دیکھنے بہت مضمون ہوں گا۔ حضرت فاروقی صاحب سے بھی کہئے۔ قاضی صاحب کی ہایت آپ نے وعدہ فرمایا تھا۔ اور ہو سکے تو کچھ مولانا سے بھی لکھواد دیجئے۔ ایک آدھ کالم نہیں تو ایک آدھ

مسطرہ جواب کا منتظر رہوں گا۔ عزیز بھائی اور دوسرے لوگوں کو سلام

آپ کا شورش کاشمیری

دہلی۔ بارہ دری۔ پچھانک حبش خان۔ ۱۷ جنوری ۱۹۵۵ء

جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب

آداب و تسلیم! گزشتہ رشتہ کے جناب کا ایک بیان ملاپ مورخہ ۱۵/۱۲/۵۵ء میری نظر سے گزرا۔ برائے کامرانی دیش بھگتوں کی خاموشی کے متعلق آپ کے خیالات بہت صحیح ہیں۔ ہم لوگوں نے تو پرانی کانگریس کے آدمیوں کے متعلق (یعنی دور اس زمانہ میں) کچھ سمجھا اور اب بھی سمجھ رہے ہیں۔ مگر یہاں تو حالات ہی دیگر گوں میں کچھ کہنے کو جی نہیں چلتے۔ مگر یہ ممبرانِ خدوشی کی طرح اور بدترین کمزوری ہے۔ اس مجبوری کو خیر باد کہہ کر گپہ زنی چھوڑ دینا چاہیے۔ صاحب! شہید لائے میری دیکھیں ہم لیک کچھ کر رہے ہیں۔ یہ کہیں نہ آپ کے لیے یہ بات نہ مینہ کرنا ہے۔ درجہ خدمت ہونے کو یہ وقت یہ زمانہ ہے۔ یہاں یہ کہ دور نہ ہو چکا ہے۔ رہبر یوں کو مرنے سے روکنے میں۔ ہمارے لیے، انگریزوں اور اندکریسیوں کے خلاف فتنہ رستاخیز کی غصہ کی ریوں کی دیہات ان ہی چیزوں کو مرد مٹا دینا ہے۔ اس لیے یہ زمانہ شہید ہے۔  
آپ کا نیا نمبر۔ راجہ رام صاحب! یہاں شل

۱۹۵۵ء

محترم حضرت مولانا صاحب

آداب و نیر! اخبارات میں آپ کا بیان پڑھا جس سے مجھے مدد ملی۔ سر عتیق الرحمن صاحب نے آپ سے ایک انتہائی نیرانہ قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے۔ مگر آج کانگریس کی یہ بات بکریا ہے۔ یہ نئے کبھی اس بات پر غور فرمایا ہے۔ وہی کانگریس جس کی آواز پر لوگ آگ پرانی مومن بویوں کے سامنے سینہ تان دیتے تھے۔ آج اس کا ذکر آنے پر نصرت سے غصہ کیے ہوئے ہیں۔ کیوں؟ ہم بھی آپ کی طرح کانگریس کے لئے کام کرنا چاہتے ہیں اور اپنے بس کے سہیل کچھ دے رہے ہیں جس کی تفصیل کبھی ملاقات ہوئی تو زمانہ عرض کروں گا۔

لیکن خود یہاں کے کانگریسیں ہی کسی ایسے آدمی کو یا ایسی جماعت کو نزدیک نہیں آنے دیتے

جو کام کرنا چاہتے ہوں اور نہ ہی ایسے لوگوں کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہیں جو فرقہ پرستی اور  
رجعت پسندی کے خاتمہ کے لئے کام کرنا چاہتے ہوں۔ آج تو کانگریسی لیڈروں کے دل میں صرف  
خونہ اماویوں، سابق غداروں اور آئی۔ ڈی کے رضا کاروں کی قدر ہے اور ایسے ہی لوگ آج  
کانگریس کے اندر چودھری بنے ہوئے ہیں۔ بہر حال ہمارے دل کی نیک خواہشات آپ کے ساتھ  
ہیں اور اس نیک کام کے لئے جو بھی قدم اٹھائیں ہم آپ کے ساتھ ہوں گے۔

آپ کا صادق ساتھی۔ جے این نیر جنرل سکریٹری

۸ جنوری ۱۹۵۵ء

مکرمی مولانا صاحب

آداب عرض ہے۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ میں آپ کو کیوں لکھ رہا ہوں، اور  
وہ بھی جب کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے نادانفت ہیں۔ گزشتہ ہفتے "لاپ" میں ایک بیان  
پڑھنے کو مایہ ناز کو پڑھ لینے کے بعد ایک خیاں آیا کہ کیا واقعی اس ہندوستان میں ایسا بھی کوئی  
"دلی" ہوگا کہ ملک کی پرانی سیاسی پارٹی کو زندہ دیکھے۔ میرا مطلب کانگریس سے ہے، کیونکہ حقیقت  
میں بہت سے لوگ اب بھی موجود ہیں جنہوں نے ذاتی مفاد کی خاطر اس عظیم پارٹی کے نام پر ایک  
بدنام داغ لگایا۔ آپ کے بیان سے میں اس قدر متاثر ہوا ہوں کہ میری دلی خواہش ہے اگر میں  
آپ کے اس نیک ارادے میں کچھ کام آسکوں تو میری خوش قسمتی ہوگی۔ ویسے بھی میری حقیقت  
آپ کے مقابلے میں کچھ نہیں۔ لیکن پھر بھی بیان کے مطابق میں اپنی خدمات آپ کے اس نیک کام  
کے لئے پیش کرتا ہوں۔ امید کہ آپ سچائیوں گے۔ میں آپ کے جواب کا انتظار کروں گا۔

فقط آداب۔ احقر جی۔ این آزاد

۸ جنوری ۱۹۵۵ء شری مہاادیوگ شلہ۔ دریا گنج

مکرمی مولانا حبیب الرحمن صاحب

تسلیم! کسی اخبار میں آپ کا اعلان پڑھا اور خوش ہوں۔ میں بھی ۳۵ سال تک



تک کانگریس ورک کرتا رہا ہوں اور تین بار انگریز کی قید میں جانے کا بھی شرف حاصل کیا ہے۔  
 روہتک میں رولٹ ایکٹ تحریک کا میں سرغنہ تھا اور کانگریس کمیٹی قائم کرنے والا پہلا شخص تھا  
 اپنی جوانی کانگریس کے کام میں گزری اور خلق خدا کی خدمت کرنے میں ساری عمر لگا دی اور کبھی فرقہ  
 دارانہ باتوں میں اپنا دامن نہ پک نہیں ہونے دیا۔ حالاں کہ میری بیوی روہتک میں بیمار ہے۔  
 مگر چونکہ میں نے یہاں دہلی میں سستورات کی فلاح دیہیو دکا یہ مرکز عرصہ ایک عرصہ ایک سال  
 سے جاری کیا ہوا ہے جس پر میرے دوست گیارہ سو روپیہ ماہوار خرچ کرتے ہیں اور تقریباً  
 میں ہزار روپیہ مشینری اور سامان پر خرچ کیا ہے۔ در پہلے ہی سال میں مرکزی ویلفیئر بورڈ سے  
 دو ہزار روپیہ کی نقد امداد بھی حاصل ہو گئی ہے اور ۷۷ روپیہ ماہوار چھ کاتنے والی کی تنخواہ کر دی  
 ہے جو بورڈ سے منظور ہو گئی ہے۔

میں آپ کی اس تحریک کا دل سے تائید کرنے والا ہوں کہ پرانے کانگریس ورکنگ کی  
 ایک خاص میٹنگ بلائی جائے۔ نیرانا چیز تمام کبھی اپنی قبرست میں درج کر دیں اور اس کے علاوہ  
 کوئی اور خدمت آپ میرے پر رکھ دیں کہ وہ بھی میں ہی کرنے کو تیار ہوں۔ دہلی کا پتہ اس کا خد پر  
 تحریر ہے اور روہتک کا پتہ یہ ہے۔

دوست رام گپتا۔ لکشمی نواس روہتک

ب تو مولانا صاحب کانگریس میں ۱۹۳۷ء کے موڈل ڈاؤن کا راج ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو میں  
 آپ سے ملاقات کر دینا فراموش نہ کرنا کہ نیرا تحریر فرمادیں تو مسودت ہوگی۔ تکلیف دینے کو مولانا فرمائیں۔

دوست رام گپتا

مرحوم ڈاکٹر ستیہ پال، ڈاکٹر گوپی چند بھارگو، بابو ٹھاکر داس بھارگو۔ لالہ اجیت رام  
 مجھ کو خوب جانتے ہیں اور کئی وزراء اور دیگر ممبران پارلیمنٹ بھی مجھ سے خوب واقف ہیں۔ پنڈت  
 رام سترما سابق وزیر کہ میرے پاس کام کرنے ۱۹۳۷ء میں آئے تھے جبکہ میں ضلع کانگریس  
 کمیٹی روہتک کا جنرل سکرٹری تھا۔ لالہ لاجپت رائے بھی میرے اد پر خاص مہربان تھے۔

۲۱ جنوری ۱۹۵۵ء

مولانا حبیب الرحمن جی - بے ہند

ست سری اکال کے بعد عرض ہے کہ میں نے، ۱۹۵۵ء کو پرتاپ اخبار میں  
نوٹ پڑھا۔ میں از حد خوش ہوا کہ آپ کانگریس پارٹی کے درکردوں کی میٹنگ بلا رہے ہیں۔  
میں بھی دوبارہ آپ کی پارٹی کا درکر بننا چاہتا ہوں۔ آپ ہمیں پتہ دیں کہ آپ کس دن میٹنگ  
بلا رہے ہیں تاکہ میں حاضر ہو سکوں۔ آپ کی مہربانی ہوگی۔ میں بھی ملک کا سیرک بن سکوں۔  
ست سری اکال - بے ہند

مبندر سنگھ چکیر مشن چرچ روڈ - دہلی

محمد آباد - ۲۲ جنوری ۱۹۵۵ء

محترم، مقام واجب الاحترام حضرت مولانا صاحب مظلیم العالی

حضرت والا کا خط جو کہ انہی رات میں ڈاکٹر میمورنڈم کے نام ان کے وزیر اعلیٰ کے ذریعے  
مشاع ہوا ہے اس کو پڑھ کر شہ ۱۹۵۵ء سے پیشتر حدود جہد جنگ آزادی کا نقشہ آنکھوں کے  
سامنے پھر گیا۔ دریا کی جملہ نے یہ یادہ پریشان کیا (ساتھیوں کو بھول جاتے ہیں)  
حضرت والا اور ساتھیوں کی قربانیاں تاریخ ہمیں بھول سکتی۔ اللہ قبول کرے۔ آمین  
خادم کے لئے دعا کریں۔ اللہ ایمان پر خاتمہ کرے۔ آمین۔ آداب

خادم محمد حنیف انصاری

۲۳ جنوری ۱۹۵۵ء بھسین اخوان - کویت

پیارے مولانا صاحب - بے ہند

آپ کا ارسال کردہ خط ملا۔ حالت سے آگاہی ہوئی۔ میں آپ کے خط ملتے ہی عزیز کو  
جہاز پر لینے گیا۔ لیکن وہ ۱۹/۲۰ دالے جہاز پر تشریف نہیں لائے۔ میں نے بہت تلاش کی تو  
معلوم ہوا کہ اس جہاز میں ہندوستان سے ڈیوٹیشن نہیں آیا۔ سو آپ مجھے پتہ دے دیں کہ کب

آنے کا خیال ہے اور کیا وجہ ہوئی ہے۔

آپ کے خط آنے سے پہلے ہی آپ کو ایک ڈیہ کھجوریں، جو آپ کی خدمت میں پہلے روانہ کی تھیں ارسال کر چکا تھا اور آپ کی خدمت میں چٹھی ڈالنے والا ہی تھا کہ آپ کا لفظ خادم کو ملا آپ کی خدمت میں آپ کے پرانے دوست شیخ احسان الدین صاحب کی فوٹو ارسال کر رہا ہوں وہ چند ماہ ہوئے حج کے موقع پر اس جگہ تشریف لائے تھے تو ان سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا

مگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو پتہ دیوں۔ بندہ آپ کا خادم ہے اور محمد قبل دلہ میں نبی بخش آن سب اکبر صاحب کو بھی چند دن ہوئے خط آیا تھا۔ مسٹر قبلہ زیدوں تک وابستہ ڈاکتھریفہ رہے ہیں۔ مہربانی کر کے اس کا ضور نیاں رکھیں۔ وہ ایک نادر نوجوان ہے۔ آپ جیسے بزرگ کا سایہ بہت ضروری ہے۔ مجھے اس کی بہت پریشانی ہے۔

آپ کا خادم مومن تھوہا سیں

سب مہربانوں کی بہت بہت میری طرت سے سلام عرض کریں اور بچوں کو پیار۔ ڈاکٹر صاحب کی موت نے بہت حد مرہور ہے، ان کی اتنا قیہ موت نے قوم، در ملک کو بہت عدمہ دیا ہے۔ اس وقت میں اس کو بچاؤ میں ان کی بہت شرفیت تھی۔ خداوند کریم ان کی روح کو شاقی سے اور قوم ان کی خدمت پر بھی نہیں سکتی۔

۲۵ جریہ ۱۹۵۵ء پٹنہ دہلی

قابل عزت و احترام، فخر ملک و قوم مولانا صاحب۔ بے ہند

معتن ہے کہ پچھلے دنوں میں نے آپ کا ایک بیان روزانہ اخبارات میں پڑھا کہ آپ حرمہ سال کی عیادت کے بعد ریش اور عوام کی خدمت کرنے کے لئے پھر میدان میں آ رہے ہیں۔ سب تعزین آپ کی یہ دلی خواہش ہے کہ آپ ملک کی واحد نامند جماعت کانگریس جس میں بیشتر کمزوریاں پیدا ہو چکی ہیں کے سنجیدہ ورکرد کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر کے کانگریس کو پھر عوام میں مقبول کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کے اس بیان کو دہلی کے ہر طبقہ میں سراہا جا رہا ہے۔



متحدہ پنجاب کا کون ایسا بشر ہے جو آپ کی خلوص دلی، نیک نیتی، پبلک سپرٹ، حب الوطنی، قربانیوں اور بنی نوع انسان کی خدمت کے جذبے کو نہ جانتا ہو ضرورت اس امر کی بھی کہ کانگریس جیسی عظیم جماعت کی باگ ڈور آپ جیسے قربانی محبم اور متعلہ بیان مقررہوں کے ہاتھ میں ہوتی ہو۔ کانگریس کے بڑے اقتدار آنے کے بعد اس میں کافی عناصر ایسا گھس آیا ہے جو تقسیم ملک سے پہلے کانگریس پرست تھا۔ جن لوگوں نے غلامی کی زنجیروں کو مزید مضبوط کرنے کے لئے کانگریس کا ساتھ دیا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے سنجیدہ اور بے غرض طبقہ خاموش ہو کر ایک طرف ہو گیا۔

میں آپ سے اشارہ کرتا ہوں کہ آپ اپنے بیان کو جلد ہی عملی جامہ پہنائے جائیں گے۔ میری بہترین خواہش ہے کہ آپ جیسے عظیم نیتا کی رہنمائی میں عوام کی خدمت کر دیں۔ اگر آپ مجھے اس قابل سمجھیں تو اپنے سپاہیوں میں ناچیز کو بھی شامل کر لیں۔ میں متحدہ پنجاب کے شہر چنیوٹ (جھنگ) میں کانگریس کا ایک سیوک رہا ہوں اور ناچیز نے آزادی کی ہر تحریک میں کانگریس کے دوش بدرخشاں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جھنگ شہر کی فضا آج بھی آپ کی تقریروں سے گونج رہی ہے۔ باقی سب کو سنا

بیراتہ یہ ہے: ۳۴۶۷ - دریم پان - سپارٹ گنج - دہلی

تاجدار امرنا تھ ساجر خوشنویس روزانہ دیر بھارت "پٹودی ہاؤس - دہلی

۲۷ جنوری ۱۹۵۵ء

جناب محترم مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی

جناب عالی چند روز ہوئے کہ آپ کا بیان اخبارات میں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ چاہتا تھا کہ آپ کی خدمت میں کچھ اپنے خیالات تحریر کروں۔ مگر اجنبیت سدراہ لگتی۔ مگر وہ خیالات زیادہ دیر تک قائم نہ رہے۔ آخر خیالات نے اجنبی پن کے خداوند علیہ پایا اور چینر سطور لکھنے پر مجبور ہوں۔ محترم اگرچہ صرف میں ہی نہیں بلکہ میرے جیسے ہزاروں کارکنان جن کا آزادی حاصل کرنے میں خاصہ حصہ ہے ساج گوشہ تنہائی اختیار کر چکے ہیں مگر ان سے اس جماعت کی توسیع برداشت نہیں کی جاسکتی۔ جب میں نے آپ کا بیان پڑھا تو مجھے ایک امید کی جھلک نظر آئی کہ شاید ہم ایک بار پھر اس مخلص

اور بے فرعن کارکنان کو میدان میں لا کر عملی جیون کا مظاہرہ کر کے ابن الوقت اور مطلب پرست لوگوں کو پس پشت ڈال کر ملک کی اس بہت بڑی جماعت کانگریس کو بدنامی اور تنزلی کی دلدل سے بچا سکیں اور یہ کام بہت حد تک مشکل ضرور ہے۔ مگر آپ جیسے حضرات جن کی زندگی قوم کے سبب بنیاد کو مضبوط کرنے میں گزر گئی ہے اس مشکل پر آسانی سے عبور حاصل کر سکتے ہیں۔ خاص کر اس لئے بھی کہ آپ کی ذات تعارف کی محتاج نہیں اور آپ کی زیر نگرانی ہوا اقدام عمل میں لائے جائیں گے انھیں آسانی سے درگزر نہیں کیا جاسکتا۔ میرے خیال میں آپ کو بہ طرفت سے اپنے بیان کی تائید میں اس قسم کے سینکڑوں خطوط موصول ہوئے ہوں گے جن کی موجودگی میں امید ہے کہ آپ بہت جلد کسی میٹنگ کے بلائے کا بندوبست کریں گے۔ اگر مجھے بھی یاد درایا گیا تو غرضتاً ضرور کر اپنے آپ کو قومی سیوا کے لئے پیش کر دیں گا اور اپنے دوسرے سرحدی کانگریس کارکنان کو بھی مطلع کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا کرے کہ آپ اس نیک کام اللہ امداد سے کو مضبوطی سے انجام دے سکیں۔ اگر مصروفیت نے اجازت دی تو ذرا غور پر حاذق ہو کر شرف ملاقات حاصل کر دوں گا۔ میرا تعارف اگرچہ اتنا ضروری نہیں مگر کچھ بھی کہہ جاؤں گا تو میرا شرف رہے کہ آپ کو میری جانکاری میں مدد دے گا اور زیادہ اس وقت جب ہم آپ سے ملنے کے۔

آپ کا اجنبی سپوت آتم پرکاش سرحدی۔ دہلی

۲۶ جنوری ۱۹۴۷ء۔ حیدرآباد دکن

مکرم و محترم جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب

آپ کے پاس فون ہے۔ براہ کرم مولانا آزاد اور مولانا حفظ الرحمن صاحب سے رابطہ پیدا کریں۔ مولانا آزاد سے درخواست متالہ کی گئی ہے اور مولانا سید ہاروی سے تشریف لےنے کی۔ ابھی ان حضرات کے جواب نہیں آئے ہیں۔ ابھی ابھی مولانا احمد سعید صاحب دہلی کا جواب آیا ہے کہ بوجہ بیماری کے نہیں آسکتا۔ میں چند پوسٹر بھی روانہ کر دوں گا جو دہلی کی مسجدوں میں لگوا دیئے جائیں۔ جوں جوں انتظامات آگے بڑھتے جائیں گے آپ کو باخبر کرتا رہوں گا۔ میری طرف سے

ادباً میرا محمد حسین صاحب کی خدمت میں عرض کر دیجئے کہ اگر وہ بھی آپ کے ساتھ تشریف لے آئیں  
 اور مرحوم حیدر آباد کو دیکھ سکیں۔ اس غلام کو موقع دیں کہ وہ اپنا اندر عقیدت ان کی خدمت  
 میں پیش کر سکے۔ کیونکہ پورا ان ہی کا لگایا ہوا ہے۔ امید ہے کہ اس خط کا جواب امیدوار  
 مرحمت فرمایا جائے گا۔ فقط نیاز مند تنگ اسلات مرزا جمیل احمد بیگ  
 ۶ رمضان المبارک

مکرم و محترم جناب مولانا صاحب زید مجدکم

۴ یہ شری۔ امید ہے مزاج داماع النجربوں گے۔ شاید آپ نے خیالی فرمایا ہو گا کہ  
 میں جمیل کہیں محاف اڈرھ کر سو تو نہیں گئے ہیں تو عرض کروں گا کہ ایسا تو نہیں ہوا تھا۔ البتہ  
 فقیہوں کا بھیس بدل کر گھر گھر پھرا تھا۔ خاں کا شکر ہے کہ مسلمانوں نے میری آواز پر لبیک کہا۔  
 اور کل رات بعد نماز عشاء کانفرنس کے انتظامات کو آخری صورت دے دی اور اللہ کے بھر دے  
 پر فیصلہ کیا گیا ہے کہ جون کے دوسرے ہفتہ میں سہ روزہ کانفرنس منعقد کی جائے۔

ادھر علم و کرام سے برابر خط و کتابت جاری تھی۔ مولانا عبد الماجد دریابادی، مولانا محمد طیب  
 صاحب دیوبندی اور مولانا ابوالوفاء شاہجہان پوری نے رعنا مندی ظاہر کر دی ہے۔ مولانا آراء  
 مولانا حفظ الرحمن سیوہادی اور مولانا مدنی کے جواب کا انتظار ہے۔ مقالات کے لئے مولانا  
 مناظر حسن گیلانی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا ظفر علی خاں، سر نظامت جنگ اور  
 مولانا اسلم جیراچوری سے درخواست کی گئی ہے۔ مقامی مقررین میں حکیم مقصود جنگ۔ نواب  
 بیات جنگ صدر نماز کمیٹی۔ پروفیسر غلام دستگیر، پروفیسر فاضل وغیرہ شامل ہیں۔  
 مقامی تحفیہ بی تعاون کر رہی ہے۔ مجھے امید ہے کہ کانفرنس حیدر آباد کی تاریخ میں آپ اپنی نظر  
 ہوگی۔ یہاں کے مسلم پریس پر مقدمے چل رہے ہیں۔ میں نے ہمیشہ مسلمانان کے جملہ مقدمات  
 کی پیروی اپنے ذمے لی ہے۔ کیونکہ ان کا کون ہے۔ اس لئے مسلم پریس تعاون کر رہا ہے۔ وہ  
 ایک تراشے پیش خدمت ہیں۔



جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کوئی ڈھونگ رچانا نہیں ہے۔ بلکہ ٹھوس خدمت پیش نظر ہے۔ تاکہ مسلمانوں کی مذہبی گرتی ہوئی حالت کو آخری سہارا دیا جاسکے۔ ہذا ہر مقرر کو آزادی ہوگی کہ کسی عنوان کو منتخب کرے لیکن اجازت صدر پیش نظر ہے تاکہ مسلمانوں کا دل و دماغ سکون و تسکین کر سکے۔ البتہ یہی اسی تقریر کی اجازت ہوگی

یہ میری حقیقتات میں لیکن مسلمان چندے کے معاملے میں پیچھے بیٹ رہا ہے اور وہ اس قابل ہے بھی نہیں۔ پھر بھی اللہ مالک ہے۔ اسی پر نظر ہے۔

میری آپ سے بڑا واپس ہے کہ اگر سفر میں آپ ایک اندر صاحب کو اپنے ساتھ رکھیں اور بد حال مسلمانوں کی خاطر نظر بند میں سفر کریں۔ اگر کچھ چندہ موٹیا نو سینکڑہ کھڑے کا بھی انتظام کر دیا جائے گا۔ آپ میرے مہمان ہوں گے۔ ایڈیٹر ملاپ آپ کو سدم کہہ رہے تھے۔  
پرسوں تک اخبارات کو پہنچا دیا دے دیا جائے گا۔

فقط نیاز مند۔ تنگ اسدات مرزا جمیل احمد بیگ۔

۲۱ جنوری ۱۹۵۵ء۔ گنگا نگر

مولانا صاحب قبلہ۔ بے بھارت

آپ کا بیان اخبار روزانہ ملاپ مورخہ ۱۹ جنوری ۱۹۵۵ء میں پڑھا۔ آپ کی اس کوشش کے لئے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ مگر یہ بھی محسوس کرتا ہوں کہ آپ کی کوشش کے باوجود پرنے کانگریسیوں کے لئے کانگریس میں کوئی جگہ باقی نہیں رہی۔ اگر وہ کانگریس میں رہیں تو موقع پرستوں کا کام نہیں چلتا۔ اس لئے ان کے فارم بھی نامنظور کر دیئے جاتے ہیں۔ پھر وہ کانگریس کے ممبر کیسے رہ سکتے ہیں۔ وہ اس کی اپیل کریں تو پارٹی جس کے پاس طاقت ہے وہ کیسے چاہے کہ اچھے اور نیک آدمی دوبارہ آجائیں۔ اس لئے میں سمجھ نہیں سکا کہ آپ اس کام کو کیسے کر سکیں گے۔

تا بعد از گوردیال سنگھ منڈوہوا ایم ایل اے

محترم مولانا صاحب - بھارت

بواب کے لئے شکریہ۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میری چٹھی میں کون سی خاص بات تھی۔ اگر میں مقامی کانگریسیوں کے حالات لکھوں اور یہ بھی لکھوں کہ اس میں سرکار کا کہاں تک ہاتھ ہے تو شاید آپ حیران رہ جاویں۔ مجھے بالکل کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میرا پتر پرسیں میں دینے یا کانگریس ہائی کمانڈ کے پاس بھیجنے سے اگر کانگریس ہائی کمانڈ صرف گنگا نگر ضلع میں سرکار اور کانگریس کی اور سے ہر جائزہ کا خون جو کیا جا رہا ہے کی جانچ کر دے۔ تو میں امید کروں گا کہ کانگریس کچھ کرنا چاہتی ہے۔ آج سرکار فرقہ پرست لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ منسٹر ٹرے فخر سے اپنے نام کے ساتھ آریہ لکھتے ہیں۔ یہ لمبی کہانی ہے۔ میں اگر ایک منسٹر چو دھری کنجھارام جی کی فرقہ پرستی کا حال لکھوں تو آپ کو حیران کر دے۔ یہ میری چٹھی پرائیویٹ ہوگی۔ میرے پاس ایک گاؤں جو کل ہے۔ جلو کا ایک مسلمانوں کی گوت ہے۔ ان میں سے سوائے چند آدمیوں کے باقی سب آج تک ریاست میں رہ رہے ہیں۔ وہ سب ادھر آدھی تھے۔ کچھ لوگوں کے پاس لاکھوں روپے نقد تھا اور مال مویشی پال کر گزارہ کرتے تھے۔ میں ان کو محول سے بنے کہا کرتا تھا۔ وہ اتنے شریفانہ تھے کہ شاید بنے بھی اتنی برداشت کی طاقت نہ رکھتے ہوں، جتنے وہ میں چھوٹی عمر کا ہوں۔ مگر میری بڑی عزت کرنے تھے۔ اور ہر آدمی کا میرے پراندہ دشواس تھا۔ گڑ بڑ کے دنوں میں میں بیکانیر جیل میں قید کاٹ رہا تھا۔

اس علاقے میں مسلمان اور سکھ برابر کے تھے۔ ان کا سکھوں سے جھگڑا ہوا میری عورت ان کی مدد کرتی تھی۔ اس لئے سکھ اس کے بھی خلاف ہو گئے۔ وہ بے چاری اکیلی اپنے دن گھر پر پور کرتی رہی۔ آخر ان مسلمانوں کو مجبور ہو کر بارانی علاقہ کی طرف جہاں کہ ان کے مویشی تھے جانا پڑا۔ ان کی آراغنی جو تقریباً ۱۵۰ عرصہ میرے تھے۔ راجہ نے اپنے رشتے داروں کو دے دی اور ان پر قبضہ کر لیا۔ ۱۹۳۷ء میں بیکانیر میں ایک سرکارینی اس کی نوگرانی میں بھی ممبر تھا

میں نے سرکار کو بھی، دی ہی ٹیشن منسٹر، چودھری کنہیا رام جی آریہ کو ان کے گاؤں کی بجائی کے لئے کہ، مگر وہ فرقہ پرست نہ مانا۔ وہ بے چارے در دہ کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ میں نے اب بارہ گاؤں کی بجائی کی کوشش شروع کی، تو اب چودھری صاحب نے ۱۰ فروری ۱۹۵۵ء کو اس گاؤں کا چیف منسٹر صاحب کے ساتھ دورہ رکھ دیا ہے۔ ان کو بہت حوصلہ دیا جائے گا اور کوئی بھی کارروائی آباد کاروں کے خلاف نہ ہونے دی جائے گی۔ ان مسلمانوں کا ۔۔۔ ۵۳ روپیہ نقد چودھری صاحب کے دوست آپاریہ گوری شتر جو کہ راجستھان کانگریس کی رکن گنٹی کے آج کل جمیں میں) کے پاس جمع ہے۔ اگر وہ واپس آجائیں تو وہ بھی واپس دینا ہوگا۔ میں اسیر کرت ہوں کہ آپ اس معاملہ میں ان غریب لوگوں کی کچھ امداد کریں گے۔

آپ کا شبھ چنتاک۔ گوردیال سنگھ سندھو

فروری ۱۹۵۵ء۔ بجوارہ

محرمی و مکرئی حضرت مولانا المحترم دامت اللہ تعالیٰ عنہما

بہ تسلیم و تحیات مسنونہ عرض خدمت اقدس آنکہ ایک عہد برادر مولانا عزیز الرحمن صاحب کے نام ارسال کر چکا ہوں جس میں یہاں پہنچنے اور کام شروع کرنے کے متعلق تذکرہ تھا۔ مولانا سید عبدالرحمن صاحب برادر دورہ کر رہے ہیں۔ میں صدیقی صاحب اور بجوارہ کے ایک ڈاکٹر صاحب کے ہمراہ رہا ہوں۔ مختلف مقامات پر روزانہ جلسے ہوتے ہیں۔ انہیں جسے انتہائی کامیاب ہو رہے ہیں۔ کل بجوارہ میں ۱۱ فروری کو ایک ٹکیشن تھا۔ وہ پرہیزگار تقریباً ۱۵۰ سے ۲۰۰ کے تھے۔ کانگریس کے حق میں غیر معمولی اکثریت رہی ہے۔ دوسرے مقامات کی حالت بھی اسیہ افزا ہے۔ یہاں کانگریس کا مقابلہ کمیونسٹوں سے ہے۔ جو کبھی خالی ذال ہیں اور نہایت کس پرستی کی حالت میں ہیں۔ ابھی تک میں چار مقامات پر گیا ہوں۔ گنٹور۔ دلور۔ ججو۔ دیال پنڈی۔ کل شاہ دوسرے کنڈیڈٹ کے علاقے میں کام کرنے کے لئے ۵ بجے کی گاڑی سے سوار ہو کر رات تین بجے نیلور ضلع میں (سٹی میں) پہنچے۔ آج یہاں سات کو پبلک جلسہ ہوگا۔ کل یہاں کے بعض تقیبات



اور گاؤں میں جانا ہے۔ پرسوں دوسرے ضلع میں ہوتے ہوئے کرنول جو آندھرا صوبہ کی راجدھانی  
 ہے پہنچ جائیں گے۔ وہاں مولوی سعید الرحمن صاحب اور کوثر صاحب بھی پہنچ جائیں گے۔ وہاں سے  
 پھر بھارہ جاؤں گا کہ کسی دوسرے پتہ پر گرام پہنچانا ہوگا۔

حیدرآباد سے بھی بہت سے ورکرائے ہوئے ہیں اور کام کر رہے ہیں۔ یہاں کے ایکشن  
 میں کام کرنے سے یہ معلوم ہو کہ یہاں تبلیغ کی سبب ضرورت ہے مسلمان اور غیر مسلم میں کوئی  
 امتیاز نہیں ہے۔ مرنے کا فرق ہے۔ بعض دیہات میں مسلمانوں کے گھر کافی ہیں مگر کلمہ تک  
 جاننے والے کوئی مسلمان نہیں۔ نہ کوئی مسجد ہے۔ نہ کوئی نماز پڑھتا ہے۔ مفصل حالات انشاء اللہ  
 زبانی عرض کروں گا۔ اچھا کہ مزاج مبارک بعافیت ہوگا۔ مولانا خلیل الرحمن کا اب کیسا مزاج  
 ہے۔ ان کی نسبت میں سلام مسنون۔ مولانا عزیز الرحمن صاحب دیگر یہاں حال کو سلام خلیفہ  
 وہاں کا محتاج۔ خادم و تیدا نماں۔ پی۔ سی۔ سی۔ کا گرس۔ فن صوبہ آندھرا۔ بھارہ  
 ۵ افریقہ ۱۹۶۷ء۔ بھارہ

برادر محترم مولانا عزیز الرحمن صاحب۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ امید کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ ہم لوگ آپ سے رحمت  
 ہرگز فروغ کی سبب بھارہ بخیریت پہنچ گئے۔ راستہ میں کسی قسم کی دقت نہیں ہوئی۔ اتنا  
 طبع سفر میں آسانی اور لطف کے ساتھ گزر گیا۔ بشر حاجی اور کوثر سے بھی خوب لطف رہا۔  
 یہاں ہم پرسوں ۱۰ بجے پانچ گیس دفتر میں پہنچ گئے۔ معلوم ہوا کہ چار اپرو گرام صدیقی  
 صاحب بنائیں گے۔ پھر صدیقی صاحب نے یہاں کے ایکشن انچارج صاحب سے معلوم کیا کہ  
 ہمارے آگے کی انہیں اطلاع دی۔ انہوں نے بتایا کہ یہ پتہ گرام اکبر خان صاحب جو حیدرآباد  
 کیمپ میں ہیں بنائیں گے۔ چنانچہ اکبر خان صاحب ہی کے مشورہ سے مجھے صدیقی صاحب کے  
 ہمراہ ”کنٹور“ بھیج دیا گیا جو بھارہ سے چالیس میل ہے۔ کافی بڑا ستھر ہے۔ مسلم دور بھی کافی  
 ہیں۔ وہاں شب میں جلسہ ہوا۔ ایک گھنٹہ میں نے یہی تقریر کی۔ جلسہ کامیاب رہا۔ اور وہاں کی

فضا بھی اپنے موافق رہے گی انشاء اللہ۔ گنٹور سے کل ۱۲ بجے کے قریب واپسی ہوئی۔ چند گھنٹے  
 یہاں قیام رہا۔ پھر میں اور صدیقی صاحب اور ڈاکٹر صاحب دیور کے لئے روانہ ہو گئے۔ وہاں بھی  
 رات جلسہ ہوا اور بہت کامیاب رہا۔ رات کو ۱۰ بجے وہاں سے واپسی ہوئی۔ آج بھی سوسل کا  
 سفر کرنا ہے۔ مولوی سعید الرحمن صاحب اور کوثر صاحب پریموں کی برائی صاحبہ کے ہمراہ  
 ”دے جو“ گئے تھے۔ وہاں سے کل دوپہر واپس ہوئے۔ ان سے ملاقات کم ہو سکی۔ چونکہ وہ پھر  
 ایک گھنٹہ کے بعد گنٹور چلے گئے۔ آج بھی تک ان لوگوں کی ریسپی نہیں ہوئی۔ یہاں کی پوزیشن  
 یہ ہے کہ ہر ایک کمیونسٹوں سے متبادل ہے۔ مسلمان کمیونسٹ غریبوں کو تو بھوک کے ڈر اور بھوت  
 سے ڈراتے ہی تھے۔ گلاب ٹھکانے دوسرا مذہبی حربہ بھی استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔  
 مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ مسلمان مذہب اور کمیونسٹ ایک دوسرے سے بہت فریب میں۔  
 کانگریس میں شامل ہونا مایوس فروشی ہے۔ غرضکہ اسی قسم کی الٹی پید بھی۔ توں سے یہ سچ  
 درجہ جوئے مسلمانوں کو بکایا جا رہا ہے۔ مگر الحمد للہ یہ سب کچھ بہت جلد ختم ہوتا جا رہا ہے۔ مسلمانوں  
 اکثریت کانگریس کے ساتھ ہے۔ مولانا کا بیان فہم صحابہ کے یہاں تیلگو میں پڑھ کر بھی سنایا گیا۔ اس  
 میں کو چھپرایا بھی جا رہا ہے۔ امید ہے کہ حضرت مولانا المحترم قبلہ سفر سے تشریف لائے۔ پچھلے  
 دن گئے۔ ان کی خدمت میں دست بستہ سلام مسنون۔ مولانا خلیل صاحب بے حوث مند  
 نہ رہے۔ مولانا کے خیر و نیکریم ان کو جلد صحت عطا فرمائے۔ ان کی اور دیگر پریشان حال کی  
 خدمت میں سدا مسنون۔ یہاں خوب گرمی ہے۔ رات کو بھی اندھ لپٹتے وقت چمکے کہ غمزدگی  
 رہتی ہے۔ باقی حالات پھر انشاء اللہ تحریر کروں گا۔ اگر وہاں سے کمیونسٹوں کے خدمت  
 چھانٹیں تو اس میں سلسلہ میں دیگر مفید معلومات رسالہ فرمادیں تو زیادہ بہتر ہے۔  
 رہے کوئی مصافحہ نہیں۔ ایکشن ۲ تک مختلف پارٹیوں میں ہیں۔ فقہ و لایزم

وحید الزماں بھٹا

کانگریس آفس آندھرا

۲۵ فروری ۱۹۵۵ء - بھڑاڑہ

سیدی مولائی حضرت مولانا المعظم دامت اظہارکم

بعد تسلیمات و تجلیات مسنونہ عرض خدمت اقدس آنکہ ایک عریضہ نیلور ڈسٹرکٹ سے ارسال خدمت کر چکا ہوں۔ امید کہ اخطہ عالی سے گزرا ہو گا۔ پیادرم مولوی سعید الرحمن صاحب سے ۲۴ فروری تک بابہ علیحدگی رہی۔ میں صدیقی صاحب اور ڈاکٹر ایم۔ اے خان کے ساتھ چار مقامات پر تقریروں کے بعد ضلع نیلور چلا گیا۔ اسی جگہ کانگریس صوبہ کے صدر گوپال ریڈی صاحب بھی رہتے ہیں۔ یہاں ۱۲ روز تک قیام رہا۔ اور روزانہ تین چار جلسے مختلف علاقوں اور دیہات میں ہوتے رہے۔ محمد تقی صاحب کا میاں رہا۔ اور ہر جگہ کمیونسٹوں کی کمرٹوٹ گئی۔ اگر باہر کے لوگ یعنی دہلی اور حیدرآباد سے نہ آتے تو شاید یہاں اس الیکشن میں بھی کانگریس کو یہ پوزیشن حاصل نہ ہوتی۔ خودیہاں کے اخبارات پیسٹھ اٹھے کہ آندھرا میں نیا انقلاب آگیا۔ اب صرف ۷۰۰ تاریخ کا الیکشن باقی ہے۔ بقیہ تاریخوں کے الیکشن میں تقریباً ہر جگہ زبردست جیت کانگریس کی رہی ہے۔ نیلور میں قیام کے دوران ہندوؤں اور مسلمانوں نے بڑی خاطر مدارات کی اور مسلمانوں نے توقع سے زیادہ ہر جلسہ میں حصہ لیا۔ بلکہ تقریباً ہر ایک جلسہ میں مسلمانوں ہی نے جلسہ کا انتظام کیا اور ہم لوگوں کے لئے بھی انتظام کیا۔ اسی طرح ہندوؤں نے بھی بڑی خاطر مدارات کی۔ پیرسوں ۲۳ فروری کی شب کو میں اور صدیقی صاحب بھڑاڑہ نیلور کا دورہ کر کے واپس آگئے۔ رات مولوی سعید الرحمن صاحب بھی دو روزہ کے بعد واپس آگئے۔ ان سے ملاقات ہو گئی اب وہ بھی بھڑاڑہ ہی میں مقیم ہیں۔ البتہ کوثر صاحب، حکیم صاحب کی پارٹی ایک جگہ ہے۔ شاید وہ لوگ ۲۷ کو واپس آئیں گے۔ اب میں کسی جگہ کا دورہ نہیں کر رہا ہوں۔ اس لئے آج ارادہ ہے کہ ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ ورنہ کل انشاء اللہ ضرور سوار ہو جائیں گے۔ راستہ میں حیدرآباد قریب ہی ہے۔ اس لئے ایک روز کے لئے وہاں جا کر انشاء اللہ دہلی آئیں گے۔

مفصل حالات زبانی عرض کروں گا۔ ابھی جمعہ کی نماز پڑھ کر آیا ہوں۔ اب کانگریس



کے دفتر میں جا کر اس لئے اسی معروضہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ پرسان حال کی خدمت میں سلام مسنون۔  
مولوی سعید الرحمن صاحب سلام عرض کرتے ہیں۔ فقط

آپ کا خادم وحید الزمان بجواڑہ۔ آندھرا  
۵ فروری ۱۹۵۵ء عثمان والا ضلع لاہور۔

بگرامی خدمت کرمی مخدومی جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب

السلام علیکم۔ مدت سے امدادہ کر رہا تھا کہ عرضیہ بھیج کر آپ کو اور بلا قدر خلیل الرحمن صاحب  
ولید عزیز الرحمن صاحب کی خدمت دریافت کر دوں۔ قابل مصروفیت اور کچھ سستی کی وجہ سے  
یہ ہوتے ہوئے کچھ سال گئے۔ آپ و برادر خلیل الرحمن و مولانا عزیز الرحمن مجھے بہت یاد آتے  
ہے۔ آپ کو تو ہر پڑ پڑ یاد کرنا ہی پڑے۔ بہادر و فہم۔ تین کے ساتھ بچے ایسی عجبت ہے کہ وہ  
زاموش کئے ہی نہیں جاسکتے۔ دراصل ہر حقیقت (بہر حال گزشتہ) زندگی کے ہر  
سے وابستگی سے کچھ منقطع ہو گئے تھے کہ یکسر سے تہمت دور رہیں ہوئے اور کوئی  
خط کتابت نہ ہونے کے باوجود بھی نہ تین آپ کو بھڑکتا میں رہا۔ آپ میں بھوں سکے ہیں۔ مجھے  
بین مزاج اور اپنی صحت کی مفصل کیفیت سے غور و فکر۔ بعد ضلع فرامیوں۔ برادر خلیل الرحمن و  
عزیز الرحمن کا یہ ویفیت اور ان کے ایڈریس سے معذور ہے۔

جناب جنرل شاہنواز صاحب اور محترم میر محمد حسین صاحب کے ریڈریس بھی مجھے ارسال  
رہا ہے۔ نیز میرا احمد حسین صاحب محتوم کب لاہور یا کراچی آئے ہیں۔ ان سے دریافت فرمائے  
مجھے ضلع فرمائیں۔ ان کا لاہور۔ کراچی میں قیام کیا ہے۔

آپ کا خادم محمد شفیع سرور عثمان۔ لاہور۔ پاکستان

۵ فروری ۱۹۵۵ء نئی دہلی

جناب مولانا صاحب

تسلیمات عرض ہے۔ امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔ میں تہ دل سے آپ کا مشکور ہوں کہ  
نہ مولانا وحید الزمان صاحب ترسیل حرار کے طرہ اردو دیکھنے سکرٹری بھیجے انگریزی لکھنے کے سکرٹری  
آپ کو جو ان قریب تھے جواب کار پریشن میں ۳۰۵ اردو ترجمہ کے سکرٹری ہیں۔ "دست"

آپ نے مجھے اس قدر عزیز جان کر میری جھٹی کا جواب دے دیا۔ مجھے از حد افسوس ہے کہ وقت پر آپ کو جواب نہ دے سکا کیونکہ میں کسی ضروری کام کی وجہ سے باہر گیا تھا۔ لوٹے پر آپ کو لکھ رہا ہوں میرے خیال میں یہ بہتر ہو گا کہ اگر میں آپ سے ملوں اور وہیں آپ کو ایسے اشخاص کا نام دیتے بتاؤں جو کچھ کرنے والے ہوں۔ یہ تو کئی ایسے لوگ ہیں۔ مگر ہمت نہیں ہوتی کہ ان کا نام آپ کو لکھوں کیونکہ اس ملک میں ذاتی مفاد کی خاطر سب آگے ہونے کے لئے تیار ہیں۔ مگر ملک اور قوم کی بھلائی کے لئے بہت کم لوگ نظر آتے ہیں۔ بھربانی یہ لکھنے کی زحمت گوارا فرمائیں کہ آپ سے ملاقات کب ہو سکتی ہے اور کس وقت تاکہ آپ سے بات چیت کر سکوں۔ باقی خیریت۔ صر د ب فقط

احقر بی۔ ایچ۔ آزاد نیرا ڈیڑا خیاب پڑناپ

۳۱ فروری۔ گورکھ پور

محرمی مولانا صاحب۔ سلام مسنون

آج یہاں پوکا نگر سس کی طرف سے منعقدہ جلسہ میں حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب اور حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب کی تقریریں ہوئیں۔ مولانا عبدالعزیز صاحب کی وہ نظم بہت ہی درون ناک ہے جسے انہوں نے حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مدظلہ اور کانگریس سے ان کے تعلق پر لکھا ہے۔ بعد ازیں مولانا موصوف کی تقریر ہوئی۔ شرکار جلسہ نے تالیفوں سے ان حضرات کو خوش آمدید کہا۔ مولانا عبدالعزیز صاحب کی تقریر بھی بہت کامیاب رہی۔ میں مولانا فضل الرحمن صاحب حسن پوری کی تقریر اس وقت نقل کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ کانگریس ہی وہ مد جماعت ہے جس نے ملک کو آزاد کر لیا۔ ہمیں غلامی کی زنجیر سے سبک دہش کیا۔ آپ نے گورکھ پور کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہی گورکھ پور ہے جہاں ایک مرتبہ فرنگی کے زمانے میں مولانا عمر علی اور گاندھی جی آئے۔ لال ڈگی کے میدان میں لاکھوں کی تعداد میں ہندو مسلمان جمع ہوئے۔ کلکڑنے سڑیاؤں کا جھکا دے دیا تھا۔ مگر شیدایان کانگریس ہر طرف سے جوق در جوق شریک جلسہ ہوئے۔ گورکھ پور نے صرف ۳ منٹ تقریر کا وقت متعین کیا۔ گاندھی جی کی ان تین منٹ کی تقریر کس قدر سچی اور

[illegible]



فرمایا کہ پبلک کی سہولتوں کا خیال کر کے حکومت دیورینا سے کینا ہوتے ہوئے فوٹو اں تک رہیوے  
 لائن نکال رہی ہے۔ کیا یہ پبلک کا فائدہ نہیں ہے۔ فریڈر جینکشن۔ بے فوٹو رزل سپنچر کے سے حکومت  
 پختہ ٹرک بنوا رہی ہے۔ کہ یہ کام نہیں ہے۔ ردھن دریل سے پھوٹے ہوئے سوتے کی درنگل پر حکومت  
 نے ۲۸ لاکھ روپیہ خرچ کیلے ہے۔ کیا یہ جنت کی خدمت ہیں آپ نے محافت جماعتوں کا ذکر کرتے ہوئے  
 فرمایا کہ جواہر لال نہرو کے اعلان کے بعد انار سوشلزم وغیرہ کے لئے سہولتوں کے اقرار کے بنیو کوئی  
 ان کے لئے گنجائش ہی نہیں رہتی پھر ان کو روٹ دینے کا کیا سول بیاراجتات۔ مولانا کی تقریر  
 جاری تھی۔ مجمع پر ایک سکوت طاری تھا۔ ایک گھنٹہ تقریر کے آپ نے جلسہ کو ختم کر دیا۔ لیکن لوگوں  
 کی خواہش یہی ہے کہ یہ حضرات یہاں کا ایک دورہ اور کریں۔ یہ ہے کہ ان کی فائز کافی فائدہ  
 ہوگا۔ میں مولانا کی تقریر کو پورے طور پر ضبط نہیں کر سکا ہوں۔ امید ہے کہ آپ اس کو اپنے زیر مشافح  
 کر کر شکریہ کا موقع دیں گے۔ فقط والسلام

لطف اللہ حال زمیندار۔ علاقہ بیردا۔ کورنڈپور (پنی)

دائرہ دی ۱۹۵۵ء۔ شری جہا پھمی ادیوگ شاملہ۔ ۲۰۔ دریا گنج دہلی

کرمی مولانا حبیب الرحمن صاحب زاد عنایتکم

تسلیم۔ مندرجہ ذیل اصحاب پرانے تجربہ کار۔ کئی کئی بار کے جیل یا تری میں اور اس وقت  
 ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ یہ لوگ اپنی بستی خود سنائیں گے۔ کس قدر ان کو ذلیل و خوار ۱۹۴۷ء  
 ۱۹۴۸ء کے ماڈل والوں سے ہونا پڑ رہا ہے۔ یہ سب اصحاب روہتک ضلع کے ورکرز اور باشندے  
 ہیں اور اب بھی وہیں کام کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ لائن سکھ رائے جین محلہ منڈ پالیان قصبہ روہتک۔ دہلی کا پتہ : مراں نمبر  
 انصاری روڈ۔ دریا گنج۔ دہلی

۲۔ شری مرادی لال سین سابق داس پرینڈنٹ سٹیبل کمیٹی روہتک۔ سیننی پورہ روہتک

۳۔ شری سوامی آتم نند سنیا سی سچا لک ہرکین آشرم نزد گوکرنی روہتک سابق میونسپل کمشنر روہتک۔

۴۔ شری تلسی رام محلہ بابره روہتک۔

۵۔ شری رام سنگھ کانگریس ڈیپلیٹ موضع مڑا تحصیل جھجر ضلع روہتک۔

۶۔ شری مگلی رام سابق پریذیڈنٹ یونین کیٹی ضلع روہتک۔ ال دید جھجر ضلع روہتک۔

۷۔ شری بدی پرشاد کالا ڈیپلیٹ کانگریس ساکن قصبہ مہم تحصیل گودا نہ ضلع روہتک۔

۸۔ شری جگدل کانگریسی ساکن ضلع کاسنی تحصیل و ضلع روہتک۔

۹۔ شری لاتی رام ساکن ماروت۔ تحصیل و ضلع روہتک۔

۱۰۔ شری دید پال کانگریسی ضلع سوہا نہ تحصیل و ضلع روہتک۔

۱۱۔ شری بیر لال ٹھیکیا۔ ار محلہ سدرہ روہتک۔

۱۲۔ میں خود سے اور بہت سے نام دیئے جاسکتے ہیں۔ مگر یہ محض توجہ دہرکونشی

پر متعلق ہونے والے ہیں۔ اور سرگرم حصہ لینے والے ہیں۔ کچھ سچی باتیں اور کچھ بد وقت شامل ہو سکتے ہیں۔

دولت راہ گیت

۲۸۔ ۱۹۵۵ء۔ چنور گڑھ۔ راجستھان۔ دشت سرائی دشت اشرم

محترم مولانا

انتہا نامہ ملا شکر یہ۔ نہرجی کے پاس ہمزادہ بیچنے کی ضرورت تھی۔

آپ نے جو پرانہ گرم بنایا ہے۔ ٹھیک ہے۔ مگر اب ہمارا اور آپ کو ہون سا تھی ہے؟ جو ان بد عنوانوں

کو دور کرنے میں مددگار ہو۔ اب تو ہمیں خدایر بھروسہ کرنا ہے اور کسی کو نے میں بیٹھ کر دنیا کے

لوگوں کے لئے نیک دعائیں کرنا ہے۔ بابو کی آگیا کے انوسار اپنی آتما کی آواز پر جو مناسب ہو کام

کرنا ہے۔ جیست میں آباہوں بیکانہیں مٹھا بیکاروں کا۔ میں پیدل کھوم کر اپنے مذہب

کے مطابق انہماں کے دھرم کے مطابق ان سے چوکی پیشہ اور شراب وغیرہ چھوڑنے کا عہد لیا ہے

اب آپ خود خیال فرمائیے۔ نہ تو آپ کو کسی گدی کی ضرورت ہے نہ مجھے۔ کام ہی تو کرنا ہے مرتے

دم تک یہ جسم اور روت کار خیر میں صرف ہو جائیں تو اچھا ہے۔ آج کا مغرور کانگریسی خود تو گمراہ

ہے ہی بعض دفعہ دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ بیچارے نہرو کو بھی بعض دفعہ غلط اطلاعات پہنچا کر سچے مارگ سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے ایک دفعہ قید ہو کر یا سختی بھیل کر مجھے دیش کے لئے اور صوبہ کے لئے دائمی ٹیڈل گیا ہے۔ افسوس ہے کہ باپو کی طرح کا آزار دل نہیں واقع ہوا۔ اور اپنی غلطیوں کو محسوس کرنے والا نہیں رہا۔ باپو سے جب کوئی غلطی ہو جاتی تھی وہ اسے محسوس کرتا تھا۔ اور کھلم کھلا اپنی غلطی کا اقبال کر کے اخباروں کو بیان دے دیتا تھا۔ آج اس کے پلے کا کوئی بھی دیکھتی نہیں رہا۔ اب تو ہم کو یہی واجب ہے کہ مرتے دم تک اپنے جوش کے لئے ہی نہیں بلکہ سنسار بھر کے لوگوں کے لئے نیک دعائیں کریں۔ آپ نے اور ہم نے جو لڑائی لڑی وہ کامیاب نہ ہوئی۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ جو شخص آم لگائے وہی اس کے آم کھائے۔ ہو سکتا ہے وہ کھالے لیکن اس کا نیک مقصد تو یہی ہونا چاہئے، اس کے ہمدردوں نے آم لگائے۔ دنیا ان پھلوں سے مزے لے لے کر ان کو یاد کرے یا نہ کرے لیکن خدا کے حضور میں وہ درخت لگانے والے نیک ہی تصور ہوں گے۔ آج تو پروپیگنڈہ لگ ہے۔ پروپیگنڈہ کرنے والا ٹھیک اور درست خیال کیا جاتا ہے۔ خاموش سیوک کا پروپیگنڈہ کون کرے۔ نہ اسے پروپیگنڈہ کی ضرورت ہے۔ شاید میری رائے سے متفق ہوں یا نہ ہوں۔ ہمارے کٹر دلوں دن گرتا جاتا ہے۔

کہ آپ مہربانی فرما کر لکھیں گے کہ یونائیٹڈ پریس آف انڈیا یا ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کو بیان سمجھنے کے لئے کچھ نقد دینا پڑتا ہے یا کہ وہ ایسے ہی چھاپ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان کے نمائندہ کے بتا کوئی نہیں چھاپتا۔ میں ایک بیان یونائیٹڈ پریس آف انڈیا کو بھیجنا چاہتا ہوں کیا آپ میری کوئی مدد کر سکتے ہیں ؟

مولانا سچ کہتا ہوں آج ریش۔ بکرتی۔ اپنی تعریف اپنا لیش پھیلانے کی بھادنا بہت بڑھ گئی ہے۔ لیکن سچی سیوا کی بھادنا بالکل جاتی رہی ہے۔ میرے لائق جو خدمت ہو لکھئے۔ جملہ اہل دینا کے لئے نیک دعائیں۔ کوئی غلطی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔ خادمہ دشت



کوچہ رحمان چاندنی چوک - دہلی - ۲۷ فروری ۱۹۵۵ء

محترم جناب سردار گوردیال سنگھ صاحب سندھو

جے ہندو! امید ہے کہ آپ بالکل خیریت سے ہوں گے۔ میں اپنے مخلص دوست  
راہی دی ناتھ کو آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ یہ بھی آپ کی طرح سچے اور مخلص انسان ہیں  
زمین کے سسے میں آپ ان کی ضرورت امداد فرمائیں۔ لالہ جی نے آج تک حکومت سے کوئی چیز حاصل  
نہیں کی ہے۔ زیادہ آداب۔ (مولانا) حبیب الرحمن لدھیانوی۔

چتوگر تھ - ۳ مارچ ۱۹۵۵ء

محترم مولانا - جے ہند

۱۔ نوازش نامہ ملے شکریہ۔ جس طرح راہو کیتو ہر چند رات سورج کو گہرے لگے جیتے ہیں  
اسی پرکار نیک کام گزیریوں کے گرد اگر دھندل غرض، مطلب پرست، زبردست لوگوں نے راہو کیتو کا  
روپ دھو کر کے ان کو گہر بن لگا دیا ہے۔ خدائے انہیں اس راہو کیتو روپی جتنے سے بچے۔

۲۔ رائے۔ ہائیڈروجن بم وغیرہ وغیرہ تیار ہو چکے ہیں۔ امریکہ برطانیہ وغیرہ ممالک اس کی  
آزمائش استیابی دشمنوں پر ہی کریں گے۔ ایشیائی سمندروں پر ایشیا تباہ ہوگا۔ مگر جے ہند بھی  
نہیں۔ جے ہند۔ غرضیکہ ہم قیامت صغر کے دہانے پر کھڑے ہیں۔ ہم کو قیامت نظر بھی آ رہی ہے لیکن  
اعمال بد میں دنوں دن، غنائی ہو رہے۔ باوجود اس قیامت کے آثار و منکرات نہ کچھ کر رہی ہر  
آدمی نے دھن کے لالچ میں اخلاق، چار نہیں غرضیکہ، پنا سب کچھ تباہ کر دیا ہے۔ روح و حیوانیت  
اور نیک درویش منہ بگ رہے ہیں۔ شاید پھر کوئی مہاتما پیدا ہو جائے جو اس دنیا کو تباہی سے  
بچائے۔ مولانا نہ لالہ کوٹہ۔ ایام تبادلوں آبادی میں لوشمار ثابت گوی۔ عورتوں کے ساتھ ظلم نہ  
برتاؤ۔ شادی عام میان کی پوتہ تلم سے کھیل جو کھیل گیا۔ یہ تو آپ کے اور میرے سامنے ہے۔ اب بھی  
ہم آپ سوزے خاموشی کے اند کیا کر سکتے تھے۔ یورپ کے۔ نفس دانوں کے ذرا غور سے۔ مورا۔  
شہنشی کی راہی و استیاد کر فی چھوڑ دی ہیں۔ تباہی کے راستے پر گامزن ہیں۔ ہمارے بھائی ہیں لیکن

ہو سکتا ہے وہ اس کو ہی امن سمجھنے میں راستی پر ہوں۔ پر ہمارے خیال میں یہ راستہ گمراہوں کا ہے  
 درد نشینوں اور نیک بندوں کا نہیں۔ آؤ لی کر دعا کریں کہ خدا انہیں عقل سلیم عطا کرے اہل و عیال  
 کے لئے نیک خواہشات۔  
 میلوک دشت سوامی

چتر گڑھ - ۹ مارچ ۱۹۵۵ء

بڑھے جرنیل قابلِ عزت مولانا حبیب الرحمن صاحب

جے ہند آج کے اخبار میں یہ خبر پڑھ کر بے حد مسرت ہوئی کہ آپ کو پنڈت جواہر لال نہرو  
 کی سفارش پر کانگریس کمیٹی کا ممبر چنا گیا ہے۔ کاش آپ اس عمر میں بنی نوع انسان کی کوئی بہترین  
 خدمت سرانجام دے سکیں۔ آپ نے جتنی تکالیف اٹھائی ہیں، ان کو سب سے بہتر جانتا ہوں  
 مگر کیا آپ ان بدعنوانیوں کو مٹانے میں کامیاب ہو گئے۔ کیا آپ ان بدعنوانوں کا قلع قمع کرنے کے  
 لئے جدوجہد کریں گے جو ہماری بہترین جماعت کانگریس میں آچکی ہیں۔

میں دعا کرتا ہوں کہ آپ کامیاب ہوں۔ کانگریس کے اندر جا کر آپ ملک کے لئے مفید  
 ثابت ہوں گے۔ بشرطیکہ آپ نے کسی بھی جماعت کی یا فرد کی رو رعایت کا خیال نہ کیا۔ خدا سے دعا ہے  
 آپ کامیاب ہوں۔ یکم ۸ مارچ کو ہمارا ایک چٹھی برائے رشید بادکار خود حوالہ ڈاک کر دیا ہوں  
 اہل و عیال کے لئے دعائے خیر۔ آپ کا پرانا سا تھقی دشت سوامی چتر گڑھ  
 چتر گڑھ - ۱۶ مارچ ۱۹۵۵ء

محترم بھائی صاحب!

نوارش نامہ ملا۔ شکریہ! میرے کام کے لئے آپ کی نیک دعا بھی موصول ہوئی مزید  
 شکریہ۔ یہ زندگی عطیہ خدا ہے اسی کی راہ میں صرف ہونی چاہئے۔ بندگانِ خدا کی خدمت ہی  
 ہم لوگوں نے شعار بنایا تھا۔ افسوس کہ ہمارے ساتھی الگ الگ ہو گئے۔ آج خان بادشاہ سرحدی  
 گاندھی کو یاد کر کے ان کی تکالیف اور دکھوں کا احساس کر کے جی بھڑاتا ہے۔ انسان نے سب سے  
 زیادہ گناہ خون خرابہ کر کے، عورتوں کی بے حقی کر کے، ظالمانہ حرکات کر کے اس وقت کیا ہے

جب کہ تبادلہ آبادی ہو رہا تھا، ان انسانوں کو انسان کہنا ہی انسانیت کو بدنام کرنا ہے۔ شیطان بھی تو ان حرکات کو دیکھ کر کانپ اٹھا ہو گا۔ بھائی صاحب! کیا کہوں آج ہی چار نذر کے بعد غریبوں کا حال دیکھ کر آ رہا ہوں۔ جن کے تن پر کپڑے نہیں۔ سونے کے لئے بستر نہیں۔ زمین ہی ان کی چار پائی ہے۔ ظالم بنے جو کہ اپنے منہ پر سچی باندھ کر انہونی اسودھرا کہتے ہیں۔ اور قرض دینے والے سا ہو گا، دن نے ان کے تنوں کو بنجر بنا دیا ہے۔ کاشش نہرو جی ان کے گھروں میں ایک رات گزاریں۔ میں تو دن رات ان کے گھروں میں گھومتا ہوں۔ ان کی تکالیف سنتا ہوں۔ بنے ان کی جیبوں پہنڈاکہ ڈالتے ہیں۔ غریب حساب سے بے بہرہ ہیں۔ تاپ نہرو جی سے کہیں دھیر صاحب سے کہیں کہ خاموشی سے اگر ان کے گھروں میں ایک رات رہیں۔ آپ کو کیا کہوں، پھونسا رہا گاؤں میں ٹھہر۔ جویں سے چالیس میل کے فاصلے پر ہے۔ ان کے ہاں ایک گلاس تنق جس کی قیمت بمشکل چھ آنے ہوگی۔ ظالم بنے نے دو روپے قیمت لی تھی۔ ان کے یہاں ایک پتیل کا برتن دجھا جس کی قیمت تین روپے ہوگی۔ مگر بنے نے دس روپے وصول کئے ہیں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں۔ کوئی کہ بھانڈہ بدلنے والا نہیں میں سمجھتا ہوں ہمارے معزز خیتا نہرو جی کے سامنے بڑے بڑے کام میں لگا رہے۔ دودھ سے پھن آف میلز (سابقہ) کی طرح کرائے جاتے ہیں۔ بہت شان و شوکت کی جاتی ہے۔ لاکھوں روپے خرچ کئے جاتے ہیں جو کسی طرح مناسب نہیں ہیں۔ حکومت میں بنیا عنصر زیادہ گھس۔ یا ہے جو کہ گاندھی مارگ کو بگاڑ کر اپنا مارگ چلا رہا ہے اس میں شک نہیں کہ ملک ترقی کر رہا ہے۔ مگر ایسی ترقی کس کام کی جس میں غریب پر ظلم ہو رہا ہے۔

نوٹ: کیا آپ ملاپ کے وہ پرچے بھیج سکتے ہیں جس میں اس نے میری توڑ اور میرا پرہ گرام پر کاشت کیا ہے۔ کیا اور اخباروں نے بھی خبر پر کاشت کی ہے یا کہ نہیں۔ محترم بھائی صاحب! میں تو ان غریبوں کی حالت کو دیکھ کر روتا ہوں کہ کس طرح ان کی حالت کو سدھارا جائے۔ جب کہ ظالم سا ہو گا، دن کے بچوں سے انھیں نجات نہ دلائی جائے۔ تب تک کلیان نہیں ہو سکتا۔

آپ کا پرانا ساتھی۔ دشنہ سوامی



قبلہ د کعبہ جناب حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم

سلام علیکم درجۃ اللہ برکاتہ۔ مزاج گرامی۔ عرصہ کے بعد جناب والا کی خدمت میں یہ عرضہ ارسال کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ غالباً جناب کے علم میں ہو گا کہ تقریباً ایک سال سے میرا تبادر کسرت سے گورنمنٹ پور کا ہو گیا ہے۔ یہاں بسا پ و ہو، خراب ہونے کی وجہ سے ادویہ۔ بے سلسلہ ملازمت میں دورے پر رہنے کی وجہ سے بچوں دمیٹل میں ہی پیچھا دیا ہے میرے پاس آپ کا جو پتہ تھا برستی سے گم ہو گیا تھا۔ آج اتفاقاً ہاتھ آ گیا۔ امید ہے آپ مجھ کو اس عرصے میں جو خط کتابت نہ کر سکا معاف فرمائیں گے۔

میں آج کل کافی پریشان ہوں۔ ایک تو گھر سے دوسری۔ دوسرے گھر میں کی عداوت۔ اسی عرصے میں دو مڑکوں کا انتقال بھی ہو گیا۔ ایک لڑکے کے انتقال کی خبر یوم کے بعد موصول ہوئی، گھر میں بھی عداوت کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ کوئی بظاہر صورت ایسی نظر نہیں آتی کہ میرا تبادلہ بدلتی ہو جائے بہر حال دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ میری ان پریشانیوں کو دور فرمائے۔ آمین

اخبارات کے ذریعہ معلوم ہوا کہ جناب دالانے سیاست میں دوبارہ حصہ لینے کا فیصلہ فرمایا ہے میں آپ کا بچہ ہوں اور ساتھ ہی وفادار سپاہی۔ میرے لائق جو خدمت ہو ہر وقت تیار ہوں۔ کیا آپ کا ارادہ دوبارہ مجلس احرار کی زندہ کرنے کا ہے یا نہیں۔ اگر اس سلسلہ میں موجودہ احرار لیڈروں کی روش سے مجبور ہو کر کچھ حضرات اس امر کی کوشش کریں کہ یہ جماعت کو چلائیں تو حضوراں کی سرپرستی فرمائیں گے یا نہیں۔ براہ کرم جواب سے مطلع فرما کر مشکور فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔ جواب آنے پر آئندہ اپنا پردگرم تحریر کروں گا۔ فی الحال میرا پتہ یہ ہے۔

ریاض الحسن بریلوی۔ کلرک موبائل شاپ

۳۔ معرفت ایشین ماسٹر صاحب این ریلوے۔ بارس کینٹ

آپ کا خادم۔ ریاض الحسن شمس بریلوی

جہاں پائرس گھیری منڈی لکھنؤ۔ ۳ مارچ ۱۹۵۵ء

محترم و معظّم جناب مولانا صاحب

اسلام بلیک ورثہ اللہ برکاتہ۔ عرصے سے کوئی عریضہ نہ پہنچ سکا۔ کارڈز مسلسل آنجناب پہنچا  
پہنچوڑت گھر پہنچے۔ ۲۰ فروری کو سب کو پاکستان روانہ کر دیا۔ احمدیہ بھرتی پہنچ گئے۔ جو غریب  
پاکستان جا چاہتا ہے، انکم ٹیکس دفتر کے طوائف کرتا ہے۔ بندگیاں خدا کسی کا سفر ریل سے، انکم  
ٹیکس برٹینیفک کی تنہا رہت ہے۔ لاگروڈی سے احکام جاری کرادیں تو ملک زحمت سے بچ جائے۔ دھما  
ساحب ہنوز اسپتال میں ہیں۔ حالت قابل اطمینان ہے۔ اس عرصہ میں نفع کافی معلوم ہوتا ہے۔

شیبہ مجددی سے رات سے جوئے لگا، دفعتاً پیشاب کا مقام متدرج ہو گیا۔ دوسرے دن سدنی  
اس کی کئی جس سے بہت حریف ہو گئی غریبے مدہ پیتاں میں۔ بار بار دہی دھڑا دھڑاتے ہیں کہ  
کو ٹریس کی عدالت بھر کر میری دہائی، ناقہ کشی سے کوئی خبر لینے نہ سہیں۔ جس کے کام سے نہ ہائی گیا  
تھا خوں نے شرم تک نہیں لی۔ اس لئے میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ بھائی میرے کھوئے تم کو وقتاً فوقتاً ملے  
رہا میں اسپر اٹھ کرو۔ اپنے رب کو یاد کرو۔ آپ نے سوائے ذرا کے دہائی میں ماضی کے کسی  
عرب کی۔ تہ پڑی کی جس سے آپ کو شکایت پیدا ہو گئی ہے۔

دینا نام ہے زحمت پرستی کا۔ آپ انسان ہیں جن کے ہاتھ میں طاقت ہوگی لوگ اس کی طرف  
نی جھٹھ ہوں گے۔ ہر حال خصوصی اوقات میں دھما بے چارے کے لئے دعا فرمائیے۔ اور مرقی ایکشن  
میں کانگریس کی طرف کام کیا۔ اندازہ یہ ہوا کہ مسلمان عام طور سے کانگریس سے بہت بددل ہے  
جینا پھر اکثریت سے ووٹ کا کانگریس کے خلاف دیئے۔ یہاں دہائی میں محض پنجابی ایسی شخصیت ہے  
کہ دو مسلمان کی سن لیتے ہیں۔ ان کے نام پر اور اپنے اثرات سے جو ووٹ حاصل کر سکا وہ عمل کیئے۔ اور  
بے کسی دن گیتہ تھی کہ اپنے گھر پر بلا کر مشورہ دوں کہ مسلمان کو اپنی فتنہ کی فکر کھینچے۔ ورنہ مستقبل بہت  
تاریک ہے۔ خود امیر ذریعے سے، خواہ کسی اور ذریعے سے مقامی حکام تک مسلمانوں کا درد دکھ پہنچا  
کا انتظام کریں مسلمان کس مہر سی کی منزل سے بٹے تو کام رہے۔ مجھے امید ہے کہ گیتا جی ضرور کچھ

کریں گے۔ ان کو مجھ پر اعتبار ہے اور مجھے ان پر اعتماد ہے۔ اس سلسلہ میں جناب بھی مجھے مشورہ دیں  
 کہ کیا طریقہ کار ہو۔ میرے نزدیک ہر ضلع میں کوئی نہ کوئی شخصیت مسلمان کی گورنمنٹ ایسی بنادے  
 کہ جس کے ذریعے سے مسلمانوں کا روزمرہ کام کچھ نہ کچھ نکل سکے تاکہ موقع پر وہ شخص مسلمانوں کو کانگریس  
 کی طرف بلا سکے۔ جن سنگھ کا زیادہ دوش حاصل کرنا نہایت تشویشناک ہے۔ والسلام  
 آپ کا خادم شیخ اقبال علی (دکیل لکھنؤ)

بھوپال ہاؤس۔ لکھنؤ۔ ۲۲ جولائی ۱۹۵۵ء

معظم و محترم جناب مولانا صاحب

سلام سنون۔ گرامی نامہ مورخہ ۱۷ جولائی کو موصول ہوا اللہ پاک اپنے حبیب کے صدقے  
 میں آپ کو صحت کلی عطا فرمائیں۔ آمین۔ مجھے یہی امید تھی جیسا جناب نے تحریر فرمایا کہ میرے کام کے  
 لئے ہر وقت تیار ہیں۔

اصل کام تو کسی غیر ملک میں بحیثیت نمائندہ ہندوستان پہنچانا ہے جس کے لئے جناب سلسلہ  
 جنابی فرما چکے ہیں اس وقت ایک موقع یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لوگ سبھا کی نازدگی منجانب  
 گورنمنٹ کے لئے کوشش فرمائیں۔ گیتا جی دسمپورنا نندہ جی وزیر پنت جی سے کہنا ضروری معلوم ہوتا  
 ہے۔ وہی صاحب کو خاص طریقے سے بھیج رہا ہوں کہ زبانی بھی عرض کریں۔

جہاں تک میری خدمات کا تعلق ہے میں کبھی مسلم لیگ کا ممبر نہیں رہا۔ ہر الیکشن میں دل جان  
 سے کانگریس کے لئے کوشش کی اور اب بھی کر رہا ہوں، آئندہ بھی کروں گا۔

آل انڈیا مسلم کشمیر کانفرنس جو بھارت میں الحاق کے سلسلہ میں پہلی کانفرنس تھی اس کو  
 کامیاب بنانے میں تقریباً کل روپیہ اپنی جیب خاص سے صرف کیا اور اس کو کامیاب بنایا۔ یہ  
 کانفرنس انڈیا پر دیش گورنمنٹ و بھارت سرکار کے ایما سے ہوئی۔ میں نے دل و جان سے اس میں  
 دل چسپی لی اور وقت صرف کیا۔ والسلام

دعائے خیر کا طالب۔ آپ کا خادم۔ شیخ اقبال علی (دکیل لکھنؤ)



بھوپال بادش گھسیاری منڈی لکھنؤ۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۵۵ء

محترم و محترم جناب مولانا صاحب (الحاج)

وعلیکم السلام درحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ خط مورخہ ۲ ستمبر آج ملا سفر حجاز کی ناپسی پر مبارکباد  
خیر و برکات سے مالا مال دعاؤں کا طالب ہوں۔ حسب ارشاد جناب نے لئے دیا کرتا ہوں۔ بھت کہ  
اب کیا غائب ہے کیا لکھنؤ تشریف لائے کا تشدد ہے۔ اگر ہے تو کب تک؟

میرے ایک عزیز دوست جو بانیس سال سے مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں عرصہ ۳ ماہ سے یہاں  
میرے ساتھ متعلقین مقیم ہیں۔ بسلسلہ عزات تشریف لائے تھے۔ وہاں باغات شاہی کے  
انچارج میں۔ جلالتہ انماک یا مخصوص ان پر مہیاں ہیں۔ ایک بزرگ ان کی تنخواہ تھی۔ پوری تنخواہ  
پیشن ہوئی۔ ان کے بڑے لڑکے کیان کی جگہ ایک ہزار تنخواہ کے ساتھ مقرر کر دیا۔ بڑی خبر میں کے  
انسان ہیں زمانہ تاج میں جانے والے تھے مگر نہیں جاسکے۔ میں نے آپ کا ذکر ان سے کر رکھا تھا  
مگر گئے ہوتے تو شاید آپ کی ضرورت خدمت کہتے۔ ان کو آپ سے ملاقات کا شوق پیدا ہو گیا تھا  
اور ہے۔ بھی پندرہ بیس دن یہاں رہیں گے۔ اگر بدل ان کا جان ہوا تو آپ سے غرض میں کے۔  
آپ ان سے مل کر اور وہ آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔

یہاں اپنے دوران قیام سنبھال کر کے مجھے ڈاڑھی رکھوا دی۔ اب زور دے رہے کہ نیسے  
میں عرب چور۔ جلالتہ ملک عرب سنبھالے کہ آخر اکتوبر میں دہلی آ رہے ہیں۔ ممکن ہے آپ کو اس  
سلسلے میں ملاقات ہو کیا ان کا پروگرام لکھنؤ میں آنے کا بتا ہے۔ اگر اس سلسلہ میں جناب کوئی اطلاع  
فرم کر سکیں تو بڑی عنایت ہوگی

اب تو موسم اچھا ہو رہا ہے۔ دودن کا موقع لکھنؤ تشریف آوری کا نکلتے۔ مگر دیکھ رہے کہ لکھنؤ  
میں جب بھی آپ تشریف لائیں قیام غریب خانہ ہو گا۔ دیکھی صاحب بے پناہ سے اب چلنے پھرنے کے  
قابل ہو گئے ہیں مگر ابھی ایک آپریشن ان کا اور ہو گا۔ یہاں بعض تعلقہ اس خیریت ہے۔ داسلم  
آپ کا خادم۔ شیخ اقبال علی (ایڈوکیٹ)

بھوپال ہاؤس گھسیاری مڑی۔ بھنورہ ۸ دسمبر ۱۹۵۵ء

عظیم و شرم جناب مولانا صاحب ناد لطفہ

سلام سنون۔ کارڈ ملا۔ دہی صاحب اور مولوی صاحب کو پڑھ کر سنایا۔ دہلی سے روانگی کے وقت یہ علوم ہوا تھا کہ جناب رائے پور حضرت اقدس کی خدمت میں تشریف لے جانے والے ہیں اس لئے خط نہ بھیجا۔ یہاں پہنچنے پر یہی صاحب نے اہالیان شہر کو حجت کر کے عرب۔ ہندوستانی کی ایک ایسوسی ایشن قائم کی جس میں باتفاق آرا مجھے جنرل سکریٹری منتخب کر گیا۔

اس کے دہی چاریم بعد بھارت الحاج محمد یوسف صاحب نقشبندی ایک پبلک جلسہ اعلیٰ حضرت جلالتہ الملک شہانہ خود ادا کے شاہانہ خیر مقدم کرنے کے بعد مبارک باد پیش کرنے کے لئے کیا گیا۔ میں دیرینہ لیوسٹن پاس رائے اور عرب ہندوستانی کے سلسلے میں جو ایسوسی ایشن قائم ہوئی اس کی اطلاع بذریعہ تار جلالتہ الملک۔ شاہ سعود اول والی نجد حجازہ بذریعہ عرب لیگیشن نئی دہلی کی گئی اور دوسری اطلاع آپے ہر دھریز بہنا پنڈت خواہر لال نہرو ذریعہ عظیم ہند کو بھی دی گئی اور جلسہ کی کارروائی بھی بذریعہ ڈاک بھیج دی گئی۔ اس کی ایک کاپی جناب کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں ملاحظہ فرمائیے دوسری چیز یہ کہ امر وہ بحر حکم ہو تو بذریعہ پارسل فوراً روانہ کر دوں یا بدست محمد یوسف غالب صاحب نقشبندی بھجوں۔ محمد یوسف صاحب ۱۵ دسمبر کے بعد دہلی حاضر خدمت ہوں گے۔ فزون حساب کے قیام دہلی کی بابت اگر جناب کو اطلاع ہو تو تحریر فرمائیے گا۔

مولانا عزیز الرحمن مولوی مبارک رحمت صاحب کی خدمت میں سلام سنوں۔ خدا کرے مولانا خلیل الرحمن کا مزاج بخیر ہو۔ ان سے نہ ملنے کا اسوس رہا۔ فقط والسلام

آپ کا خادم۔ شیخ اقبال علی (ایڈریٹ)

بشن جے پوری۔ ڈسٹرکٹ کلاتھامپور۔ سروجنی نائیڈو مارگ بھنورہ مارچ ۱۹۵۵ء

کرم فرمائے من جناب حبیب الرحمن صاحب جی

تسلیم میری صرت آپ سے اس قدر ہی واقفیت ہے کہ میں چودھری برکت اللہ برادر چودھ

رحمت اللہ صاحب کے ساتھ آپ سے ملا تھا۔ اور میں بھی بھادل پور کا ہوں۔ میرے ایک دوست بھلا  
 حاجی محمد حسین صاحب ہیں بھادل پور اور دوسرے حافظ منظور حسین صاحب بھادل پور سے باہری  
 پیر صاحب گوہر شریف بصیر شریف زیارت کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ جو ۵ مارچ ۱۹۵۵ء کو دہلی واپس  
 بعد زیارت پہنچ رہے ہیں۔ گو، انھوں نے دہلی کا ایڈریس نہیں لکھا۔ لیکن آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ صاحبان  
 کہاں ٹھہریں گے۔ حاجی صاحب مجھے لکھنؤ آکر لٹا چاہتے ہیں۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ وہ مجھے اور میرے  
 بچوں کو یہاں آکر مل جائیں اور حافظ صاحب بھی ساتھ تشریف لادیں۔ ان کے ساتھ پیر صاحب بھی  
 تشریف لادیں تو زبہ قسمت۔

ان کو دہلی سے لکھنؤ آنے کی اجازت چاہئے۔ آپ اپنے رسوخ اور اقبال سے فدا اجازت  
 دلا سکتے ہیں۔ میں خود حاضر ہوتا۔ لیکن ۱۷ مارچ کو میرے ایک اور دوست بھادل پور سے مدد سے  
 لکھنؤ مجھ سے ملنے آ رہے ہیں۔ اس لئے میں کچھ نہیں چھوڑ سکتا۔ ۱۷ سال کے جا رہے بھائیوں  
 کا ملا دنیا ثواب عظیم ہے جو آپ اٹھا سکتے ہیں۔ میں مجبور ہوں، جو دوست میرا اس دن آ رہا ہے  
 میں اس کے لئے بھی یہاں سے غیر حاضر نہیں رہ سکتا۔ کیا آپ میرے لئے اس قدر تکلیف گوارا فرما کر  
 مجھے تمام عمر کے لئے زیبا احسان کریں گے؟ گو میرا معمولی واقفیت کی بنا پر کوئی حق نہیں ہے۔ تاہم  
 ایک نیک انسان سے التجا کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔ اس لئے یہ جرات کی گئی ہے۔

میں نے اجیر شریف بھی آتے ایک دوست کو تارویا ہے کہ وہ وہاں سے ہی لکھنؤ کے لئے جاز  
 لے دیں۔ لیکن کیا خبر کہ وہ دوست وہاں سے غیر حاضر نہ ہو۔

نیاز مند۔ بشن جے پوری

گوئین۔ رڈ لکھنؤ۔ ۳ مارچ ۱۹۵۵ء

مخدومی و محترمی زید مجاہد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہو گا۔ آپ سے دہلی میں اس  
 عجلت اور ردا روی میں ملاقات ہوئی، جس کو ملاقات کہنا صحیح نہیں۔ میں اگلے ہی روز سفر پر روانہ ہو گیا۔



اور چار روز سفر میں لگ گئے۔ اب ایک جگہ بھینٹا نصیب ہوا تو آپ کی خدمت میں یہ عرض پیش کر رہا ہوں  
 جسے دہلی میں اور بھی دوسرے مقامات پر یہ معلوم کیے سخت حیرت اور کلفت ہوئی کہ ابھی تک  
 آپ کو میری حقیر ذہن کے متعلق وہی غلط فہمیاں ہیں جن کی تردید بار بار کر چکا ہوں اور اپنی دانست میں سمجھتا  
 رہا کہ آپ کو اطمینان حاصل ہو چکا ہے۔ میں آپ کی ذات کو اس سے کہیں بامانتر سمجھتا ہوں کہ بغیر  
 کسی واضح ثبوت کے آپ کسی شخص کے متعلق کوئی رائے تو نہیں کریں گے اور پھر اس کی تردید اور اظہار  
 برائت کے بعد جو اس پر اصرار فرمائیں گے اور اس کا مختلف مجالس میں اظہار و اعلان بھی فرماتے  
 رہیں گے۔ البتہ میں نے آپ کو جو مقام عطا فرمایا ہے اس سے یہ بات بہت قریب ہے کہ آپ اپنے چھوٹے  
 اور نیا نیا ندوں کی ذات کے مستقل موضوع سخن بنالیں۔ میرا گزشتہ سفر مشرق وسطیٰ کوئی راز سر بہتہ  
 نہیں اس میں جو کچھ مجھے کہنے کا موقع ملا وہ سب میری مفصل ڈائری میں چھپ گیا ہے اس کے اثرات  
 کے متعلق سفیر ہند متعینہ بخاند سے پوچھا جاسکتا ہے۔ اتنا بلا مبالغہ عرض کروں گا کہ عرصہ راز سے  
 کسی ہندوستانی کے سفر سے اتنا بہتر اثر نہیں پڑا اور مسلمانان ہند کا اتنا بلند اور دقیق تصور قائم  
 نہیں ہوا۔ اور ان کے ادراک کی زندگی کے مختلف مظاہر و مراکز کا اتنا مؤثر تعارف  
 نہیں ہوا جتنا اس حقیر کے سفر سے ہوا۔ اور یہ سب کسی مصلحت یا منفعت کے ماتحت نہیں ہوا بلکہ  
 اپنے غمخیز اور غمخیزہ کے مطابق ہوا جس پر کسی انعام یا خوشنودی کا طالب نہیں۔

راہ اخوان کا معاملہ تو میرا تعلق ان سے محض اتنا ہی ہے جتنا ایک صاحب احساس اور صاحب  
 ضمیر کا ہو سکتا ہے۔ ان سے میرا کوئی عملی ربط یا ضابطہ کا تعلق نہیں۔ ان کے تازہ حالات سے بھی  
 بے خبریوں میں چونکہ مابین عرب کے حالات سے واقف ہوں اور مجھے ان کا گہرا اور تفصیلی مطالعہ  
 کرنے اور ان کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اس لئے اخوان کی تحریک کو جس کا آغاز شیخ  
 حسن البنا مرحوم نے کیا تھا ان ممالک کے لئے اسلام نشاۃ ثانیہ کا پیغام سمجھتا تھا اس کے علاوہ  
 وہ کوئی..... طاقت ور ہمہ گیر تحریک نہیں۔ جو شخص وہاں کی محدود تحریکات اور مخالف  
 دینہ جذبات سے واقف ہے اس کی اخوان کے ساتھ ہمدردی بالکل طبعی اور قدرتی ہے۔

مجھے جب ایسی اطلاعات ملیں تو میرے قلب کو سخت تکلیف پہنچی اس اظہارِ کیفیت میں میری زبان سے جو کچھ نکلا اس کی معافی چاہتا ہوں تاکہ اس کا وہ خدقِ قیامت میں بھی بانی نہ رہے۔ آپ کی زندگی نہ حیثیت سے اسدی ہی ہے کہ آپ درگندہ فرمائیں گے۔ دوسری درخواست یہ ہے کہ مجھے ایک گوشہ نشین کا لبِ علم سمجھ کر جو نہ کسی نفع میں ہے نہ ضرر میں اپنا مسکاف قرار دے

ماقتہ سکنہ دار، مخواندہ ایم

از ماہجر حکایت مہر و وفا پر سس

اس فیض کا جواب حسب ذیل بتدریج عنایت ہو

ابراہیم علی تہ ۳ گویں ردو۔ لکھنؤ۔ فیض مند۔ برمن علی۔ اظہارِ بندہ۔ مرزا لکھنؤ

۳۔ گویں ردو۔ لکھنؤ۔ تحریرِ آفس۔ ۳۱ جنوری ۱۳۱۰ء

مخدومی و محترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مراج گرامی۔ عنایت نامہ نے سر فرزند کیلئے محترمتہ مضمون آپ کو پسند آیا۔ بنیر سے اس اطمینان کا باعث ہے۔ دراصل مضمون میں پہنچے۔ دوسرا مضمون جیسے منتخب بنے بعض رد و فی الواقع اور اہل رد و نیت کا حوالہ دیا ہے۔ میرے ناقص خیال میں اس کی مہاشاعت عمومی ہوگی۔ بلکہ اس سے غلط فہمیوں کا اندیشہ ہے غالباً وہ تراعت عام کے لئے ہے یہی نہیں آپ سے مخصوص اجاب کو بھیجا ہوگا۔

لکھنؤ کے احتجاجی جلسہ کی کارندہ ان آپ نے قومی آواز میں پڑھی ہوگی۔ یوں منظور تھا۔ نے اپنی عسارتی تقریر میں تقریباً وہی بات کہی جو آپ نے اپنے مضمون میں لکھی ہے ضروری نہیں ہر لوگ اس مسئلہ میں مزید وضاحت اور تشریح کریں۔

الفرقان کے لئے دفتر میں کہہ دیا تھا۔ پھر انشا۔ شرکہہ دول گاہا۔ سہدیت کہ تراج گرامی۔ بخیریت ہو گا۔ بھی مسلم ہو گا کہ الفرقان ارسال خدمت کیا جا چکا ہے۔ دو مقام

خاکسار۔ جلال حسن علی۔ ناظم بندہ الطمار لکھنؤ

۴۲۱  
اس ملاحظہ فرمائیے اس بات سے ناواقف تھے کہ پشت جی کو ان کے دعووں کی وجہ سے پوری خوشامیاد نہیں ہوا تھا۔ اس اثر میں کو رد کرنے پر آئے تھے۔ جب علی میاں کا یہ خط آیا تو میں الاحمد نے یہ خط بجا کر خود ہی پست جی کرتا!

میں لا حوالہ ملیاں یا ان کا ذکر نہ ہو۔ ہمیشہ سحر پر حاکم تھے۔ یہ کہنا چاہتا تھا کہ جو کہ تہذیب کی بات تھی اس میں کوئی شک نہ تھا۔ الا حوالہ کے ساتھ تھا اس لئے یہ فائدہ معلوم ہوا۔

از جہلا کالونی، گوار ٹرمنٹ ۱۲۔ گاندھی نگر دہلی۔ ۳ مارچ ۱۹۵۵ء

بخدمت جناب مولانا صاحب جے ہند

عرض خدمت ہے کہ چند دن ہوئے اخبار میں آپ کی طرف سے کچھ لکھے ہوئے چند حرف پڑھے۔ پڑھتے ہی دل میں ایک ہلک سی اٹھی۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ بیان کروں میں اپنے آپ کا کچھ قدرت آپ سے کرا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ ایک آپ کا معمول اور بے سمجھ بوجھ سناکتی ہوں۔ میں کہ یہ ضلع لائل پور پنجاب کا رہنے والا ہوں۔ در بچپن سے ہی دیش سیدو کا سبق پڑھاتا تھا۔ جب کہ بہت سے امتحان دینے پڑے اور ان میں کامیاب رہا۔ میرا خیال ہے کہ دس سال کی عمر سے لے کر آج جب کہ میری عمر ۳۵۔ ۳۶ سال کی ہے کانگریس کی سیوا ہی نہیں، بلکہ ملک کے ہر ایک فرض کو سر انجام دیتا رہتا ہوں۔ یہ تو ایک بڑی لمبی چوڑی کہانی ہے۔ جو نہ میں لکھ ہی سکتا ہوں اور نہ ہی آپ پڑھ سکتے ہیں۔ آپ کے جب نیاز حاصل ہوں گے تو شاید زبانی عرض کروں گا۔ جب میں نے آپ کی طرف سے اخبار میں یہ پڑھا کہ آپ کانگریس میں دوبارہ تشریف لارہے ہیں۔ کانگریس کو اور بچا کرنے کے لئے۔ کیونکہ آپ نے یہ دیکھا کہ اب کانگریس گمراہی ہے اسے گرنے نہیں دینا چاہئے۔ کیوں؟ اس لئے کہ آپ کو کانگریس سے اتنا پیار ہے جس کو کہ سمجھنا بہت مشکل سا ہو جاتا ہے۔ مجھے بہت خوشی بھی ہوئی اور کچھ دل میں پریشانی سی ہوئی۔ اس لئے ہوئی کہ آپ جیسے مہربان انسان پھر ایک گرتے ہوئے کو تھامنے کے لئے آگے آ رہے ہیں۔ اس لئے میں آپ کا سواگت کرتا ہوں۔ اور مبارکباد پیش کرتا ہوں آپ کی خدمت میں۔ آپ بڑے حیران ہوں گے کہ پریشانی کا مطلب کیا ہیں ان چند حرفوں میں بیان کروں گا۔ زیادہ لمبائی میں نہیں لے جاتا (کہانی) آپ آ رہے ہیں کانگریس کو بچانے یا گمراہی ہوئی کو اٹھانے۔ معاف کرنا جب ایک چیز کا دھوکہ ہی نہیں رہتا تو اس کے اٹھانے یا بچانے سے کیا مطلب۔ کانگریس کو عوام کی حمایت تھی، کانگریس کے کار یہ کرتا کانگریس کے محرک و مددگار تھے جو کہ آج کانگریس سے بالکل جدا کر دیئے گئے ہیں جن کی پوچھ تاچھ تمام ہندوستان کے اندر ختم کر دی گئی ہے۔ آج کانگریس کے اندر گندا عنصر بھر دیا



میا ہے۔ وہ درگزر جنہوں نے کہ دیش مید میں اپنی تمام عمر صرف کی۔ در بہت ساری تر بنیاں کیں۔  
 ہں کی کہ تاب آج تک وہ نہ لاسکے۔ کسی نے پوچھا ان غریب درگزر کی کو آج ان کی حالت تار  
 دیکھئے کہ کیا ہے۔ وہ مر رہے ہیں یا کہ جی رہے ہیں۔ انگریزی رستہ تو کس کے سہا رہے ہیں  
 ہیں۔ مولانا صاحب مانت کرنا۔ آپ کے دن کے اندر یہ تو دچارہ۔ ہر کہ گرتی کانگریس کو  
 تمام میں۔ مگر یہ دچارہ پڑت نہ ہو سکا۔ کانگریس کے غریب درگزر جنہوں نے دیش مید کے سہا  
 ان میں دھس سب اپن کر دیا ہے۔ ان کی حالت کو سہا رہنے کے۔ پچھ پڑا تھا یا باندھا  
 ریب درگزر کی کو آج ان کو اس دیش کی گورنمنٹ کے کانوں تک پہنچا۔ ہاں جی درگزر کی کو  
 بگڑنٹ بنائی گئی ہے بہت سے دلورے دل میں ہیں مگر لکھے نہیں۔ سکتے تری کرنا یہ سوانہ  
 اس دنیا میں غریب کا کام ہے۔ نہ کہ انیرہ۔ اب تو کانگریس سرٹ۔ پیر کی بدعت ہے اگر  
 پ نے امیروں کو کچھ مدد یا ترقی دیتی ہے تو کوئی بات نہیں، مگر یہ۔ کیا آپ یہ ترقی  
 سے کہہ سکتے ہیں کہ آج کی کانگریس میں کوئی غریب درگزر ذمہ دار۔ کانگریس کی پکار کو سہا  
 کہ ان کی دیکھ بھال کر سکے۔ اب تو کانگریس سرابیداروں کی ہر۔ ان درگزر کی ہے جو در  
 ریش۔ ج کے اندر ہمارے برفلن تھے یا یوں کہو کہ ہمارے درگزر کی ہر۔ آج وہ کانگریس  
 نے۔ تک ہیں۔ جب تک آپ کانگریس سے اس گندے عنصر کو یا ان سے دن و گوار کو نکال نہیں دیتے  
 تب تک آپ کانگریس کی حالت نہیں بدل سکتے۔ کانگریس کے ان جان گرنے یا مرنے کا کارن یہ  
 ہے۔ صرف یہ کہ غریب درگزر کی کو درگزر دیا گیا ہے۔ کانگریس کی طرف سے کوئی سزا ہی نہیں کسی  
 بھی غریب درگزر کی۔ اگر غریب درگزر کی کو ہندوستان سے۔ کانگریس درگزر کی سے  
 تو کیا آج کانگریس کو گتا دیکھ سکتے ہیں۔ ہاں نہیں۔ مگر کیا کریں۔ ان کے لئے تو کوئی بھی روٹی۔  
 کامس نہ مل نہیں کر سکا کہ غریب درگزر کی چیں سے روٹی نصیب ہو اور اپنے بال بچوں کو پاں پل  
 سکیں۔ مگر کہاں غریب درگزر کی قسمت میں چہن یا آرام۔ مولانا صاحب اگر آپ کے دل کے اندر  
 ایسے پاک دچارہ چکے ہیں تو تمام ہندوستان کے کانگریس کے غریب درگزر کی کی ایک کانفرنس بلائیں

اور ان کی بگڑی کہ بنائیں تب جا کر کانگریس چل سکے گی۔ پھر ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کانگریس نہ گرے گی اور نہ ہی کوئی طاقت کانگریس کو نیچا دکھائے گی۔ جب تک گندا عنصر کانگریس کے اندر موجود ہے، تب تک کانگریس کا خدا قطعاً اگر بندہ سے کوئی گستاخی لکھنے میں ہوگی ہو تو معاف نہ دیں اور بندہ کو سمجھا دیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؟

ہا ہندو مسلم ہیں ایک رد فزون یہ دونوں ایشیائی ہیں

ہم زبان ہم قسمت ہم وطن، کیوں نہ کہہ دوں کہ بھائی بھائی ہیں

آپ کا ایک سر تھی برج لال۔ مہار کا لونی۔ گاندھی نگر۔ دہلی

ڈاکٹر موتی لال بوس۔ روڈ۔ دھتورہ۔ ۵ جنوری ۱۹۵۵ء

کہنا چاہتا کہ درد کہاں ہے کہاں نہیں

محترمی مگر محترم مولانا۔ سلام مسنون

ایک عریضہ ارسال خدمت کر چکا ہوں۔ چنداں عجلت طلب تو تھا نہیں، اس لئے تاخیر جواب کی کوئی شکایت نہیں ہو سکتی۔

پہریشانیوں اور مصائب کو ایسا نرغہ کر رکھا ہے کہ اپنے پرلے۔ سب کے لئے میری داستانِ زندگی اجیرن ہو گئی ہے۔ لیکن غرض مند باؤل اپنی کہے بغیرانتا نہیں۔ سمجھ بکھ نظر خراشی کے لئے محنت خواہ ہوں۔

اللہ میاں کے انداز کم بھی نزلے ہوا کرتے ہیں۔ نعمتِ اولاد سے مالا ماں کر دیا اس کرم فرمائی سے ہمہ تن گریہاں ہوں۔ خدا ان بچوں کو صاحبِ نصیب کرے! رزاقِ دی ہیں۔ لیکن وسیلہ کے لئے مجھے جیسے ناوار و مفلس کا انتخاب کیا ہے۔ یہ رمز کون سمجھے ؟ وہی بیڑا پار گزاریں تو جائے! آپ کے سب بھتیجے، بھتیجیاں ملا کر ماشاء اللہ ۵ عدد ہیں : ہم لڑکیاں، ۵ لڑکے۔

ترتیبِ عمر کے اعتبار سے تقریباً سب لڑکیاں بڑی ہیں۔ ذمہ داری بہت زیادہ ہو گئی۔ سب کے سب پرورش و تعلیم طلب۔ یہ ایک خاکہ ہے میری ذمہ داریوں کا، جسے آپ پر ظاہر کرنے میں عذرا۔ یہ ازاد نظم کے دو شعر ہیں جو خلوص سے لکھے گئے ہیں۔

مجھے بال نہیں لیکن معلوم نہیں اسے "پنڈت جی" پر ظاہر کرنے میں آپ کو تامل ہو گا یا نہیں کیونکہ وہ تو منہ چھپتے ہی یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اتنے بچے پیدا کیوں کئے؟ میرے پاس اس کا کیا جواب؟ وہ القادسیاں کے قائل نہیں۔ رشتہ عریضے میں کچھ سوچنے کی ذمہ داری میں نے آپ کے سر بھی چھوڑ دی ہے۔ یہ تو ایک طرح کی زبردستی ہوئی کہ راہِ پتہ بتانے والا آگے چلے! لیکن وہی غرضمند بالادوالی مثل! ایک کچھ "میری سمجھ میں آیا ہے، وہ عرض ہے۔ پنڈت جی نے ایک پولیٹیکل سفر فنڈ کھول رکھا ہے، جس کے مختار محل خود وہی ہیں جس کو جو چاہیں دے ڈالیں۔ میرے پاس چھ مہینے کی سہرا کا منہ ہے ہی۔ جس کی انھیں بتلانے کی چند ضرورت نہیں اس لئے کہ خود انہی کے ساتھ میں جیل میں تھا، میں خندستہ اماں کی خدمت اس وجہ سے اند بھی ہے کہ زمینداری کو ختم ہوئے ہم برس ہوئے اور اتنا ہی زمانہ دولت کے خاتمہ کا بھی سمجھ لیجئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آمدنی بند۔ جو کچھ دو چار پیسے ادھر دھر ٹپے تھے وہ سب نذر تسم ہو گئے۔ اور ۵-۶ ہزار کا قرض خرید برآں! اب قرض بھی نہیں ملتا۔ سے بھی تو کس نہانت پر؟ ذاتی ساکھ ختم ہو چکا ہے۔ پنڈت جی کے لئے ۱۰-۵ ہزار روپیہ لے دینا کوئی بڑی بات نہیں۔ اور یہ کام اگر کوئی کرا سکتا ہے تو آپ! میری جو سمجھ میں آیا عرض کر دیا، اس کے شیب و فراز کو آپ سمجھیں! باقی خدا کا شکر ہے۔ اچھی چچا سے تقریباً روزِ طوالت ہوتی ہے آپ کو سلام کہا ہے۔ فقط والسلام۔

عریضہ نگار۔۔۔ میدوار کرم۔۔۔ بدر الزماں۔۔۔ یڈکیٹ۔ لکھنؤ

محرم اسد اللہ خاں۔۔۔ ایڈیٹر مقام خیر نگر۔ ۸ مارچ ۱۹۵۵ء

محترم المقام رئیس الاحرار حضرت مولانا مظہر العالی

السلام خیر نسیم۔ اخبار الجمعیۃ اور پیام وطن ۸ مارچ سے معلوم ہوا کہ جناب والا کو ال انڈیا

کا ٹریس کلینی کا عہدہ فروز کر دیا گیا ہے۔ بے حد مسرت ہوئی۔ یہ خادہ جناب دار کی خدمت میں بہت

مبارک باد پیش کرتا ہے۔ دیگر یہ کہ اس خادم نے میڈنگ کے واسطے امر پتا انوار کا دن مقرر کیا

تھا۔ اور ۵ آدمیوں کی ایک فہرست تیار کر کے اطلاع دی جا رہی تھی کہ قاضی صاحب سے معلوم ہوا

۲۵۰ یہ خط مرحوم مولانا مسعود علی ندوی کے نام غنم محمدؒ لکھا گیا تھا۔ مولانا مرحوم نے پنڈت جی کو دکھانے کے لئے



کہ مولانا نہیں آئیں گے اور یہ اطلاع پہلی ہے۔ اب ۱۳ مارچ کو تشریف لائیں گے۔ گزارش ہے کہ ۱۳ مارچ سے ۲۰ مارچ تک شہر و ضلع کانگریس کمیٹیوں کے انتخابات ہو رہے ہیں۔ اس عرصہ میں میٹنگ کا کام باب ہونا ممکن ہے۔ ۲۰ مارچ سے نوچندی شروع ہو رہی ہے۔

ہیں نے بعض کانگریسی دوستوں سے ملی کر پروگرام یہ بنایا تھا کہ اس میں حکیم سید شتاق احمد صاحب سے یہی مشورہ کیا تھا کہ ۱۶ مارچ کو یہ میٹنگ بلائی جائے جس میں تمام شہر کے خواص ہوں اور دوسری میٹنگ ٹاؤن ہالی میں بلائی جائے جس میں شہر و ضلع کے ۲۵۰ حضرات کو مدعو کیا جائے۔ اور اس میں ضلع کے ایم۔ ایل۔ این۔ ایم پی اور کانگریس کے صدر و سکریٹری کو بھی بلایا جائے اور ایک کارڈ چھپوا کر آپ کی تشریف آوری کی اطلاع دی جائے۔ لہذا پہلی میٹنگ ہی ملتوی ہو گئی۔ اب قاضی صاحب نے فرمایا ہے کہ میں اپنے یہاں کسی روز میٹنگ بلاؤں۔ ان کا اتنا رہے۔ وہ پرسوں گلاؤ بھی تشریف لے گئے تھے۔ ابھی ملاقات نہیں ہوئی۔ اب کل یا پرسوں ملاقات ہوگی۔ تب کوئی پروگرام معلوم ہو گا۔ عوامی آواز بورڈ کی سکرٹری شپ سے میں نے استغفہ دے دیا ہے جو آج کے اجتماعیت میں بھی شاخ ہو گیا ہے۔ کانگریس کا فارم بھردیا ہے۔ امید ہے کہ آپ بعافیت ہوں گے۔ بھائی عزیز اگر جس صاحب کی سلام مستون۔

نقطہ۔ والسلام۔ اسد اللہ خاں۔ میرٹھ

اخبار پیغام۔ خیرنگر۔ میرٹھ۔ ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء

حضرت مولانا کے محترم۔ زید مجدہم

کشمیر کے متعلق حسب ارشاد بیان روانہ کر رہا ہوں۔ آپ کو پورا حتم ہے کہ اس بیان کو جس طرح مناسب خیال فرمائیں۔ ترتیب دلا کر اخبارات کو روانہ فرمادیں اور اس کی نقولات پر میرے دستخط بھی کرادیجئے گا۔ کل میلہ کے ذمہ داروں سے ملاقات ہوئی۔ پیرمین صاحب ہر دو بار بھی گئے ہوئے تھے۔ آج شام کو ۸ بجے ان سے میلہ ہی میں ملاقات ہوگی۔ اس وقت ان سے ملی کر پروگرام بنا کر آپ کو اطلاع دوں گا اور خطوط وغیرہ جاری کرنے کا انتظام کروں گا۔ کل ۱۰ بجے میں دہرہ اکیسہ سے نظام الدین سے واپس میرٹھ آگیا تھا اور سارے دن اسی کام میں لوگوں سے ملتا رہا۔ رات

بجے میلہ میں بھی گیا۔ وہاں کانگریس کے صدر سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے بھی آج رات ہی ملنے کو کہا۔ اسی کا  
وجودگی میں پروگرام بنایا جائے گا۔ قاضی صاحب سے بھی آج ملاقات ہوئی۔ وہ محمد کو مسیت الہی پر آپ کا  
قریب جامع مسجد میں کرنے سے متعلق فرما رہے تھے۔ اب پیر من صاحب سے مل کر ہی پروگرام بن سکے گا۔  
تک ۳۰ مارچ اور ۲۳ اپریل خالی معلوم ہوئی ہیں۔ پھر ناخندگی اور کیلا سٹل جی یہاں ۳۰ مارچ  
تار ہے میں اہل کیم اپریل کو واپس ہو جانے کا پروگرام ہے۔ امید کہ آپ بذریعہ فیت ہو سگے۔ بھائی بھائی  
عزیز الرحمن کو سلام مسنون۔ فقط والسلام

آپ کا خادم محمد اسد اللہ خاں۔ ایڈیٹر پیغام میر ٹھ

خبر پیغام خیر نگر میرٹھ۔ ۲۳ مارچ ۱۹۵۵ء

کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ رہنمایان ہندو پاکستان خواہ کچھ کریں۔ ہم ۱۰۰ لاکھوں میں زیادہ  
ہرگز نہیں چاہتے۔ نہ ہم نے تقسیم ہند کو ہی پسند کیا، نہ تقسیم کشمیر ہی کو۔ ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے  
زادیں کشمیر کے اصل وارث کشمیری ہی ہیں اور بخشی غلام محمد ذریعہ عظیم کشمیر کی سرپرستی۔ ہندوستان  
ہم ساتھ اپنی وابستگی کا بار بار اعلان کر چکے ہیں۔

ایسے حالات میں کشمیر میں استصواب رائے کی قطعاً ضرورت نہیں اور کہ صورت سے دبا  
استصواب رائے ہوتا چاہئے۔

تقسیم ہند کے وقت ہندی مسلمانوں کو سخت ترین آزمائش سے گزرنا پڑا۔ کشمیر میں عوام  
استصواب رائے کی آزمائش سے گزرنے کو تیار نہیں ہیں۔

پنڈت نہرو کو چاہئے کہ اس مسئلہ کو ختم کر کے کشمیریوں کو اپنے وطن کی ترقی و ترقی کرنے کا  
موقع دیں۔ محمد اسد اللہ خاں ایڈیٹر پیغام خیر نگر میرٹھ

محلہ چاہ غوری، امر وہ ضلع مراد آباد، ۸ مارچ ۱۹۵۵ء

حضرت مولانا المحترم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ ایسے وقت اخبار الجمعیۃ میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے لئے نامزد اٹھارہ

مشاہیر میں آپ کا اسم گرامی دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ یہ درحقیقت نہ صرف آپ کی کامیابی ہے بلکہ اسی مکتب خیال لوگوں کی کامیابی ہے کہ جو آپ کی قیادت و رہنمائی پر اعتبار رکھتے ہیں۔

کل سید تقی ہادی صاحب ایم ایل اے نے لکھنؤ سے آکر بتلایا کہ وہ میری درخواست کے سلسلے منظر حسین صاحب سے ملے۔ درخواست باوجود تلاش نہیں ملی اور منظر حسین صاحب متفکر ہیں۔ لیکن میں نے تقی ہادی صاحب کو اس درخواست کی مکمل نقل کرا کر پھر دے دی تھی۔ وہ ان کو اکھنوں لئے دے دی وہ بہت خوش ہوئے آپ کا تذکرہ کیا کہ مولانا نے بھی مجھے لکھا ہے۔ اب چار پارچہ روز بعد تقی ہادی صاحب جائیں گے تو پھر ملیں گے آپ مناسب سمجھیں تو منظر صاحب کو مزید یاد دہانی کرا دیں۔ مجھے اس ہفتہ کھانسی کی تکلیف بڑھ گئی تھی۔ لہذا ہومیوپیتھک علاج چھوڑ کر پھر ڈاکٹری دوا شروع کر دی ہے۔ اسی سے کچھ تخفیف ہے۔ خلیل بھائی سے بعد مزاج پر سی سلام کہئے۔ اور سب بھائیوں کی خدمت میں سدم سنون۔ گفتش بردار۔ (حکیم) آفتاب احمد۔ مروتہ

دامۃ المصنفین۔ تقاضی منزل میرٹھ

مخدومی و محترمی حضرت مولانا دامت برکاتہم

وعلیکم السلام درجۃ القہر و برکاتہ۔ مزاج عالی بخیر تار عالی نے شرٹ عدد درجہ حساب ارٹ دگل مات میں نے بعض دوستوں کو اپنے مکان پر مدعو کیا۔ میرٹھ میں کانگریس کے کام کوائے بڑھانے اور دوسرے سلسلہ میں جناب والا کی رہنمائی سے فائدہ اٹھانے کے مسئلہ پر غور و خوض کیا گیا۔ طے پایا کہ:

(۱) جلسہ ماؤن ہال میں ہو۔ اگر یہ ممکن ہو سکے تو حکیم الیاس کی کوٹھی میں ہو، کیونکہ وہ مشہر میں ایک درمیانی جگہ ہے۔

(۲) جلسہ بعد نماز مغرب ہو۔ یا اگر آپ کے لئے ممکن ہو تو بعد نماز عشا۔

(۳) جلسہ میں بعض غیر مسلم کانگریسیوں کو بھی مدعو کیا ہے

(۴) جلسہ ۷ مارچ سے ۹ مارچ تک کسی تاریخ کو ہے۔ میں تاریخ سے یہاں نوچندی شروع



تاریخ کا تعین آپ کی رائے پر چھوڑ دیا گیا۔ براہ کرم بواپسی ڈاک اپنی رائے مبارک سے مطلع فرمائیں کہ کس تاریخ کے لئے اعلان گشتہ کیا دیا جائے۔ یہ بھی مطلع فرمادیں کہ جناب والا کس گاڑی سے تشریف لائے ہیں جس تاریخ کو جلسہ کرنا ہو اس سے دو روز قبل اطلاع ملنی چاہئے۔ کار معلوم کے سلسلہ میں حضرت مولانا سے اگر کچھ گفتگو فرمائی گئی ہو تو اس کے نتیجہ سے بھی آگاہ فرمادیا جائے۔ موقع نہ ملا ہو تو اب توجہ فرمائی جائے۔  
ممنون کرم ہوں گا۔

۳ تاریخ کو سیدین صاحب بھی آجائیں گے۔

حضرت الاستاذ مولانا اعجاز علی نور اللہ مرقہ ذکا وصال دیوبند اور مسلکین دیوبند کے لئے مادہ بنکاء ہے، فسوس ہے کہ ہم لوگ کو تدفین کے بعد رات کے دس بجے اطلاع ملی۔ درتہ شریک لڑتے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو اپنی رحمتوں اور برکتوں سے نوازے، ان کا خلوص، محبت اور شفقت رہ رہ کر یاد آتی ہے اور خون کے آنسو رلاتی ہے۔ افسوس، عدا افسوس۔ اب تو جو بزرگ اٹھتے ہیں اپنی جگہ خالی ہی چھوڑتا ہے۔ امید ہے کہ مزار عالی بخیر ہوگا۔

برادر کرم مولوی خلیل الرحمن صاحب کی طبیعت کیسی ہے؟ انھیں اور مولوی نذیر صاحب اور مولوی سعید الرحمن کو سلام عرض کر دیں۔ کل شام دیوبند کا ارادہ کر رہا ہوں۔

والسلام۔ ذین العابدین۔ ۱۱ مارچ ۱۳۵۵ھ

مکتبہ علیہ۔ قاضی وارثہ میرٹھ۔ ۲۰ مارچ ۱۳۵۵ھ

مخلصی و کرمی جناب مولانا عزیز الرحمن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج عالی بخیر۔ کئی مرتبہ دہلی آنے کا ارادہ کیا۔ مگر دل تو راستہ کی مشکلات اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت مولانا اسے پورے کا عزم رکھتے ہیں۔ اسی لئے خادم کا ارادہ پورا نہ ہو سکا۔

معلوم نہیں کہ حضرت صاحب اسے پورے تشریف لے گئے یا نہیں؟ اور اگر تشریف لے گئے تو واپسی کب تک ہوگی

الحرم کا زیر ترتیب پہلا پرچہ رحمتہ اللعالمین نمبر ہے۔ اس کے لئے ڈاکٹر شکر داس کا کوئی تازہ  
 لکھا ہوا نیا مطبوعہ مضمون چاہتا ہوں۔ مجھے ان کا پتہ معلوم نہیں۔ ازراہ کرم یہ خط ان تک پہنچا دیجیے  
 اور سفارش بھی کر دیجئے۔ انشاء اللہ، جمعہ کے بعد کسی دن ملاقات ہوگی۔ حضرت مولانا صاحب  
 اگر تشریف فرما ہوں تو سلام نیاز عرض کر دیں۔

(قاضی) زین العابدین (صاحب)

الحرم ماہنامہ۔۔ ۳۱ مئی ۱۹۵۶ء

مخدومی و محترمی حضرت مولانا صاحب دست مکاہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج عالی بخیر۔ جب سے دہلی سے آیا ہوں جناب  
 کے گرامی نامے سے محروم ہوں۔ بظاہر کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ ایک خط بھی بھیج چکا ہوں۔ خلاف  
 عادت اس کے جناب سے بھی سرخوردہ ہو سکا۔ خدا کرے نسبت دشمنان جناب کی طبیعت تاسا  
 نہ ہوں اور نہ تاسا غل ہوں!

لدھیانہ میں کام کی رفتار کے متعلق بھی کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ اس ماہ کے آخر میں اس کے  
 متعلق نوٹ تو ملاحظہ فرمایا ہی لیا ہوگا۔

ایک صاحب نے جناب کے مضمون متعلق حضرت زیدؑ کچھ شبہات کا اظہار کیا ہے۔ غلط  
 فرمائیے اور ممکن ہو تو معہ اپنے جواب باصواب سے مطلع فرمادیں۔ ورنہ پھر میں کچھ سرچوں گا۔ ابھی  
 تک تو اسے ٹھیک طور پر پڑھنے کا بھی موقع نہ پاسکا۔

برادر م مولانا وحید الزماں اگر ہوں تو سلام مسنون قبول فرمائیں۔

اس ہفتہ میں الجمعۃ کے اشتہادات کی بے احتیاطی سے متعلق الاعتصام کا نوٹ اور اپنا  
 تبصرہ شائع کر رہا ہوں۔ آخر کب تک خاموش رہا جائے۔

برادر م عزیر الرحمن سلام مسنون قبول فرمائیں۔ پتہ انگریزی میں لکھوا دیا کریں اور دفتر کا

پتہ ہو۔ والسلام۔ (قاضی) زین العابدین۔ (قاضی میرٹھ)

دائرة المصنفين - قاضی منزل میرٹھ

حضرت محترم - السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

مزاج عالی بخیر - حضرت دالاسے رخصت ہو کر بخیر مکان پہنچا - فرم کے اندراجات حسب  
تفصیل ذیل ہونے چاہئیں -

آج انشاء اللہ تھالے فولہ کھینچا لوں گا اور ٹیکوں کا سلسلہ بھی شروع ہو جائے گا -

براداران عزیز کی خدمت میں سلام مستنون عرض کر دیجئے - والسلام

تام دالہ صاحب

مقام پیدائش

پیشہ

تاریخ پیدائش

نہانی

رنگ آنکھ کا

رنگ بالوں کا

علامت شناخت

پتہ

چھ عدد فولہ نسل کے عربینہ ہذا ہیں - یہ امر دریافت طلب ہے کہ انکم ٹیکس کے سرٹیفکیٹ کی غور و تہ  
تو ہوگی - میرا پتہ انگریزی میں لکھو انا غور و تہی ہے - امید ہے کہ مزاج عالی بخیر ہوں گے -

(قاضی) زین العابدین

ماہنامہ الاحرم - قاضی منزل - میرٹھ

محمدی و محترمی حضرت مولانا دامت برکاتہم

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ - مزاج عالی بخیر - دونوں گرامی نامے موصول ہوئے



نیز وقف کرناں کی طرف سے کاظمی صاحب کا دعوت نامہ برائے لدھیانہ ملا۔

یہ آپ کی رائے صحیح ہے کہ بارش کا چھینٹا پڑ جانے کے بعد ایک دن کے لئے لدھیانہ چلنا مناسب ہوگا۔ مہربن بھی اگر قریب ہو تو لگے ہاتھوں فائدہ پڑھ لی جائے۔

آج کے خط میں لدھیانہ کے بارے میں جس ضروری مسودہ کے لئے جناب نے طلب فرمایا، اس کی تفصیل نہ معلوم ہو سکی۔ بہتر تھا کہ آپ لکھ بھیجتے۔

صورت واقعہ یہ ہے کہ کل ۲۲ جون کی شام کو ایک گاڈل چلا گیا تھا جہاں عید گاہ کی بنیاد رکھنی تھی۔ آج واپس آیا ہوں اور ٹھکان سے چور ہوں۔ پھر کل صبح والدہ صاحبہ کے پاکستان سے واپس قشریف لانے کی اطلاع ہے۔ اس لئے کل بھی حاضری ممکن نہیں پرسوں صبح ممکن ہے اگر آپ نے کوئی دوسری اطلاع نہ دی تو یہ سمجھوں گا کہ ضرورت علیٰ حالہ باقی ہے اور پرسوں صبح بروز دوشنبہ حاضر ہو جاؤں گا انشاء اللہ تو اے۔ یہ پرد گرام صحیح نہ بیٹھتا ہو تو مجھے مار دے دیں۔ پتہ یہ لکھیں :- قاضی زین العابدین۔ قاضی منزل۔ میرٹھ

کوثر صاحب مرحوم کے تعزیتی جلسہ میں آپ کی طرف سے شریک ہو کر آپ کا پیغام سنا دیا تھا (۴) اقتدار صاحب (ہندوستانی دوا خانہ) کا خط آیا ہے۔ اسٹوں نے لکھا ہے کہ ہم نے آپ کو ستہار صرف ایک ماہ کے لئے دیا تھا۔ دوسرے ماہ آپ نے کیوں شائع کیا۔ میں تو سمجھتا تھا کہ ان کا معاملہ مستقل ہے۔ بہر حال اگر یہ امداد نہ مل سکی تو پرچہ کو جاری رکھنا ممکن نہ ہو سکے گا۔ اگر آپ ان سے کچھ کہہ سکیں تو اچھا ہو۔ ورنہ خیر! برہان میں سعید صاحب کا ادارتی نوٹ ملاحظہ سے گزرا ہوگا۔ امید کہ مزاج عالی بخیر ہوگا۔

والسلام۔ زین العابدین

ماہنامہ الحرم۔ قاضی منزل۔ میرٹھ۔ ۱۳ اگست ۱۹۵۶ء

محترمی حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم۔ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج عالی بخیر۔ آپ کی رخصت ہو کر میرٹھ بیافیت پہنچا۔

کل ہند احرام خلیفہ دار و دار دہلی۔ دفتر ہال بمبئی ۹۔ ۳۰ مارچ ۱۹۵۷ء  
محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید ہے آپ بخیر ہوں گے اور آپ کی نئی سرگرمیاں وسیع سے وسیع تر ہوتی جا رہی ہوں گی۔  
افسوس ہے کہ میں آپ سے دور ہوں، ورنہ شاید کچھ بوجھ ہلکا کر سکتا۔ معلوم نہیں کہ جمعیت کے بزرگوں نے  
آپ کے جدید اقدامات کو کس روشنی میں کس نظر سے دیکھا۔

خواجہ غلام صاحب کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ آپ میری کتاب "اسلام اور پیغمبر اسلام" دیکھنا  
چاہتے ہیں۔ اول الذکر کتاب بھیج رہا ہوں۔ دوسری ابھی چھپی نہیں ہے۔ بھوک پر دفن ہو گئے ہیں وہ  
بھی اب زندہ ہو چکے ہیں۔ بہر کیف دفتر کے گورام میں سے کاغذات کے نیچے دبے ہوئے کچھ میسے کچھ پیسے پڑتے  
مل گئے ہیں وہی بھیج رہا ہوں۔ درسان میں ایک جرنل اب بھی ہے۔ ایک دست کے پاس سب محفوظ  
ہیں۔ ان سے لے کر طبع کرانہ لگا۔ والسلام

غیر طلب علی بہادر خاں بھٹی

از مدرسہ تھیکرہ مرکزہ علوم کبرٹ۔ ضلع الود۔ ۲ مارچ ۱۹۵۷ء

بہ نفعائے۔ محترم جناب مولانا عزیز الرحمن صاحب۔ سلام مسنون۔

مزاج گرامی۔ تفصیلات تمام روانہ کر چکا ہوں۔ مل سکی ہوں گی۔ آج اتنے ہی بھتیجہ مولانا کچھ فریدی ۱۰ فروری  
۱۸ فریدی ۱۹۵۷ء کے ۳ عدد کٹنگ روانہ کر رہا ہوں۔ ان تینوں کٹنگوں میں یہ مضمون مولوی  
کے ہیں جو انہوں نے کلمہ پیش ایک ہی جگہ میں دفتر تہیہ غلام اور دار و دار سے لے کر دیکھ کر انب ریکورڈانہ  
کئے۔ ان میں مساجد اور گور و داروں کا خاص طور سے ذکر ہے۔ مولوی ابراہیم کے خود بیان کے مطابق  
ان مضامین کی نقل سی۔ آئی۔ ڈی الور نے بھی لے لی ہے۔ بار بار گور و داروں کے تذکرہ کو اخبار میں  
لانا بھی استعمال اور فساد کا سبب ہوا ہے۔ ان تینوں مضمونوں کو آپ غور سے دیکھیں۔ مولوی ابراہیم نے  
ایک مسجد کا جو خود تحصیل اور کھانہ کی عمارت سے مل جاتی تھی اور جو بات میں تہید کر دی گئی تھی۔ میں اس میں  
اکھایا جس کے بارے میں کافی دنوں شور و شغب ہوا۔ بات اب سے ۱۶، ۱۷ ماہ پہلے کی ہے۔ میرا مشاعرہ ہے

کہاں معاملات میں مولوی ابوالہیثم کاروبار میں ہمیشہ اشتغال دلائے گا رہا اور وہ اپنے معاملہ میں خود مختار ہیں  
 سبائے اہل جمعیت کے کسی اور سے وہ بات نہیں کرتے۔ یہ حالات میں آپ کو اصل معاملہ پر روشنی ڈالنے  
 کے لئے بھیج رہا ہوں۔ حضرت مولانا مدظلہ کو سلام مسنون اور مضمون دامت

فقط والسلام درحمتہ اللہ۔ سلیمان باجمہوٹوی۔ ۱۳ مارچ ۱۹۵۶ء

درس مرکز، دوپٹھیکری کھری ضلع الور۔ ۲۹ اگست ۱۹۵۶ء

محرم مکرم ذوالحجہ والکم حضرت مولانا دام مجاہد۔

سلام مسنون، مایہ کما اب فراج گرامی پہلے سے بھی ردِ بغایت ہوگا حق تعالیٰ ہمارے سرور پر آپ  
 کا سایہ تادیر قائم رکھیں اور آپ کو صحت عاجلہ و کاملہ عطا فرمادیں نیز آپ کے درجات و درجوں جہاں  
 میں بلند سے بلند فرمادیں۔ آپ کی میرے ساتھ شفقت و محبت کا میرے دل پر جواثر ہے میں اس کے  
 بیان کرنے سے قاصر ہوں اور اس کا میں تہہ دل سے ہزار مرتبہ شکر گزار ہوں۔ میں اپنے لئے آپ سے  
 زیادہ کسی کو اس دنیا میں شفیق نہیں پاتا۔ خدا کرے آپ جیسے نیک دل نیک نیت بزرگ کی محبت ہی میری  
 نجات کا ذریعہ بن جائے۔ میں ہر وقت آپ کی دعا کا محتاج ہوں۔ آپ کو خط تحریر کرنے سے اکثر شرماتا  
 ہوں اور اسی لئے تم لکھتا ہوں۔ میں نے اپنے دل خیالات اس عریضہ کے ذریعے آپ کے سامنے ظاہر  
 کئے ہیں۔ اگر قبول اقتدر ہے عز و شرف

اپنی فرست سے اطلاع فرمادیں اور دعوات صالحہ میں یاد فرمادیں۔ والسلام درحمتہ اللہ لکرا  
 سلیمان باجمہوٹوی

دفتر صوبہ مجلس احرار خدام خلق لکھنؤ۔ اپریل ۱۹۵۵ء

حضرت مولانا صاحب السلام علیکم درحمتہ اللہ و برکاتہ

میں مجبور ہو کر آپ کو لکھ رہا ہوں کہ کانفرنس آل انڈیا جو ۲۳-۲۴ اپریل ۱۹۵۵ء کو ہو رہی  
 ہے اس وقت تک جتنا کام ہوا ہے یا ہو رہا ہے اکیلا میں نے کیلئے۔ دوست میدان سے الگ ہیں مجھ  
 کو پھنسا کر نشانائی بنے بیٹھے ہیں۔ محمود علی خاں نے بالکل کسی قسم کی مدد نہیں کی ہے اور نہ کسی درستی



ماتم کرنے نہ مجھ کو جس مصیبت کا اس وقت سامنا ہے خدا بہتر جانتا ہے دعا کیجئے کہ عزت باقی رہ جائے۔  
مجھے کہتے ڈر لگتا ہے کہ میں یہ کہوں کہ کانفرنس بغیر آپ کے تشنہ رہ جائے گی۔ اب یہ کانفرنس  
آئی انڈیا ہے اور زیر اہتمام مجلس احرار ایک ہزار دعوت نامے جاری کئے ہیں۔ اگر آپ صرف آکر  
بیٹھ جائیں تو ہماری کامیابی یقینی ہے۔ آپ جیسا مناسب سمجھیں، میں اس وقت بہت پریشان ہوں  
اور جس کو کہئے دعوت نامے بھیج دیئے جائیں۔ اور سب خیریت ہے۔ فقط والسلام

وصی احمد خان مرحوم لکھنؤ

دفتر صوبہ مجلس احرار خدام خلق لکھنؤ۔ ۵ ارمی ستمبر ۱۹۵۷ء

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں نے جناب کی خدمت میں دو خط روانہ کئے اور حبیب  
حکم آپ سے چھ عدد خطبہ صدارت بھی روانہ کئے تھے غائباً مل گئے ہوں گے۔ لیکن مجھ کو کوئی  
اطلاع نہیں ملی۔ خدا کا شکر ہے کہ کانفرنس کے جذبات لوگوں کو محسوس ہوا کہ کانفرنس اپنے مقصد  
میں کامیاب رہی۔ مخالفین بھی اعتراف کرتے ہیں۔ اگر خطبہ صدارت وغیرہ کی ضرورت ہو تو میرے  
پاس انگریزی، ہندی اردو وغیرہ موجود ہیں۔ روانہ کر سکتا ہوں۔

ابھی تک کانفرنس کا حساب باقی ہے جس کا میرے ادب پر تقاضہ ہو رہا ہے اور کوئی بھی میری  
مدد کرنے کو تیار نہیں ہوا میرا ارادہ ہے کہ میں آپ کی خدمت میں ایک روز حاضر ہو کر کچھ مشورہ کر دے  
لیکن مالی مشکلات میں جس سے مجبور ہوا ہوں۔

محمود علی خان صاحب مکان تشریف لے گئے۔ حکومت کے افراد آج کل غنی ہائے ہوئے ہیں۔

آپ کا مزاج کیسا ہے۔ خیریت ہے، اطلاع دیجئے انشاء اللہ تم نے جلد یوں گا۔ سب کو سلام، بیچے

سلام عرض کرتے ہیں۔ فقط والسلام وصی احمد مرحوم اصطلح چارباغ لکھنؤ

دفتر صوبہ مجلس احرار خدام خلق۔ لکھنؤ

حضرت مولانا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کا دلانا نامہ ملا۔ حالات معلوم ہوئے۔ جہاں تک کانفرنس کا تعلق تھا۔ خداوند کریم کا  
 شکریہ ہے کہ نہایت درجہ کامیاب رہی، ہر صورت سے۔ جب کہ دنیا کی ہر جماعت اور ہر فرد مخالفت کر  
 تھا اور یاد دلانے مجھ کو اکیلا میدان میں چھوڑ دیا تھا۔ اس کانفرنس سے جتنا مجھ کو سبق ملا ہے  
 شاہد رہے گی کہ مجھ پر کیا گزری۔ اور میرا حال کیا ہو گیا۔ میں نے صرف بخشی صاحب اور یو پی گورنمنٹ  
 کی عزت کو سامنے رکھ کر جان پر کھیل گیا اور کانفرنس کو اکیلے تنہا کامیاب کرایا، اللہ پاک کی تائید شرک  
 حال تھی۔ دشمنوں کے دانت کھٹے ہو گئے اور میری سیاست کا لوہا مان بیا رہا اب اس کانفرنس سے  
 کس کو پہنچے گا۔ نواب زادہ صاحب یا خواجہ غلام محمد صاحب کو، اس سے زیادہ مجھ کو کوئی علم  
 ہے لیکن بتلا دینا ضروری ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں اتنی بڑی بیوقوفی کبھی نہیں کی تھی۔ شرمناک۔  
 آخر تک دلت ہو رہی ہے، جو عزت کچھ بچی تھی وہ اس کانفرنس نے لے لی ہے اور ابھی اس نے  
 نجات نہیں ہے۔ اس سے زیادہ کیا کہوں، میں ہرگز ہرگز آپ کو یہ نہ بتلاتا۔ لیکن جناب نے میرے بارے  
 میں خط میں لکھا ہے کہ مستقل کشمیر جا رہے ہو۔ یہ جملہ میرے لئے انتہائی ذلت آمیز ہے۔ میں نے پ  
 کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر کوئی کشمیر جاسکتا ہے تو محمود علی خاں صاحب ا  
 بخشی صاحب کے خاں نمائندے حضرت خواجہ غلام محمد صاحب۔ باقی مجھ جیسے حقیر انسان اور  
 خصلت کو کون پوچھے گا۔ یہی غلطی تو میری ہے کہ بلا مطلب اور مقصد اتنے بڑے کام کو میں نے  
 دستوں کی خاطر اٹھا لیا۔ اور دستوں نے جو دھوکے دیئے وہ یہاں کی پبلک اور گورنمنٹ تک  
 آشکارا ہو گئے۔ نہ مجھ کو اور جماعت کو کسی کو بھی کوئی فائدہ پہنچا۔ میں نے جماعت کو ایک بار پھر ہنستا  
 کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اب کون ہے جو اس کا نام لے، کانفرنس ختم ہو گئی۔ سب باتیں ختم ہو گئیں  
 ہمارے نواب صاحب کا خدا بھلا کرے۔ خیر بھی انشاء اللہ زبانی بات ہو گی پھر سب باتیں بتلا د  
 یہ قصہ اب ختم ہوا۔ جناب حافظ علی بہادر صاحب بھی یہاں آکر انھیں لوگوں کے چکر میں تھا  
 یہاں سے رہی ساتھ گئے تھے۔ آگے کیا ہوا مجھ علم نہیں ہے۔

اب جناب کی طبیعت کیسی ہے۔ بچے آپ کو سلام عرض کرتے ہیں سب کو سلام عرض کر رہے

کانفرنس کا ترضاب بھگتے کو لکھنؤ بٹھا ہوں جب خلافت دے گا اس ذات سے تو کسی طرف  
رہیں گے۔ فقط والسلام۔ وحی احمد۔ اصطلح چار باغ۔ لکھنؤ

مد مجید حسن۔ مالک اخبار مدینہ۔ بجنور یو پی۔ ۲۰ اپریل ۱۹۵۵ء

محرمی مولانا خلیل الرحمن صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا خط دیکھ کر بڑی لذت ہوئی۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب کی ذات سے مدینہ کو  
مذات نہیں۔ مدینہ ذاتیات سے بلند ہو کر سوچتا ہے

البتہ الزام سرمدنا۔ وہ ہے کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کانگریس کے کام کو منسوب یا اپنے  
رہے عوام میں مقبول بنانے کی میں نہیں"۔ درپھر مزید الزام یہ کہ اسی سے آپ نے وہ بیان کیا۔  
ذات نہیں دوائے جن کا تعلق یہ مست یا کانگریس سے تھا۔

مجھے توقع ہے کہ آئندہ وسعت قلب و نظر کا ثبوت دیا جائے گا۔

مولانا نے تحریر سے میرا مؤدبانہ سلام کہئے اور فرمایا کہ یہ عاجز مورخ کے خیالات سے ذلت

رہنے کی آرزو رکھتا ہے۔ مولانا کا پیغام کیا ہے۔ اور دوسرے اکابر ملت اسلامیہ کے پیغام سے وہ

بحد تک مطابقت یا عدم مطابقت رکھتا ہے۔ میں اس سال کی رخصت پر تھا۔ آٹا میں بے دفتر

بھی یہ کام متروک کیا ہے۔ میرے لئے اپنی ذمہ داریوں اور مصروفیتوں کے پیش نظر سفر کرنا

شور ہے اس لئے اگر مولانا سے محترم اپنے نامہ مبارک کے ذریعے اپنے خیالات غالبہ سے مجھے بہرہ

دے کا شرف عنایت کریں تو بہرہ صوفی کی بزرگوار شفقت کے من مطابق ہو گا۔ آخر میں ایک بار پھر

وہ تکی خدمت میں سلام عرض کرتا ہوں۔

نیا زمرد۔ سعید احمد

تمام ساجدی ڈاک خانہ سیاحہ تحصیل کھڑا ضلع انبالہ

فخر قوم محترم مولانا صاحب

سلام۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ طویل بیماری سے صحت یابی کے بعد سیاسیات

میں شمولیت ہو رہا آپ کو مبارکباد دیتے ہیں۔ خدا آپ کو قوم کی رہنمائی کے لئے سلامت رکھے آپ



کے مختلف امور پر اخبارات میں شائع ہو رہے مضامین ہیں مشعل راہ کا کام دیتے ہیں۔ عرض یہ ہے کہ مورخہ ۵ ارمی ۱۹۵۵ء بروز اتوار ہمارے گاؤں ماجری متصل مانک پور شریف تحصیل کھڑنٹھ نعل انبالہ میں ایک ترقیاتی کانفرنس ہو رہی ہے جس میں آنریبل شری بھیم سین سچر کھنہ منتری پنجاب شمولیت کر رہے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ جناب بھی اس موقع پر تشریف لائیں۔ مہربانی ہوگی۔ لیکن اگر صحت سے مجبور ہوں تب جناب ہماری اس کانفرنس کے لئے شبھہ ناماؤں کا پیغام بھیج دیں تاکہ آپ کا پیغام حاضرین کانفرنس کے کانوں تک پہنچ سکے یہ آپ کی بڑی عنایت ہوگی۔

ہمارے گاؤں کے فرقہ دارانہ اتحاد کے نظام سے تو آپ موقع میلہ مانک پور شریف دیکھ ہی چکے ہیں اور آپ ہمارے علاقے کے عوام کے خیالات کے متعلق ایک درست عکس لے چکے ہیں۔ اب ہمارے گاؤں کی گرام پنچایت بھی بہترین ہاتھوں میں ہے۔ اور ایک ٹیم کی طرح کام کر کے تیسرے صحت صفائی، لائبریری وغرنکہ گاؤں کے ہر ترقیاتی پروگرام میں ایک نمایاں پارٹ ادا کر رہی ہے۔ اس گاؤں کے پراسنے کانگریس ورکروں کی بحیثیت جموں قربانیاں اور قید بند کی سببتوں کا بھی آپ کو علم ہے۔ امید ہے آپ کا پیغام ہمارے لئے باعث فخر ہوگا۔ اگر کسی وجہ سے آپ اس موقع پر تشریف نہ لاسکے تو ماہ جولائی میں موقع میلہ مانک پور شریف ضرور تشریف لائیں۔ آپ کو پندت ہریش چندر پٹواری کی طرف سے سلام۔ کا دلالت سے یاد فرمائیں۔

آپ کا عزیز۔ مستری حبیب اللہ ۲۸ اپریل ۱۹۵۵ء

نیم ماہی پورہ۔ میرٹھ۔ ارمی ۱۹۵۵ء

مکرمی و محمدی! سلام و رحمت

خدا کرے کہ آپ ملک و قوم کی بقا و ترقی کے لئے مددیں زندہ و فرخندہ رہیں!

بزرگ محترم! میں آندھرا کے سفر سے واپس آنے کے بعد عوسی بیماری اور دوسری اہم مصروفیات

کی بنا پر آپ کو الیکشن کی تفصیلات سے مطلع نہ کر سکا جس کا افسوس ہے۔ مگر میرے دوسرے ہم سفر کی زبانی تمام تفصیلات یقیناً آپ کے علم میں آچکی ہوں گی، پھر بھی میں اس عرصہ میں اجمالی طور پر چنا

ہم باتیں عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو پریشاں اور قربانی کی سو سالہ تاریخ رکھنے والی جماعت انڈین نیشنل کانگریس کے اثر و اقتدار کی بقا کے لئے غور کرنا انتہائی ضروری ہے اور یہی باتیں ہیں۔ آندھرا کے سیکشن میں زیادہ کارفرما نہ آئیں۔

۱) عام طور سے کانگریس میںوں کے متعلق یہ شکایت سنی گئی کہ انھوں نے عوام سے اپنا رشتہ توڑ لیا ہے۔ انتہا یہ کہ وہ انتخاب کے موقع پر بھی غریب بستیوں میں آنا پسند نہیں کرتے۔  
 ۲) وقتی طور پر جو لوگ کانگریس میں داخل ہو گئے ہیں اور جو کانگریس کی حقیقی روح اس کے مزاج اور اس کے پاکیزہ اصولوں کو سمجھنے سے گریز کرتے ہیں۔ ان کی دانستہ یا نادانستہ بے پرواہی ہے کہ گریس کہ نہ نہ انھوں میں غلط طور پر مشی یہاں تک کہ اس سے سابقہ و رقبت ابھی شدید مدد پہنچا ہے۔  
 ۳) نیک مجلس دستور مند نہ کرنے کی کمی۔

۴) سیاست میں ایسے دوسروں کو کانگریس کا ٹھکانہ دینا جن کا کارکردہ فرقہ واریت گند سے ٹوٹا اور خدائی طور پر نہایت گڑبگڑا ہے

۵) قومی شریچہ کی کمی باعث جو مادی و مادی امور میں کانگریس کی تاریخ اور اس کے حالیہ پروگرام سے لاعلمی

۶) مسلم قوم۔ مذکورہ کی بے حدی رخیہ وغیرہ

۷) کانگریسی حلقوں میں مسلم قومی مذکورہ کے ساتھ بے اعتنائی۔

یوہا ہی "ہندو" میرٹھ۔ ۲ مئی ۱۹۵۵ء نمبر سلسلہ ۲

تبد و کعبہ! آپ کی دور میں نگاہیں اس حقیقت کو اچھی طرح جانتی ہیں کہ مندرجہ بالا کمزوریاں کسی جماعت کے مستقبل کے لئے کس درجہ خطرناک ہو سکتی ہیں۔ میرے خیال میں اگر ان کمزوریوں کا بڑی طرح سے متوجہ نہ کیا گیا تو نئے ہندوستان کی حیات نازک کے معاملے میں، پھر نہ تو اس کی مدد کسی صورت میں  
 نتیجہ یہ ہو کہ قوم کی آگ آگ قوم پرستوں کے ہاتھوں سے نکل کر انارکسٹوں کے ہاتھوں میں چلی جائے گی۔  
 یہ تاریخ کا ایک بہت بھیاں تک حادثہ ہو گا۔

میرے نزدیک اس وقت ملک و قوم کی خاطر کانگریس کے وفادار کو بچانے کے لئے نہایت سرگرمی اور پورے اخلاص کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے اور یہ کام آپ کی پُر خلوص رہنمائی ہی میں زیادہ کامیابی کے ساتھ انجام پاسکتا ہے۔

قبلہ محترم! میں نے ۱۹۳۸ء میں آپ کی رہنمائی قبول کی اور ۱۹۴۳ء تک آزادی کے ہر محاذ پر ایک سپاہی اور ایک شاعر کی حیثیت سے آپ کی رہنمائی میں برابر اپنی اہمیت کے مطابق ملک و قوم کی خدمات انجام دینا رہا اور آج بھی جہاں آپ کی رہنمائی پر فخر کرتا ہوں وہاں کانگریس کی تاریخ کو اپنی اندر اپنے بزرگوں کی تاریخ تصور کرتا ہوں۔ یہ عجیب بات ہے کہ درمیان میں یعنی آزادی کے بعد سے کچھ عرصہ تک میں بھی "ننگی" حالات کی بنا پر خاموش رہا۔ ٹکڑاب جب کہ آپ بھی سات سال کی خاموشی کے بعد بوڑھے فوجی اور جوان اساتذوں کے ساتھ ملک و قوم کی دوبارہ خدمت کرنے کے لئے میدان عمل میں آگئے ہیں فوجی اپنا فرض سمجھنا ہوتا کہ ہیں۔ اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ آپ کے سامنے اپنی رضا کا نشانہ خدمات پیش کر کے ملک و قوم کی بہبودی کے لئے زیادہ سے زیادہ کام کروں۔

محترم القام! یوں تو آپ کو پورے پورے اختیار ہیں کہ آپ کانگریس کے اموروں کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں ملک کے جس گوشہ میں چاہیں آپ مجھ سے کام لیں۔ لیکن میرے نزدیک ذیل کی چند بنیادی چیزیں کانگریس کو عوام میں خوش درستیوں بنانے کے لئے زیادہ ضروری ہیں۔

مسئلہ سہما: یہ بات آپ سے چھپی ہوئی نہیں کہ ملک کی ہر تحریک کو زیادہ سے زیادہ کامیاب بنانے میں شاعروں اور ادیبوں کا بہت بڑا حصہ رہا ہے اور آج بھی ملک کے ہر سیاسی نظریہ کی پشت پر ایک شہری ادارہ درکار ہے جو اپنے ہم خیال شاعروں اور ادیبوں کی زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان کے افکار کے ذریعے ملک میں اپنے رجحانات کی نشر و اشاعت کرتا ہے اس کی وجہ سے کچھ عرصہ ملک کی بدقسمتی ہے کہ آج کا شاعر اور ادیب کانگریس کا ہم ذرا نہیں اور اگر لچو لگو ہم لوہا ہیں بھی تو وہ بھی نہ ہرنے کے برابر اندر پریشان حال۔ جب کہ آج کے عوام کے دل و دماغ میں شاعروں اور ادیبوں کے لئے بہت بڑی گنجائش ہے۔



اسی لئے میں پامتا ہوں کہ آنسائش کے طور پر صرف میرٹھ کشتری میں شاعروں اور ادیبوں سے تبادلہ خیال کر کے انھیں اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ کانگریس کے اعلیٰ اصولوں اور اس کے موجودہ دائرہ تعمیری پروگراموں اور اس کی اشارہ قربانی کی تاریخ پر اپنے اعلیٰ خیالات کا اظہار کریں، وہ خصوصی طور پر بھوک، بے روزگاری، فرقہ پرستی وغیرہ جیسے مسائل پر اس ڈھنگ سے بحث، زبانی کریں کہ جس سے یہ واضح طور پر معلوم ہو کہ یہ مسائل بھی صرف کانگریس ہی کے ذریعے حل کئے جاسکتے ہیں کسی اور جماعت کے ذریعے نہیں۔ اس تجویز کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ اس قسم کے مضامین نظم و نشر کو اخبار و رسائل، دور رس، بچوں کی رسائل میں شائع کر کے عوام میں اس سلیقہ سے پھیلایا جائے کہ وہ ایک حقیقت محسوس ہر تہ پر درجہ پائندہ نہیں۔ اس سلسلہ میں چند شاعروں اور ادیبوں کے نام ذیل میں تحریر کرتا ہوں جن کا حصہ ہونیت کافی دینے سے اور جو عملی طور پر بھی یقین ہے کہ کافی خدمات انجام دے سکتے ہیں اور انھیں کثیر مشاغل اور دیگر مجامع، ادب میں شرکت کے مواقع میسر آتے ہیں جہاں وہ اپنے خیالات سے لوگوں کو کافی متاثر کر سکتے ہیں۔

جناب اسحاق ادیب، سنگری (بنارس)، جناب بیمن بھاری، تھپ رنیرٹھ، جناب شیر تارا، دھپل داس، جناب غفور، تھپتھور، سہارن پور، جناب انجمن، میرٹھ، جناب عزیز، راتی، جناب رضا، الحق، جناب ڈاکٹر بشیر حسین، لوہا پور، جناب خضر، رتی (ملند شہر)، جناب سلیم، کھنوری، لالہ چیلہ، ام صاحب، شوق، سرحدی، جناب میاں، صدیقی، (مفتی گل)، جناب تاجاں، فقری، (مردہ)، جناب ڈاکٹر منظر، بیری (مراڑ آباد)، جناب حمیدہ، سلطانہ، فروز (میرٹھ)، جناب کنور، محمود علی، خاں، بی بی ایل، ایل، بی بی، جناب رام چاننا، ایڈوکیٹ، جناب نصیر علی شاہ، ایڈوکیٹ، پروفیسر، مقصود حسن، جناب چند، بیاس، میرٹھ، لالہ سادھو، شیام، آزاد، میرٹھ، لیل، بناوی، حیران، کاشمیری، اور حضرت خجری، میرٹھ وغیرہ وغیرہ۔ اگر ان سے ہر قدر تبادلہ خیالات کیا جائے تو قوی امید ہے کہ یہ حضرات کانگریس کی حمایت میں اپنے قیمتی انکار سے زیادہ سے زیادہ عوام کو متاثر کر سکتے ہیں۔

دوسری تجویز یہ ہے اور میں اسے بہت ہی اہم سمجھتا ہوں کہ میرٹھ میں کشمیر کے نام پر ایک مشاعرہ

منعقد کیا جائے جس کے داعی نیشنلسٹ مسلمان ہوں۔ اس مشاعرہ میں خصوصی طور پر ان شعراء کو دعوت  
 شرکت دی جائے جو کشمیر کے مسائل کو ہندوستانی نقطہ نگاہ سے سوچتے ہوں اور شاعروں کو اس بات  
 پر آمادہ کیا جائے کہ وہ کشمیر کی ہندوستان دوستی پر اس انداز سے اظہار خیال کریں جس سے یہ تاثرات  
 پیدا ہوں کہ کشمیر کی ہندوستان سے وابستگی سیاسی اعتبار سے باعث خیر ہے۔ اس تجویز سے نہ صرف یہ کہ  
 ملک کے فرقہ پرست عناصر کے دل میں (جو مسلمانوں کو کشمیر کے معاملہ میں مشتبہ نگاہ سے دیکھتے ہیں) ایک  
 گنجائش پیدا ہو جائے گی بلکہ کانگریسی درکرز کو بھی میدان میں آکر کام کرنے کا موقع ملے گا۔ میں چاہتا ہوں  
 کہ اس مشاعرہ کا افتتاح آپ فرمائیں اور صدارت کشمیر کا کوئی معتبر لیڈر۔ اس تجویز کا دوسرا جز یہ ہے  
 کہ اس مشاعرہ کی جملہ کارروائی کو ایک کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔

تیسری تجویز یہ ہے کہ تسلیم یافتہ اور سرگرم مسلم خواتین درکرز کو اس بات کے لئے تربیت دی جائے  
 کہ وہ مسلم خواتین میں کانگریس کے لئے پر خلوص جذبہ پیدا کریں۔

امید کرتا ہوں کہ آپ کانگریس کے بار کو زیادہ سے زیادہ کامیاب بنانے کے لئے ان تجاویز پر  
 غور و خوض فرما کر اپنے مفید مشورے مستفید فرمانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے۔ آخر میں میں آپ سے  
 گزارش کرتا ہوں کہ میں ہمیشہ آپ کی رہنمائی پر فخر کرتا ہوں اور آج بھی اپنے تمام ساتھیوں اور ای اجارے  
 کے ساتھ جو یہی ادارت یا میرے زیر اثر شائع ہوتے ہیں آپ کی ہدایات پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں۔  
 میری جانب سے بھائی خلیل الرحمن اور بھائی عزیز الرحمن جاسمی کے ساتھ دوسرے اہل خانہ  
 کی خدمت میں سلام۔ امید کہ آپ دعاؤں میں مجھے فراوان بخش فرمائیں گے۔ والسلام

آپ کا دبیرینہ بندہ خلوص۔ کوثر قریشی۔ ایڈیٹر نیم ماہی "پرداز" میرٹھ

امید کہ آپ میرے لئے کوئی راہ عمل تجویز کر کے اس عزیز کا بڑا بہتر اور جلد دینے کی زحمت

گوارا فرمائیں گے۔ !

نیم ماہی پرداز میرٹھ

بزرگ محترم۔ سلام عقیدت۔ مزاج اقدس۔ میں کل میرٹھ پہنچ گیا۔ آج آپ کو

یہ عرضیہ ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ صبح کی نماز پڑھ کر ہم دونوں میاں بیوی نے نہایت خلوص کے ساتھ آپ کی بتا دہ سلامتی کی دعائیں مانگیں۔ خدا کرے آپ کا سایہ ہمارے سروں پر مدت دراز تک قائم رہے۔ آمین۔  
دفتر پیام و حق کوٹلیفون فرمادیجئے کہ وہ مطلوبہ اخبار کی کاپیاں اور تازہ پیرچہ ارسال فرما کر منور فرمائیں۔ میں آپ کی ہدایت کے مطابق قبلہ قاضی صاحب سے ملنا تھا مگر چونکہ وہ حضرت مولانا حسین صاحب مدنی کی تشریف آوری کے باعث کسی دعوت میں شرکت کرنے جا رہے تھے۔ اس لئے تفصیلی گفتگو نہ ہو سکی۔ سبحانی مولانا سعید الرحمن صاحب سے فرمادیجئے کہ وہ اپنی مضمون یا اس کی پہلی قسط جلد از جلد ارسال فرمادیں۔ اس کے علاوہ اگر کوئی خاص خیر ہو تو وہ بھی ساتھ ہی بھیج دیں۔ اباجی پرواز کے لئے کچھ استہدائے رس کا انتظام ضرور فرمادیں۔ سبحانی و حمید انبیا صاحب کی خدمت میں سلام

والسلام۔ دعا کا طالب۔ کوثر قریشی (مردم) میرٹھ

دارالمنفقین اعظم گڑھ

مکرم و محترم السلام علیکم

مکرمی نامہ ملا، آپ کا خیال بہت اچھا ہے۔ موجودہ حالات میں اس قسم کے مضامین کی ضرورت ہے آپ نے جو مضمون بھیجا ہے وہ ابھی تک نہیں ملا۔ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فرمان تو میری نظر سے نہیں گزرا لیکن شعبین ۷۷ معاہدوں کے ذریعے غیر مسلموں کو جو حقوق دیئے ہیں ان سے ان کے حقوق کا تعین ہوتا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ان کے مذہبی معاملات میں کوئی مداخلت نہ کی جائے گی وہ اپنے مذہبی رسوم ادا کر سکیں گے اور ان کی عبادت گاہوں کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں ان حقوق کی پوری تصریح کی ہے اور ان معاہدوں کو بھی نقل کیا ہے۔ تاریخ کی تقریباً سب کتابوں میں یہ معاہدے موجود ہیں۔ مولانا شبلی نے اپنے مضمون حقوق اور عبادت گاہوں میں ان حقوق پر مفصل بحث کی ہے۔ میرے خیال میں پہلے آپ اس مضمون کو دیکھ کر آپ جو کچھ لکھنا چاہتے ہیں وہ اس میں موجود ہے۔ اگر ایسی سے آپ کا کام چل جائے تو سہی، ورنہ ہمارا شاد فرمائیے گا اس کی تعمیل کی جائے گی۔ کتاب الخراج قاضی ابو یوسف پر ضرور نظر ڈالیں اور اگر کہیں ڈاکٹر حمید اللہ کی مرتب کردہ "الوثائق"



سیاسہ فی العزائم بنوی واثاثہ ماشدہ " مل جائے تو اور زیادہ بہتر ہو گا۔ مگر سب سے پہلے حقوق انسانی پر نظر ڈال لیجئے۔ یہ مضمون مولانا شبلی کے مضامین تاریخ جلد اول میں سے دلی میں بہت مل جائے گا اور سب خیریت ہے۔ والسلام معین الدین احمد۔ ۹ مئی ۱۹۵۵ء

حجاج بن یوسف کا واقعہ میری نظر سے کسی تاریخ میں نہیں گزرا۔

ذریعہ شاہ رفیع خاں الہ آباد۔ حکیم سید محمد احسن حکیم بادشاہ

عزیز محترم۔ دعلیکم السلام۔ خط آپ کا آیا۔ آپ اتنے بیمار رہے اور اپنی خیریت سے مجھ کو اطلاع نہ دی۔ خیر خدا کا شکر ہے آپ ابچھ ہو گئے۔ میں دہلی نے کو تیار ہوں جب آپ کا خط آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ آؤں گا۔ آج کل احمد مصطفیٰ امبئی میں ہیں۔ اپنے صاحب زادے کو سلام دے رہے ہیں۔ فقط۔ والسلام سید محمد احسن غفرلہ۔ ۱۰ جون ۱۹۵۵ء

عزیز محترم مولانا حبیب الرحمن صاحب

سلام مسنون۔ مزاج شریف۔ عرصہ سے خیریت معلوم نہیں۔ دلی۔ بعد کہ سب مع الخیر ہوں گے میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ ۱۴ مارچ صبح کو دال صاحب کا عرس کر کے دہلی آؤں گا اور پاکستان جاؤں گا ۱۴ اپریل کو اس معاملہ میں جس کی میں نے اپنی طرف سے اپیل کی تھی۔ درمکان کے معاملہ میں خریدار نے درخواست کی تھی کہ یا تو قبضہ دلایا جائے یا میرا وپیہ واپس کیا جائے۔ سچ اگر دال صاحب الہ آباد آئیں گے۔ تاریخ مقدمے کی ہے اگر کوئی زور پہنچ سکے تو پہنچا دیجئے۔ یہاں دیکھئے کیا فیصلہ کرتے ہیں آج کل پنڈت جی یہاں آئے ہوئے ہیں مگر مجھ سے ملاقات نہیں ہوئی ان سے ملنا بہت مشکل ہے۔ میں بالکل اچھا ہوں۔ سب رکوں کہ سلام مسنون اور مزاج پر سی۔ فقط۔ والسلام

سید محمد احسن (حکیم بادشاہ) ۵ اپریل ۱۹۵۵ء

نئی زندگی۔ ۶۷۔ باقی کا بارغ۔ پٹنہ

مولانا محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرچہ جناب سے مجھے نیاز حاصل کرنے کا اب تک اتفاق نہ ہوا۔ لیکن غائبانہ تعارف ضرور ہے

۱۵ پنڈت موٹی لالی تھروٹ نے اپنے انتقال کے وقت حکیم صاحب سے یہ الفاظ فرمائے میری نبات کی ذمہ داری

آزادی کے بعد ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر تباہ کن خیالات کروں، اور آپ کی فکر سے استفادہ کر دوں لیکن افسوس اس کا موقع نہ ملا۔

اب پیام مشرق میں کئی بار آپ کا ذکر پڑھا۔ تو معلوم ہوا کہ کچھ کر رہے ہیں اور یہ خیال پیدا ہوا کہ آپ سے رابطہ پیدا کیا جائے تاکہ مسلمانان ہند کے لئے کوئی راہ عمل سوچی جائے۔

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنی پرانی تکنیک یعنی مسلمانوں کے حقیقی اور خیالی مطالبوں کو لے کر ہندوؤں سے لڑنا اور اس لڑائی اور نہ گری کے ذریعے اپنی مسلم قوم میں مقبول ہونا اس سے ترک کر دینا چاہئے۔ کیونکہ اس سے معنی اتنی ہی پیدا ہوتی ہے جتنی مسلم لیگ کی جنگ سے پیدا ہوتی تھی۔ اور خود قومی کو نقصان پہنچتا ہے۔ نہ سچے مسلمانوں کو بھی کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچتا۔

مسلمانوں کے مطالبات نوانے کے لئے سب سے ضروری چیز وہ فضا پیدا کرنا ہے جس میں برادران وطن ہمارے مطالبات پر ہمدردی سے غور کرنے کے موڑ میں ہوں۔ اور یہ فضا ہی وقت پیدا کر سکتی ہے جب دینی فرط پر ہندوؤں کی اور ہماری کل ہم آہنگی ہو۔ ملک کے لئے ہم ان کے ساتھ دوش بدوش چلنے کو تیار ہوں۔ ورنہ اگر قومی جدوجہد سے ہم رفتہ رفتہ الگ ہو گئے اور ہمارے ہاتھ میں صرف مطالبات کا روگیا اور ہندوؤں کی تنگ نظری کی دھڑلی ہم بجاتے رہے تو دونوں بدن ہندوؤں میں ہمارے دوستوں کی تعداد کم ہوتی جائے گی اور ایک زمانہ وہ آنے والا ہے جب کہ ہمارا ایک درست بھی نہ رہے گا۔

اپنی پرانی خدمات اور قربانیوں کے سرمائے کو جو جگہ میں ہمارا جمع ہے اسے ہم بیس طرح خرچ کر رہے ہیں اور نیا سرمایہ کوئی جمع نہیں کر رہے ہیں تو آخر یہ سرمایہ کب تک کام دے گا۔

ہذا میرے خیال میں تمام مسلم سیاسی کارکنوں کو اپنی تکنیک بدلنی چاہئے یا پھر دھڑ سرفردشوں کی ایک نئی جماعت بنانی چاہئے۔ جو تحریر و تقریر کے ذریعے باریاد قوم کے سامنے یہ صحیح پروگرام پیش کرے۔ میں آپ سے کیا عرض کروں، میں کس طرح تڑپ رہا ہوں اپنا پرانا سیاسی رسالہ نئی زندگی جاری کرنے کے لئے۔ میرے حیدرآباد کے طویل قیام نے نئی زندگی کو ختم کر دیا اور میرے پاس جو کچھ سرمایہ تھا وہ الیکشن لڑنے میں ختم ہو گیا (کیونکہ میں حیدرآباد اسمبلی کے لئے کانگریس ٹکٹ پر کھڑا ہوا تھا۔ لیکن

ایک کیونسل کے مقابلہ میں ناکام ہوا) اس کے بعد مسلسل تین سال سے بے کار ہوں اور اس مسلسل بیماری نے میری کمر توڑ دی ہے۔ اگر تھوڑے سے سرمائے کا بھی انتظام ہو سکے تو میں خدا کا نام لے کر نئی زندگی جاری کر دوں۔ بہر حال آپ فرمائیے، آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ میں عنقریب دہلی آنے کے لئے سوچ رہا ہوں اگر دہلی حاضر ہوا تو ضرور خدمت میں حاضر ہو کر نیاز حاصل کر دوں گا۔

امید ہے کہ جناب کے مزاج بخیر ہوں گے اور ہر طرح معافی بخیر ہوں گے۔ والسلام  
مخلص امیس الرحمن۔ مرحوم۔ (ڈیڑھ سالک) ملک دولت

کوچہ، تھن۔ چاندنی چوک۔ دہلی۔ از گنگا رام ہسپتال

خدمت حضرت سیدی دامت برکاتہم

السلام علیکم۔ گنگا رام ہسپتال میں چار پانی پر سے یہ عریضہ لکھوا رہا ہوں۔ آج آپریشن کر دیا گیا  
دن ہے، صحت کافی ہے۔ دعا کا محتاج ہوں۔ تین دن تک شاید گھر چلا جاؤں، چلنے پھرنے کی ابھی طاقت  
نہیں ہے۔ انسان بے کس اور عاجز ہے۔ زیادہ کھانے کی ہمت نہیں۔ مولانا عبدالمنان صاحب کو اگر  
دعا سے سوا اور کام نہ ہو تو کچھ روز کے لئے اگر تشریف لے آئیں تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔

مولانا حبیب الرحمن صاحب عزیز عبدالجلیل اور تمام اہل خانقاہ کی خدمت میں سلام مسنون  
اور دعا کی درخواست۔ والسلام

حبیب الرحمن۔ ۲۵ جولائی ۱۹۵۶ء بقلم محمد احمد لدھیانوی

رائے پور۔ ۱۰ فروری

مخدوم المکرم حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ اس سے پہلے بھی لکھوا چکا ہوں کہ جناب والا تشریف لے آویں۔ مگر  
تاحال کوئی جواب نہیں آیا۔ سردی کا ٹکڑا تھا اب تو موسم بہت تبدیل ہو گیا۔ ہم نے بھی سردی کے کپڑے اتار  
کر گرمی کے پہن لئے ہیں اور ۵۰ فروری بھی اب تو ہو گئی ہے۔ اب معلوم آپ کیوں انتظار کر رہے ہیں۔  
باقی الحمد للہ حق کی طبیعت اچھی ہے۔ البتہ صحت ہے۔ مولوی عبدالمنان صاحب اللہ کے بندے ہیں کہ وہ



بھی لکھ دیتے ہیں کہ انھار کو آرہا، بدھ کو آرہا، ہفتہ کو آرہا ہوں وہ اب آکیوں نہیں جلتے بہت علاج ہو چکا۔ تشریف لے آئیں۔ سب کا بھی بہت انتظار کیا۔ باقی مولوی حبیب الرحمن صاحب بلا لکچری کا خط مل گیا۔ ان کی مرضی۔ دہنہ احقر کے خیال میں مدرسہ سے اتنی مدت غیر جامع رہنا کسی طرح مناسب نہیں۔ مولوی عبدالمنان صاحب تو بہر پائی کر کے چلے ہی آ دیں۔ مولوی محمد احمد صاحب ہر سہ حضرات کی خدمت میں نہیں میں سدام عرض کرتے ہیں۔ بخدمت عبدالمنان از احقر عبید لود عبید لود سلام مسنون عرض ہے کہ کل ایک صاحب تھاب پورہ کے ہاتھ عریضہ مفصل روانہ کر چکا ہوں جس میں تقریباً یہی مضمون تھا۔ ۲۵ فروری کو یہاں سے دہلی کا قصد ہے۔ آتے ہوئے ۲ کرتوں کا کپڑا، گز جو روپے سوار روپے سے زیادہ نہ ہو اور اسی بھاد کی تقریباً مدد چادریں، لٹھا سفید یا کوما، گز، اگر عرض پوسٹن گز سمونی درجہ کامل جانے تو لیتے آ دیں۔ احقر آپ کی دعا کہتا ہے کبھی پریشان ہوا ہوں کبھی نہ کرتا ہوں۔ جو چاہیے ارسال کی ہیں اس پر خاص ریشم لکھا ہوا ہے۔ کیا وہ واقعی کپڑے کا ریشم ہے یا سن کا بتایا ہمارا۔

والسلام۔ احقر عبدالقادر۔ رائے پورہ۔ ۵ افروری ۱۹۷۷ء

مولانا سے فرمادیں کہ آپ کے خط کا حضرت والا نے کچھ اثر نہیں لیا بلکہ یہی فرمایا تھا کہ ان کا انتظار رہتا ہے۔ خط بہت جلدی میں لکھ رہا ہوں اللہ کرے پڑھا جاوے۔ عبدالمنان خان از رائے پورہ ضلع سہارن پور (یوپی)

نحمدہ می محترمی حضرت مولانا غم العالی ذوالقرحبیب الرحمن رائے پوری سلام مسنون۔ درخواست دعا اور مبارک یاد یوم آزادی کے ساتھ گزارش ہے کہ جناب کے متعہ گرامی نامے کے بعد دیگرے شرف صدور لائے۔ احقر دو روز کے لئے سہارن پور گیا تھا۔ اسی لئے جواب میں تاخیر اور کوتاہی ہوئی۔ ۳۱ اگست کو کچھ گئے سب سے بعد والے گرامی نامہ کے سلسلے میں گزارش ہے کہ جلسہ کی کارروائی پریس کو بھجوانے پر بہت بہت شکریہ۔ ۵ اگست ۱۹۷۷ء کو یوم آزادی کے دن احقر نے رائے پور کے سرکاری مدرسہ اور گاؤں والے دونوں مکاتب اور پاشندہ گاہی رائے پور کو مذکورہ اور بعض خصوصی دعوت ناموں کے ذریعے مدرسہ باغ رائے پور میں مسجد کے سامنے میدان میں جمع کیا، اللہ

سرکاری مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر صاحب کی صدارت میں دوپہر بعد ۲ بجے سے ۶ بجے تک یوم آزادی کے سلسلے میں یہاں کے اعتبار سے بڑا شاندار جلسہ کیا جس میں علاوہ تینوں چاروں مدارس کے طلباء و اساتذہ کے رائے پور کے ہندو مسلمان سب شریک تھے۔ تقریروں میں بھی اساتذہ، طلباء اور عام سبک میں سے سب کو جو تقریر کرنا پسند کرتے تھے بولنے کا موقع دیا اور پانچ بجے ہندوستان کے قومی جھنڈے کی بڑی شاندار اور جاذب طریقہ پر پرچم کشائی کی گئی۔

اپنا تیار کردہ قومی ترانہ اور جھنڈے کا ترانہ دلکش طور پر دولہ انگیز طریقے پر پڑھا گیا۔ بعد میں ایک سیر حاصل تقریر کی اور ہندوستان کی خارجی پالیسی پر روشنی ڈالنے کے مواقع پر نہرو رپورٹ کے معاملہ پر دل کھوں کر باتیں کیں اور سب لوگوں نے جمال عبدالناصر کی کامیابی کے لئے دل سے دعا کی اور ناصر کی پالیسی کو الشیاء اور ہندوستان کی آزادی کا ضامن قرار دیا۔ مسلمانوں نے بھی یوم آزادی پر اس بیان میں اتنی دل چسپی پیدا کی کہ معلوم ہوتا تھا ہندوستان کی آزادی کا دن منانے اور جھنڈے کو بلند کرنے میں مسلمان بڑا دران وطن سے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں پھر حضرت اقدس مدظلہ العالی کی مجلس میں بھی جلسہ کی کارروائی شام کی مجلس میں بیان کر کے حضرت اقدس مدظلہ العالی کی فرحت کا سامان کیا اور داد تحسین دتا سید حاصل کر کے اپنے دل کی تسکین کا سامان کیا مگر یوم آزادی کی کارروائی پر میں اس لئے نہیں بھیجی گئی کہ ایسا بلکہ اس سے بہت زیادہ ملک کے گوشے گوشے میں کیا گیا ہو گا اسے کون شائع کرے گا۔ آج حضرت اقدس کی مجلس میں جناب دلال کا موصول ہوا مذکورہ بالا گرامی نامہ پہلے سرائے گرامی نامے کی طرح حرف بحرف پڑھ کر پیش کیا۔ حضرت دالانے فرمایا کہ میری طرف سے لکھ دینا کہ ہم بھی ساتھ ہیں، شاید زیادہ اپنے نام کے مکتوب کے جواب میں لکھوائیں۔ حضرت مولانا محمد حسن صاحب، حضرت مولانا یحییٰ صاحب، جناب غلام مصطفیٰ صاحب اور مولانا عبداللہ دجا اور صاحبزادگان و اجباب کی خدمت میں سلام مسنون و درخواست دعا عرض ہے۔

احقر کا ایک بھیجہ رائے پور آیا ہوا ہے۔ اس کے اصرار پر مجھے ۲۰ کو سہارن پور، ۲۱ کو پٹیالہ جان ضروری ہو گیا ہے۔ گزارش ہے کہ اپنی خیریت اور پٹیالہ کے متعلق اگر کوئی بات ارسال فرما سکیں

تو حق کو معرفت سر وار ہے سنگھ پیشتر دیوری افسر ۲۸ ڈی ہند را کوٹھی متصل پھول سیٹھا پٹیا لہ (پیسو)  
 کے پتہ پیار سال فرما کر مشکور فرمائیں۔ ۲۲ یا ۲۳ کو واپسی کا پختہ خیال ہے۔ رات پور واپسی پر وہی کے لئے  
 بھی ارادہ رکھتا ہوں۔ وقت کی تنگی ہے ورنہ پٹیا لہ جانے سے پہلے حاضر ہوتا تو بہتر ہوتا۔ واپسی پر ایک دو  
 مکاتب کا سائنہ بھی حق کے ذمے ہے۔

جناب کی صحت کی بھلائی کی امدادیں بہت ہی راحت افزوں سمجھتی رہیں مگر یہ بنیاد کی بات اس کہ  
 تشریش ہوئی۔ اگر پٹیا لہ خیریت کی اطلاع نہ دی جاسکے تو سہارن پور شیخ کی موفت یا پھر رائے پور  
 ہی ضرور ارسال فرمائیں۔ خدا اٹالے جناب کو جلد پوری صحت اور تندرستی عنایت فرمائے کہ بند جناب  
 کی رائے پور تشریش آوری دکھنی نصیب ہو۔ آمین ثابین

حبیب الرحمن سلام مسنون و درخواست دعا عرض کرتا ہے۔ کھرب رسا خیریت ہے اور صوب  
 جناب کے ہاں آپ سب حضرات کی خدمت میں اور گھروں میں سلام مسنون و درخواست دعا عرض کرنے  
 میں۔ والسلام۔ ۱۰ اگست ۱۳۵۷ء

احقر حبیب الرحمن رائے پوری۔ از رائے پور ضلع سہارن پور ۱ یو پی۔

محترمی حضرت مولانا مولوی حبیب الرحمن صاحب المدینہ نوئی

از احقر حبیب الرحمن رائے پوری سلام مسنون و درخواست دعا کے ساتھ جواباً گزارش ہے کہ حبیب الرحمن  
 جناب کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوگا۔ اس کے حاضر ہونے کا یہ فائدہ ضرور ہونا چاہئے کہ احقر کو نام کے  
 متعلق کچھ تفصیلات اور جناب کو احقر کی عظیم الفرستی اور محبوبیت کا علم ہو جائے تاکہ کام کی نوعیت کا  
 اندازہ، در وقت کی گنجائش کا پیمانہ بیک وقت سامنے رہ سکیں اس طرح تفصیل ارشاد میں اس فی ہر جگہ  
 اور انتہاء کام کی صورت نکل آئے گی۔ حضرت کی خدمت میں جناب کا سلام و بیامیں بلطف عریفہ  
 لفظ بلفظ پڑھ کر سنا دیا گیا۔ حضرت اقدس مدظلہ نے دعا فرمائی اور یہ لکھنے کو بھی فرمایا کہ یہاں تو ہم سب  
 کرنی جہاں ناصر کے لئے دعا گو ہیں اور یہاں کوئی کچھ نہیں کہتا۔ آپ بیماری میں خواہ مخواہ معروضوں پر توجہ  
 کر کے اپنے آپ کو پریشانی نہ کریں۔ چنانچہ دعا فرمائی اور مدرسہ میں بھی آج سے مستقلاً دعا کا سلسلہ



اختیار نے جاری کر دیا ہے اور آج جمعہ میں اس کے متعلق کچھ کہنے کا ارادہ بھی ہے۔

بیس سالہ پرانی جماعت حزب الافار رائے پور کے نمبر جمع ہو کر انشاء اللہ آج جمعہ حبلہ حاضر احباب کے خدا سے کرنی جمال ناصر کی کامیابی کے لئے دعا کریں گے اور ان کے اقدام حق کی تائید اور برطانیہ اور فرانس وغیرہ کے مذہب و دیہ کی مذمت کریں گے۔ اندھا حق کچھ بیان کرے گا نیز اس علاقہ میں ان امور کی تکمیل کا ارادہ بھی کر رہا ہے۔

محب الرحمن اگر ابھی تک ہو تو اسے یہ علم ہو جانا چاہئے کہ ماسٹر جی نے لکھنؤ سے خط میں نام بھیجئے اور ٹھکانہ صاحب کے اس کو پسند کرنے اور جین صاحب سے بھی اس میں بات چیت کرنے کے متعلق لکھا ہے۔ اگر محب الرحمن سے ممکن ہو تو وہ جین صاحب سے اس مدت میں ضرور مل لے۔ لکھنؤ سے کامیابی کی امید ہے۔ حضرت مولانا عبدالمنان اور جناب مولانا عبداللہ صاحب آگئے ہوں تو جناب مولانا محمد احمد صاحب اور ان کے دوسرے سب بھائیوں نیز ڈاکٹر صاحب اور جملہ احباب کی خدمت میں سلام مسنونہ درخواست دعا عرض ہے۔ محب الرحمن کو چاہئے کہ مجھے اپنی معروضات دے کر کوائف اور واپسی کے پروگرام سے جلد از جلد اطلاع دے۔ انشاء اللہ میں ۱۳ اگست ۱۹۵۶ء کو فوری واپسی کا خیال لے کر گور اندرسنگھ کے ساتھ سہارن پور آؤں گا تو محب الرحمن سے ملنا ہوگا اور جناب کے جملہ کوائف وغیرہ سے اطلاع ہو جائے گی اور گنجائش محل کی تو یک دن کے لئے حاضری کی کوشش کروں گا۔ حضرت اقدس کی شفقت ہے کہ یہاں سے احقر کا جدا ہونا پسند نہیں فرماتے ورنہ حاضر خدمت ہوتا یہ جناب کا حسن ظن ہے اور خدا اس حسن ظن کی برکت سے نوازے۔ آمین۔ بھائی الطاف صاحب خیریت سے ہیں، مجھے ان سے بات کا موقع نہ ہو سکا۔ معذرت قبول فرمائیے والسلام

احقر حبیب الرحمن رائے پوری حال مقیم ٹیپالہ۔ پنجاب

مخدومی و محترمی جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی۔

اذا حق حبیب الرحمن رائے پوری۔ سلام مسنونہ و درخواست دعا اور مبارکباد دانیگی ج بیت اللہ نیز مدینہ منورہ کی حاضری جو ہونے کو ہے اور دیگر امور خیر و سفر میں پیش نظر ہیں ان سب کے لئے بھی پیشگی

مہاراج باد عرض کرنے کے ساتھ ساتھ جناب کی خدمت میں ادب و اخلاص کے ساتھ جواباً گزارش ہے کہ گرامی نامہ نے کل ۳۱ مئی ۱۹۵۵ء مطابق ۳۱ مئی ۱۹۵۵ء کو شام کے وقت شرفِ صدقہ بخشا۔ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ خلاصہ مسرت نامہ فوراً ہی حضرت اقدس مدظلہ العالی مائے پوری سے عرض کر دیا گیا اور حسب ارشاد قدموں پر ہاتھ کر جناب کا اور صاحبزادگان کا سلام مسنون عرض کر دیا گیا نیز جملہ رفیقانِ سفر کا سلام بھی عرض کر دیا گیا۔ حضرت اقدس مائے پوری مدظلہ العالی نے بڑی خوشی سے بات سنی اور خط سنانے کو فرما دیا۔ مگر ڈاکٹری ہدایات کے ماتحت زیادہ باتیں نہ کرنے کی مصلحت سے دوسرے وقت سنانے کو عرض کر دیا گیا جو قبول فرمایا۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے نام و اما خطا و سلا میں حضرت اقدس مدظلہ کے نام کا خط کل پرسوں پہنچ کر پڑھے جا چکے تھے۔ اس تفصیل کو سامنے رکھ کر جناب کا گرامی نامہ پڑھا (نداء آج تو پیامِ وطن دہلی میں مولانا وحید الزماں کا مسلسلہ مطبوعہ خط بھی نظر سے گزر چکا ہے جو مزید تفصیل کو حادی ہے۔ اسی طرح جناب کے مسلسلہ ارشادات وہاں کے حالات کا تصور کرنے میں مل جل کر اچھا خاصا دلچسپ مرقع بن گئے ہیں جو یک حد تک تسکینِ خاطر کا سبب ہے تاہم دل زیادہ اندر مفصل کوائف کا طالب ہے خدا وہ دن کرے کہ جلد جناب کی زبان فیضِ ترجمان سے دیارِ حبیب اور تجلی گاہِ محبوب کے روح پرور حالات بالمشافہ دلوں کا سرند اور دعا غوں کا نور بن کر رہنمائی کا سبب بنیں۔ آمین ثم آمین

مجھے بہت کچھ لکھنا ہے۔ اس لئے پہلے جواب کی کوشش میں رکھتا ہوں۔ یہ معلوم کر کے میرا عریضہ باریاب ہوا اتنی خوشی ہوئی جیسے گویا ایک حد تک میں ہی باریاب ہو گیا ہوں۔ مولانا عبد الجلیل صاحب کا شکریہ کہ سبھوں نے میرا مفصل عریضہ پیش کر دیا یا خلاصہ سنا دیا۔ میں نے ایک خط مطون کی موفت اور ایک ہندو سب ز کوئٹل جبرہ کی موفت جناب کو بھیجی ہے وہ دونوں مولانا عبد الجلیل صاحب سے غصہ خط کا خلاصہ اس کے حوالے ہی تھے۔ کاش وہ دونوں بھی باریاب ہو گئے ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ سفر میں جناب کی صحت رہی۔ اب تزلزلہ زکام کی تسکایت بھی

جاتی رہی ہر گئی تاہم اس کے لئے دعا ہے کہ دورِ ہند جناب تمام سفر میں پوری طرح تندرست اور تمام مقامات پر فریب کامیاب ہوں اور خیر و عافیت سے واپس آکر اپنی صحبت اور زیارت سے ہم لوگوں کو مسرور فرمائیں۔ جناب کی اس انتہائی شفقت کا بے حد مشکور ہوں کہ جناب نے فرمایا ہے "کاش" آپ میرے ہم سفر ہوتے تو یہ سفر ایک خوش کن اور فرحت پہنچانے والا سفر بن جاتا۔ خدا سے امید ہے کہ وہ کبھی اس نعمت سے بھی نوازیں گے۔ کاش وہ نوازش باری تعالیٰ ہم دونوں کو اکٹھے سر فراز فرمائے اور اس اور اس سند کو زیادہ سے زیادہ اپنی رضامندی کے حصول کا موجب بنائے۔ اس وقت تو یہی عرض کیا جاسکتا ہے کہ آپ کی اس شفقت کے مستفیضان میں سے احقر کو اپنے سفر میں دعاؤں سے یاد فرمانا ہے۔ بس امید ہے کہ یہ دولت ضرور میسر آئے گی اور یہ کیا کم ہے۔ آج سے بہت عرصہ پہلے جب آزادی ہند کے دلوں میں زرد دل پر تھے احقر نے یہ شعر لکھا تھا کہ "یہ سب تھے تھے"۔ اس وقت چودہ اکٹھارہ کی جنگ کے سبب ایک وقت ایسا آیا تھا کہ حاجیوں کے لئے، سب خطرات کی بنا پر بند کر دیئے گئے تھے۔

فرسی ہو امیری مگر ہودے مدینے میں  
ہے رستہ بند لیکن ہو مجھے توفیق اترنے کی  
مقدور میں اگر نہ مت مرے ہندوستان کی ہے  
اکٹھارہ سال کے اک نوجوان کی یہ تمنا ہے

کاش آج بھی کوئی احقر کی طرف سے وہاں یہ شعر پڑھ دے۔ اس وقت عمر اکٹھارہ سال کی  
کھٹی اور غلامی اسلام سے ابھی محروم تھا۔ مگر اب رسم کہو یا حقیقت غذا ہی بہتر مانتا ہے کہ اس  
دور پر پچیس سو ستیس سال مزید اسلام کا نام لیتے ہوئے گزر گئے ہیں۔ مگر ابھی تک یہ شہا  
شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکے۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے راستے کی شہادت نصیب کرے اور  
ویار حلیب میں جگہ عنایت فرمائے۔

حضرت اقدس مدظلہ العالی نے کئی بار تاکید سے فرمایا ہے کہ میرا سلام مولوی صاحب کو اور مولانا کے صاحبزادگان اور ساتھیوں کو ضرور لکھنا۔ آج کل حضرت اقدس مدظلہ کے ہاں کئی دوی



سے حج کا حاجیوں کا اور وہاں کے حالات کا ہی تذکرہ خود حضرت کی طرف سے جاری رہتا ہے چنانچہ ہر اخبار میں اس بات کو تلاش کرایا جاتا ہے۔ چنانچہ ابھی میں نے پیام وطن میں مولانا زبیر الزما کا آپ کے سفر کے متعلق مضمون پیش کیا۔ اور حضرت اقدس مدظلہ نے خاصی مسرت سے سنا اور اس پر تبصرہ جوڑا ہے۔

محبت الرحمن، مولوی عبدالمنان، بھائی الشاف، مولانا عبدالعزیز صاحب گتھنوں الغرض سب خدام کی طرف سے سلام مسنون و درخواست دعا قبول فرمائیں۔ شاہ مسعود صاحب آدیں گے تو سلام عرض کروں گا۔ آج ڈاک خانہ میں پھٹی ہے اس لئے انشاء اللہ کل ۳ ارذیٰ بھہ سکتا ہوں مطابق ۳ گشت ۹۵۵ کو یہ عزیزہ مکمل کر کے ارسال خدمت کروں گا۔

۳ رازی الخ کو مولانا عزیز الرحمن صاحب تشریف لائے اس لئے تمام دن ان کی باتوں میں گزر اوروں حضرت اقدس مدظلہ انہوں نے بھی اس کی باتوں میں اتنی دل چسپی لی کہ ایسی باتوں میں ہر کسی کی باتوں میں نہ تھی۔ ان موافق پر بھی میں تقریباً موجود رہا۔ اس لئے کہ ۳ رازی بھہ مکمل نہ کر سکا۔ آج ۵ کو پہنچ کر کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اس کے بعد کو مکمل ہو جائے۔ شاید نہ مل سکے۔

۱۲ ارذیٰ الحجہ کی اہم باتوں میں یہ ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے حضرت قدس سے پوری مدظلہ انہوں کی صحت یابی کی خوشی میں مٹھائی چار کے وقت جمع تقسیم کی۔ آج ڈاکٹر معالج کیا تھا۔ اور اس نے اظہارِ طینان کر کے صحت احتیاطی پر دو ایام بتایا اور ایک ہفتہ سہارن پور ہی ٹھہرنے کو ضروری سمجھا۔ نیز تمام اہم پابندیاں جو ملاقاتوں اور حرکت کرنے پر لگا رکھی تھیں کافی کچھ ڈھیلی کر دیں۔ چونکہ ملاقاتیوں کو مصافحوں اور ہجوم اور ہر وقت کے میل ملاقات سے روکنے کا ناخوش گوار کام کوئی اپنے ذمہ لینے کو تیار نہ ہوا اس لئے ہمیشہ اس کو تیمارداری کا ناظم ہونے کے یہ ڈیوٹی رہا۔ اس لئے کہ اس کا اپنے ذمے رکھی۔ اس میں لوگوں کو بہتری ناگواریاں بھی پیش آتی رہیں جو برداشت نہ کر سکیں۔ گرامر اللہ کہ یہ فرض پورا ہو گیا۔ آج احقر نے بھی حضرت اقدس کے مددگارے پر ایک نظم لکھ کر لگا دی،

جس میں حضرت اقدس کی شفا کے ذکر کے ساتھ جواب سے میں نے معافی طلب کی۔ ان احباب سے جن کو میری اتنے دن کی مسلسل روک ناگوار گزری نظر یہ ہے۔

سن چوتھتر کی بہتر عید آئی	اندوید حیاتِ فولانی
غینے پھولے نہیں سماتے ہیں	ہے بہارِ انگست و جولانی
اس لئے کھلکھلا اٹھیں کلیاں	چونکہ حضرت نے ہے شفا پانی
گل نورستہ کا شباہ یہ	یا ترا سایہ توانائی
دیں معافی حبیب کو احباب	روک ٹوک اس کی گز نہیں بھائی

دنیا کے اسلام اور ایشیا کی ترقی کے متعلق جواب کا خیال بن گیا ہے۔ بلاوجہ نہیں بتا۔ اس کی بددعا ہر میں لکرا یہ مقدس مقام پر اس خیال کا ابھرتا بہت ہی مبارک بات اور فال نیک ہے میرا اس کے ساتھ یہ بھی خیال پختہ ہو جاتا ہے کہ اس ترقی میں سب سے بڑا اول حصہ ہندوستان کا ہوگا اور انشاء اللہ ہندوستان عام ترقی کا پیش رو ہوئے۔ یہ نمایاں ہوگا تو اس کا اسلام کو اپنا لینا بھی میرے نزدیک یقینی امر ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی مشہور پیش گوئی کے سامان جتنے نظر آ رہے ہیں۔

اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ظاہری اسباب کے طور پر ایسی کوشش کریں کہ ہمارا ملک ہر امر میں بہترین امور کو اپنائے اور اپنا طرہ امتیاز بنائے خصوصاً اسلام کی ہمہ گیر توحید کے ابتدائے آفرینش سے لے کر تکمیل تک توحیدی تصورات کی حادی ہے، جس میں شرک کا شائبہ نہیں اور جس کا سماں آپ نے عرب میں رکھا ہے وہ ہند کی سرزمین پر کس طرح پر دان چڑھے کہ اس کے بغیر دنیا کی تمام نعمتیں اذھوری ہیں۔ معاف کرنا میں آپ کو ایسی بات بکھنے کی جرأت کر گیا جو آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں مگر دل اٹھایا اس لئے لکھ دی ورنہ آپ جب تشریف لائیں گے تو آپ سے ہی یہ تمام باتیں سمجھنے کی بات ہے۔ ہاں اتنا باہر دل میں آتا ہے اور جناب کا خط پڑھ کر قریہ بات اور بھی وجدانی سی ہوتی جاتی ہے کہ ہندوستان جس طرح دنیا کے پائیکس میں عظمت حاصل کر رہا ہے یہ آخرت سے وابستہ امور میں بھی خدا کی دین (عطیہ) کا مواد بن کر رہے گا۔ اس میں اب کسی کی سستی یا تنقیدی حکمت علی اللہ

سورتمند یہ کہ دخل نہیں رہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عالم قضا و قدر میں یہ طے ہو چکا ہے۔ بشرطیکہ میری یہ جذباتی باتیں نہ ہوں مجیب الرحمن، مولوی عبدالمنان بھائی، عطار الرحمن اور حضرت کے جملہ خدام اور عزیز، مرحوم کا سلام مسنون عرض ہے۔ شیخ الحدیث در شاہ صاحب کا بھی سلام مسنون قبول فرمائیں۔ احقر کی طرف سے جناب کے صاحبزادگان اور جملہ ساتھیوں کی خدمت میں بھی سلام مسنون و درخواست دعا اور مبارکبادی حج بیت اللہ کے ساتھ مسنون واعد عرض ہے۔

احقر حبیب الرحمن رائے پوری از مظاہر العلوم سہارن پور (ریو پی) انڈیا  
۵ ارڈی، لکھنؤ ۳۱/۵ = ۵ رگست ۱۹۵۵ء

مکرمی۔ سلام مسنون

یہاں الیکشن کے سلسلہ میں مولانا فضل الرحمن صاحب حسن پور میں اندر مولانا عبدالوہید صاحب جنگ پور تشریف لائے۔ پہلے جلسہ میں حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب کی تمہیدی تقریر، در غم پیش ہوئی تھی۔ اس وقت نظر ارماس خدمت ہے اور حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب کی وہ تقریر جو مولانا نے ایک گھنٹہ تک کثیر مجمع میں جاری رکھی وہ گوں نے ان حضرات کا پتہ چاک استقبال کیا اور حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کے دوبارہ بنگالیوں میں شامی ہونے پر ہمارا علاقہ بہت خوش ہے۔ سید کہ آپ اخبار میں ان چیزوں کی اشاعت فرما کر ایک اخبار اس پتہ سے روانہ کریں گے جو پہلے کارڈ میں بتلایا گیا ہے۔ فقط والسلام۔  
۳۱ ستمبر ۱۹۵۵ء  
ذی قتل علیہ کا ٹر سس الیکشن

بہار الدین بلڈنگ۔ دریا پور پٹنہ۔ ۱۰ جولائی ۱۹۵۵ء

مولانا محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مرچہ جناب سے مجھے نیاز حاصل کرنے کا اب تک اتفاق نہ ہو سکا لیکن غیبا نہ تعارف ضرور ہے آزادی کے بعد ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر تبادلہ خیالات کروں اور آپ کی فکر سے استفادہ کروں۔ لیکن افسوس اس کا موقع نہ ملا۔



اب پیام مشرق میں کئی بار آپ کا ذکر پڑھا تو معلوم ہوا کہ آپ کچھ کر رہے ہیں اور یہ خیال پیدا ہوا کہ آپ سے رابطہ پیدا کیا جائے کہ مسلمانان ہند کے لئے کوئی راہ عمل سوچی جائے۔

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنی پرانی تکنیک، یعنی مسلمانوں کے حقیقی اور خیالی مطالبوں کو لے کر ہندوؤں سے لڑنا، اور اس لڑائی اور جنگ زرگری کے ذریعے اپنی مسلم قوم میں مقبول ہوتا اسے ترک کر دینا چاہئے کیونکہ اس سے تلخی اتنی ہی پیدا ہوتی ہے جتنی مسلم لیگ کی جنگ سے پیدا ہوتی تھی اور اتحاد دھرمی کو نقصان پہنچتا ہے اور پھر مسلمانوں کو بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ مسلمانوں کے مطالبات منوانے کے لئے سب سے ضروری چیز وہ فضا پیدا کرنا ہے جس میں ہر دران وطن ہمارے مطالبات پر بھروسہ سے غور کرنے کے موڈ میں ہوں اور یہ فضا اس وقت پیدا ہو سکتی ہے جب وطن فرسٹ پریسندوں کی اور ہماری مکمل ہمت ہو۔ ملک کے لئے ہم ان کے ساتھ دوش بدوش چلنے کو تیار ہوں۔

ورنہ اگر قومی جدوجہد سے ہم رفتہ رفتہ الگ ہو گئے اور ہمارے ہاتھ میں صرف مطالبات کا کاغذ رہ گیا اور ہندوؤں کی تنگ دلی اور تنگ نظری کی ڈھلی ہم بجاتے رہے تو دن بدن ہندوؤں میں ہمارے دوستوں کی تعداد کم ہوتی جائے گی اور ایک زمانہ وہ آئے گا کہ جب ہم ایک دست بھی نہ رہے گا اپنی پرانی خدشات اور قربانیوں کے سرمایے کو جو بینک میں ہمارا جمع ہے اسے ہم بری طرح خرچ کر رہے ہیں اور یہ سرمایہ کوئی جمع نہیں کر رہے ہیں۔ تو آخر یہ پرانا سرمایہ کب تک کام دے گا۔

لہذا میرے خیال میں تمام مسلم سیاسی کارکنوں کو اپنی تکنیک بدلتی چاہئے یا پھر صرف دشمنان وطن کی ایک نئی جماعت بنانی چاہئے جو تحریر و تقریر کے ذریعہ بار بار قوم کے سامنے یہ صحیح نظر پیش کرے۔

ہیں آپ سے کیا عرض کروں۔ میں کس طرح تڑپ رہا ہوں۔ اپنا سیاسی رسالہ نئی زندگی جاری کرے کے لئے۔ میرے جیرو آباد کے طویل قیام نے نئی زندگی کو ختم کر دیا۔ اللہ میرے پاس جو کچھ سرمایہ تھا وہ اکیشن لڑنے میں ختم ہو گیا۔ (کیونکہ میں جیرو آباد اسمبلی کے لئے کانگریس کے ٹکٹ پر کھڑا ہوا تھا۔ لیکن ایک کمیونسٹ کے مقابلہ میں ناکام ہوا) اس کے بعد مسلسل تین سال سے بے کام ہوں اور اس مسلسل بے کاری نے میری کمزوری سے۔ اگر تھوڑے سے سرمایہ کا بھی انتظام ہو سکے تو میں خدا کا نام لے کر نئی زندگی جاری کر دوں

بہر حال آپ فرمائیے آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ میں غفیریہ دلی آنے کے لئے سوچ رہا ہوں  
اگر دلی حاضر ہوا تو غزوہ خدمت میں حاضر ہو کر نیاز حاصل کروں گا۔

امید ہے جناب کے مزاج بخیر ہوں گے اور ہر طرح سے التجیر ہوں گے۔

والسلام۔ مخلص۔ آمین الرحمن (مرحوم)

قبلہ بزرگوارم مولانا صاحب زادہ عنایتکم

مولانا صاحب۔ آپ کا خط بعد درخواست جو کہ اسٹنٹ کسٹوڈین محکمہ میں داخل کرنی

تھی بعد روپے ۱۵۰ روپے وصول ہوئے جس دن یہ تمام وصول ہوئے اس کے دوسرے دن میں

نے دس روپے کا ٹکٹ درخواست پر لگا کر داخل محکمہ متعلقہ کر دی گئی۔ اب اس میں تاریخ پیش

۲۰ اکتوبر ۱۹۵۵ء ہے۔ بندہ اس درخواست کی پیروی اپنی عین مطابق خوب کوشش سے کرے گا

نیز عرض ہے کہ کاغذات جو کہ آپ نے پہلے دست میرے پاس روئے کئے تھے اور جو کہ بندہ جب دہلی آیا

ہمراہ لایا تھا اور جو کہ آپ نے رکھ لئے ہیں وہ دوبارہ پھر اس درخواست میں مطلوب ہوں گے۔ ابھی

وہ کاغذات آپ واپس میرے پاس نہ بھیجیں جب ضرورت ہوگی اس وقت آپ کہہ دیں میں ان سے

عرض کروں گا۔ آپ کا خادم غفیریہ سید علی

آج ایک خط ضیاء الدین محمود بہ حکیم بہار الدین محمود صاحب ملا۔ جو کہ مورخہ، ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۵ء

کا تحریر کیا ہوا ہے۔ اس میں تحریر ہے کہ اس خط کا جواب اس کو سر ہند شریف کے پتہ پر تحریر کروں

اور یہ بھی درج ہے کہ ۱۲/۱۱/۵۵ء کو جواب تحریر کروں مگر جب خط ہی مجھے، ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۵ء

کو ملا ہے۔ تو جواب اس سے پہلے کیسے دے سکتا ہوں۔ کیونکہ ڈاک خانہ کی مہربانی، ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۵ء

کی لگی ہے۔ اصل خط آپ کی خدمت میں ارسال ہے مگر پھر بھی بندہ نے ایک خط سر ہند شریف کے پتہ

پر ضیاء الدین محمود صاحب کو تحریر کر دیا ہے۔

سٹر ضیاء الدین محمود صاحب

برصوں کے بعد آپ کا نوازش نامہ وصول ہوا۔ بندہ جس لائق ہے خدمت کرنے کو تیار ہے مگر

جب تک یہ پتہ نہ لگے کہ مکان کی اجازت تیسرے سال حاصل کی گئی بقیہ کی نقل مٹنی دشوار ہے۔ اس لئے بندہ نے مجبوراً عرض کیا ہے۔ آپ یہ تحریر فرمادیں کہ تعمیر مکان کی اجازت کس سال میں حاصل کی۔ اگر تاریخ اجازت تعمیر معلوم ہو تو بہت ہی اچھا ہے۔ آپ کا خادم وہی پرانا پیارے لال دیکل کاشی لدھیانہ

کوئٹہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۵۵ء

قبلہ جناب آبا جان۔

تسلیمات۔ آپ کا نوازش نامہ ملا۔ پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ عرصہ دراز کے بعد آپ کے دستخط دیکھے اور میں بیان نہیں کر سکتا کہ کس قدر باعث خوشی ہوا۔ اور پھر یہ جان کر کہ آپ مجھ سے ناراض نہیں تو اند بھی خوشی ہوئی۔ مجھے معلوم ہے کہ میں دھان لازمیت کراچی آپ کی خدمت میں جو خط و کتابت نہ کر سکا وہ میری تالافتی تھی۔ مگر یہ سچ ہے کراچی ایک منحوس شہر ہے اور اس کی مٹی، اندپانی میں ہی بے ایمانی کی تاثیر ہے۔ آپ یقین کیجئے میں عرصہ ساڑھے چھ ماہ تک اپنی والدہ کو خط نہ لکھ سکا جس کے ساتھ میں نے کبھی کوتاہی نہیں کی مگر اس دفعہ تو حد ہو گئی۔ بہر کیف اب کبھی کوتاہی نہ ہوگی۔

میں مورخہ ۳ نومبر کو درماہ کی عارضی تبدیلی مکمل کیے کے واپس بمبئی پہنچ جاؤں گا۔ آپ جواب بمبئی لکھ دیجئے۔ تین چار روز بعد شاید دہلی آؤں۔ ورنہ بمبئی سے ہی کراچی واپس چلا جاؤں گا۔ مجھے مولانا خلیل الرحمن صاحب کی طویل علالت کا پڑھ کر بے حد دکھ ہوا۔ یہاں پر کمری کی سخت پابندیاں ہیں۔ وہ میرا دل چاہتا تھا کہ فوری ان کی مدد کرتا جو کچھ ناچیز سے ہو سکتا ہے۔ مگر اب بمبئی پہنچتے ہی پہلا یاد دوسرا کام یہی کروں گا۔ میرے ساتھ خلیل بھائی کے برادرانہ تعلقات کے علاوہ دوستانہ بے تکلفی بے حد ہے اور خاص کر جب کہ میں بے تکلفی کے ساتھ ان کے ہاں پہنچ جایا کرتا تھا۔

اگر میں فوری کراچی پہنچ گیا اور دہلی نہ آ سکا تو مجھے آپ ان کی بیوی کا پتہ ضرور تحریر فرمائیے، وہی بھامل پور والا پتہ ہے تو خیر مجھے معلوم ہے۔ میں آپ کو بھی کچھ کراچی سے بھیجنا چاہتا ہوں۔ اس خط کا تذکرہ آپ مولانا خلیل الرحمن سے نہ فرمائیے تو بہتر ہے۔ بہر کیف میں ان کا بھائی ہوں اور آپ کا بیٹا ہوں۔ مجھے عزت آبرو کا رندہ گار آپ کی دعاؤں اور حضرت اقدس کی مہربانی سے ملا۔ انشاء اللہ



اس کا احسان مندرساری مکرر ہوں گا حتیٰ کہ میری اولاد بھی۔

میری بیوی میرٹھ میں ہے اور بچہ بھی۔ ہم دونوں ہی آپ کی قدر میری کہنے لگے آدیں گے۔ آپ مجھے  
بھائی خط لکھ سکتے ہیں مگر اس کو لہو کے پتے پر نہ تحریر فرمائیے۔ خط نہیں مل سکے گا۔ سب بھائیوں کی  
خدمت میں بہت بہت سلام۔ آپ کا تاجدار انور ملک  
۲ نومبر ۱۹۵۵ء۔ حیدرآباد

محترم مولانا صاحب!

کئی بار آپ کو طبیعت چاہی کہ خط لکھوں۔ لیکن اردو رسم الخط نہ لکھ سکنے کی وجہ سے میں ہمیشہ  
اپنی اس خواہش کو پورا کرنے میں چونکہ دوسرے کا محتاج رہتا ہوں اس لئے کترار رہا اور مجھے آپ کو کون  
دکھا دے کہ خط لکھنا نہیں ہوتا ہے۔ آپ کے لئے میرے دل میں جو عقیدت اور محبت ہے اس کا  
اظہار ان خطوط سے نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ آپ میرے خط نہ لکھنے کی وجہ سے مجھ سے  
کبھی بھی ناراض نہ ہوں گے۔ آج خط اس لئے لکھ رہا ہوں کہ میں ایک مسئلہ میں آپ کی رہبری چاہتا  
ہوں اور مدد بھی۔ حیدرآباد میں پچھلے کچھ ہفتوں سے ایک مسئلہ پیش ہے۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ  
حیدرآباد کا نظام میر عثمان علی خاں کتنے مسلمان ہے۔ شاید اس سے زیادہ مسلمان تو میں ہی ہوں۔ لیکن  
پھر بھی وہ اپنی ہر غیر اسلامی حرکت کو اپنے روپے کے ذمہ سے منسوب اور قاضیوں کے ذریعے اسلامی  
نقطہ نگار سے جائز قرار دے دیتا ہے۔ یوں تو نظام کی بہت سی غیر اسلامی حرکات ہیں۔ لیکن پچھلے دنوں  
انھوں نے جامعہ نظامیہ کے قاضیوں کو ایک مسئلہ پیش کیا کہ کیا ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے  
سود میں جائز ہے یا نہیں تو اس پر جامعہ نظامیہ کے تین قاضیوں نے متفقہ طور پر فتویٰ دیا ہے کہ  
چونکہ ہندوستان دارالحرب ہے اس لئے ہندوستان میں رہنے والے مسلمان مسلمانوں سے یا غیر مسلموں  
سے سود لے سکتے ہیں۔ جہاں تک آپ کے ذمہ عیسے حاصل کئے ہوئے میرے علم کا تعلق ہے میں تو یہی جانتا  
ہوں دارالحرب اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں مسلمانوں اور غیر مسلموں میں جنگ ہو رہی ہو اور جہاں مسلمانوں  
کو نہ نماز پڑھنے کی اجازت ہو نہ مسجد بنانے کی اجازت ہو نہ وقفے رکھ سکتے ہوں اور نہ زکوٰۃ دے سکتے ہوں

اور نہ ہی دوسرے مذہبی فرائض سرانجام دے سکتے ہوں۔ نظام سووے یا نہ لے۔ وہ مسلمان رہے یا نہیں رہے، وہ حلال و حرام میں تمیز کرے یا نہ کرے سب اس کا ذاتی فعل ہے۔ اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں اور نہ ہی ہم کوئی دخل ہی دینا چاہتے ہیں اس کے لئے تو اسے خود ہی جواب دہی کرنی ہوگی۔ لیکن اپنے گناہوں کو چھپانے کے لئے اس نے یہ جو فتویٰ دلا دیا ہے کہ جس سے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر ہندوستان کے سیکولرزم پر ایک بھاری چوٹ پہنچائی ہے اس سے یقیناً کوئی بھی محب وطن خاموش نہیں رہ سکتا۔ اس لئے اس سے پیشتر کہ میں یہاں طلبہ کے کالجوں میں اس مسئلہ کو پھیڑوں میں آپ کی رائے جاننا چاہتا ہوں کہ کیا ہندوستان دارالحرب ہے اور اگر ہے تو دارالحرب کا مطلب کیا ہے اور آپ مجھ سے متفق ہیں کہ ہندوستان دارالحرب نہیں تو میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ مہماہ کرم اس مسئلہ پر اپنا مضمون تو بھیجیں ہی اور ساتھ ہی ہندوستان کے کچھ قاضیوں، مفتیوں یا علماء سے بھی مجھے اس مسئلہ میں مضمون بھجوانے کی ہر پانی کریں۔ یہ ایک نہایت اہم مسئلہ ہے۔ حیدرآباد کے مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ بھارت کے مسلمانوں کے لئے اس کی بہت اہمیت ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ہی کیوں بلکہ پورے ہندوستان کے لئے بھی یہ کافی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر دارالحرب کا مطلب وہی ہے جو میں نے ادھر لکھا ہے اور ہندوستان واقعی دارالحرب ہے تو ہم سب کو سوچنا ہوگا کہ ہندوستان کا یہ دعویٰ کہ وہ سیکولر ہے وہ کہاں تک ٹھیک ہے اور اگر ہندوستان دارالحرب نہیں ہے تو پھر یقیناً ہندوستان کے مخلص اور ایمان دار علماء، قاضیوں اور مفتیوں کا فرض ہے کہ وہ جامہ نظامیہ کے ان تین قاضیوں کے اس فتویٰ کی تردید کریں۔

مجھے یقین ہے کہ آپ اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کر کے اور اس کی اہمیت سمجھتے ہوئے آپ مجھ سے تعاون کریں گے اور اپنی دوسرے علماء، قاضیوں اور مفتیوں کی آمار بھیجنے کی ہر پانی فرمائیں گے۔ فقط۔ آپ کا عقیدت مند <sup>۱۵</sup>یدھ دیپاٹریٹرز نامہ طلب حیدرآباد دکن

۹ نومبر ۱۹۵۷ء۔ از طرف چودھری عبدالرحمن

میرے بھائی حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مدظلہ العالی

۴۹۰

۱۵ یدھ دیپاٹریٹرز نامہ طلب حیدرآباد دکن ۱۵ یدھ دیپاٹریٹرز نامہ طلب حیدرآباد دکن ۱۵ یدھ دیپاٹریٹرز نامہ طلب حیدرآباد دکن

السلام علیکم۔ پہلے تو آپ کے متعلق پتہ چلا کہ آپ ادساپ کے دو صاحبزادے حج کو تشریف  
 لے جا رہے ہیں۔ یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی اور مسرت ہوئی۔ دعا تو پہلے ہی نا چیز ہمیشہ آپ کے لئے کرتا ہی  
 ہے بچہ یہ دعا کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ ساتھ خیریت کے آپ حضرات کو مکہ معظمہ میں پہنچائے، ادساپ نے فضل و  
 کرم سے تمام خیریت سے واپس لائے۔ باقی واپسی کا پتہ چلا بڑی خوشی اور مسرت ہوئی۔ اب اس کے بعد  
 عرض ہے کہ آپ کی خیریت کی اطلاع بہت دنوں سے نہیں ملی۔ مہربانی فرمائیے کہ آپ اپنی اند بچوں کی خیریت  
 کی اطلاع دیں بڑی مہربانی ہوگی۔ باقی ایک پرانی بات آپ کو یاد دلاتا ہوں۔ میں خود ادساپ کے محمد عبداللہ  
 کو ساتھ لے کر ادساپ بھی وہاں پر موجود تھے حضرت مائے پوری مدظلہ العالی کی خدمت میں پہنچے تو اب  
 نے بسم اللہ کرانے سے پہلے یہ فرمایا کہ حضرت عالی کی خدمت میں عرض کرنا کہ اس کو کچھ چاہ کر رکھنا تو ہم  
 نے عرض کیا۔ تو حضرت مدظلہ العالی نے شفقت فرمائی، چاہ کر رکھنا۔ بڑی خوشی اور مسرت ہوئی۔ باقی  
 عرض یہ ہے ادساپ کو یاد دلاتا ہوں کہ پہلے میرا نام غلام محمد والہری نے رکھا ہوا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ  
 کے فضل و کرم سے اللہ کے نیک بندوں سے ملنے کا جذبہ پیدا کر دیا۔ مولانا حبیب الرحمن ٹکی سے محبت  
 زیادہ ہو گئی اور کثران کی خدمت میں جاتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ غلام نے چون گرد کی مسجد میں فرمایا کہ  
 تمہارے نام میں عربی کے اظہار سے مشرقیت کی بد نہیں۔ تو میں نے اس کمرن کی خدمت میں عرض کی کہ  
 پھر اس کو بدل دینا چاہئے۔ اس کے بعد جب نام تجویز کرنے لگے تو میرے منہ سے نکل کر عبدالرحمن نکلا۔  
 اس کے بعد پھر مولانا کی صاحب نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو دو نام زیادہ  
 پسند ہیں۔ عبدالرحمن، محمد عبداللہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا سن کر کہ اللہ تعالیٰ کو دو نام  
 پسند ہیں تو ابھی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا تو اس کا نام محمد عبداللہ رکھیں گے۔ جب باری تعالیٰ نے بچہ  
 عنایت فرمایا تو میں نے محمد عبداللہ نام رکھا۔ اب بر خور دار کا نام ڈال کر کام شروع کیا ہے۔

چودھری عبدالرحمن

لکھنؤ۔ ۱۸ دسمبر ۱۹۵۵ء

مخدوم مکرم بندہ۔ دامت برکاتہم



السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والا نامہ صا در ہو کر کاشت حالات ہوا۔ میں جناب کی توجہ و ہر بانی پر انتہائی ممنون ہوں۔ مجھے یہی امید ہے کہ آپ پوری پوری سستی میرے معاملہ میں فرما رہے ہوں گے اور بفضل خدا اس کے نتیجے میں جلد کامیابی حاصل ہوگی انشاء اللہ۔ پنڈت پنت جی کو بھی توجہ دلائیے۔ جناب والد صاحب بھی وہی تشریف لے گئے ہیں اور شرف نیاز حاصل کریں گے۔ میں یہاں حاضر ہونے سے قبل رائے پور حضرت اقدس مدظلہ العالی کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ بفضل خدا صحت بہتر ہے۔ بھائی بھی وہاں ملے تھے۔

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیریت ہوں گے۔ کوئی بات معلوم ہو تو مطلع فرمائیے گا۔

آپ کا خادم محمود علی خاں ایم۔ ایل۔ اے

پتہ : محمود علی خاں ایم۔ ایل۔ اے۔ کمرہ ۱۱۱ بلاک۔ دار الشفا۔ لکھنؤ

لکھنؤ۔ دار الشفا۔ بی بلاک۔ ۵ مارچ ۱۹۵۷ء

مخدوم مکرم بندہ زاد الطافکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والا نامہ صا در ہو کر کاشت حالات ہوا۔ جناب نے فرما فرمایا تھا کہ میں پنڈت جی سے ذکر کروں گا۔ امید ہے کہ ملاقات ضرور ہوگی ہوگی۔ اگر نہ ہو سکی ہو تو درخواست ہے کہ اس طرف توجہ فرمائیے۔ مجھے امید ہے کہ پنڈت جی ضرور اس طرف توجہ فرمائیں گے اور یہاں اشارہ فرمادیں گے۔ پہلے بھی دوسرے لوگوں کے بارے میں پنڈت جی فرما چکے ہیں، اور ان کے کام ہو گئے ہیں۔

دوسری درخواست یہ ہے کہ شری لال بہادر شاستری جی سے بھی اپنے سامنے فون پر کہلاؤ۔ ان کا فرمانا بھی مؤثر ہوگا۔ اس لئے ان سے بھی مل لیجئے۔

یہ کام آپ کو ہی کرنا ہے اور آپ کی ترجیحت خصوصی سے کامیابی انشاء اللہ یقیناً ہو جائے گا۔ اس لئے درخواست ہے کہ اولین موقع پر ملاقات دونوں صاحبان سے فرما لیجئے۔ ممنون ہوں گا۔ مجھے جناب کی گزارشات کریمانہ سے پوری امید ہے کہ میری عرضداشت ضرور شرف قبولیت حاصل کرے گی۔

براداران محترم کو سلام مسنون۔ آپ کا محمود۔ کرہ۔ بی بلاک دارالشفاء۔ لکھنؤ۔

شری سمونا سندھی باہر گئے ہوئے تھے۔ اب کل یا پرسوں کو ان سے مل کر آفتاب مرحوم کی بیوہ

کے ہمارے میں آپ کا بیان ان کو پہنچا دوں گا۔ علاوہ ازیں وصی صاحب سے یہ معلوم ہوا تھا کہ انھوں نے

حافظ صاحب سے مل کر دہلیہ ان کی بیوہ کو ادا کرنے کا حکم دلا دیا ہے۔ محمود

لکھنؤ۔ دارالشفاء۔ بی بلاک۔ کرہ۔

مخدوم مکرم بندہ۔ حام ظلم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ باعث تصدیق یہ ہے کہ میرے سوسے میں ابھی تک کچھ نہیں ہوا

اس لئے پریشانی ہے۔ جناب کے الطاف بندگانہ کے پیش نظر جناب کہی اس مسئلہ پر توجہ دلاتا ہوں۔

یہ سمجھتا ہوں کہ جناب میری پریشانی کو دھندل کر کے کامیابی کی صورت نکال سکتے ہیں۔ دست بستہ اچھا ہے

کہ اس مسئلہ پر خاص توجہ مبذول فرمائیے۔ یہ گنتی پنڈت جی کے ذریعہ ہی نکل سکتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ

پنڈت جی ان معاملات میں مداخلت نہ فرماتے ہوں۔

پنڈت جی کا فون پر پیغام یا سفارشی خط انتہائی ضروری ہے کہ مصلحتاً یہ تقرر ضروری ہے

پھر کوئی وقت نہ ہوگی اور مجھ پر احسان عظیم ہوگا۔ گزارش ہے کہ جس طرح بھی جو تکلیف گوارا فرما کر پنڈت

جی سے مل لیجئے۔ جب آپ نے میرا کام کرانے کا تہیہ فرمایا ہے تو پھر سے ضرور کرا دیجئے۔ درمیان میں

میری کشتی کو نہ چھوڑیے بلکہ ساحل مدد پر پہنچا دیجئے۔ آغٹاب جیسے ناخدا سے یہی امید ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ کیونکہ جانتا ہوں کہ جناب کو میرا پورا خیال ہے اور مجھے جناب خد

کامیابی کی راہ دکھائیں گے۔ پھر یہ عرض ہے کہ پنڈت جی کی مدد حاصل کرنا بہ حال ضروری ہے۔ میں

خود حاضر ہوتا۔ لیکن اس نمانے میں یہاں کی موجودگی بہت ضروری ہے۔ سمجھتا ہوں کہ میرا عرض

یہ جناب کو اس طرف پورے طور پر متوجہ کرنے میں کامیاب ہوگا اور جناب میری اس درخواست

کو شرف منظوری بخشیں گے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیریت ہوں گے براداران عزیز کو سلام مسنون

آپ کا محمود

۲۲ فروری ۱۹۵۷ء

۴۹۳

نہ خان محمود علی خاں آخر کار رئیس الاحرار کی دعاؤں اور سلسلہ جنباتی سے ذرا وقاف ہو گئے ہیں امداد

بڑے برادران میں ازرب (بنتی محنت و ریاضت سے عکسرت کا کہہ رہی ہیں) غافلہ جب کے پاس اب و شریاں ہیں ایک اب و برقی کی اور ایک اور ایک اور قاف کی کتاب کے شروع میں خان صاحب کا حضور میں ہے اور میری بھی

متصل فائبر گیٹ لدھیانہ۔ ۲۸ نومبر ۱۹۵۵ء

محترم مولانا صاحب

آداب عرض۔ آپ کا پوسٹ کارڈ مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۵۵ء ملا۔ آپ کو یہ معلوم کر کے افسوس ہو گا کہ ۲۳ نومبر ۱۹۵۵ء کو آپ سے چھٹی لے کر شام کو جب ریلوے اسٹیشن کوآ۔ ہاتھ تو راستہ میں میری رکشا لٹ گئی اور میرے بہت ضربات آئیں۔ بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی ٹوٹ گئی درکنہ صے کی پیمپلی ہڈی میں شگاف آگیا۔ ۲۴ نومبر ۱۹۵۵ء کو میں دہلی میں ہی تھا۔ مگر ڈاکٹروں کے پنجے میں اور ایکس رے کی میز پر۔ بہر حال میں یہاں آگیا۔ ادب میں اچھی حالت میں ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ حقوڑے میں ہی چھٹکارا ہو گیا۔ دوسرائیں طرف ہی ضربات آئی تھیں۔ معدم نہیں کس فعل کی سزا لی ہے آپ کی چیزیں غنقریب ہی ایک دو دن کے اندر آپ کے پاس پہنچ جائیں گی اور میں بھی جلد دہلی آؤں گا۔ آپ نے اخباروں میں پڑھ لیا ہو گا کہ شری پرودہ چندرنے پارلیمنٹری میکر ٹیری شپ سے استغفی دے دیا ہے اور کبیر صاحب سے بھی عشن گئی معلوم ہوتی ہے۔ آپ کی معلومات تو ہم سے بدجہا بہتر ہیں۔ میں کیا تحریر کروں۔ باقی سب خیریت ہے۔ تا بعد از مسیح۔ لدھیانہ

۲۵ نومبر ۱۹۵۵ء

حضرت مولانا المحترم زید مجدکم

اسلام علیکم درجۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ کرے کہ مزاج عالی بعافیت ہو۔ ماہ اکتوبر ۱۹۵۵ء سے بنام ماہنامہ عرفان منظر عام پر لایا گیا ہے جو اب تک نہایت ہی روز افزوں ترقی کے منازل طے کرتے ہوئے چوتھے شمارہ کو پہنچا ہے۔ ادب انکلا پرچہ ماہ جنوری ۱۹۵۶ء میں نہایت ہی رنگین دیدہ اور دلکش طائشل و کتابت و طباعت کے ساتھ کثیر تعداد میں منظر عام پر آ رہا ہے جو اپنی خوبوں کا واحد ماہنامہ ہو گا۔ مجھے آپ کی ذات مخلصانہ سے امید راسخ ہے کہ اس کے لئے قلبی اعانت فرما کر اس کی مستقبل زندگی کامیاب بنادیں گے۔ کیونکہ آپ ہی حضرات کے سایہ میں سہ کر آگے بڑھنا ہے۔ اس لئے دعاؤں تو جہاں خاصہ قلبی اعانت کی شدید ترین حاجت ہے۔ دور حاضر میں مذہبی اخبار و رسائل کی جو حالتیں ہیں وہ اظہر



من الشمس ہے۔ دند حاضر کے شرار، ادیار کی لاپرواہی کی شکایت کیا عرض کر دیں آپ پر وہ متام  
 مرکز شیں منکشف ہی ہیں۔ آئے دن مختلف عنوانات کے ساتھ اخبار و رسائل منظر عام پر آتے رہتے ہیں  
 لیکن چند ہی شماروں کے بعد مدفون ہو جاتے ہیں۔ جس کی واحد وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کا خیر مقدم بہر ذرا  
 نہیں کیا گیا۔ یعنی عوام نے مال سے ادیار دے کر، باہمی وجہ کچھ مشکلات ہر دم رہا کرتے ہیں۔  
 اس لیے حضرت سگزارش ہے کہ اس ماہنامہ کی کامیابی کے لئے دعا و زور فرمائیں اور قلمی اعانت سے  
 نوازا کر مشکور و مسرور۔ کم از کم ماہ جنوری کے لئے کچھ بھی سہی، چند سطور ہی کیوں نہیں، قوم ملت کی نگہبان۔  
 دفع مشکلات سہی ضرور ارسال فرمائیں۔ یقیناً آپ کے اوقات عزیز صرف ہوں گے۔ لیکن بغیر گزشتہ  
 کئے کیسے ہم لوگ ان خدمات کو انجام دے سکتے ہیں۔ اچھے آپ کی فائز کریما سے یقین کامل ہے کہ پوری  
 پوری اعانت فرما کر آگے بڑھنے میں سہولت بخشیں گے۔ یہ پرچہ سوزبان کے لائحہ سے نہیں ہے بلکہ اصلاح  
 قوم کے لئے ہے۔ در سر اشرفیہ کے اساکین یہ نیت ہیں۔ سلام شوق عرض کرتے ہیں۔

توجہات کے لئے نمونہ پرچہ ارسال ہے۔ والسلام

(دہار)

آپ کا مخلص خادم در افتادہ۔ حامد الحسینی منجنگ ایڈیٹر عرفان بھوپور جدید۔ شاہ بازار

۳۰ نومبر ۱۹۵۵ء۔ صوفی عبدالحق ندویا ندی سرفت، حاج محمد عالم عطری

کرمی المحترم الحاج مولانا حبیب الرحمن صاحب ندوی سلمہ اللہ تعالیٰ

اسلام علیکم درجہ اللہ برکاتہ۔ ہم سب بخیریت میں امید ہے جناب بخیریت پہنچ گئے ہوں گے

دگر یہاں پر اس سال ۱۳۷۴ھ کے حجاج کو نکالنا بارہا ہے۔ جناب تو اچھی طرح جانتے ہی ہیں کہ مذہب

صاحب مابلیٰ ۱۴۲ھ میں ہجرت کی نیت سے حجاز تشریف لائے تھے اور تقریباً ۱۵ سال

بھرتا بھی ہوا تھا۔ مگر یک تو یہاں پر ہمیشہ کا انتقال اور کچھ اسی وقت جنگ کی مصیبتیں۔ اور ہمارا

بچپن، طبیعت کا اداس ہونا۔ ان سب چیزوں نے والد صاحب کو مجبور کر دیا تھا کہ واپس جائیں۔

حقیقت میں بندہ ہی نے زیادہ داپسی کا اصرار کیا تھا مگر ان کی وہ تیار آرزو وہاں جا کر

بھی اسی طرح نہ رہی۔ لہذا بندہ بہت غلہ مند رہتا تھا کہ جو میری وجہ سے ان کو داپسی کی تکلیف ہوئی ہے

میں کسی ایکسی طرح پورا کر دوں۔ امسال والدین اور چھوٹے برادران کو ساتھ لے گیا، تاکہ ان کی پرانی آرزو، تملنا پوری ہو جائے اور اسی ارادہ سے تشریف لائے۔ مگر اب یہاں اقامہ نہیں مل رہا۔ اس کے لئے نکلیں بدلتے رہتے ہیں۔ جناب تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ خاندانی اثرات سمجھئے یا کچھ اور کہ طبعاً انگریزوں سے نفرت بلکہ ان کے دوستوں سے بھی نفرت ہے۔ اس لئے پاکستان تو بالکل جانا ہی نہیں چاہتا۔ البتہ شہیاں کا، اتل اچھا ہے۔ بچوں کی تربیت اچھی ہو رہی ہے اور کئی ایک گناہوں سے یہاں بچاؤ ہے۔ اس لئے آپ سے التجا ہے کہ اس سلسلہ میں ہمارے لئے بہت بہت دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی غیبی امداد سے یہاں ٹھہرنے کا انتظام فرمادیں اور یہاں سے نکالاجاؤں تک جائے۔ الحمد للہ خرچ وغیرہ کے لئے کوئی تکلیف نہیں۔

دیگر ویسے شاہ سود نے کچھ لوگوں کو اپنے خاص اختیارات سے طامع تک دیئے ہیں۔ لہذا جناب سے گزارش ہے چونکہ شاہ سود آج کل ہندوستان آئے ہوئے ہیں جناب کی یا جناب کے کسی رفقاء کی ملاقات تو ضرور ہوگی۔ لہذا ان سے مل کر ہمارے لئے یہاں کی پیشینگی (طامعہ لے دیا کم از کم ٹھہرنے کا اقامہ ہی مل جائے۔ اور انشاء اللہ اس کی جزا اللہ تعالیٰ ہی آپ کو دیں گے۔ ایک درخواست پر ہمارا نام لکھ کر ان سے خصوصی اجازت لے لیں۔ ویسے وہ (فوق العادۃ) امر کر دیتے ہیں اس سے کام بن جاتا ہے وہ کر اگر آپ ہمیں یہاں بھیج دیں۔ ہم یہاں طامعہ لے لیں یا کم از کم ٹھہرنے ہی کی اجازت ہو جائے تو اس سے ہر کچھ غرضہ ٹھہر جائیں گے۔ بھولے گا نہیں۔ بے شک اس میں آپ کو کافی محنت ہوگی۔ مگر خدا کے لئے اسے ضرور کر دے دیں۔ یہ ایک اپنے قریب کا بڑا محسن کا کام ہو گا۔

مندرجہ ذیل نام درخواست میں لکھ لیں۔

(۱) عبدالحق ولد مولوی عبداللہ عمر ۵۶ سال۔ (۲) عبدالعزیز ولد مولوی عبدالحق عمر ۳۲ سال

(۳) عبدالرحمن ولد مولوی عبدالحق عمر ۲۵ سال۔ (۴) شاد احمد ولد مولوی عبدالعزیز عمر ۹ سال

(۵) عبدالحفیظ ولد مولوی عبدالرحمن عمر ۲۶ سال

جواب کا منتظر اراقم عید العزیز لدھیانوی لائپورہ عامل مطیع مکہ مکرمہ

درگزرۃ الد صاحب اذہ بھانی صاحبہ والدہ صاحبہ گھر میں سب کو سلام نکھار رہے ہیں۔  
بہ خوند ار کو سلام، بچوں کو پیار۔

لائپورہ سے خیریت کا خط آتا رہتا ہے مولوی عبداللہ صاحب منٹگری سے ملازمت چھوڑ  
آئے ہیں۔ ان کی والدہ بیگم صاحبہ کی طبیعت پہلے سے قدرے اچھی ہے۔ سب کو سلام۔

دین پور شریف۔ ۲۸ دسمبر ۱۳۵۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۵

بخدمت شریف مولانا المحترم مولوی حبیب الرحمن صاحب زاد عنایتکم

سلام مسنون۔ خیریت طرفین مدام مطلوب۔ بتقریب حج جب مولوی عبدالمنان صاحب دین پورہ  
جہاز مقدس میں جناب والدہ سے طاقاں ہوتے تھے تو جناب نالائے ارورہ ذرہ نوازی ہم کو یاد فرمایا تھا  
اس یاد فرمائی کا شکر یہ ادا کرتے ہیں۔ (دور امیدوار ہوں کہ ہمیشہ دعوت صالحہ میں یاد فرمایا کریں گے  
نیز چونکہ فی الحال جسمانی مداخلت کی بنا ہر کوئی عسرت نہیں ہے اس لئے استدعا ہے کہ گاہے گاہے تشریف  
نوازشی تامرہ سے نصیحت مرقات کا مشرف پختہ کریں گے چونکہ مولانا مفتی مدظلہ احوال جناب والدہ  
سے ملتے رہتے ہوں گے اس لئے جب ملاقات کا موقع بعسر آئے تو ہماری طرف سے استدعا فرمادیں گے  
کہ فلاح دارین کے لئے اپنے خاص اوقات میں یاد فرمایا کریں۔ اور یوم المحشر کے لئے بھی ہماری آرزو کیا  
ان کے ساتھ بابتہ میں ہیں فراموش نہ فرمادیں گے اور یہی طور پر مولانا صاحبہ رائے پورہ  
کی خدمت میں دعا کے لئے عرض فرمادیں گے۔ نیز دعا فرمادیں گے کہ مولانا کریم شرف ملاقات سے مسرور  
فرمادیں۔ آمین۔ فقط والسلام مع الاکرام۔ (جواب خط سے مشرف فرمایا جاوے)

ننگ اکابر خورشید احمد دین پور شریف۔ خلف اصغر حضرت رحمۃ اللہ علیہ

۲۵ دسمبر ۱۳۵۶ھ۔ دارالعلوم دیوبند

حضرت مخدوم و محترم زید مجدکم



بجای نام مسنون نیازمندان عرض ہے۔ گرامی نامہ نے مشرت فرمایا۔ میں نے ملا نامہ اللہ صاحبہ مدظلہا کو بھی سنایا، بہت ہی خوشی ہوئی اور دعاؤں کی تجدید کرتے ہوئے بار بار آپ کا ذکر فرماتی رہیں۔ یہ جناب کے تعلق کی بات ہے کہ آپ نے اس خدمت کو اپنا فریضہ تصور فرمایا۔ فجزاکم اللہ خیر الجزا لدھیانہ کی مسجی کھل جانے سے انتہائی خوشی ہوئی اور ایسا معلوم ہوا کہ جیسے سارے اجڑے ہوئے دیرانے بس گئے ہیں۔ یہ آپ کی ہمت اور عزیز مولوی سعید الرحمن صاحب کی جرأت و استقلال کا ثمرہ ہے۔ حقیقتاً ایک صدقہ جاریہ ہے جو آپ حضرات کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ یہ محض کافی نہیں ہے۔ بلکہ بنا مسجد ہے اور من بنی مسجد اللہ۔ نبی اللہ! قبلہ بینانی الجنۃ کا مصداق ہے جو اللہ نے آپ کے لئے مقدر کر رکھا تھا اور اس ماحول میں سبوتا نا ایک مستقل جہاد ہے۔ فیذلل فلیفہ حوا

اس مسجد میں جمعۃ المودع کی نماز ادا کرنا حقیقتاً مقامی مسلمانوں کی ڈھارس اور نام کرنے والوں کی دلدادہی کے لحاظ سے ایک معقول تجویز ہے۔ بندہ اس کے لئے حاضر ہے۔ مگر آپ کی خدمت میں پسند گرام متعین فرما کر ارسال فرمادیا جاوے انشاء اللہ اس کے مطابق حاضر ہوگا۔

سفر قدامد و رفت کا شب ہی کی گاڑیوں میں مناسب رہے گا۔ جمعہ کی شب مقدس میں قرآن شریف ختم کروں گا۔ بعد ختم غائباً فریضہ مناسب ہوگا۔ دہلی سے ہی اس میں سیٹ رکھ لی جائے۔ اس قدر سہاراں پر سے مل جاوے گا یا جو پسند گرام جناب تجویز فرمادیں وہاں سے داپسی بھی فریضہ یا کلکتہ میل سے ہی ہو سکتی ہے جس سے دیوبند آخر شب میں ۱۲ بجے یا پانچ بجے پہنچ سکتے ہیں اور طلب مل سکتی ہے۔ مجھے تو وہاں ادا کرنے میں بھی کوئی عذر نہ تھا۔ مگر یوم عید میں دارالعلوم کے کچھ معاملات ہوتے ہیں جن کی وجہ سے میری موجودگی یہاں ضروری ہوتی ہے۔ بہر حال پسند گرام کی مجھے اطلاع فرما دی جائے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بن فیت ہوگا۔ صاحبزادوں کی خدمت میں سلام مسنون۔ والسلام

محمد طیب (صاحب ہستم دارالعلوم دیوبند)

۲۹ دسمبر ۱۹۵۶ء

حضرت المحترم المرحوم زید محمد کم

۴۶۸  
محمد عزیز مولانا محمد احمد صاحب، دربارہ دارم مولانا خلیل الرحمن صاحب

سلام مسنون نیاز مقدون۔ مولوی وحید الزماں صاحب کے قلم سے گرامی نامہ صادر ہوا۔ ہر  
موقع پر فضل و کرم آپ ہی حاصل فرما لیتے ہیں۔ میں ۸ شعبان کو سفر طویل سے واپس ہوا۔ حضرت  
والدہ صاحبہ قبلہ نے معاملہ کی تفصیلات سنائیں۔ ارسال عریضہ کا قصد کر کے۔ ریسہ چلا کہ گرامی نامہ  
مل گیا۔ اس سلسلہ میں ان محترم نے جو سعی عملی فرمائی، مجھے تو ممنون ہونا ہی چاہیے تھا۔ والدہ  
صاحبہ قبلہ بہت زیادہ متاثر اور ممنون ہیں اور آپ کو۔ رباً دعا میں دیتی ہیں۔ نتیجہ حق تعالیٰ کے ہاتھ  
ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو عافیت کے ساتھ قائم رکھے۔

المجلیہ میں جوہ و داد شائع ہوئی ہیں وہ میں نے پڑھ لی ہیں۔ مجموعی رد و داد سے وہ جنرل کی  
حیثیت رکھتی ہیں۔ لکھنے والے نے پوری نہیں لکھیں۔ تاہم مجمل اشارہ کا اشارہ ذہن میں نہیں  
آیا امید ہے کہ مراج گرامی بعافیت ہوگا۔ وہاں مولوی محی صاحب اور دوسرے عزیز زریں سے ملاقات  
ہوئی۔ مفتی صاحب تو اکثر حصہ سفر میں ساتھ ہی رہے۔ سب حضرات بعافیت ہیں۔ مولوی وحید الزماں  
صاحب سے بہت بہت سلام مسنون۔ صاحبزادوں اور پرسان حال حضرات کی خدمات میں سلام نیاز  
والسلام

محمد طیب (صاحب ہتم دارالعلوم)۔ دروبند

۱۳۷۵ھ ۱۳۷۵ھ

### حضرت المحترم زید محمد کم

سلام مسنون نیاز مقدون۔ الحمد للہ بعافیت رہ کر غیریت سے مطلع خواہ ہوں۔ امید  
ہے کہ صحت اچھی ہوگی۔ والدہ صاحبہ، قبلہ کو سلام مسنون فرماتی ہیں کہ اب معاملہ کس حد پر ہے  
اسے ذرا ابھارتے رہیں جو آگے بڑھتا رہے۔ زبانی جو کچھ فرمایا تھا وہ میں نے ان سے ذکر کر دیا تھا۔  
اب رہے کہ اسے آگے بڑھانے کے لئے امداد فراہم کی گئی۔ میں نے انٹرنیشنل ہسپتال کی درخواست  
سہارن پور بھیجوائی ہے۔ وہاں کی رپورٹ کے ساتھ ریزس پیسجے کی۔ یہ چاہتا ہوں کہ رپورٹ اچھی بھی  
ہو جائے اور جلد بھی ہو جائے۔ پہلے بھی جناب نے ہی اس مسئلے کو آگے بڑھایا تھا۔ اب بھی درخواست  
ہے۔ ادھر سے اشارہ ہو جائے گا تو رپورٹ جلد اسے بھیج دیں گے۔ والد پھر وہاں مرکز میں بھی جناب

ہی اسے جلد کرایا گئے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ دعا کا خواہاں ہوں۔ والسلام  
(قاری) محمد طیب (مہتمم دارالعلوم دیوبند)

۳۰ ستمبر ۱۳۵۶ھ

حضرت المحترم زید مجدکم

سلام مسنون نیاز مقرر۔ گرامی نامہ نے مشرف فرمایا۔ حسب ارشاد میں انشاء اللہ تعالیٰ  
جمعہ کی شب میں دیوبند سے گیارہ بجے کی مسیجر سے سہارن پور روانہ ہوں گا اور وہاں سے فرنیس میل  
لے لوں گا۔ جناب اس میں دو سیٹیں ریزرو کرادیں۔ میرے ساتھ لڑکوں میں سے ایک ہوگا۔ فرنیس میل  
سہارن پور ڈیڑھ بجے پہنچتا ہے۔ لیٹ جاتا تقریباً ۱۲ بجے، اس سے یہی خیال ہوتا ہے کہ پہلے  
سہارن پور سے مظفر نگر کے لئے سوار ہوں۔ وہاں ۱۲ بجے پہنچتا ہے تو رات کا حصہ زیادہ مل جائے گا  
آرام کے لئے۔ اس کے لئے البتہ ضرورت اس کی ہوگی کہ میں تراویح سے فارغ ہو کر بذریعہ کار مظفر نگر  
پہنچوں اور وہاں سے میل لوں۔ کیونکہ اس وقت ریل کوئی نہیں مل سکتی۔ اگر یہ رائے مفید ہو تو ریزرو  
مظفر نگر سے کرا دیا جائے اور بندہ کو مطلع فرمادیا جائے۔ اس صورت میں رات کا کچھ حصہ آرام کے لئے  
پہنچ سکے۔ سہارن پور سے دد ڈھائی بجے تک بھاگ دوڑ میں ہی گزرے گی۔ اس میں دست چند روپے  
زائد صرف ہوتے ہیں۔ آرام مل جاتا ہے۔ جو صورت پسند ہو اس کے مطابق ریزرویشن کرا کر اطلاع فرما  
دی جائے۔ میں حسب ارشاد مولوی سعید الرحمن صاحب کو خط یا تار سے اطلاع دے دوں گا۔

والسلام (قاری) محمد طیب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ

۳۰ ستمبر ۱۳۵۶ھ

حضرت المحدث المحترم زید مجدکم

سلام مسنون نیاز مقرر۔ دالالتا نامہ باعث سہرازی ہوا۔ یوم جمعۃ الوداع کے اجتماع کے  
بارے میں خلیجان مجھے بھی تھادہ ہو بھی سکے گا یا نہیں۔ اول تو رمضان گرمی شدید اور اگلے دن عید  
کا احتمال بلکہ ظن غالب۔ لوگ عید کے انتظام میں حسب حیثیت مصروف۔ اس لئے مولوی سعید الرحمن



صاحب کی یہ رائے مناسب ہی ہوئی۔ تاہم میں تو غم کے بیٹھا تھا۔ واپس چڑھ کر آج ہی مولوی سید الرحمن  
 سید کو مفصل خط لکھا جس میں اولاً اس عمل صالح کی نوعیت ان پر ظاہر مہنت ہے۔ خداوند تعالیٰ ان  
 کی بہت درجات اور استقلال میں برکت عطا فرماتے۔ یہاں بحمد اللہ ہمہ وجوہ خیریت ہے۔ آپ کے لئے  
 دل سے دعا۔ جناب اماں بی صاحبہ کو تو آپ نے اپنا مستقل دعا گو بنا لیا ہے۔ وہ ذرا یہی عجیب کہ یہاں  
 تعلق ناول سے اور اول کے خاندان سے قدیم سے تھا۔ میں خود لدھیانہ میں اماں صاحبہ مقیم رہیں  
 جب نہ پھر بھی مرحوم کی آنکھ مر گئی تھی۔ اس وقت ان کے گھرانے کی محبت ہے اندازہ  
 نہ تھی۔ دیر میں یہ کیفیت حوادث روزگار سے کچھ مادی پڑ گئی تھی۔ اب مولانا حبیب الرحمن نے  
 اس نفس کو عمر آزارہ کر دیا ہے۔ اس لئے میرا قلبی رابطہ پیچھے سے زیادہ ہو گیا ہے۔ یہ سب باتیں  
 یہاں سب خیریت ہے۔ اغلباً اور شمالیوں پر بھنبہ کر دینی میں دلالت خانہ پر غاضبی دور کا انشاء اللہ  
 صاحب دلت کی خدمت میں سلام مستحضر۔ والسلام

(تذری، محمد طیب (مہتمم دارالعلوم دیوبند)

۲۰ ستمبر ۱۳۵۷ھ

### مکرمی سلام مسنون

یہاں ہم لوگ ایسی جگہ پر آ گئے ہیں کہ جہاں پر ٹراک خانہ وغیرہ کا پتہ نہیں ہے۔ پر ڈگرام تو  
 ہر فرد کا ہی ہوتا ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ آپ تک پہنچنا مشکل ہے۔ صرف اسی ایک خط کو پہنچانے کے  
 لئے۔ اس سائیکل سے آدمی بھیجا پڑا ہے۔ ہاں کبھی کبھی کا پر ڈگرام بھیج دیا کریں گے۔ آپ مطلق رہیں اور  
 کسی قسم کا فکر نہ کریں۔ دیگر دہلی آنے پر جو پر ڈگرام یہاں پر ہوتا ہے وہ ہمارے ذہنوں میں ہو گا ہی اسے  
 آپ کی خدمت میں آسائیں گے۔ آپ دعا خیر کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہاں پر کامیابی نصیب فرمائیں۔  
 یہاں۔ باقی خیریت ہے۔ جواب سے مطلع فرمائیں۔

آپ کے خیر اندیش۔ فضل الرحمن حسن پوری۔ عبدالعزیز جنک پوری  
 ہمارا پتہ۔ مولانا فضل الرحمن صاحب حسن پوری۔ دفتر کانگریس۔ چھٹی پور۔ گوردھار پور

کہہ دینی ہلاک۔ دارالشفار کا ہنر۔

مخدوم مکرم بندہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والا نامہ صا در ہو کر کاشف حالات ہوا۔ مجھے جناب کی عنایات بندہ گانہ کے پیش نظر سی امید ہے کہ جناب میری طرف سے تغافل نہ فرمائیں گے اور برابر سی فرمائے رہیں گے۔ ۱۸ مارچ کو شری سیمور نانند جی دہلی پہنچ رہے ہیں اور وہاں سے ۱۹ مارچ کو کسی وقت میرٹھ تشریف لے جائیں۔ مودبانہ درخواست ہے کہ اگر ملاقات ممکن ہو سکے تو زبان در نہ پھر فون پر نہ صرف یاد دہانی کر دیجئے بلکہ زور دیجئے کہ اب اس کام کو جلد از جلد انجام دیا جائے۔ مزید بیان اگر سہولت جی اور شاستری جی اور سہولت جی سے کہلا دیا جائے تو سہولت پر سہاگہ ہو گا۔ زیادہ کیا عرض کر دلی۔ جناب خود ہی جو بہتر خیال فرمائیں، وہ کریں۔ یہ اچھا موقع ہے اس سے فائدہ اٹھا کر ان پر پورا زور ڈالنا بہت ضروری ہے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیریت ہوں گے۔ برادران عزیز کو سلام مسنون۔

آپ کا (خان) محمود علی موجودہ دنبر اوقات اور آجے برق (یو۔ پی) ۶ مارچ ۱۹۵۶ء

## ہندوستان کے مسلم مجاہدین

بنا کر دند خوش رہے بخاک خون غلیبدین خدارحمہت کن دایں عاشقین پاک طینت را  
گذشتہ نصف صدی میں علماء و سواد جملہ آخر الزماں نے ان الزاموں کے ذریعے کیسے کیسے  
منہ۔ و شہداء مصلحین امت و متبعین کتاب سنت و داعیان دین الخالص نہیں کئے ہیں۔ اور اس دنیا کی  
گوں کی شہادت ہے جو ان نہیں لائی گئی ہے؟ اب تو یہ فتنہ کچھ کچھ دب چلا ہے۔ لیکن گزشتہ ساٹھ ستر برس  
کے اندر نہ صرف ہندوستان بلکہ اکثر بلاد اسلام میں جو حالت رہ چکی ہے افسوس کہ تاریخ کا قلم اب تک  
اس سے استثناء نہ ہوا۔ ورنہ شاید پچھلے عہد فتنہ و مظالم کی کتنی ہی سرگزشتیں اس کے سامنے بیچ نظر آتیں۔  
اس فتنہ نے حق کی پامالی اور صلح و امت کے قتل و غارت کے سارے ہتھیار اکٹھے کر دیئے تھے۔ جہاں کسی کو  
کتاب و سنت کا داعی اور بدعات و منکرات سے کنارہ کش دیکھا جھٹ کہہ دیا کہ مہتمم۔ پھر پھر اس الزام کے

گویا اس بد نصیب کا خون مسلمانوں پر حلال ہو گیا۔ یہودی و نصاریٰ اور مشرکین کو مسلمانوں کی بستیوں میں  
 امن مل سکتا ہے۔ لیکن اس بد بخت کے لئے رکھیں پناہ نہیں۔ گھر سے بے گھر ان کو ہونا پڑا۔ مردود و مٹھوین  
 خلاق وہ بنے۔ خدائی عبادت گاہوں کے دروازے ان پر بند کئے گئے۔ کفر کے فتوؤں کا بے خطا ہتھیار  
 ان کے لئے حرکت میں آیا۔ حکومت و قوت کو ان کے خلاف بھڑکایا گیا۔ کفار نے نہیں خود مسلمانوں نے  
 ان کے خلاف سازشیں کیں۔ بغاوت کا الزام لگا کر کسی کی جان پھانسی کے تختے پر مل گئی اور کسی کو ریت و لہر کے  
 لئے کالے پانی بھجوا کر مسلمانوں نے حش کئے۔ حتیٰ کہ جن مظلوموں نے جوار بست الشربست ارسوں کو یمن  
 د حسلہ کائنات امن سمجھ کر کفر زار ہند سے ہجرت کی۔ ان کو وہاں بھی پناہ نہ ملی۔ کیوتروں کے  
 غول مسجد حرام میں بے غم اڑتے ہیں اور جانبدان صحرائی کو اس دارالامن نے شکاریوں کی صید  
 انگلیوں سے محفوظ کر دیا ہے۔ مگر افسوس کہ عشاق کتاب و سنت کے لئے وہاں بھی امن نہ بھٹا۔ وہی  
 خود ساختہ مذہبی الزام ان پر لٹایا گیا۔ عین جوار حرم میں کسی جہا جہا الی اللہ کے تازیانے لگانے لگے  
 کسی کو قید کیا گیا، کسی کا تمام مال و متاع مسلمانوں کے لئے مباح کر دیا گیا۔ جن لوگوں نے کفر و ظلم کی  
 آبادیوں سے نکل کر اللہ کے گھر میں پناہ لی تھی۔ ان کو وہاں سے بھی نکالا گیا :

ردین خانہ چشم تو مردماں ہستند

کہ در میان حرم می زنند قافلہ را

اور سب کچھ اس لئے ہوا کہ قرآن کے چاکر اور رسول و سنت رسول کے شیفتہ میں ساندان کا  
 نصب العین ہندوستان کی کامل آزادی ہے۔ (ابن الکلام آزادؒ)

۱۸۵۷ء و دجا جملہ آخر الزماں سے مولانا کی مراد ۱۸۵۷ء میں انگریز کے حق میں فتویٰ دینے والے علماء  
 سے ہے جس میں سرسید بھی آتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء سے ۱۸۵۹ء تک مجاہدین وطن کے  
 قافلہ میں مولانا شاہ عبدالقادر سے لے کر شیخ الہند تک اور شیخ الہند سے لے کر رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن  
 تک سب ہی مجاہدین آزادی ہند کا مولانا آزاد نے اپنے منفرد ادبی و رعبادی رنگ میں "تذکرہ" کے صفحہ  
 ۲۷۲ اور ۲۷۳ پر ایمان و ایمان کو زبغہ کہنے والی زندگی کا تذکرہ کیا ہے۔ (ابن الکلام آزادؒ - تذکرہ)  
 ۱۸۵۷ء مولانا فضل الحق حیدر آبادی کا لے پانی کے جریہ سے ۱۸۵۷ء حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور ان کے  
 میرا سہ - ہوا۔ ساتھ ہی جو مالٹا میں نظر بند ہیں۔



# تسلیم جاں ہے زندگی

جلیس آدم سے پہلے کائنات عالم کی ترتیب و تنظیم میں کیفیت و کمیت دونوں قسم کے احساسات کائنات کے ہر حصے میں پائے جاتے تھے "انسان کا وجود اور وہ بھی، شرف المخلوقات کے اعزاز کے ساتھ" اس دنیا میں بھی آیا۔ جس نے دنیا میں آکر کائنات عالم کی رنگیوں میں دلکش و دل پسند اور مسرت و اطمینان سے بھرپور زندگی کا اعجاز کیا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ آدم اول سے لے کر اب تک زندگی کے مفہوم و مقاصد کو کھو بیٹھے، کوئی پیدا ہوتا ہے خوشی و مسرت کے احساسات جاگ اٹھتے ہیں اور کوئی مرنے سے تو غم و الم کی دردناک داستانیں مسلسل دلی طعینیں اور کسک بن جاتی ہیں انسان نے سب کچھ سمجھ لیا ہے لیکن مہذبہ سے لحد تک کے حالات پر انسان کو ابھی تک عبور حاصل نہیں ہوا۔ قرآن میں ایک بات کہہ کر معاملہ صاف کر دیا گیا ہے "ہم اللہ ہی کی طرف سے آئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ رہے ہیں" دنیا کے دانش مندوں نے زندگی کا سراغ لگانے کے لئے لامحدود خامہ رسانی کی ہے۔

اتر کر جہانِ مکافات میں  
رہی زندگی موت کی گھات میں  
گل اس شاخ سے ٹوٹے بھی رہے  
اسی شاخ سے پھوٹتے بھی رہے  
سمجھتے ہیں ناداں اسے بے ثبات  
بھرتا ہے مٹ مٹ کے نقشِ حیات

میں الامام احمد رضا حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے آپ جو خطوط "تقریرات" کے پڑھیں گے تو قاری کو اپنے احساس پر قابو رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ زندگی ناختم ہونے والا ایک سلسلہ ہے جہاں ہم سلسلہ بصارت کو ختم دیکھتے ہیں وہیں موت کا حکم لگا دیتے ہیں۔ حالانکہ بصارت کے بندہ ہوتے ہی نور بصیرت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور حقیقت میں زندگی ایک مسلسل عمل کا نام ہے اور یہ ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے اس لئے نور روحانی آدمی نور بصیرت لے کر اس دنیا سے گئے ہیں انہیں مرنا ہونا نہ سمجھو، وہ زندہ جاوید ہیں

برتر از اندیشہ سود و زیاں ہے زندگی ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

عزیز الرحمن جامی لدھیانوی ٹیم دہلی ۲۱ نومبر ۱۹۷۵ء

سلاہ اقبال نے ان کو ظل سبحانی سے تعبیر کیا ہے ۳۷۴ ۳۷۵ اس مقام سے آکر بنا ہے ظل سبحانی

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی

# خطوط کے آئینہ میں

تغزیتی خطوط



دیدہ بیدار دورانہ شری

مرتبہ عزیز الرحمن جامعہ لدھیانوی ثم دھلوی مہ

بمسلسلہ جنگ آزادی کے مسلم مجاہدین — باب چہارم

نمبر شمار خط	نام صاحب خط کا	تاریخ خطوط
۱	حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب ریلے پوری	۳ ستمبر ۱۹۵۶ء
۲	سابق صدر جمہوریہ مہدداکٹر راجندر پرشاد	" " "
۳	وزیر صحت حکومت ہند امرت کور	" " "
۴	امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری	" " "
۵	مقیم الدین قاروقی سکریٹری کمیونسٹ پارٹی	" " "
۶	کمیونسٹ پارٹی کی دہلی صوبائی کمیٹی کی قرارداد	" " "
۷	ساج انصاری لدھیانوی دفتر مجلس احرار اسلام ہند (پاکستان)	" " "
۸	ہر جگوان مودگل	" " "
۹	سمیع الدین رحمانی اسی کالج ہاپوڈ (میرٹھ)	" " "
۱۰	سردار لال کپور۔ جگراؤں روڈ (لدھیانہ)	" " "
۱۱	محمد صاحب کراچی	" " "
۱۲	محمد علی جالندھری مجلس تحفظ ختم نبوت۔ ملتان۔ (پاکستان)	" " "
۱۳	محمد اسد اللہ ناظم مظاہر علوم سہارن پور	" " "
۱۴	محمد علی خاں سہارن پور	" " "
۱۵	محمد منظور نعمانی۔ لکھنؤ	" " "
۱۶	بسیل الرحمن۔ ۲۷۷۔ برٹو روڈ۔ کراچی	" " "
۱۷	مولانا محمد انوری۔ لائل پور	" " "
۱۸	ابوالحسن علی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ بریلی	" " "
۱۹	والدہ انیسر شاہ کاشمیری اہلیہ حضرت علی سید انور شاہ کاشمیری	" " "
۲۰	انقلر شاہ کاشمیری۔ دیوبند	" " "
۲۱	مجید لاہوری۔ کراچی	" " "



نمبر شمارہ خط	نام صاحب خط کا	تاریخ خطوط
۲۲-	سید ازہر شاہ قیصر۔ دیوبند	۳ ستمبر ۱۹۵۶ء
۲۳-	عبدالقدیم نکووری	" " "
۲۴-	مولوی محمد یوسف لدھیانوی۔ راد پینڈی	" " "
۲۵-	غلام علی ایچ۔ مال روڈ۔ لاہور	" " "
۲۶-	محمد اسحاق۔ نایاب بٹری فیکٹری۔ لال باغ۔ مراد آباد	" " "
۲۷-	عبدالقدیم نکووری	" " "
۲۸-	امیر قریشی سہارن پور	" " "
۲۹-	سید محمد ایلاس۔ کشتولی۔ شیر نگر۔ میرٹھ	" " "
۳۰-	مفتی دعلی۔ کینڈاش پور۔ ضلع سہارن پور	" " "
۳۱-	محمد حسین کوچ۔ ٹنڈ شرنیہ۔ امرہ۔ ایڈ راج پور۔ مراد آباد	" " "
۳۲-	اے۔ کے شرمہ لدھیانہ	" " "
۳۳-	قاری انور علی مدرس مدرسہ دارالعلوم دیوبند۔ ضلع سہارن پور	" " "
۳۴-	سید حسن رضوی لاہوری۔ دیوبند	" " "
۳۵-	عبدالرحمن لدھیانوی۔ فروٹ کمیشن، بحش میوہ منڈی۔ لاکھی پور	" " "
۳۶-	محمد عظیم ملیسی	" " "
۳۷-	مشتاق احمد عرف پوستی۔ لاکھی پور	" " "
۳۸-	دعوی احمد۔ اسیٹیل چار باغ۔ لکھنؤ	" " "
۳۹-	عبدالعلی رحیم پور۔ بہکشتن۔ کھاتولی۔ یو۔ پی	" " "
۴۰-	غلام محمد۔ لدستری نور محمد اٹمن مشین ہونڈی میکینہ۔ لدھیانہ۔ سلائی پور	" " "
۴۱-	یتاڑا شرن علی ۹۲۸ اے۔ عی پور۔ الہ آباد۔ یو۔ پی	" " "
۴۲-	بی۔ ڈی منوجہ۔ سیکر۔ راجستھان	" " "

نمبر شمار خط	نام صاحب خط	تاریخ خطوط
۳۳ -	چمن لال آزاد - نائب ایڈیٹر - روزنامہ پرتاپ - نئی دہلی	۳ ستمبر ۱۹۵۶ء
۳۴ -	محمد حفیظ الدین انجمن ترقی اردو ہند - علی گڑھ	۴ ستمبر ۱۹۵۶ء
۳۵ -	محمد احمد لدھیانوی - گوبرانوالا	" " "
۳۶ -	غضنہ حسین صدیقی - لاہور مشیر سسٹم ہکی	" " "
۳۷ -	فتح محمد انوی ایڈوکیٹ - ۵ ٹیمپل روڈ لاہور مشیر سسٹم ہکی	" " "
۳۸ -	ڈاکٹر فیاض الدین ہومیوپیتھک لدھیانہ بلاک نمبر ۲۳ الف گڑھا	" " "
۳۹ -	عبدالحمید لدھیانوی - مالک سوٹا ہاؤس حسن ابدال ضلع کیمبل پور	" " "
۵۰ -	محمد حسین صدر مدرس مدرسہ رفیق العلماء محلہ قاضیان رحیم یار خاں	" " "
۵۱ -	خواجہ محمد یوسف ۹ برڈ روڈ لاہور	" " "
۵۲ -	مختار علی - راولپنڈی	" " "
۵۳ -	عمران محلہ کرمی ٹولہ - جنرل اسٹور - چوک اعظم گڑھ	" " "
۵۴ -	دوست محمد جٹرا نوالہ - ضلع سرگودھا	" " "
۵۵ -	فخر الحسن مدرس دارالعلوم دیوبند	" " "
۵۶ -	زہرہ شیخ طارق آباد - گلی نمبر ۷	" " "
۵۷ -	حکیم غلام نبی - غوثیہ دھانہ منٹگری - پاکستان	" " "
۵۸ -	عبدالسلام - ناظم دارالعلوم گوجران والا	" " "
۵۹ -	عبدالرحمن لدھیانوی - عثمانیہ کالج - شیخوپورہ	" " "
۶۰ -	دود علی - کیلاش پور - ضلع سہارن پور	" " "
۶۱ -	یسین خاں - ۱۳ انارکلی - لاہور	" " "
۶۲ -	شریف بٹ لدھیانوی معرفت برکت علی رنڈ برادرین ٹیلی اینڈ آؤٹ ٹرس	" " "
۶۳ -	حافظ اکرام اللہ سہارن پور	" " "

۶۳۔ حافظ مولانا محمد یاسین مسجد باغ دال پاکستان مغربی گجرات دال

۶۵۔ نور الدین بیاری مرحوم سابق صدر کنگریس کمیٹی صوبہ دہلی

۶۶۔ مسلمانان دودھیشور روڈ از قلم شوکت حسین احمد آباد

۶۷۔ حافظ نذیر احمد چوک نیم دال لدھیانہ بازار چور گرن حالہ یاد گوہر نواز

۶۸۔ محی الدین احمد دارالعلوم دیوبند

۶۹۔ احمد علی دیوبند تھانہ سرگودھا تھانہ دیوبند

۷۰۔ سعید احمد کبر آبادی ایڈیٹر سرگودھا اردو بازار جامع مسجد دہلی

۷۱۔ سیار مجتبیٰ عظمت بازار مظفر پور بہار

۷۲۔ محمد نور احمد جمعیتہ علمائے ہند دہلی

۷۳۔ ڈاکٹر سراج الحق قریشی ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ ڈی بالائے قلعہ علی گڑھ

۷۴۔ سید رفیع الدین محمد ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ ڈی حوالہ محمد کالج نہ چپائی رام

۷۵۔ بشیر احمد قاسمی فیض آباد

۷۶۔ خواجہ محمد اطہر دنیا محمد خان ایم۔ اے۔ ایم۔ اے۔ ایڈمنسٹریٹو

۷۷۔ محمد بابر سیم فرسٹ مرچنٹس اینڈ کمیشن ایجنٹس میوہ منڈی امرت سر

۷۸۔ محمد مصطفیٰ آگرہ دال لاہور

۷۹۔ نکشمی دت کالیہ س ای۔ او گنور (سونی پت)

۸۰۔ محمد حمد محلہ کوری ٹولہ اعظم گڑھ

۸۱۔ ایم۔ ایم شفیق (H.F. 110) گلوان گیٹ فائر بریگیڈ امرت سر

۸۲۔ خورشید علی فاضل دارالعلوم دیوبند موضع شید تحصیل نوشہرہ پشاور

۸۳۔ میر محمد علی شاہ لدھیانوی چچا حکیم محمد الحسن صاحب لاہور

۸۴۔ امجدی بہار پور



نمبر شمار خط	نام صاحب خط کا	تاریخ خطوط
۸۵۔	سید احمد اکبر آبادی، ٹیڈیٹیر میان پند فیض شہید دینیات علی گڑھ	۵ ستمبر ۱۹۵۶ء
۸۶۔	خواجہ محمد طاہر مسرت لدھیانوی، حال بیٹن روڈ، ہمایوگرگی۔ لاہور (میں نے مسلم لکھی)	" " "
۸۷۔	<del>محمد علی محمد علی، ٹیڈیٹیر انقلاب لاہور</del> شہر نشین کاشمیری۔ لاہور	" " "
۸۸۔	محمد اکرم صدیقی سپاہ ضلع اعظم گڑھ	" " "
۸۹۔	فتح محمد سلطان پوری، مبارک پور۔ ملتان	۶ ستمبر ۱۹۵۶ء
۹۰۔	رتن لال غسیل، فیروز آباد۔ اگرہ	" " "
۹۱۔	محمد امین طیب سہارن پور	" " "
۹۲۔	سید ظہور احسن لدھیانوی۔ لاہور	" " "
۹۳۔	مبارک علی آزاد۔ لدھیانہ	" " "
۹۴۔	عبد المالک دیکل، داتا پور کینٹ	" " "
۹۵۔	منصور محمود ڈرامنگ ماسٹر۔ لاہور	" " "
۹۶۔	جلیل صاحب۔ لاہور۔ قلم چلیں ماہور، مل روڈ	" " "
۹۷۔	محمد احمد حانی، لدھیانوی، سر عربیہ چار شیدیہ غلہ منڈی منٹگری	۷ ستمبر ۱۹۵۶ء
۹۸۔	شیخ محمد علی، مینگو ہاؤس علی آباد، ضلع لکھنؤ	" " "
۹۹۔	حافظ سیف اللہ، نوشہرہ درکان	" " "
۱۰۰۔	مسعود حسن ایوبی، خلف مرحوم مولانا احمد حسن ایوبی، ضلع مظفرنگر	" " "
۱۰۱۔	مولوی نور محمد مہبان واسی، اندرون لوہاری گیٹ	" " "
۱۰۲۔	حاجی احمد حسین لاہور	۸ ستمبر ۱۹۵۶ء
۱۰۳۔	عبد الغنی زوی کرشن نگر لاہور	" " "
۱۰۴۔	بلجیر سنگھ کاربان، پریمانی، تملہ	۹ ستمبر ۱۹۵۶ء
۱۰۵۔	اندپتاپ ایم اے، خلف لالہ امر ناتھ تیر	" " "

نمبر شمار خط	نام صاحب خط کا	تاریخ خط
۱۰۷	عبد الحمید۔ سرسٹ ہاؤس کراچی	۱۰ ستمبر ۱۹۵۶ء
۱۰۸	شہری جمعیتہ علمائے میرٹھ	" "
۱۰۹	اندرجائیدہ عری۔ معرفت ڈائریکٹر ٹرسٹ سینٹر	۱۱ ستمبر ۱۹۵۶ء
۱۱۰	عبد الحمید۔ ضیاء	" "
۱۱۱	کے۔ ایم۔ اسماعیل۔ انجمن مدرس القرآن۔ سیلی ضلع دھاروار	۱۲ ستمبر ۱۹۵۶ء
۱۱۲	سکرٹری ادارہ شرقیہ۔ حیدرآباد۔ دکن	۱۳ ستمبر ۱۹۵۶ء
۱۱۳	محمد افضل علی۔ لاہور	۱۵ ستمبر ۱۹۵۶ء
۱۱۴	مفت محمد عظیم سید مرقا الحسن محلہ شامیہ۔ مکہ مکرمہ	۲۶ اکتوبر ۱۹۵۶ء
۱۱۵	سید مسعود شاہ۔ بہت ضلع سہارن پور	۱۰ ستمبر ۱۹۵۶ء
۱۱۶	نصیف لدھیانوی۔ لائل پور	" "
۱۱۷	ثروت رضوی امروہہ	" "
۱۱۸	عبد اللہ۔ دیوبند	" "
۱۱۹	مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث۔ سہارن پور	۴ ستمبر ۱۹۵۶ء
۱۲۰	حفیظ الرحمن رحمانی۔ دلا خانہ دھام پور	" "
۱۲۱	اشفاق احمد۔ مدرسہ دارالعلوم۔ دیوبند	" "
۱۲۲	مولانا محمد مبارک۔ نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند	" "
۱۲۳	قاسمی محمد احمد۔ رحیم یار خان محلہ قاضیان	" "
۱۲۴	حضرت قدس مولانا شاہ عبدالقادر برائے پوری	" "
۱۲۵	عبد الفتاح معرفت عبدالحق صاحب گوجرانوالا	" "
۱۲۶	محمد طاہر حسین۔ کھانولی	" "
۱۲۷	قرالدین لدھیانوی	" "

نمبر شمار خط	نام صاحب خط کا	نمبر شمار خط
۳ ستمبر ۱۹۵۶ء	عبد الغنی معرفت حاجی فضل الدین محمد اسماعیل - لاکھ پور	۱۲۷
" " "	ایم عبدالحمید - لاکھ پور	۱۲۸
" " "	محمد حسن لدھیانوی معرفت محمد امین - گجرات - پاکستان	۱۲۹
" " "	ساج محمد لدھیانوی - ملتان	۱۳۰
" " "	عبد الحفیظ سرگودھا	۱۳۱
" " "	محمد صدیق افندہ - ستلج نیوز - اوکاڑہ	۱۳۲
" " "	غلام محمد دیوبندی - گوجرانوالہ	۱۳۳
" " "		۱۳۴
" " "	منظور الہی - دارالشفاء - مکنوڑ	۱۳۵
" " "	پریچند کوشل - ماہری - انبالہ	۱۳۶
" " "	عبد الغنی - گوجرانوالہ	۱۳۷
" " "	حامد میاں	۱۳۸
" " "	سرور گل سنگھ - ٹنٹ - جوشیار پور	۱۳۹
" " "	حاجی محمد اکرم - گوجرانوالہ	۱۴۰
" " "	ظفر عالم - گوجرانوالہ	۱۴۱
" " "	عزیز الرحمن ناظم اعلیٰ مجلس تحفظ ختم نبوت - ڈیرہ - سر اعلیٰ خان	۱۴۲
" " "	حکیم عبدالرشید - بریلوی	۱۴۳
" " "	جمیل - گوجرانوالہ	۱۴۴
" " "	جمیل - گوجرانوالہ	۱۴۵
" " "	محمد صابر - کراچی	۱۴۶
" " "	محمد اسماعیل - مراد آباد	۱۴۷



۲۵۶

۱۵۸۔ ام چیتہ۔ مظفر گڑھ

۱۵۹۔

۱۵۹۔ ادم پرکاش۔ رام سی سنی۔ لدھیانہ

۱۶۰۔

۱۶۰۔ افتخار زیدی۔ مراد آباد

۱۶۱۔

۱۶۱۔ خلیل اللہ۔ گوجرانوالہ

۱۶۲۔

۱۶۲۔ غلام یاسین گوجرانوالہ

۱۶۳۔

۱۶۳۔ ظفر۔ گوجرانوالہ

۱۶۴۔

۱۶۴۔ محمد فضل الرحمن۔ سہارن پور

۱۶۵۔

۱۶۵۔ عبد الحمید۔ لاہور

۱۶۶۔

۱۶۶۔ شمس النساء۔ مراد آباد

۱۶۷۔

۱۶۷۔ غلام محمد۔ لاہور

۱۶۸۔

۱۶۸۔ مرزا یوسف بیگ۔ علی گڑھ

۱۶۹۔

۱۶۹۔ حاجی یعقوب علماں۔ سہارن پور

۱۷۰۔

۱۷۰۔ عبدالقادر رائے پوری۔ ملتان

۱۷۱۔

۱۷۱۔ محمد اعجاز حسین۔ امرتسر

۱۷۲۔

۱۷۲۔ کامریڈ غلام محمد دیوانہ۔ لدھیانہ

۱۷۳۔

۱۷۳۔ نعیم خان۔ سہارن پور

۱۷۴۔

۱۷۴۔ نور محمد علی لدھیانوی

۱۷۵۔

۱۷۵۔ بشیر احمد کرت پور۔ میمن پور

۱۷۶۔

۱۷۶۔ شیخ اقبال علی ایڈوکیٹ۔ لکھنؤ



# یاسر عرفات العربی الحجازی ثم الہندی

۱۳ نومبر ۱۹۷۳ء - امریکہ - دن کے ۱۰ بجے

نیویارک میں یونائیٹڈ نیشنز کے وسیع ہال میں ایک سو چوالیس سلطنتوں کے نمائندے پورے جوش و خروش کے ساتھ یاسر عرفات کا خوشی و مسرت، شادمانی اور مبارک باد کے ساتھ استقبال کر رہے تھے۔ یاسر عرفات جب اپنے حجازی وقار کے ساتھ ہال میں داخل ہوئے تو ہر طرف سے مبارک باد کے نغمے گونج اٹھے۔ "جاسر سیلیوں کو شکست اور حجازیوں کو فتح نصیب ہوئی۔"

دہلی - ۱۳ نومبر شب کے دس بج کر ۲۰ منٹ پر عین اسی وقت لیڈی ہارڈنگ اسپتال میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے خاندان میں ہاجرہ بانو کے بطن سے محمد سلیمان کے ہاں ۱۳۹۳ھ میں کتم عدم سے یاسر عرفات عالم وجود میں آچکا تھا۔

ڈاکٹر اقبال نے مقام سردی سے ہندوستان میں بدیع کمال کی مدد سنی اور امریکہ میں آفتاب عالم کی سنہری کرنوں پر دونوں یاسر عرفات کے لئے یہ نعمۃ الہی چھپیٹ دیا۔ اقبال کی دعا یونائیٹڈ نیشنز کے ہال میں بھی گونج رہی تھی اور لیڈی ہارڈنگ کے کمرے میں بھی دلکش و دل چسپ و دل پسند سردی سردی میں دعائے الہی کی آواز دلوں کو گرا رہی تھی۔

## ”یاسر عرفات العربی الحجازی کے لئے دعا“

یونائیٹڈ نیشنز کے ہال اور لیڈی ہارڈنگ کی چار دیواری میں

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے	جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دنیہم ان کی ٹھوکر سے محسوس دریا	سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رانی
دعائے عالم سے کرتی ہے بیگناہ دل کو	عجب چمک رہے لذتِ آشتائی

نقشہ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی سب مری

یا سر عرفات العربی والحجازی



کیا تو نے صحرائشینوں کو ملتا

نظر میں، خبر میں، اذانِ سحر میں

دونوں یا سر عرفات کے لئے یک تنظیم فلسطین کا سر بردہ ہے دوسرا صرف  
ایک سال دو مہینے کا ہے۔ ایک ہندوستان میں ہے اور ایک قاہرہ میں





بلال احمد دقتر کے کاموں میں مصروف

## پیغامِ حیات

جگر سے وہی تیر پھر پار کر      تمنا کو سینے میں بیدار کر  
 ترے آسمانوں کے تارونگی خیر      زمینوں کے شب زندہ دارونگی خیر  
 جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے      مرا علم میری نظر بخش دے  
 مری ناؤ گر داب سے پار کر  
 یہ ثابت ہے تو اس کو سیار کر



# مولانا عزیز الرحمن جامی لدھیانوی

## تعلیم و ترقی کا ایک فرد

(۱) ایڈیٹر تعلیم و ترقی جامعہ فردی ۱۹۵۲ء

میں لدھیانہ (پنجاب) کے ایک ایسے خاندان میں (۱۹۱۴ء میں) پیدا ہوا جسے حکومت پنجاب کی نہرست میں "۱۸۵۰ء کا باغی خاندان" کا لقب دیا گیا تھا۔ میں چب پانچ سال کا تھا اس وقت خلافت کی تحریک بڑے زور پر تھی۔ والد صاحب (مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی) جیل جا چکے تھے اور ہمارے گھر کا مال و سبب ہٹ کر پر لاکر نیلام کیا جا رہا تھا۔ یہ تھا وہ ماحول جس کی گونج میں نے آنکھ کھولی۔

خلافت کا درد گزر گیا اور والد صاحب جیل سے باہر تشریف لائے تو میری تعلیم کی فکر ہوئی اور انھوں نے میرے لئے ریسرچ کامیڈ سہ (دارالطبی) منتخب کیا۔ دو ہند میں ایک ہی سال رہنا پڑا تھا کہ مکہ شریف میں میری تعلیم کا انتظام ہو گیا اور مجھے وہاں بھی دیا گیا۔ گروہاں بھی دو ہی سال رہنے کا موقع ملا۔ دو سال کے بعد جب میں وطن واپس آیا تو یہاں پھر سیاسی جدوجہد شروع ہو گئی تھی اور تھوڑے ہی عرصے کے بعد والد صاحب پھر جیل چلے گئے۔ جیل میں اتفاق سے والد صاحب اور ڈاکٹر انصاری مرحوم ایک ہی جگہ رہتے تھے وہیں ڈاکٹر صاحب نے والد صاحب کو شوق دیا کہ وہ مجھے جامعہ ملیہ میں بھیج دیں چنانچہ میں ۱۹۳۹ء میں جامعہ میں داخل ہوا۔

جامعہ میں میں نے ۱۹۳۵ء تک تعلیم حاصل کی مگر اس زمانے کی سیاسی جدوجہد نے مجھے جامعہ سے نکال کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور اس وقت سے ۱۹۴۰ء تک میں نے مختلف تحریکوں میں کام کیا کئی بار جیل گیا، کبھی مزدوروں میں کام کیا تو کبھی انتخابی جنگ میں، یہاں تک کہ ہندوستان کی آزادی کی منزل سامنے آگئی اور ملک کی تقسیم کے سلسلے میں میرے عزیز رشتے دار تو پاکستان چلے گئے مگر والد صاحب اور ان کا پورا خاندان اپنا آب و وطن چھوڑ کر رہی چلا آیا۔ دہلی میں ۱۹۴۰ء میں بالعموم کی تعلیم کے سلسلے میں تعلیمی مرکزوں کی تحریک جاری تھی، میں نے اس تحریک کا ملکہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اب جب کہ ملک کی سیاسی جنگ ختم ہو چکی ہے، ضرورت ہے کہ اس کی تعمیر نو کا پروگرام شروع کیا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے میں جامعہ کے شعبہ "تعلیم بالغان" ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ کے حلقے میں



شامل ہو گیا اور اس کے ایک تعلیمی مرکز کے وارڈن کی حیثیت سے کام شروع کیا۔

تعلیمی مرکزوں کے راستے میں جو چیز سب سے بڑی رکاوٹ بنتی ہے وہ بستی کے پرانے سماجی ادارے اور وہ رویات ہیں جن کی وجہ سے ادارے حائل ہوتے ہیں۔ پہلے پہل تو وہ تعلیمی مرکز کو اچھے کی نظر سے دیکھتے ہیں اور کچھ کچھ کھوئے کھوئے سے رہتے ہیں مگر آہستہ آہستہ جب انھیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس مرکز کی بدولت پس مندرجہ طبقے کو ابھرنے کا موقع مل رہا ہے اور سماجی زندگی کا پرانا ڈھانچا کمزور ہو رہا ہے تو وہ خائف ہونے لگتے ہیں۔ اور اس خوف کا نتیجہ مرکز کے خلاف طرح طرح کی سازشوں میں نکلتا ہے۔ اس ذیل میں مجھے جن باتوں کا احساس ہوا انھیں مختصراً اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے :

(۱) امیر طبقہ پس ماندہ طبقے کی ترقی اور بیداری سے چلنے لگتا ہے۔

(۲) اونچی نسلوں اور خاندانوں کے لوگ پس ماندہ طبقے پر ہر قیمت پر اپنی فوقیت قائم رکھنا چاہتے ہیں۔

(۳) سیاسی مزاج کے لوگ مرکز کو پروے ہی پروے میں اپنی سیاسی اغراض کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔

اور جب اس مہم میں ان کو ناکامی ہوتی ہے تو مرکز کے خلاف اپنے سیاسی ڈھنگ پر پروہیگنا شروع کر دیتے ہیں۔

میں نے اپنے چار سال کے تجربے میں نہ صرف ان مشکلات کو سمجھا ہے بلکہ ان کا مقابلہ کر کے مرکز کو چلایا

ہے۔ یہ تو ضرور دہرایا ہے کہ بستی کے کچھ لوگ مرکز اور ان کے کارکنوں سے ناراض ہو گئے ہیں۔ مگر یہ حیثیت محمودی بستی

کی عام جتنا مرکز کی تحریک کی بدولت گھل مل کر ایک جان ہو گئی ہے اور میر کارائے میں کسی مرکز کی سب سے بڑی

کامیابی یہ ہے کہ بستی کے خصوصاً پس ماندہ طبقوں کے لوگ گھل مل کر ایک جگہ جمع ہونے لگیں اور اپنی مشکلات

اور مسائل پر خود قابو حاصل کرنے کے عادی ہو جائیں۔ میں نے مرکز میں کام شروع کرنے کے بعد حالات کا جائزہ

لیا اور اس کی روشنی میں اپنے لئے کام کا جو خاکہ ترتیب دیا اس کا ذکر اپنی سالانہ رپورٹ میں ان الفاظ میں کیا تھا۔

”بستی کے مرکز کو لوگ عام طور پر مدد سمجھتے تھے اور اس غلط فہمی کی وجہ سے کام میں بڑی رکاوٹ پڑتی

تھی۔ میں نے اپنے لئے پہلا کام یہ تجویز کیا کہ بستی کے باشندوں کے دل و دماغ سے یہ غلط فہمی دور کر دینی چاہیے اور

ان کے ذہنوں میں یہ بات بٹھادی جانی چاہئے کہ ”تعلیمی مرکز“ کوئی مدرسہ نہیں ہے بلکہ یہ بانوں کی تعلیم بچوں کی غیر نصابی

تربیت والدین کی تربیت وغیرہ کام مرکز ہے جس کے ذریعے ایک اچھے سماج کی تشکیل و تعمیر مقصود ہے“

حضرت مرشدی و مولائی شاہ عبدالقادر نور اللہ مرشدہ

کا خط

۳۰ ستمبر ۱۹۵۶ء

وزیر اعلیٰ عبدالقادر ابراہیم علیکم درجۃ اللہ و برکاتہ

برخورداری عزیٰ الرحمن۔ السلام۔

برخورداری عزیٰ الرحمن۔ السلام۔

برخورداری عزیٰ الرحمن۔ السلام۔

برخورداری عزیٰ الرحمن۔ السلام۔

برخورداری عزیٰ الرحمن۔ السلام۔

برخورداری عزیٰ الرحمن۔ السلام۔

برخورداری عزیٰ الرحمن۔ السلام۔

برخورداری عزیٰ الرحمن۔ السلام۔

برخورداری عزیٰ الرحمن۔ السلام۔

برخورداری عزیٰ الرحمن۔ السلام۔

برخورداری عزیٰ الرحمن۔ السلام۔

برخورداری عزیٰ الرحمن۔ السلام۔

برخورداری عزیٰ الرحمن۔ السلام۔

برخورداری عزیٰ الرحمن۔ السلام۔

برخورداری عزیٰ الرحمن۔ السلام۔

برخورداری عزیٰ الرحمن۔ السلام۔

برخورداری عزیٰ الرحمن۔ السلام۔

برخورداری عزیٰ الرحمن۔ السلام۔

برخورداری عزیٰ الرحمن۔ السلام۔

برخورداری عزیٰ الرحمن۔ السلام۔

برخورداری عزیٰ الرحمن۔ السلام۔

برخورداری عزیٰ الرحمن۔ السلام۔

دستِ شری بخونِ نبویؐ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیزم سید الرحمن لدھیانوی۔ یہ معلوم کر کے مجھے افسوس ہوا کہ آپ کے والد ماجد مولانا حبیب الرحمن صاحب اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے ہیں۔ ایک مدت سے میں انھیں جانتا تھا۔ اس دوران میں نے یہ محسوس کیا کہ انھوں نے بے غرضی اور خلوص کے ساتھ قومی آزادی کی جدوجہد میں حصہ دیا۔ ان کی جدی سے ترجمہ یہ آپ کو بھی ہے۔ اس میں میں پوری طرح متریک ہوں اور امید کرتا ہوں کہ خدا آپ کو اس صدمے کو برداشت کرنے کی توفیق دے گا۔ خیر اندیشی راجندر پرشاد۔ صدر جمہوریہ ہند عزیزم مولوی سید الرحمن لدھیانوی۔ کوچہ رحمن۔ دہلی

(یہ خط دستی آیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس دن کی تمام معروفیات ختم کر دی تھیں)

دہلی۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیزم خلیل الرحمن صاحب۔ مجھے یہ سن کر نہایت ہی افسوس ہوا کہ مولانا حبیب الرحمن صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ مرحوم نے اس ملک کی تنگ آزادی میں جو نایاب حصہ دیا ہندوستان کا تاریخِ قریب میں ہمیشہ یاد رہے گا۔ میں آپ کے دکھ میں پوری طرح سے متریک ہوں اور خدا سے دعا کرتی ہوں کہ وہ رحوم کو جنتِ نعیم ہمارا درلواحقین کو اس صدمہ عظیم کے برداشت کرنے کی تبت دے۔

آپ کی۔ امرت کور۔ وزیر صحت حکومت ہند۔ نئی دہلی۔

لاہور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ (بازریدہ ڈاک)

۱۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا رئیس امارت حضرت مولانا حبیب الرحمن کے انتقال پر

امیر شریعت سید غلط اللہ شاہ بخاری کو جب رئیس امارت حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کے انتقال کی خبر دی گئی تو شاہ صاحب دینک سکے کے عالم میں تھے۔ انھیں جب نامہ بخاری نے شاہ صاحب سے حضرت مولانا مرحوم پر بیان دینے کو کہا تو فرمایا:

”ایک پھر فریق، مونس و غم خوار اور سرور ایشیا ساتھی کی حیثیت نے میرے سینے میں ایک اور زخم کا انساف کیا ہے۔ مولانا کی وفات ملت کے لئے ایک سانحہ عظیم ہے۔ اس سانحہ عظیم پر حضرت امیر شریعت دن بھر سو گوار رہے اور مولانا کے ساتھ اپنی دیرینہ رفاقت اور مختلف مراحل کا بار بار ذکر کرتے رہے۔

۲ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ دہلی۔ محترمی مولانا عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کے والد ماجد



حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کے انتقال پر پڑلال پر ہماری صوبہ کمیٹی نے جو تشریفاتی تجویز آج کی پیشنگ میں منظور کی ہے وہ آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ آپ کے بھائیوں اور بہنوں سے اس حادثہ کا ننگاہ میں ہماری کمیٹی کو پوری ہمدردی ہے لیکن یقین جانئے کہ یہ پوری قوم کا نقصان ہے۔ اور تمام محبان وطن اس کو محسوس کر رہے ہیں۔ آپ کا تخلص۔ مقیم الدین فاروقی۔ سکرٹری کیونسٹ پارٹی۔ دہلی

۳۔ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ دہلی

کیونسٹ پارٹی کی دہلی صوبائی کمیٹی کی قرارداد: مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے انتقال کے سلسلہ میں ”ہندوستانی کیونسٹ پارٹی کی دہلی صوبائی کمیٹی حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی بے وقت موت پر اپنے رنج و غم کا اظہار کرتی ہے اور مرحوم کے پس ماندگان سے اظہار ہمدردی کرتی ہے۔ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی موت ہندوستان کے قوم پرست حلقوں کے لئے ایک حادثہ کا ننگاہ ہے۔“ انگریزی سامراج کے خلاف ہندوستان کی جنگ آزادی میں مولانا مرحوم نے جو حصہ ادا کیا وہ تاریخ میں ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ جنگ آزادی کی کامیابی کے لئے ہندو مسلم اتحاد کی جدوجہد کرنا مولانا مرحوم کی سیاسی زندگی کا ایک اہم حصہ تھا۔ ”ہندوستان کے تمام محبان وطن کا فرض ہے کہ وہ مولانا مرحوم کے سامراج دشمن جذبہ اور ہندو مسلم اتحاد کی مساعی کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں۔“ مقیم الدین فاروقی سکرٹری کیونسٹ پارٹی۔ دہلی ایسٹ۔ دہلی لاہور۔ ۳۔ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِہٖ لٰرَاجِعُوْنَ ط

برخوردار خلیل الرحمن سلمہ۔ السلام علیکم۔ کل رات جب ریڈیو پاکستان نے یہ روح فرسا خبر سنائی کہ مولانا حبیب الرحمن انتقال فرما گئے۔ دل کو بے حد صدمہ ہوا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس خبر کے بعد ریڈیو پر کیا خبریں سنائی دیں۔ دل تھام کر بیٹھ گیا۔ گورمانے نے میرے اور مولانا کے درمیان قدغن کھڑی کر دی تھی۔ مگر حد بندیوں کی ددی ہمارے دلوں پر اثر انداز نہ ہو سکی۔ بچپن، جوانی اور بڑھاپے تک کی دلی رفاقت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے اس طرح آیا کہ اس تصور کے ٹوٹتے ہی میں آنسوؤں کے سیلاب میں ڈوب کر رہ گیا۔ ایک نیک بیرت انسان اور ایک بہادر اور جہری رفیق اور میرے بچپن کا ساتھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے منہ مڑ گیا۔ اللہ انہیں کر دے کر دے چین اور سکون نصیب کرے اور جنت میں جگہ دے اور ہم سب پس ماندگان کو جو

ان کی محبت کے دامن سے وابستہ تھے۔ جلیل عطا کرے۔ بر خورہ انا بآتم صبر کر۔ مختار ا جلیل القدر باب  
 اللہ کو پیار ہو گیا۔ ہم سب کو اسی ماہ پر گنا مزین ہونا ہے۔ بخاری صاحب کو علاج کے لئے طاق سے لاہور کئے  
 لئے تھے۔ کل وہ بھی دن بھر آنسو بہاتے رہے۔۔۔ مختار غزدرہ پچا۔ تاج انصاری (لدھیانوی مرحوم)  
 دفتر مجلس احرار اسلام ہند۔ بیرون دہلی مددازہ متصل شاہ محمد غوث۔ لاہور۔ پاکستان۔  
 نوٹ:۔ تاج الدین صاحب انصاری مولانا مرحوم کے بچپن کے ساتھیوں میں سے تھے۔ تمام عمر قید و بند کی  
 صعوبتیں مولانا کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔ جون سنہ ۱۹۷۱ء میں تاج الدین صاحب بھی اللہ کو پیائے ہوئے گئے  
 اور اپنے ساتھی سے جا ملے۔۔۔ عزیز۔ ۱۸ جنوری سنہ ۱۹۷۱ء

لدھیانہ۔ ۳ ستمبر سنہ ۱۹۷۱ء۔ برادرم سعید الرحمن صاحب۔ بزرگوارم حضرت مولانا صاحب کی  
 ناگہانی موت کی خبر سن کر ہم سب کو از حد رنج اور قلق ہوا۔ تمام بال بچے سخت غم میں مستغرق ہیں۔ ان کی ہر گناہ  
 کا عفت سب کے دلی میں نقش ہے۔ تمام شہر میں اجاب نے ماتم کیا۔ ایسے برگزیدہ بزرگوں کا سایہ سر سے اٹھ  
 جانا ہم سب کی بد قسمتی ہے۔ ایشوہ ان کو شافی اور حافی تسکین اور تمام برادران کو تسلی دیں۔ بہت انوس  
 مدد فوس۔ آپ کا بھائی۔ ہر بھگوان مودگل۔ (اکیل اور ساجی ایم۔ ایل۔ اے لدھیانہ)

ضلع میرٹھ۔ ۳ ستمبر سنہ ۱۹۷۱ء۔ بخدمت شریف جناب مولانا عزیز الرحمن صاحب لدھیانوی۔  
 خدمت میں متمس ہوں کہ حضرت مولانا کے انتقال کی خبر سن کر دل کو بے حد فوس اور مدد میں سیانا بٹل  
 وانا البیلا راجوون ۵ بے شک ہم اللہ کے ہیں اور ہم سب کو اس کی طرف لوٹنا ہے۔

ایں امانت چند روزہ نزد ماست در حقیقت مالک ہر شے خداست

ہمیں طرح آپ اس دنیا میں ہمارے بیٹے تھے اور ہمارے ماہر تھے۔ اسی طرح آپ دنیائے جادو دانی میں بھی ہمارے  
 رہبر رہیں گے اور بھی مسلمان طبقہ کو ماہ نجات دکھا کر پھر اطمینان سے گزار کر بہشت بریں میں داخل کر دیں گے اور ہمارے  
 بادشاہ خدا کی اور خدا کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امور کر دیئے جائیں گے۔ آمین

جناب باری تعالیٰ نے کلام پاک میں فرمایا ہے کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۝ ہر جان دار کو فنا ہونا ہے  
 دنیا فانی ہے پھر اس پر فوس کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک بھی ۶۳ سال ہوئی تھی اور حضرت

مولانا کی عمر مبارک بھی صرف ۶۴ سال کی ہوئی۔ یعنی خداوند مکرم کو اپنے محبوب بندوں کی عزت ہی مقبول ہے۔  
حضرت مولانا نے اپنے ۷۷ شوال ۱۳۸۵ھ کے نام مبارک میں خادم کو لکھا تھا کہ خداوند مکرم ہم سب کو ہر قسم  
کی آزمائشوں سے محفوظ رکھیں۔ ”میری صحت و سلامتی ایمان اور حاتمہ بالآخر کے لئے دعا کرتے رہئے۔“

مندرجہ بالا جملات میں جناب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں کہ آپ انہیں جہوں کے نظریہ کرے کہ  
جو مولانا نے فرمائے ہیں خادم کے لئے دعا فرمائیے گا عین عنایت ہوگی چونکہ تعلیمی کام زیادہ ہیں اس لئے ایک پارہ  
شریف کی علی الصبح تلاوت کر کے اس کا ثواب حضرت مولانا کی روح کو پہنچا دیتا ہوں اور ماہ ستمبر کی ۳۰ تاریخ تک  
انشاء اللہ پورے کلام پاک کی تلاوت کر کے اس کا ثواب حضرت کی روح کو پہنچا دیا جائے گا۔ ایک ساتھی صلاح اللہ  
بھی نصف پارہ شریف کی تلاوت و ذرا کر کے حضرت کی روح کو اس کا ثواب پہنچا دیتے ہیں حضرت مولانا  
کو خداوند مکرم بہشت بریں کا بادشاہ مہمور فرمادیں۔ آمین۔ فقط زیادہ حداد ہے۔

خادم سمیع الدین طالب علم جے ٹی۔ سی کالج۔ ہاپوڑ ضلع میرٹھ

لدھیانہ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم مولانا صاحب۔ جے ہند۔ محترم مولانا صاحب کی  
موت کی خبر نے مجھے بہت بے چین کیا۔ آپ کو شاید پتہ نہ ہو کہ میں تقریباً تین ماہ سے بستر پر ہوں۔ کل جب  
ریڈیو سے یہ خبر ملی تو بہت دکھ ہوا۔ لدھیانہ کے دوستوں نے ان کی جدائی کو بہت محسوس کیا ہے خدا ان کی  
روح کو تسکین دے۔ لدھیانہ کا ہر شہری آپ کے اس دکھ میں شریک ہے۔

آپ کا بھائی۔ سرداری لال کپور۔ جگراؤں روڈ۔ لدھیانہ

کراچی۔ ۶ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادرم سردار صاحب تسلیم۔ السلام علیکم۔ داغ ہو کہ اس سے قبل  
ایک خط آپ کی خدمت میں تحریر کر چکا ہوں۔ امید ہے مل چکا ہوگا۔ میں پچھلے ۸۔۱۰ روز سے سخت پیٹ کے درد  
کی تکلیف میں ہوں اور چونکہ دفتر میں دہری ذمہ داریاں یعنی اسسٹنٹ ڈائریکٹر اور ڈپٹی کا کام سرانجام  
دینی پڑ رہی ہے اس لئے مرنے پڑنے دفتر جانا ضروری ہے۔ پچھلے دو چار روز سے بے حد بد حال اور مکمل سا  
ہوں۔ بہر حال اسی طرح ۱۰ ہفتہ عشرہ گزر رہا ہے۔ ایسے ماحول میں یہ خط نہایت غم داندہ کی حالت میں لکھا  
ہوں۔ یعنی اگرچہ گھر میں ریڈیو نہیں ہے اور اس طرح میں محض اپنی کوفت کو ختم کرنے کے لئے کل بد مزہ گھر سے



برسرِ پر گھونٹنے لگ گیا۔ وہاں ایک مکان میں خبری نشہ ہو رہی تھیں۔ میرے پسینے کے بعد جو خبروں کا شکار  
میرے سننے میں آیا ان میں مولانا حبیب الرحمن صاحب کی وفات حسرت آیات کی خبر تھی جس سے مجھے اس قدر  
صدمہ ہوا کہ میرے لئے کثیر ہونہ مشکل ہو گیا اور میں سرکپڑ کر بیٹھ گیا۔ فرط غم سے میرا سر ٹکرا رہا تھا اور بدن میں  
ریشہ طاق تھا۔ دسے بد نصیبی اور دعدی زمانہ کہ تعزیت کے اظہار کو بھی مفتوں میں پہنچایا جاسکے۔ جہاں مولانا  
مردم کے ساتھ قلبی و مخلصانہ تعلقات کے احساس اور لگاؤ سے دل بھر بھرا آتا ہے وہاں یہ قح بھی ہے  
کہ آخری دہرہ بھی نصیب نہ ہو سکا۔ یہ حال مولانا مرحوم کے لئے دہلے منظر کے ساتھ ساتھ پس ماندگان  
کے لئے نہ دند کیم سے محبتیں عطا کرنے کی دہائی۔ مجھے بالخصوص مولانا خلیل صاحب کا خیال آتا ہے کہ  
دن کے عارضہ میں ان پر اس غم جانکاہ سے کیا بنی ہوئی ہوتا ہم خداوند کیم سے ملتی نہ دعا ہے کہ انھیں اور  
دیگر حشر و آقارب کو اس موقع پر استقامت اور صبر کمال عطا کرے۔ آمین تم آمین

میرے پاس مولانا خلیل کا پتہ نہیں اس لئے یہ خط آپ کی خدمت میں تحریر کر رہا ہوں۔ اس لئے بھی  
مولانا مرحوم کے آپ کے ساتھ بھی۔ یہی مشفقانہ تعلقات تھے جو خود مولوی خلیل صاحب اور دوسروں سے  
تھے۔ آہ وہ کیا زمانے تھے۔ میری نظروں میں ان کی میٹھک کا ماحول میری نثر میں بارہا آتا ہے۔ وہی  
ماحول۔ وہی دھیان۔ وہی ایام اور پھر غم و قلام۔ خداوند کیم ہم سب پر رحم کرے اور صبر جمیل عطا ہو۔  
آپ مناسب سمجھیں تو میری طرف سے بھی جملہ افراد خانہ کی خدمت میں اظہار تعزیت لکھ بھیجیں یا میری خدمت  
میں مولانا خلیل صاحب کو ارسال کر دیں۔ آپ کے یہاں بھادہ صاحبہ اصل کی پوری بھی دیگر افراد خانہ کی  
خدمت میں اسی قسم کے اظہار غم کا اظہار کر دیں۔ والدہ منیر بھی انتہائی رفت قلب سے اظہار تعزیت میں  
شریک ہیں۔ فقط والسلام۔ احقر منوم آپ کا محمود۔ کراچی

مقام۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادمان مولوی خلیل الرحمن، مولوی عزیز الرحمن صاحب سلمہ  
سلام علیکم در رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ محرمی حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ کی وفات سے بہت  
صدمہ پہنچا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ حضرت کو اپنے قرب خاص میں جگہ مرحمت  
فرمائے۔ آمین تم آمین۔ برادمان صاحبہ بھولنے والے نہیں۔ ہماری بد قسمتی کہ وفات سے بھی محرمی ہی رہتا



صاحب کے انتقال پر طلال کی خبر پڑھ کر انتہائی صدمہ ہوا۔ سر میکراگیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ دیر تک جوش و خروش کم رہا۔ موصوف میرے سیاسی پیرز محسن، ہمارے مرثیہ سر پرست تھے اور ان کی نوازش کرنا نہ تو جہالت بزرگانہ ہمیشہ مجھ پر مبذول رہی۔ لیکن آہ میں ان سے محروم کر دیا گیا۔ قلب حزیں کی حالت کا نقشہ الفاظ میں کھینچنا ممکن نہیں۔ اپنی اس محرومی پر جتنا رنج و غم کروں تھوڑا ہے۔

آپ کا اور ہمارا دامنِ حزیں کا تصور کرتا ہوں تو دل اور بے چین ہوتا ہے۔ مجھے بھی شریکِ غم تصور فرمائیے۔ خدا آپ سب کو صبر دے اور انھیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ مجھے ہمیشہ اپنا ہی تصور فرمائیے۔

ہمارے مقرر کو سلام مسنون اور مضمون واحد۔ آپ کا محمود علی خاں (حال وزیر اوقاف و آبپاشی) لکھنؤ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۹ء۔ ہر انسان گرامی قلم! سلام مسنون۔ کل صبح باکل اپنا ایک قومی آواز

میں مولانا مرحوم کے سانحات کی خبر پڑھی۔ چونکہ حالات وغیرہ کی کوئی اطلاع نہ تھی، اس لئے حیرت ہوئی، اور کسی ذریعے سے کچھ اور معلوم ہونے کا انتظار رہا۔ شام کو انجیتہ ٹوک سے آیا تو تفصیل معلوم ہوئی اور یقین کرنا پڑا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! سوچ رہا تھا اس موقع پر خود ہی جائد اس لئے کل خط بھی نہ لکھا۔ لیکن بعض خاص مصروفیتوں کی وجہ سے۔ ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ انشاء اللہ اگلے ہفتہ حاضر ہوں گا اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے تمام اہل تعلق کو اس حق کے ادا کرنے کی توفیق بخشیں جو اس دنیا سے جانے کے بعد جانے والے کا سب سے بڑا حق ہوتا ہے۔ اور آپ حضرات کو مولانا کی زندگی کے ان پہلوؤں کا وارث و حامل بنائیں جو اس کے نزدیک پسندیدہ تھے۔ والسلام محمد بنظیر نعمانی عفا اللہ عنہ (مدیر الفرقان لکھنؤ)

کراچی، ۳ ستمبر ۱۹۵۹ء۔ مری جناب عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم۔ آج برف پڑ رہی ہے۔ ۳ ستمبر کو نامہ انجام میں قبلہ مولانا صاحب کے انتقال پر طلال کی خبر پڑھ کر بے حد افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم و مغفور کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ مولانا صاحب کی ہستی قوم کے لئے مشعلِ ماہِ تہی جس کی تانی اس درد میں تقریباً ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو گنت کون کا صحیح معنوں میں جانشین ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ جیسا کہ مولانا مرحوم و مغفور کی زندگی کا طریقہ رہا ہے۔ فقط والسلام۔ آپ کاخلص جمیل الرحمن۔ ۲۷ ستمبر ۱۹۵۹ء۔ کراچی



لاٹ پور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیز القادری مولوی محمد احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔

سلام مسنون۔ گزشتہ شب عشاء کے قریب یکایک۔ مہ جانکاہ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا عیوب الرحمن کی خبر وصال سن کر بے حد متاثر ہوا۔ احقر تو پیٹے ہی بیمار رہتا ہے۔ پھر حضرت مولانا کی خبر وصال نے بالکل ہی کمزور کر دیا۔ آپ تو خیر مولانا مرحوم کی اولاد میں۔ لیکن جو محبت احقر سے فرماتے تھے، اس کے پیش نظر بے حد صدمہ ہوا۔ مولانا مرحوم بلا مبالغہ اپنی نظیر آپ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین قیم کی منت بفضلہ تعالیٰ آپ سے لی۔ مولانا مرحوم کا ایشا، مجاہدہ، صبر و شکر، شفقت علی الخلق، حکیمانہ تبلیغی کارنامے، اخلاص اور مولانا کی رضا و محبت کے کام ایسے نہیں ہیں کہ زمانہ اس کو فراموش کر دے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت فرمائے، بلند درجات نصیب ہوں۔ آمین۔ آپ کے تمام بھائیوں، بہنوں، اعزاء، استواریہ سب کی خدمت میں سلام مسنون اور یہ تعزیتی مصنون عرض ہے۔ مولوی انیس الرحمن سلمہ پہنچ گئے ہوں گے بہار سے آپ کی پھوپھی صاحبہ اور سب لڑکے تعزیت پیش کرتے ہیں۔ والسلام

(مولانا) محمد عفا اللہ عنہ اندی لاٹ پور۔ پاکستان

لکھنؤ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محبان کمریان زید لطیف۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج اچانک قومی آواز سے حادثہ قاجمہ کی اطلاع ملی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ط میں خیریت دریافت کرنے کے لئے خط لکھنے والا تھا کہ بجائے عبادت کے یہ تعزیت نامہ لکھنے کی فہم آگئی۔ کچھ تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔ کیا خبر تھی آج سے دو ہفتہ پہلے جو ملاقات ہوئی تھی وہ آخری ملاقات ہوگی غفر اللہ لہ واکرم شوالہ۔ آپ سب بھائیوں کے ساتھ دیرینہ تعلقات کی بنا پر اور مرحوم کی بزرگانہ شفقت کی بنا پر شریک غم ہوں اور حضرت درصا کے لئے دعا گو ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ بھائیوں سے اپنی پسندیدگی کا کام لے اور مرضیت کی توفیق دے اور آپ حضرات سے خاندان کا نام روشن کرے۔ فقط

خاکسار۔ ابراہیم حسن علی ناظم ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ

دیوبند۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیز میاں سعید الرحمن و عزیز الرحمن صاحبان سلمہ

بعد دعائے خیر والد صاحب کی اچانک خبر نے میرے قلب حزیں کو پاش پاش کر دیا۔ بڑے افسوس کے ساتھ

چند حرف لکھنے کو قلم اٹھایا ہے۔ استعمال پر طلال کی خبر سن کر سخت غم و ہستیا۔ ان کی پر خصوص محبت اور  
 ہمدردی تو ہمارے ساتھ تھی وہ قابل قدر چیز تھی۔ میاں ازہر شاہ و میاں انظر شاہ سدا کو بھی بہت  
 رخصت و طلال ہے۔ اب ہمارا ایسا ہمدردانہ محبت والا کوئی نہیں ہے۔ ہم لوگ جتنا غم و کرم کریں کم ہے۔ مرحوم  
 کے تعلقات ہمارے ساتھ محبت و ہمدردی کے تھے۔ تمہارے جذبہ و محبت کا جو دل صاحب کی ذات  
 گرامی سے تھا مجھے کما حقہ واقفیت اور پورا ہمدردی اس علم ہے۔ سزا دینے والے تو ہوں قبیحیت گہری  
 ہمدردی ہے۔ لیکن کیا کہیں جسے بگاڑنا قدرت میں ہے۔ میں دیکھ کر کہ انسان کو دم و رنے کی جہاں نہیں ہے۔ وہ  
 دل سے مجبور و لپٹا رہتا ہے۔ نہ الوداع صاحب مرحوم کی وفات کی خبر میرے سینے میں ایک عظیم و تڑپا ہوا  
 درد لگ گیا ہے۔ میں اپنے جذبات و درد کو تحریر میں لانے سے قاصر ہوں۔ واقعی گم شدہ محبت کو قلم ہی لڑا کرتا  
 ہے۔ آنا ہوتا ہے۔ حق تو ہے۔ سب ہیں بھائیوں کو نصیب حاصل عدل فرمائے۔ حق تو ہے۔ وہ صاحب مرحوم  
 مرحوم کو جنت الفردوس میں ساری جگہ عطا فرمائے۔ میری جانب سے سب ہیں بھائیوں کو تسلی۔ رحمت  
 تملیق کریں۔ میں ضرور تمہارے غم میں شریک ہوں۔ لیکن اپنی پرانی ملاکت کی وجہ سے نہ سکتا۔ نہ شہ  
 تمہارے : مدد بھائی ضرورتاً میں نے۔ ہم تمہارے سب ہیں بھائیوں کے غم میں شریک ہیں۔

اس سارا کاہ میں دم بھر ٹھکانے کے لئے

سب مسافراتے ہیں ایک منزل جانے کے لئے

میری پر خصوص دماغی تمہارے ساتھ ہمیشہ رہی گی۔ فقط والدہ ازہر شاہ قیہ کہ شہید المہ حضرت  
 علامہ سید نور شاہ کا شمیری۔ دیوبند۔

دیوبند۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سب بھائیوں کے نام۔ سلام مسنون۔

مولانا حبیب الرحمن صاحب المدینہ لوی کا مستحق تعزیت قلم کا جگر تن ہو تا ہے اور کہ تب یا کبھی

سمجھ کو آتا ہے۔ آنکھ لھو لے اور ہوش و حواس سنبھالنے کے بعد جن درجہ پار بزرگوں کا اخلاص و ہر بار تسنن

ہم شکستہ خانوں کے کام آئی مولانا مرحوم کو ان سب میں خاص مقام حاصل ہے۔ کہ کہ ان شخصیت

سے ہمارے سروں پر ہاتھ رکھنے والا ٹھکانا اب جی مرحوم کا نام خاص نیازت نام نہیں۔ اس کی اطلاع

جان چھڑکنے والا رخصت ہوا۔ عزیز بھائیو! یہ آپ کا تنہا حادثہ نہیں بلکہ ہم محسوس کر رہے ہیں کہ ہمارے سر پر سے آج باپ کا سایہ اٹھا ہے۔ ہم کس کو تعزیت دیں، واقعہ تو یہ ہے کہ تم لوگوں کی طرح ہم بھی تعزیت کے مستحق ہیں۔ وہ مجاہد اپنے خدا کے حضور حاضر ہو چکا اور اپنی طویل نیک نامیوں کا اجر لینے کے لئے ہمارے سامنے سے ردپوش ہو گیا۔ خدا تعالیٰ ان کی تربت کو ٹھنڈی رکھے اور اپنی خاص عنایتوں سے سرفراز فرمائے۔ ختم نبوت کا محافظ، رحمت صحابہ کا ثنا خواں، آزادی ہند کا نڈر سپاہی، پوٹرہا حبیب الرحمن، خداوند تیرے حضور حاضر ہے۔ اس پر اپنی رحمتوں کی بارش برسا۔ آمین۔ تم آمین

فرصت ملنے ہی ہم دونوں بھائیوں کا ارادہ عاضری کا ہے۔ تم بھائیوں کے رنج و غم میں ہم برابر کے شریک ہیں، اماں بھی مغوم ہیں اور تمہارے رنج و غم کا شدید احساس لئے ہوئے ہیں۔ میری طرف سے یہ خط تمام بھائیوں کو سنا دیا جائے۔ والسلام۔ انظر شاہ۔ دیوبند

کراچی۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ — عزیز بھائی! السلام علیکم۔ میں خبریں پڑھتا ضرور ہوں لیکن سنتا اس لئے نہیں کہ میرے پاس ریڈیو نہیں ہے۔ آج اتفاق سے میں نے خبریں اس لئے سنیں کہ ریڈیو پاکستان کرچی سے خبروں کے فوراً بعد میری تقریر تھی اور میں دس منٹ پہلے پہنچ گیا تھا۔ یقین کیجئے حضرت قبلہ مولانا کے انتقال کی خبر سے مجھے اشد کھہ ہوا کہ میں تقریر کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ ابھی ابھی واپس آکر میں نے مولانا سالک کو بھی اس حادثہ کا بھوکا کی خبر سنائی۔ انھیں کل بے حد افسوس ہوا یہاں سی مسلک خواہ کچھ ہو لیکن شخصیت بہر حال گنی جاتی ہیں اور مولانا مرحوم کی شخصیت کو کوئی فراموش نہیں کر سکتا۔ اللہ اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ آپ کو اور بھائی خلیل کو اور دیگر متعلقین کو صبر کی توفیق دے۔ اس کے سوا میں اور کیا کہوں۔ صبر اگرچہ خود ہی صبر ہے۔ لیکن یہ صبر بھی انسان کو کرنا ہی پڑتا ہے۔ آپ کا نیاز مند مجید لاہوری

دیوبند۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ — محترم بھائی عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم

مولانا حبیب الرحمن کے انتقال کی خبر نے دل و دماغ پر ایک بھلی گرا دی۔ عزیز بھائیو! تمہارے باپ کا انتقال نہیں ہوا بلکہ ایک ایسا مرد مجاہد اٹھ گیا جس نے خطرات کو خطرات ہی نہیں سمجھا۔ جو تختہ دار کے سامنے بھی کلمہ حق کہنے سے باز نہیں رہ سکتا تھا۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا محافظ آج روح محمدی کی بارگاہ





جزوی حیثیت سے بھی ایک جماعت سے کم نہیں ہوتے۔ بہر حال قدرت کو یہی منظور تھا اور صبر کے سوا اب کوئی چارہ نہیں ہے۔ ہمیں سب کو اس بات پر خوش ہونا چاہئے کہ قبلہ مولانا صاحب کی زندگی اسلام اور ملت اسلام کی سر بلندی کے لئے وقف تھی۔ تمام زندگی باطل کے مقابلہ میں ایک مجاہد کی حیثیت سے گزری اور کسی وقت بھی صبر و استقامت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اپنے پختہ ارادوں اور ان تھک کوششوں سے سامراج برطانیہ کی غلامی کی زنجیروں کو جو کہ ہم ہندوستانیوں کے پاؤں میں تھیں ان کو کاٹ کر پھینک دیا تو ملک کو آزادی نصیب ہوئی۔ بہر حال ایسی شخصیت کا پیدا ہونا بہت مشکل ہے۔ میں تو دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ بھائیوں میں سے کسی کو توفیق دے جو ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرے اور ملت اسلامیہ کے لئے سہارا بنے۔ والدہ صاحبہ اور سب بھائی بہنوں کو دلی صدمہ ہوا۔ والدہ صاحبہ کی طرف سے سب چھوٹے بھائیوں اور بہنوں کو تسلی دے دیں۔ سب بھائی بہنوں کو درجہ بدرجہ سلام مسنون قبول ہو۔ بچوں کو دعا۔ فقط عبدالقیوم کو دوی

راول پنڈی۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر عزیز الرحمن سلمہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عزیز بھائیو اور پیاری بہنو! ابھی ابھی تار ملا۔ اور ریڈیو سے بھی تصدیق ہو گئی کہ قبلہ والد صاحب ہمیشہ کے لئے ہم سب کو داغ مفارقت دے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝ اس خبر سے کسی کا دل قابو میں نہیں رہا۔ بے اختیار چیخیں نکل گئیں۔ کچھ سوچ نہ رہی۔ سب نے نیم بے ہوشی کے عالم میں ایک دوسرے کو تسلی دینے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر خود دل قابو سے باہر ہو جاتا تھا۔ کل قبلہ کا لکھوایا ہوا خط بڑے برصحت کے متعلق کافی جذبات اظہار حاصل ہو گیا تھا۔ لکھا تھا کہ گھر میں چل پھر لیتا ہوں۔ صبح رکشا پر تھوڑی دیر سیر کر لیتا ہوں۔ ہر خط میں یہ فقرہ ہوتا تھا کہ میری صحت و سلامتی کے لئے دعا کرتے رہا کرو۔ کل کے خط سے ریحانہ کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی۔ اباجی مرحوم کو مولانا محمد حسن صاحب کی صحت کی بے حد فکر رہی تھی۔ تحریر فرماتے ہیں کہ ان کی صحت پر رحم آتا ہے۔ خود اپنی صحت کا یہ حال کہ مولوی محمد حسن صاحب پاکستان کو رخصت ہوئے اور قبلہ مرحوم جنت الفردوس کو چل دیئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ معلوم ہوتا ہے کہ رحلت کے وقت بھائی خلیل الرحمن موجود نہیں تھے۔ برادر سعید الرحمن دیگرہ میں سے بھی

کوئی موبوڈ نہ ہوگا۔ افسوس تم لوگوں کو ہم میں سے کوئی عسکر کی تلقین کرنے والا بھی نہیں۔

ہماری بد قسمتی کی انتہا ہے کہ آٹھ سال سے ملاقات تک نہیں کر سکتے۔ بیماری میں کوئی خدمت۔

عیدت۔ پھر آخری نماز اور دوسری تمام چیزوں سے محروم رہے۔ اچھا پیارے بھائی! اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی

فَات۔ ہر ایک کو یہاں سے جانا ہے۔ اپنے اپنے وقت پر رخصت ہونا ہے۔ یہاں کے تعلقات مادر و پدر۔

مادر و خواہر۔ پسر و دختر سب عارضی اور ناپائیدار ہیں۔ کیوں کہ یہ جہاں ہی تاپا پیدا رہے۔ خدا تعالیٰ

کے پاس پہنچ کر تعلقات کو دوام ہوگا۔ وہ جہاں دائم رہا کرتی ہے۔ اس لئے بجز صبر کے چارہ کار نہیں ہے

خدا تعالیٰ تم سب کو صبر جمیل کی توفیق نصیب فرماوے۔ آمین! اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے والد مرحوم کو فردوس

اعلیٰ میں ٹھکانا نصیب فرمائے!

مجھے یقین کمال ہے کہ جو میرے والد صاحب مرحوم خدا تعالیٰ کے ہاں بڑے درجات نے رکھ دیے

انشاء اللہ۔ بخند تھے ان کی ماری عمر سارا جی طاقتوں سے چھوڑ کر گزری خدا تعالیٰ کی قربانیاں

کو حسن قبول کا اجر نصیب فرمائے۔ میرے مزیند! میں تم کو کس طرح صبر کی تلقین کروں۔ میرے پاس حفاظت

ہیں۔ تقویت کا کام تاغذ وہی چند کلمات لکھا ہے۔ صبر کرو۔ ہر ایک کو مرتا ہے۔ یہ عیسیٰ سے مرنے

والے دس نہیں آیا کرتے۔ ان کے حق میں دعائے مغفرت کروں گا۔ خود ابا جی نے، ارادت کے نشتر

لکھا ہے۔ عمر کافی ہوگئی۔ آخر کار ہم سب کو مرتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے دعا اور تمنا کرتا ہے

کہ دو صحت عطا فرمائے، اور آزمائشوں سے محفوظ رکھیں۔ زمانے میں فتنے ہی فتنے ہیں اور دین میں تو

اس قدر فتنے بڑھ گئے ہیں کہ صحیح راستہ تلاش کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان کامل

موت نصیب فرماوے۔ میں جیتا نہ رہوں مگر جیتے کی لذت کم ہوگئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بدوی نے آکر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی

وفات پر تعزیت اس کلمات میں فرمائی: اَسْبِرْ نَفْسَکَ بِمَا جَاءَ مِنْ فِیْہِ مِنْ صَبْرٍ لِّرَّعْلِیْہِ۔

صبر و اس اس خیر مِّنَ الْعِبَاسِ اَجِدْ رَاحِلَہُ۔ قَالَ لَہُ خَیْرٌ مِّنَ الْعِبَاسِ

یعنی اے عبداللہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی وفات پر صبر کرو۔ ہم بھی تمہارے ساتھ صبر کریں گے۔ کیونکہ



رئیس و سردار قوم کو صابر دیکھ کر قوم بھی صبر کر لیتی ہے۔ عبداللہ! یقین کرو حضرت عباس کی وفات اور اس صدمہ جانکاہ پر آپ کے صبر نے جو اثر ڈال دیا آپ کو بارگاہِ ایزدی سے دلایا ہے وہ حضرت مرحوم و مغفور سے اور حضرت مرحوم کے حق میں جو رحمتِ ایزدی تم سے بہتر ہے۔

پیارے بھائیو اور بہنو! یقین رکھو، تمہارے ہمارے نزدیک اس قسم کے بزرگوں کی موت سنو کی طور پر شہادت کا درجہ رکھتی ہیں اور شبید مرا نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

یہ صدمہ قابلِ فراموش نہیں۔ لیکن یہ خیال کرنا چاہئے کہ فائدہ مرحوم ماشاء اللہ لہلہاتا چمن چھوڑ کر اپنے خدائے سے چلے۔ بفضلہ تعالیٰ تم سب اپنے اپنے کام پر ہو۔ دو کے سوا سب کی تادیال ہو چکی ہیں خدائے کی مہربانی سے ان دو کا سلسلہ بھی مرحوم کی دعاؤں اور تم سب کی توجہات سے بالکل درست ہو چکا گا۔ ہم نے کل ہی خالہ کو رحمت کیا ہے۔ عبدالکریم اور خالہ کو اس پوششِ رُبا ساغہ کی خیرا غلب ہے کہ لائپوٹیک پیچھے پیچھے ہو جائے گی۔ ان پنگاڑی میں ہی مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا۔ مولانا محمد حسن صاحب کرسی دو گنا صدمہ ہو گا۔ ریحانہ اور قبلہ مرحوم کا حسین اور خاتون کا معاملہ ہے۔ ان کے ہاں حقیقی بھانجی کا انتقال اور قبلہ مرحوم کا وصال :- ہماری کچھ نہ پوچھو۔ تھوڑے تھوڑے دنوں کے فاصلے سے عزیزہ خالہ کی بچی اور بوس کے بچے کا انتقال اور پھر قبلہ کی وفات کی یہ جزا ایک طرف جڑکٹ گئی ہے۔ دوسری طرف شاخیں اٹک ہو گئی ہیں۔ تم میں سے ہر ایک گونا گوں صدعات سے دوچار ہے۔ اس نازک وقت پر میں یا تمہاری ہمیشہ حاضر ہوں کہ تمہارے شریکِ غم نہیں ہو سکتے۔ حالات ایسے ہیں کہ جہاں کوئی ہے میں صدمے سے تشریت ہے۔ ایک دوسرے سے ملنے کے مواقع بھی سیر نہیں ہیں۔ خدائے ہماری حالت پر رحم فرمائے۔

چھوٹے بڑوں کو تعزیت مسنونہ و سلام مسنونہ۔ فقط (مولوی) مولوی محمد یوسف لدھیانوی

مکان ملا راولپنڈی۔ پاکستان

لاہور۔ ۲۴ ستمبر ۱۹۵۷ء۔ عزیز ذی حافظ سعید الرحمن صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

و بركاتہ۔ ابھی ابھی مولانا صاحب کے انتقال کی خبر پڑھی۔ بے حد صدمہ ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ

رَاجِعُونَ ۛ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ مجھے آپ کی ان دینی اور ملی خدمات

۔ مولانا یوسف صاحب رئیس الاحرار کے بڑے ارادہ ۵۰۲

نے ۱۲ دسمبر ۱۹۵۷ء کو انتقال فرم گئے۔ حق تعالیٰ ان کی خیر خواہی کے لئے ان کے لئے خیر خواہی فرمائے۔

۔ تھوڑے دنوں میں ان کے جنازہ کے لئے (مولوی)

کے باعث جو آپ تمام عمر فرماتے رہے بہت ہی عقیدت تھی۔ آپ ہمیشہ دوسروں کی تکالیف اور درد کو اپنا سمجھ کر درد کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ بہت ہی ہمدرد اور شفیق انسان تھے۔ میں نے ایک سال پہلے کی ہمسائی میں گزارا۔ اس سے پہلے میرا ان سے ذاتی تعارف نہ تھا۔ میں ایک اجنبی کی حیثیت سے لدھیانہ میں وارد ہوا تھا۔ جب آپ سے ملاقات ہوئی تو آپ بڑے اخلاص اور محبت سے پیش آئے اور ہمیشہ میرے ساتھ مشفقانہ اور ہمدردانہ سلوک کرتے رہے۔ یقین جانیے مجھے وہ دن ہر وقت یاد آتے ہیں۔ جب پریشانیوں کے باعث نفسا نفسی کا عالم تھا اور عزیز واقارب بھی ایک دوسرے سے بدداری کرنے سے گریز کرتے تھے۔ آپ ہمیشہ دینی احکام یاد دلاتے ہوئے میری حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے۔

موت انسان کے لئے لازمی چیز ہے۔ اس سے کسی فرد کو مفر نہیں۔ ہم سب کو ایک نہ ایک دن اس کا فائقہ چکھنا ہے۔ مگر بزرگوں کا سایہ سر سے اٹھ جائنا بہت بڑا عہدہ ہوتا ہے جس سے انسان طہیت پر بڑا اثر ہوا کرتا ہے۔ سایہ حوق پر ہمیں صبر کی یقین کی گئی ہے۔ وہاں خدا ہم سب کو صبر عطا فرمائے اور اسی عہدہ کے برداشت کرنے کی ہمت دے۔

میرزا محمد مولانا خلیل الرحمن اور بھائی عزیز الرحمن اور دوسرے بھائیوں کو بھی دلہا دیں۔ کچھ عرصہ ہوا عزیز لالہ میاں آئے تھے۔ عرفان دس پندرہ منٹ ٹھہرے۔ کیونکہ ان کو واپسی کے لئے جلدی تھی۔ ان کی زبانی آپ سب کی خیریت معلوم ہوئی۔ اور ان ہی کے ذریعے میں نے اپنا آخری سلام مودنا صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا۔ سب بھائیوں کو میرا سلام کہہ دیجئے۔ والسلام

راقم غلام علی۔ ۳۱ مارچ۔ لاہور

مراد آباد۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۵ء۔ محرمی مکرئی حضرت مولانا صاحب۔ زید لطفتم

السلام علیکم۔ بعد آداب کے گزارش یہ ہے کہ جناب والا کو جو کچھ صبر نہ عظیم ہوا ہے وہ تو آپ ہی جانتے ہوں گے۔ مگر یہ دل خراش خبر ہم لوگوں کا دل بھی چیر گئی۔ حضرت مولانا کی ذات گرامی بندوں کے لئے ایک عظیم ترین ہستی تھی اور ہندوستان کے مسلمانوں کے واسطے ایک ڈینا رس تھی۔ مگر خدا کے حکم کے آگے سب کا سر خم ہے۔ اللہ کی مرضی اسی طرح تھی۔ ہمیں اور آپ کو صبر کرنا چاہئے اور اللہ پر بھروسہ

کرتا چاہئے۔ حضرت مولانا میرے اوپر بہت زیادہ مہربان تھے اور دیکھ کر خوش ہو جاتے تھے۔ اور میں بھی اپنے آپ کو ان کا خادم سمجھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ مری م کو جو ار رحمت عطا فرمائے ادا پ کو صبر عظیم بخشے

آپ کا محمد اسحاق نایاب بٹری فیکٹری۔ لال باغ۔ مراد آباد:

خط نمبر ۲۔ ۲۴ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر مکرم مولانا مولوی عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یہ سن کر بہت صدمہ ہوا کہ چچا جون کا انتقال ہو گیا ہے۔ ہم سب کو دواعِ مفارقت دے کر اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ قَرِیْنَا لِلّٰہِ رَاجِعُوْنَ ہا ہم سب گھر والے دستِ بدست ہیں کہ خدادادِ کریم قبلہ مولانا صاحب کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمے۔ اور آپ بھائیوں کو ان کے نفشِ قدم اور اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی طائت دے۔ آپ کے انتقال سے ملتِ اسلامیہ کو عظیم نقصان ہو رہا ہے۔ آپ بہت مخلص اور نیک نیت تھے، جو بھی کام کرتے تھے خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ کرتے تھے۔ اپنی غرض کوئی سامنے نہیں ہوتی تھی۔ اپنی غرضوں اور خواہشوں کو قربان کر کے جو کچھ بھی آپ ملتِ مسلمہ کے لئے، اللہ اور اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لئے ہر طرح کی صعوبتیں برداشت کیں۔ مریض صبر و استقامت کو ہمیشہ ہمیشہ یا تھ میں رکھا۔ کسی وقت بھی اپنی خودداری پر اذیتے ماحول میں نہیں آنے دیا۔ باطن کے مقابلہ میں ہمیشہ چٹانوں اور پہاڑوں کی طرح ڈٹے رہے۔ آخر میں راجِ برطانیہ سے ہندوستان میں کو نجات دلا دی۔

حضرت مولانا محمد صفقت موصوف تھے۔ آپ جیسا کہ اندھا درمیاک مجاہد شاذ و نادر ہی دیکھتے ہیں آپ ہے۔ آپ کی ان تحکک کوششوں نے ادارہ پختہ ادارہ نے سامراج برطانیہ کے مکاری کے جالی بند کرتا کر یہاں کی غلامی سے ہندوستانیوں کو نجات دلانے میں آپ سب سے پیش پیش رہے اور سب سے زیادہ قربانی دی جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ یہ خیال خدا کو ہی منظور تھا۔ صبر کے صواب کوئی چر رہے تھیں وادہ صاحب اور سب بھائی بہنوں کو بہت صدمہ ہوا جس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ سب بہن بھائیوں کو تسلی دے دیں۔ سب کی خدمت میں دست بستہ سلام، بچوں کو دعا۔ فقط والسلام۔ عبدالغفور ٹکودری۔ لائل پور (پاکستان)



خط نمبر ۲ — سہارن پور۔ ۲ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادران محترم۔ سلام مسنون۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب قبلہ کے انتقال کی خبر ویسے تو کل شام ہی خصوصی حلقوں میں پھیل گئی تھی۔ لیکن آج صبح کے اخبارات نے تو ایک گہرام پیدا کر دیا۔ میں شہر کے جس جسے سے پہلے گزرا لوگوں نے نہایت صدمہ اور رنج کا اظہار کیا۔ عوام کو مستقبل میں مولانا مرحوم سے رہنمائی کی بہت توقعات تھیں جن سے ہم محروم ہو گئے۔ افسوس! تاہم مولانا کی زندگی سے ہمیں کافی سبق مل سکتا ہے۔ موت نے ہمارے مادی رشتہ کو غرور ختم کر دیا ہے۔ لیکن با اوصاف اور با ہمت افراد مولانا کے ماتمی سے بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ حادثہ نہ صرف آپ لوگوں کے لئے صدمہ عظیم کا سبب ہے بلکہ مولانا کو تھوڑا سا جاننے والے بھی کم ٹمکیں نہیں ہے۔ اور میں تو آپ کے قدم میں ہرگز ناشتہ کر رہا ہوں۔ دعا ہے کہ خدا مرحوم کو نیک نفع تبدیل عطا کرے اور مولانا مرحوم کی روح کو ابدی سکون میسر آئے۔ اور اللہ جل شانہ آپ کو ہم سب کو صبر جمیل کے ساتھ نیک راہ چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین!

میرے لائق جو کام ہو تحریر فرمائیے۔ مزید نالہ و نالہ۔ نقطہ۔ سیکرٹری۔ امیر قریبی۔ نامی پریس۔ سہارن پور۔

خط نمبر ۳ — ضلع میرٹھ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء — کرم محترم مولانا خلیل الرحمن صاحب عزیز مرحوم صاحب دیگر برادران۔ سلام مسنون۔ رات تقریباً ساڑھے نو بجے حادثہ عظیم کی اطلاع ملی۔ میری قسم کہ میں آخری نیامت نہ کر سکا۔ مولانا کی وفات نہ صرف ایک گوشت کے لئے باعث حلیف نقصان ہے، بلکہ پورے ملک و ملت کو جو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ صدیوں تلافی ممکن نہیں، جہاں آپ کے والد محترم تھے وہاں میں بھی ہمیشہ اپنے والد کی جگہ سمجھ رہا ہوں۔ مولانا مرحوم کے وہ احسانات و شفقت و محبت نہ سمجھ سکوں گا جو میرے ساتھ رہے ہیں۔ آپ کو کچھ رہا ہوں۔ مگر آنکھوں کے سامنے مولانا کا نقشہ ایسا موجود ہے جیسا کہ سامنے بیٹھے ہوئے فرما رہے ہیں۔ مسکرا رہے ہیں۔ جب کسی سنگین معاملہ میں پریشانی ہوتی تھی تو پتہ منٹ میں مولانا جل فرما دیا کرتے تھے۔ پھر وہ دیکھ کر عالم نے حسرت مولا کو فرست مرن و دیانت، عزم و تہکل کا ایک نمونہ بنایا تھا جس کی مثال آج پتیل کرنا مشکل ہے۔ حضرت جوہد جلیل نے ملک و ملت کے لئے جو مصائب برداشت کئے ہیں، ان کا تصور ممکن نہیں۔ افسوس کہ آج وہ

مسند جس پر علی نکات مذہبی ذخائر سیاست و تقویٰ کا دریا موج زن تھا خالی ہو گئی۔ میں پروردگار عالم سے دست بردار ہوں کہ حضرت مولانا مرحوم کو رحمت کاملہ سے مقام بلند عطا فرمائے۔ آپ سب بھائیوں اور ہم سب کو نصیر کامل عطا فرمائے اور خبر دیر سے ملنے کی بنا پر حاضریہ ہو سکا۔ جلد ہی حاضر خدمت ہوا ہوں۔  
نقطہ۔ سید محمد الیاس کھٹولی۔ خیرنگر میرٹھ

خط نمبر ۳۔ سہارن پور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ جناب صاحبزادگان مولانا مرحوم السلام علیکم  
مولانا مرحوم کے انتقال کی خبر اخبارات میں دیکھ کر نہایت صدمہ درخ ہوا۔ یہ نہایت زبردست  
قومی نقصان ہے۔ خداوند کریم ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور آپ سب کو جیل عطا فرمائے۔  
آپ کا مخلص۔ مقصود علی۔ کیلاش پور ضلع سہارن پور (والد خان محمود علی خاں ذریہ پوری)  
خط نمبر ۳۔ اردو بہ مراد آباد۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکرمی بھائی خلیل احمد صاحب۔ السلام علیکم  
آج اخبار میں دردناک خبر پڑھ کر کہ حضرت مولانا کا انتقال ہو گیا ہے صدمہ اس ہو! اللہ پاک  
مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمادیں۔ آمین! اور آپ حضرات کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین!  
بھائی صاحب میں آپ کے غم میں برابر کا شریک ہوں اور سب بھائیوں کی خدمت میں سلام عرض ہے۔  
انشاء اللہ جلد حاضری کی کوشش کروں گا۔ فقط محمد یاسین بقلم خود کو شیخ انڈسٹریز۔ اردو بہ اینڈ  
راجپور۔ مراد آباد۔

خط نمبر ۳۲۔ لدھیانہ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ جناب مولانا صاحب۔ السلام علیکم۔

آج کے اخبار ہندوستان ٹائمز کے ایک فقرہ کو پڑھ کر مجھ کو ایک المناک خبر معلوم ہوئی۔ مجھ کو کس  
قد صدمہ درخ ہوا۔ میرے بیان کرنے سے باہر ہے۔ میں یہ غرضتہ آپ کی خدمت میں اس خیال سے نہیں  
بھیجتا ہوں کہ اس سے رنج میں تخفیف ہوگی۔ خدای آپ کو تسکین دے سکتا ہے۔ اور میں جانتا ہوں  
کہ میرے الفاظ میں وہ طاقت نہیں۔ میں اس المناک واقعہ کو جہاں تک ممکن ہے کم لکھنا چاہتا ہوں۔ یہ  
ایسا ہی المناک واقعہ ہے کہ جس کے بیان سے صدمہ ہوگا۔ مگر جناب من میں اس بات کے ظاہر کرنے  
سے باز نہیں رہ سکتا کہ اس واقعہ سے میرا اور میرے وطن کا بھی تو لا علاج نقصان ہوا ہے اور مجھ کو از حد

درجہ کا صدر مہینچا ہے۔ مولانا صاحب تو واقعی ہی ایک ایسے توہرتھے جو کہ چراغ ہاتھ میں لے کر ڈھونڈنے سے  
 بھی نہیں ملتے۔ ان میں وہ اوصاف تھے جن کے لئے میں ہی نہیں بلکہ ہر انسان محبت رکھتا ہے۔ اور ان  
 کی تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ جب کہ قوم اور رئیس کو ان کی از حد ضرورت تھی، ان کی تین از وقت موت نے ہماری  
 پسندیدہ امیدیں سے ہم کو باؤس کر دیا اور اس سبب سے بہت سے لوگ جن کا کہ ان کی ہر بانی پر  
 سہارا تھا، واپار از مصیبت زدہ ہو گئے۔

تھارے جیسے عاقل آدمی کو جاننا فرض ہے کہ مصیبت کو کس طرح برداشت کرنا چاہیے۔ میں صادق  
 دل سے امید کرتا ہوں کہ تم اپنے آپ کو اتنا دل شکستہ نہ کرو گے۔ اب اور زیادہ میں آپ کے رنج کی حالت میں  
 داخلت کروں گا۔ پس اس خط کو ختم کرتا ہوں اور خداوند کریم سے دلی پرا تھنا کرتا ہوں کہ وہ ان کی روح  
 کو شاقی رامن بخشنے۔ اور وہ دوستی خالص طور پر فرماتا ہوں۔ اور۔ کے شرماء۔ لدھیانہ

خط نمبر ۳۳۔ دیوبند۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیزم مولوی سعید الرحمن دہلوی محمد احمد صاحبان

السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پر مہوں اچانک قبلہ مرحوم آپ کے نالید صاحب کا حادثہ وفات سن  
 کر صدمہ ہوا۔ اللہ مرحوم کو جنت الفردوس میں عالی مقام عطا فرمائے اور آپ سب کو صبر کی توفیق دے۔ آمین  
 اپنی غلات سے معذور ہوں۔ رشتہ اس موقع پر ضرور آتا۔ بھائی صاحبان کی خدمت میں سلام مسنونہ عرض کر دیا  
 جب تک کہ ہر صبر کو مضبوطی سے پکڑیں۔ مرحوم کو ایصال ثواب کرتے رہیں۔ حتیٰ انقدر میں انشاء اللہ ایصال  
 ثواب کرتا ہوں گا۔ والسلام۔ اصغر علی۔ دیوبند (قاری اصغر علی مدرس مدرسہ دارالعلوم دیوبند)

خط نمبر ۳۴۔ دیوبند۔ ۴ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم اقام مولانا سعید الرحمن زید مجدکم۔ سلام مسنون  
 حضرت رئیس الاحرار مولانا الحاج حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر طال کی خبر معلوم  
 ہو کر انتہائی صدمہ ہے۔ تمام غلام انہدیہ لاہوری دیوبند آپ کے اس حادثہ عظیم میں شریک ہیں اور حضرت  
 نبی ﷺ کے لئے ایصال ثواب کیا گیا۔ خداوند عالم مولانا مرحوم کو جوار غاس میں جگہ عطا فرمائے آمین ثم آمین۔  
 ہماری جانب سے اہل خاندان کو تعزیت فرمادیں اور صبر کی تلقین فرمادیں۔ دہلیہ کے اللہ پاک آپ حضرات  
 کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ احقر سید حسن رفوی لاہوری طالب علم مدرسہ دارالعلوم دیوبند ضلع بہارن پور



خط نمبر ۳۵۔ لاکھ پور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ بر خوردار خلیل الرحمن عزیر الرحمن صاحب السلام علیکم  
 مجھے عشاء کے وقت عبدالرشید سے خبر ملی کہ مولانا محمد صاحب کو اطلاع آئی مولانا امین الرحمن  
 کی طرف سے کہ مولانا حبیب الرحمن رحمۃ اللہ علیہ اس دنیائے فانی سے تشریف لے گئے۔ یہ خبر سن کر دل کو بہت  
 صدمہ ہوا۔ اور ہر حالت ہوئی خدا بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آخرت میں جنت الفردوس  
 میں اپنا قرب نصیب فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے سب کو اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین! باقی ہم سب  
 کی طرف سے پ سب کو السلام علیکم۔ ناچیز عبدالرحمن لدھیانوی۔ نروٹ کمیشن انجینئرس میونسپلٹی۔ لاہور  
 خط نمبر ۳۶۔ میلسی۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

محترم بھائی خلیل الرحمن و مولانا امین الرحمن و عزیز الرحمن صاحبان السلام علیکم  
 بعد سلام کے ترستی ہوئی نگاہیں اور تڑپتے ہوئے دل کی انگلیں اسی آرزو میں رہیں۔ وقت طے پر ایک  
 دو بار ملاقات ہوئی۔ مگر تقدیر سے تدبیر نہیں ملتی۔ وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ قصداً سے کوئی منکر نہیں  
 اور یہ دنیا فانی ہے۔ کل بندہ لے جب، خباہت میں حضرت قبلہ مولانا کی یہ خبر سنی تو آنکھوں کے سامنے درخت سرنگوں  
 تھے۔ سیاہ سیاہ بادل چکر لگا رہے تھے۔ تصویر بہت دور جا چکا تھا۔ ان کی زندگی کے وہ لمحے بچھڑی ہوئی نظریں  
 کے سامنے دوڑ دھوپ کر رہے تھے مگر امت سے گردن جھکی ہوئی تھی بچا پیت کے درد دیوار پر وہ ذرا پر  
 ان کے احسانات و انکسار کا ہر خطہ ٹھنڈے سانس لے رہا تھا۔ انسانوں کے دل پر یہ مجروح زخم ہمیشہ کے  
 لئے درد دل کا پہلو بن کر رہے گا۔ اس سے ٹھنڈے سانس نکلیں گے۔ وہ دھوئیں دار یا دل بن کر یقیناً ہر  
 فضا میں بہت دور جائیں گے۔ قسمت تڑپتے ہوئے دل کی پناہ سن کر ان کی تربت برکت کی بارش ہوگی۔ اللہ تعالیٰ  
 آپ کو صبر جمیل عطا کرے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بختے۔ جمیع اسباب میلسی اس غم کے ساتھ شریک ہیں  
 اور تمامی دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر رحمت کی بارش کرے۔ خصوصاً حضرت مولانا محمد بخش صاحب  
 و مولانا کلیم اللہ و شیخ عبدالرحیم حکیم عبدالصمد محمد یوسف و محمد شفیع و غلام مصطفیٰ اعظمی۔ ابوالوفا غابد  
 جمیع جماعت کے کارکنوں کی طرف سے سلام اور نیا نیا قبول ہو۔ فقط والسلام

بچھڑا ہوا بھائی۔ محمد عظیم میلسی (ضلع مظفر گڑھ۔ پاکستان)

۵۰۸  
 محمد عظیم انہیں احوال کے ان دعا کاروں میں ہیں جو ان کے اشارے پر ہر وقت شہادت کے لئے تیار رہتا تھا۔

خط نمبر ۳۔ نائل پور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ خدمت جناب بھائی عزیز الرحمن صاحب۔ اڑنٹ بندہ تا بعد  
 مشتاق احمد پوستی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد عرض ہے کہ آج مورخہ ۳ ستمبر کو آبا جان کے  
 فوت ہونے کی خبر سن کر دل کہ بہت ہی پریشانی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت نصیب کرے اور آپ کو صبر  
 عطا کرے۔ تمام مشہر میں خبر پھیل گئی ہے۔ تمام اہل درحیال کو ہم سب کی طرف سے افسوس ظاہر کریں۔ زیادہ تر میت  
 فقط۔ بندہ تا بعد مشتاق احمد عرف پوستی۔ نائل پور۔

خط نمبر ۳۔ لکھنؤ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکرمی جناب بھائی عزیز الرحمن صاحب السلام علیکم  
 آج صبح ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء کے قوی آواز میں حضرت مولانا صاحب کے اچانک انتقال کو پڑھ کر  
 سکتہ ہو گیا۔ اور تمام گھر کے لوگ ایک دم سکتہ کی حالت میں ہو گئے۔ انتہائی رنج و غم ہوا۔ کیونکہ مولانا صاحب  
 کی ذات گرامی ایک رحمت عم لوگوں کے لئے تھی۔ اس کا قہار کرنا میرے لئے ناممکن ہے۔ مجھ سے بہت خود جس  
 قدر محبت اور شفقت فرماتے تھے اس کو میں زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتا۔ جنت بھی افسوس کروں کہ ہے۔  
 مشیت خداوندی میں کسی کو دخل نہیں ہوتا۔ بروز جمعہ حضرت کا خط مل تھا جس میں تحریر تھا کہ اب طبیعت باہل  
 ٹھیک ہے۔ میں نے جواب بھی لکھ دیا تھا۔ اللہ پاک اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور رحمت کے پھول برسائے۔  
 اور لوگوں کو صبر عطا فرمادے۔ سب کو سلام۔ فقط دھی احمد۔ اصطلیل چارباغ۔ لکھنؤ۔

خط نمبر ۳۹۔ کھاتیلی۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکرمی بھائی عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ  
 وبرکاتہ۔ آج اخبار الجلیہ میں حضرت میرا نام کے انتقال کی لٹاک خبر پڑھ کر دلی صدمہ ہوا۔ حضرت کے  
 اوصاف کے بارے میں کیا تحریر کروں۔ مجھ سے جو شفقت اور محبت فرماتے تھے وہ میرے لئے یادگار ہے۔  
 اس اندوہناک حادثہ کے موقع پر میں پوری طرح شریک فم ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ لوگوں کو صبر  
 جمیل عطا فرمائے۔ اور حضرت کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔ اختر الباز۔ جسر ڈی۔ سہارن۔

خط نمبر ۴۔ نائل پور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر مہربان۔ السلام علیکم۔ گزشتہ رات بیڈ پر کی ٹیبل  
 سے معلوم ہوا کہ آپ کے والد بزرگوار قبلہ مولوی حبیب الرحمن صاحب اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ ہمیں سب کو خبر سن کر انتہائی رنج و اہم کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اور ہمارے والد صاحب کو لدھیانہ کا زمانہ یاد آگیا۔ کاش ہم ان کے آخری درشن ہی کر سکتے۔ مگر زمانہ بہت بدل گیا ہمیں آپ کے والد صاحب کا، آپ کے سر سے سایہ اٹھ جانے کا نہایت افسوس ہے۔ خدا انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اور آپ سب بہن بھائیوں و دیگر خاندان کے افراد کو صبر کی توفیق دے۔ آمین

میرے پاس مزید الفاظ نہیں کہ میں آپ سے اپنے دلی افسوس کے جذبات کی ترجمانی کر سکوں۔ خدا آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور قبلہ مولوی صاحب کو جنت میں جگہ دے۔ آمین۔

آپ کا غلام محمد ولد مستری نور محمد۔ اٹلین ہوزری مشین میکر لدھیانہ۔ لاہل پور

خط نمبر ۳۱۔ الہ آباد۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ بادر م عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم۔ ہم جمیع محبان مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم کی جانکاہ خبر کو سن کر ایک حد تک سکتہ میں رہ گئے۔ اللہ پاک مرحوم کو جنت میں عالی مقام دے۔ آمین۔ کیونکہ آج صبح اور سچی بات کو بے جھجک کہنے والا دنیا سے چل بسا۔ افسوس صد افسوس۔ لیکن بھائی یہ سب ہی پڑتا ہے۔ آپ سب لوگ صبر کیجئے۔ اللہ پاک ہم لوگوں کو بھی صبر عطا کرے اور ان کی بتلائی ہوئی راہ پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔ تم آمین۔ فقط

آپ کا مخلص نیاز اشرف علی ۱۹۲۸ء عی پور۔ الہ آباد۔ یو پی

خط نمبر ۳۲۔ سیکر۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم طبیب صاحب۔ تسلیم۔ آج صبح کے اخبار میں آپ کے والد صاحب کے اچانک اس جہان فانی سے رحلت فرما جانے کی خوش خبر پڑھ کر بہت ہی افسوس ہے۔ خداوند کریم ان کی پاکیزہ روح کو شانتی اور آپ سب کو اس ناگوار صدمہ کو برداشت کرنے کی قوت بخشیں۔

مولانا صاحب جیسی ہستی کی آپ کے کنبہ کو اور ہمارے ملک کو بھی ایسے وقت میں جب کہ کئی قسم کے طوفان اٹھ رہے ہیں، اشد ضرورت تھی۔ ان کی موت سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے اس کا پُر ہونا بہت مشکل ہے لیکن خدا کی مرضی پر صبر کرنا پڑتا ہے۔ آپ کا۔ بی۔ ڈی منوچہ۔ سیکر۔ راجستھان۔

خط نمبر ۳۳۔ دہلی۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مائی ڈیم بادر۔ جے ہند۔ آپ نے بتایا کہ مولانا صاحب نے وفات سے ایک روز پہلے ایک میسجک بلائی ہوئی تھی۔ اور وہ پورہ پنجاب میں مسجدوں کی داگڑی کے



مستحق تھی۔ اس سلسلہ میں میری ایک تجویز یہ ہے کہ اسے خالص مسلم سوال نہ بنائے۔ نیز اس کام میں ہندو کو بھی شامل کیجئے۔ آپ کو میرے جیسے بہت سے ہندو دوست مل جائیں گے جو اس کام میں پورا تعاون دیں گے۔ اس طرح یہ ایک فرقہ دارانہ معاملہ نہیں رہے گا۔ اس میں جلد کامیابی ہوگی۔ اس ضمن میں اپنے بہت سے دیگر ساتھیوں کی طرف سے بھی تعاون کا یقین دلاتا ہوں۔ مولانا صاحب جو کام ادا ہو رہے ہیں اسے پایہ تکمیل تک پہنچانا آپ کا فرض ہے۔ آپ کے بھائی صاحب نے تھا پر صاحب کے مستحق ایک کام کیا تھا۔ لیکن میں ان کا نام اور ان کے محلہ کا نام بھولی گیا۔ ان سے کہئے کہ مجھے پورا پتہ دیں۔ بچوں کو پایا۔

آپ کا چمن لال آزاد۔ نائب ریڈیٹر روزنامہ پرتاپ۔ نئی دہلی۔

خط نمبر ۳۲۔ علی گڑھ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیز۔ سلام اور دعا مسنون۔ اخبارات سے وہ صاحب کے مقامات کی انوسٹاک تھری۔ وہ آپ کے والد تھے۔ سرپرست تھے اور صحیح معنوں میں رہنما تھے۔ ظاہر ہے آپ سو گوار ہوں گے اور بہت زیادہ۔ یہ دغلم میں مبتلا ہوں گے۔ اس موقع پر ہر جاننے والے کا تعزیت کرنا اور دلاسا دینا فرض ہے۔ مگر عزیز میاں وہ اپنی شفقت بزرگانہ کی وجہ سے منہم کتنوں کے۔ آپ کتنوں کے بھائی اور کتنوں کے ایسے دوست تھے کہ ان کی موت کا عدم بقیہ حیات کا دائمی رفق بن گیا۔ ان کی کمی ایک خاندان کے رکن کی کمی نہیں ہے۔ ایک ملک اور قوم کے مجاہد کی کمی ہے جس کے سربراہ مجاہدوں میں آخر وقت تک کی نہیں آئی۔ اب یہ لوگ کاہلے کو پیدا ہوں گے۔ خدا مرحوم کو جو رحمت میں بلے دے اور قوم میں ان کی مثالیں پیدا کرے۔ ساری قدرت کے لئے سب آسان ہے۔

خیر اندیش۔ محمد حفیظ الدین۔ انجمن ترقی اردو ہند۔ علی گڑھ

خط نمبر ۳۳۔ گوجران والا۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ سلام علیکم۔ سات آٹھ بجے جموں ریڈیو اسٹیشن سے قبلہ خاں صاحب مرحوم و مغفور کی وفات کی خبر سنی۔ لیکن یقین نہ آیا۔ اپنی قوت سامعہ پر شک ہونے لگا۔ پھر پاکستان ریڈیو نے بھی اطلاع دی۔ اور صبح جو اخبارات میں شائع ہوا تو یقین کرنا ہی پڑا۔ لوگوں کو کہتے سنتا تھا کہ بھائی کی وفات پر میرا بازو ڈٹوٹ گیا۔ یا ظاں کی وفات پر کڑوٹ گئی۔ لیکن میں نے آج تک یہ محسوس نہ کیا تھا۔ بھائی جان یہ حقیقت اب معلوم ہوئی۔ جب سے خاں صاحب کی وفات حسرت آیا

کی خبر سنی ہے۔ میں واقف تھا یہ محسوس کرتا ہوں جیسے بالکل خالی ہو گیا ہوں۔ دائیں بائیں بھی محسوس کرتا ہوں کہ گویا اکیلا ہوں یا یہ کہ میں بہت کچھ تھا۔ اب کچھ نہیں رہا۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت خالوصاحب کی ذات ہمارے سب کے لئے بہت بڑا سہارا تھی۔ اتنی دور بیٹھے ہوئے بھی میں ان کا سایہ عاطفت اپنے سر پر محسوس کرتا تھا۔ حقیقت میں خالوصاحب بجا طور پر خاندان کے باعث فخر ندرگ تھے۔ خالوصاحب نے ہی اسلاف کی ہدایات کو زندہ رکھا۔ اور آہ آج وہ بھی ہمارے لئے اسلاف میں شمار ہونے لگے۔ قبلہ خالوصاحب کی وفات سے جو خلا واقع ہوا ہے۔ اس کا پُر ہونا ممکن نہیں۔ آپ کی اتنی خوش نصیبی ہے کہ آخری وقت میں زیارت سے محروم نہ رہے اور نماز جنازہ میں شرکت سعادت حاصل کی لیکن ہم بد نصیبوں کے مقدر میں یہ بھی نہیں تھا۔ خالوصاحب نے اس جہاں سے کوچ کیا۔ خبر سنی اور دھوکہ بیٹھ رہے۔ سوائے اس کے چارہ ہی کیا تھا۔ اب جب سے خالوصاحب مرحوم کی وفات کی خبر سنی ہے۔ خون کے آنسو پی بیٹھ رہے۔

جب یہ سوچنا ہوں کہ دیاں دہی میں تو کھرام بچا ہوا ہوں گا اور ہم یہاں بیٹھے ہیں تو دل میں ابالی سا اٹھتا ہے۔ آنسو آتے ہیں۔ لیکن پی جانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔ اور یہ خط کا لکھنا تو ایک رسمی سی بات ہے۔ نہ تو میں اس پر اپنا دل نکال کر رکھ سکتا ہوں۔ نہ ہی آپ کو اس سے تسلی ہو سکتی ہے۔ بہر حال جو خدا کو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔ قبلہ خالوصاحب تو اپنے اسلاف سے جا ملے۔ وہاں تو خوشیاں ہوں گی اور ان کا استقبال ہو رہا ہو گا اور ہمارے بزرگوں کی اصلاح متدرجہ کتنا خوش ہوئی ہوں گی جب کہ ان کے پاس ان کے خاندان کا ہمیر دیکھا ہو گا۔ یہ اس دنیا کی پرانی ریت ہے مگر بزرگوں کا میراث بنی آدم است۔ میں اپنے غم سے ہی آپ کا غم معلوم کر سکتا ہوں۔ آپ کے والد بندہ گوار تو تھے ہی بلکہ آپ کے لئے سب کچھ تھے۔ لیکن تقدیر کے سامنے کیا چارہ؟ ہم سب بہن بھائی، آپ سب کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ پروردگار دو عالم قبلہ خالوصاحب کو جنت الفردوس علیٰ علیین میں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور آپ سب کو اور ہمیں صبر کی توفیق دے۔ آمین یا رب العالمین۔

میں مفصل طور پر علالت اور وفات کے حالات کا علم نہیں ہو سکا۔ فرصت کے موقع پر تفصیل لکھیں کہ جنازہ کب اٹھا۔ کون کون شریک ہوا۔ جنازہ کتنے لوگوں نے پڑھا اور کہاں۔ مدفن ہوئے اور آخری وصیت کیا تھی،

آخری وقت آپ میں سے کون کوئی موجود تھے۔

ہمیں ان کی زندگی سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو ہمیشہ حق کو چھوڑنا چاہئے یہی مومن کی ساری زندگی کا مقصد ہے۔ یہ صفت ایسی تھی جس کا مخالف بھی اکر درست نہیں رہتا۔ انھوں نے بھی تو بات سمجھ لی تھی۔ کسی بھی باطل کی طاقت سے مرعوب نہیں ہوئے۔ انھوں نے اپنی تمام زندگی اسی شے سے گزار دی۔

آئین جواں مردان حق گوئی و بیباکی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روہائی

آپ کا نام ضیاء بھائی۔ محمد احمد۔ ضیاء نون گوہر خانہ۔

بخدمت نیراجی مولانا غلام غلام الرحمن جی مری مدعیہ قادیانہ کو چہ رتوں چاندنی چوک۔ دہلی

خط نمبر ۳۶۔ لاہور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ سید عزیز محمد بن سید سرفراز خان جی۔ سندھ مسنون۔ قبلہ دہلی کے انتقال پر مولانا غلام غلام الرحمن صاحب نے ہزار ہا دعاؤں پڑھیں اور اسی وقت دعا کی ہے جبکہ ان کی بہت ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ انھیں باقی رحمت دے۔ دربارہ جہاد میں کوشش فرمادے۔ ہماری یہ بھی دعا ہے کہ آپ ان کے صحیح قیام کو مقام نہایت ہوں۔ السلام۔ آپ کے شریک غم غلام حسین صدیقی

محبوب

خط نمبر ۳۷۔ لاہور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر عزیز مولانا خلیل الرحمن صاحب السلام علیکم۔

آج اخبارات سے آپ کے دربارہ مولانا حبیب الرحمن صاحب کی وفات کی خبر پڑھ کر بہت غمناک ہوا۔ اللہ پاک ان کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور آپ سب میں۔ اندگان کو صبر عطا فرمائے۔ مولانا مرحوم کی زندگی ایک مسلسل جہاد میں گزری۔ انھوں نے خطرے کا سینہ سپر ہو کر مقام نہایت

عزیزی عوینا الرحمن صاحب سے بھی میری طرف سے افسوس کا اظہار فرمادینے کا

نیاز مند۔ فتح محمد انوری ایڈوکیٹ۔ ۵۔ ٹیمپل روڈ۔ لاہور

خط نمبر ۳۸۔ مرگودھا۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مری مولانا۔ عزیز محمد۔ السلام علیکم۔ مری حضرت مولانا

حبیب الرحمن کے انتقال کا اخبار میں پڑھا کہ سخت صدمہ ہوا۔ قادیان میں نیک بہشتیاں چاہتے رہے۔

تھک رہے ہیں۔ جو صدمہ جس پہنچا ہے۔ خدا ہی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے کوئی طرح غلطی سے بچائے۔



دعاؤں سے محروم رہ گئے۔ ماموں صاحب آپ کے اس غم میں شریک ہیں اور ہم سب دعا کرتے ہیں کہ خداوند کیم مولانا صاحب کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ سب حضرات کو سلام۔ خداوند تعالیٰ آپ کو اور ہم سب کو صبر عطا فرمائے۔

نوٹ: گاہ بگاہ آپ اپنی خیر و عافیت سے اطلاع بخشا کریں۔ والسلام۔ فقط  
ڈاکٹر فیاض الدین ہوسپو بیٹھک لدھیانوی۔ بلاک نمبر ۲۳۔ لفٹ۔ سرگودھا۔  
خط نمبر ۴۹۔ ضلع کیمپور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترمی مکرمی جناب بھائی خلیل الرحمن صاحب۔  
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بڑے کل حفر دیا تھا۔ ہوٹل میں کھانے سے فارغ ہو کر بیٹھے ہی تھے کہ پاکستان، پریس خبریں نشر ہونا شروع ہوئیں تو یہ جانکاہ خبر سن کر بیخ و بال کی انتہا نہ رہی کہ حضرت اباجی صفا اس دار فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ۵ ایسے وقت میں ایسے مجاہد عظم کا سایہ ہمارے سروں سے اٹھنا ناقابل برداشت ہے۔ مگر مشیت الہی متزل کے آگے دم مارنے کی جگہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کو جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرما دیں اور ہم سب کو صبر جمیل بخشیں۔ اللہ تعالیٰ سب پس ماندگان کو صبر جمیل عطا کریں۔ آمین۔ احقر عبدالحمید لدھیانوی مالک سویٹ ہاؤس حسن ابدال۔ ضلع کیمپور

خط نمبر ۵۔ پاکستان۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیزم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم۔ ۲ ستمبر کی شام کو آٹھ بجے برادر مکرم کے انتقال کی خبر معلوم ہو کر نہایت ہی صدمہ ہوا۔ صدمے سے دل و جان بے قرار ہیں اور سب اہل خانہ بے چین اور غم زدہ ہیں۔ ہم سب تم سب کے غم میں شریک ہیں اور دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ بھائی جان مرحوم کی موت خاندان کے لئے بڑا صدمہ ہے اور ان کی جدائی سے پاکستان میں اکثر لوگ اظہار غم کر رہے ہیں۔ صبر کے سوا چارہ نہیں ہے۔ ہماری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو اللہ تعالیٰ جنت میں جگہ دیں اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

بلفیس نے اپنے آبا جان کی موت کی خبر پانپور میں سنی اس کو سخت صدمہ ہوا۔ اور بہت پریشان ہے آج تہیہ امتداد اس کی والدہ اور مولوی ایلاس مرحوم کی بیوی مریم خان پور چلے گئے ہیں اور میں بھی شام کو

خان پور جاذن گامیری صحت اچھی رہی تو سردیوں میں دہلی آئل گا۔ سب عزیزان کو سلام دوغا۔ فقط

محمد حسن صدر مدرس مدرسہ رفیق العلماء محلہ قاضیان۔ رحیم یار خاں۔ پاکستان

خط نمبر ۵۔ لاہور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیزم خلیل الرحمن صاحب۔ السلام علیکم۔ کل اخبار میں آپ کے والد بزرگوار کے انتقال پر طال کا حال پڑھ کر بدمذہب ٹھیک ہوا۔ آپ کے والد ہمارے دیرینہ گھرے خاندانی تعلق ہیں۔ اور آپ کے خاندان سے ہمیں دلی اور روحانی تعلق ہے اس لئے ان کی وفات کا بہتانی رنج ہوا اور بالکل ایسے محسوس ہوا ہے گویا مرحوم کوئی غیر نہ تھے بلکہ ہمارے اپنے عزیز تھے۔ بڑے نیک اندہ پاک طبیعت بزرگ تھے۔ اللہ کریم انھیں اپنے جوار رحمت میں بلند درجات عطا فرمائے آمین! اور ہم سب کو نصیر دے۔ کاش اس موقع پر ہم لوگ بھی شریک ہو سکتے۔ آخری بار ان کو دیکھتے۔ دوران کی تجویز دیکھیں یہ ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہاں منظور نہ تھا۔ کھو انھیں کون سی جگہ دفن کیا ہے اپنے سب چھوٹے بہن بھائیوں کو ہم سب کی طرف سے اظہار افسوس کر دیں اللہ تعالیٰ دے دیں کہ اللہ تعالیٰ کے کاموں میں کسے دخل کی مجال ہے۔

ایسے بزرگ کا سایہ اٹھ جانا حقیقت میں ہم لوگوں کی نصیبی ہے۔ والدہ صغریٰ۔ صغریٰ۔ صغریٰ اور سب بچے انتہائی طور پر رنجیدہ اور طول ہیں۔ سب اظہار افسوس کرتے ہیں، در سلام عرض کرتے ہیں۔ چھوٹے بہن بھائیوں کو میری طرف سے بہت بہت دعاؤں پیار۔ والسلام۔ آپ کا نزدیک ام نور، جہ محمدیہ ۹۔ برٹلہ ہاؤس۔ لاہور

خط نمبر ۵۔ راولپنڈی۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر محترم۔ السلام علیکم۔ اچانک، خد میں آپ کے والد بزرگوار کی وفات کی خبر پڑی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! خدا مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین! مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میری آخری ملاقات آپا جی سے شاید دہری میں ہوئی تھی وہ ہمیشہ مجھے اپنے بچوں کی طرح سمجھتے تھے۔ منادات کے دوران میں جس قدر انھوں نے ہم بھائیوں کی حوصلہ افزائی کی ہے اس کو دہریا میری ہمت سے اہرے ان دنوں بھائی بھینی سے بے خبر تھا۔ مگر ان کا ہی حوصلہ تھا۔ وہ تمام اہل لدھیانہ کو مت اور ح۔ سر کی سین لوت رہے

اس کے بازو جو ان کی دیگر سیاسی اور مذہبی خدمات کو ہم بھی نہیں فراموش کر سکتے۔ زندگی میں ایسے لوگ دراکم ہی دیکھتے ہیں آئے ہیں۔ اس دفعہ میرا پکا ارادہ تھا کہ میں دہلی آکر ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا مگر کیا معلوم کہ تقدیر نے یہ دن بھی دکھانا تھا۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی شفقت اور مہربانی کے سارے تینار کھے اور ان کے راجفین کو صبر اللہ و صلوٰۃ عطا کرے۔ آمین۔ میں آج کل امتیاز دے رہا ہوں۔ دعا کریں کہ کامیاب ہو جاؤں۔ والد صاحب (در دیگر سب خیریت سے ہیں۔ سب بھائیوں کو سلام کہہ دیا۔ فقط مختار علی راولپنڈی۔) راہ فوری میں مختار ایک کامیاب انگلستانی ۳۲ جہ کی حیثیت خط نمبر ۵۳۔ اعظم گڑھ۔ ۴ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیز بھائی۔ سلام سنوں۔ یکایک نظر اخبار سیات پڑھتے پڑھتے اباجی مرحوم کی خبر انتقال پر پڑی۔ بس بالکل سکتہ ہو گیا۔ اسی چند دنوں کی بات تھی، آپ کے خطوط سے باہل، اطمینان ہو گیا تھا اور ادھر ان کی خرابی صحت کے بارے میں آپ نے کچھ مطلع بھی کیا تھا جس سے کچھ اندیشہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اتنی جلد بلا لیں گے۔ اپنی کوتاہی قلمی دینے کا ردیاری مسئولیت کی وجہ سے میں خود اس سلسلے میں کچھ آپ سے دریافت کرنے سے قاصر رہا، یوں کہ سبھی کو اس دنیائے فانی سے کوچ کرنا ہے۔ لیکن اباجی کا سایہ ہم لوگوں کے لئے بہت ضروری تھا جس سے ہم لوگوں کو دینی و دنیوی زندگی کی رہنمائی ہوتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مصلحت اگر اسی میں تھی تو اس کے آگے بجز صبر و شکر کے چارہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جملہ متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم اباجی کو اپنی آفریں رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔ اب ہم لوگوں کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی دوسرا حل نہیں تفصیل سے مطلع کیجئے۔ جملہ اہل خانہ کو بے حد غم ہے اور سب لوگ مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لئے کوشاں ہیں۔

والسلام۔ احقر عمران۔ محلہ کرمی ٹولا۔ جیل اسٹورچیک اعظم گڑھ

خط نمبر ۵۔ جٹ نوالا۔ ۴ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ کرمی منظمی قبلہ دکنہ حضرت مولانا مولوی محمد یحییٰ صاحب اسلام علیکم۔ کل فوائے وقت اخبار میں قبلہ حضرت مولانا کے انتقال کی بابت پڑھ کر بے انتہا قلق ہوا ہے جو کہ بیان سے باہر ہے۔ میں نے پہلے بھی جناب کی خدمت میں ایک خط ارسال کیا تھا۔ شاید آپ کو مل ہی نہ ہو گا۔ بہت بہت افسوس ہوا۔ اب سوائے افسوس کے کم کر ہی کیا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو



ایسے ہی منظور تھا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت نصیب کریں۔ اندر پس ماندگان کو نصیب کی توفیق عطا فرمائیں۔  
 پنجابی میں متلی مشہور ہے بھائی جنہا ندے مر گئے مل گئی اُہناں دی بانہ۔ اچھل چندون ہی ہوئے  
 ہیں کہ حضرت مولانا مولوی محمد عبداللہ صاحب سندیاں شریف دالوں کی دعاؤں سے مرحوم ہو گئے تھے  
 اور اب حضرت مورانا کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلایا۔ اچھا اپنے مولا کریم کی رضا کے ساتھ ہم بھی رخصتی  
 میں۔ ایک ایک کر کے چارے چارے ہم سے جدا ہو کر جا رہے ہیں۔ در ایک دن ہماری بھی باری آئے گی۔  
 ہے۔ بھائی... شریک... جو درز افتخار سب سلام عرض کرتے ہیں سب حضرات کی خدمت میں سلام  
 علیک عرض ہو۔ سب حضرات کی خدمت میں دعا کے لئے عرض کیا۔ جناب کی دعاؤں کا اللہ باری

درست محمد جبرائیل صلیع سرگودھا

حیدرآباد۔ دیوبند۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۵۷ء۔ بزرگ مکرمل مولانا عزیز الرحمن۔ سب۔ سلام علیکم۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب جن کو ہم آج رحمۃ اللہ علیہ کہہ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے تشریف  
 سے دامت برکاتہ مکمل کرتے ہیں۔ آپ شاید واقف ہوں دہلی میں بہت پہلے جب مرزا ایت درقا دیوان  
 تھریاک کا نقد تھا۔ اس دہلی میں میں نے در مولانا عبدالسمیع صاحب جو اس وقت مدرس فقہ دیوبند میں  
 اور مولانا خدابخش صاحب جو اس وقت پاکستان میں ہیں بنیاد ڈالی تھی۔ دہلی کے حضرت بنی محمد سادات  
 صاحب، محمد عارفین صاحب وغیرہ۔ یہ اب بھی دہلی میں موجود ہیں۔ شاہ قیام مولانا مرحوم مولانا کر دہلی میں  
 سب سے پہلے ان حضرات کے ذریعے سے قادیانیت کو کچلوا یا اور برہنہ ہا برس ان حضرات کی تشریف آوری  
 دہلی ہر مکان اب نہیں۔ تلہ دالوں کا جو اس وقت قیام گاہ تھا۔ برہنہ حضرات مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے  
 بہت قریبی تعلقات تھے۔ افسوس کہ وہ میرے دہلی سے دیوبند چلے آنے کے بعد ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ  
 کے بعد سلسلہ رسل و رسال اور آمد و رفت بہت کم ہو گئی۔ لیکن مولانا مرحوم کی سیاسی اور دینی خدمات  
 سے بہت زیادہ واقفیت ہے۔ اس صحت یاب ہونے کے بعد یکدم خبر وفات سے بڑی ٹھیک پھیلتی تھی۔ حق تعالیٰ  
 سے دعا ہے کہ وہ آپ حضرات اور جملہ متعلقین کو تبرکات اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین حضرت مولانا  
 کے ساتھ دیکھی ہمدردیاں تو ہیں ہی نہیں۔ حقیقی دعا میں اور ہمدردیاں ہی ہیں اس میں الرحمن کی ذات

سے میرے ہے کہ وہ مولانا کو جنت کے اعلیٰ مقام پر فائز کرے۔ یہاں دارالعلوم میں بھی مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے لئے سب کچھ کیا گیا ہے جیسے کہ حضرت رحیم صاحب نے بتلایا ہوگا۔ خداوند تعالیٰ اس کو قبول فرمائے۔ بہر حال یہ خادم ہی حضرت مرحوم سے بہت دیرینہ تعلق رکھتے والا ہے اور آپ کے غم میں بلاشبہ شریک ہے۔ فقط۔ فخر الحسن مدرس۔ دارالعلوم۔ دیوبند۔

خط نمبر ۵۶۔ طارق آباد۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ حق۔ حق۔ حق۔ مکرری۔ سلام مسنون۔

جناب بھائی صاحب! والد صاحب کی وفات کا سن کر دل کو بے حد صدمہ ہوا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ  
فَرَارَ الْیَاسْرِ لَا یَجُودُ ۵ ہم تو بہت دیر سے ترس رہے تھے کہ والد صاحب کی زیارت کریں گے۔ مگر  
ہمارے نصیب میں نہیں تھی رکاش آج اپنا وطن ہوتا۔ اکٹھے مل کر جاتے۔ والد مرحوم کی یاد میں دل بہت  
ٹڑپتا ہے۔ بنی بہت روتی ہے۔ در والد صاحب کو یاد کرتی ہے۔ ہم اتنے بے نصیب ہیں ہمیں زیارت بھی  
نصیب نہیں ہوئی۔ خداوند کریم کو اسی طرح منظور تھا۔ میں بہت دعا کرتی ہوں کہ میری والدہ اور والد صاحب  
کی باری کو خداوند کریم ہر سب سے رکھے۔ والد کو خداوند کریم غریقِ رحمت کرے۔ وہ تو جنتی تھے جنت میں اپنا گھر  
بنالیا۔ آمین ثم آمین۔ عزیز الرحمن، خلیل الرحمن بھائی کو بہت بہت سلام۔ مولوی محمد طیب کو پیار، بھائیوں  
کو سلام۔ بچوں کو پیار۔ مولوی جی کے گھر ہم گئے تھے انہیں کرنے کے لئے ٹھنڈی ریت کھجور کے تے۔ والد  
مرحوم کی یاد میں دل میلا جلا گیا ہے پڑھنے سننے والوں کی خدمت میں بہت بہت سلام قبول ہو۔ کوئی غلطی ہو تو  
معاف فرمادیں۔ فقط۔ آپ کی بہن زہرا شیخ۔ طارق آباد۔ گلی ۷

خط نمبر ۵۔ پاکستان۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ بگرامی خدمت جناب مولانا عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ

اسلام علیکم۔ اخبار نوائے وقت میں آپ کے والد گرامی حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کی وفات  
حضرت آیات کی خبر پڑھا کر اذ صدمہ ہوا۔ مسلمانانِ ہند کا ایک ستون گر گیا۔ مرحوم ۷۷ سالہ عمر کے مالک تھے  
اور دل میں تومی درد رکھتے تھے۔ دعا ہے کہ باری تعالیٰ بزرگ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دیں اور پس ماندگان  
کو صبر جمیل عطا کرے۔ میں اور حکیم احمد علی صاحب جب ماہ فروری میں دہلی آپ کے پاس ٹھہرے تھے، انہیں  
یہ اس وقت مولانا مرحوم کی زیارت سے محروم رہے۔ کیونکہ جس دن ہم دہلی پہنچے تھے، اسی دن مولانا اپنے

تشریف لے گئے تھے۔ حکیم محمد علی صاحب کی طرف سے بھی از حد افسوس ہے۔ نقطہ السلام

خادم نظام نبی مہدی عندہ۔ غوثیہ دوا خانہ رجسٹرڈ۔ منٹگمری۔ پاکستان

خط نمبر ۵۔ گوجرانوالہ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیز بھائی مولوی خلیل الرحمن صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ورکاتہ۔ خالو صاحب سے ملنے کی امیداً خریدی نہ ہوئی۔ بات وہی پوری ملکی جو خالو صاحب نے تحریر فرمائی

کراچی دنیا میں عزت و شہرت میں نہ ہو تو انشاء اللہ العزیز حوض کوثر برطیس گئے۔ ۲ ستمبر کو خالو صاحب کے

انتقال کی خبر پڑی۔ ساری شہر میں غمی کی طرح پھیل گئی۔ کچھ کوہ جواہر کے کافی لوگ۔ اس صاحب کے

پاس انہما رافضوس کے لئے آئے۔ انا للہ فی انا الیک راجعون ڈ ستمبر کو یوں نہیں صاحب نے

مسیحی باغ والی میں قرآن تہذیب ختم کرایا اور جامع مسجد شہر گوجرانوالہ میں مولانا فطیل احمد۔ صاحب دہرہ

عبدالواحد صاحب نے قرآن تہذیب ختم کرا کر جناب خالو صاحب کی رشتہ کو اتصال ثواب کیا وہ مولانا صاحب

سے عقیدت رکھنے والے تھے۔ وہ مسجد میں دسائے مغفرت مانگی۔ اور قرآن تہذیب پڑھ کر اپنے توبہ

کئے۔ اس وقت سے اب تک شہر میں ہر طرف سولہ تائی کارکنہ۔ ہاں اور خدمات کو لوگ نہ تھیں دریا

ہیں۔ اللہ یاد کر رہے ہیں۔ مقامی ہر سب یہ بات کہنے میں لے یاں جو کلمات کرنے والا اور سچو

موقع پر بات کہنے والا یکہ درجہ پر بخا۔ خود یہ سے رخصت ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو ایسے جو رشتہ

جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے اور جس کو شہر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میرت میں۔

پہل ملاقات میں صاحب فرماتے ہوئے کہ وہ شخص تھے جس نے جان بوجھ کر کبھی کسی کا نقص نہ کیا۔

کا ارادہ کیا۔ بہت بڑے غلصہ شخص تھے اور رشتہ داروں کے دوست تھے۔ افسوس وہ بڑے سنے کہ

نہ کیا۔ فرما رہے تھے کہ میرا بچہ بڑا اب تک بن کر نہ آیا۔ اب اگر ابھی یہ توبہ خانہ میں لوگ

رخصت ہوا۔ جناب خالو صاحب دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ سب بھائی بہنوں کو توبہ فرمائے۔

تمام بھادران دیں۔ مذکور سب آپ کے غم میں شریک ہیں۔ میں تو یہی کہوں گا۔ اللہ تعالیٰ سے

تیار آقا جس دن قدرے اطمینان ہو تو خالو صاحب کے آخری حالات خبر لے کر روانہ فرمائیں۔ کون

جس میں پوری تفصیل، نماز جنازہ دینا سب درج ہو ضرور اور ان کی دیدہ فقط عبد الواسع ناظم دار السلام

۵۱۹  
لے مولانا عبد الواسع لدھیانوی رحمہ کے دہریہ خاوری۔ سال کی غم میں رمضان اب تک شہر میں



خط نمبر ۵۹ - شیخوپورہ - ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء - مکرمی و محترمی جناب مولانا خلیل الرحمن صاحب اذعیات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج مبارک ۹ اخبارات میں آپ کے والد محترم حضرت مولانا  
خاج حبیب الرحمن صاحب کی وفات حسرتِ ابد کی خبر پڑھ کر بہت افسوس ہوا اللہ تعالیٰ مرحوم کو  
اپنے بخارِ رحمت میں جگہ بخشے۔ آمین ثم آمین۔ مرحوم بہت صفات کے مالک تھے۔ ان کی یاد رہ رہ کر آتی ہے  
مولانا کی کئی عرصہ نو سال کا ہو گیا تھا۔ چھ بھی بذریعہ خط و کتابت تبادلہ خیالات ہوتا ہی رہا ہے  
آپ کو معلوم ہی ہے کہ دنیا فانی ہے۔ کُلُّ نَفْسٍ دَالِقَةٌ اُفْوَتْ "کُلُّ شَیْءٍ هَاضِمٌ اِذَا  
رَجَعَا"۔ سوائے حبیب کے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ مرحوم نے اپنی زندگی قوم و ملک کے لئے وقت کی  
ہر ہر ہمتی اور زندگی کا اکثر حصہ بیماری کی حالت میں جیلوں میں کاٹا۔ ان کی قربانیاں انشاء اللہ باعث  
بنندگی و ربابت ہونگی اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے چھوٹے بھائی سعید الرحمن  
صاحب مدتیہ میں درنزی مسجد میں معلم ہیں۔ کیا یہ ٹھیک ہے مفصل حالات سے مطلع فرمائیے۔ کیا وہ  
دہلی پہنچ گئے تھے۔ عبدالمحید نو اسہ محسنِ جنت و دیگر تلمذ و رشتہ داروں کی طرف سے مولانا صاحب کے  
سنان کا بہت افسوس ہے۔ نیاز گیس عید الرحمن اللہ دھیان دی۔ عثمانیہ کالج - شیخوپورہ

خط نمبر ۶۰ - کبھاشن پور - ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء - محترم بھائی خلیل الرحمن صاحب - سلام مسنون۔  
حضرت مولانا کے وصال کی اطلاع آج کے اخبارات میں پڑھ کر رنج و غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے  
۔ میرا توبہ زمانہ میں حضرت مولانا رشتہ نشینی کا مینار تھے۔ حضرت مولانا کے تعلقات ہمارے خاندان سے  
بیکار خاندان کے بزرگ کے سے تھے۔ آج ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خاندان کا کوئی بزرگ ہم سے جدا ہو گیا  
و دعا ہے۔ رشتہ محضت مولانا محترم کو اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب عطا فرمائے اور آپ کو اور ہم سب کو صبر جمیل عطا  
فرمائے۔ تمام دود و دلی کی تلاش پور صلیع سبارن پور

خط نمبر ۶۱ - لاہور - ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ براہ محترم۔ کل نوائے وقت میں قبلہ  
مورثہ صاحب کے انتقال کی خبر پڑھ کر سخت صدمہ ہوا۔ اس ناگہانی خبر نے تمام گھر کے افراد کو سکونہ کر دیا۔  
گرچہ اس عالم فانی میں سب کو آگے پیچھے جانا ہے۔ مگر اس بے وقت کی جدائی نے تمام کو سخت مصائب

لے خان وند علی خاں کا بھی شہدے کے شروع میں پلایا بھیت میں انتقال ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے (و رہا)

میں جلد کر دیا۔ خداوند کریم آپ کو صبر جمیل عطا کرے، اور مولانا کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔  
 انتہاء اللہ قلعے پھانی کے ہمراہ آخر ستمبر تک حاضر ہوں گا۔ شریک غم۔ مہینہ علی خاں۔ ۱۶ مارچ لاہور  
 خط نمبر ۶۲۔ کلکتہ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر محمد خلیل الرحمن صاحب۔ السلام علیکم۔ آج صبح اخبار  
 میں مولانا صاحب کے انتقال کی خبر پڑھ کر دل کو سخت صدمہ گزرا جو بابت سے باہر ہے۔ پروردگار غلام  
 سے دعا گو ہوں کہ وہ مولانا صاحب کو اپنی جوار رحمت میں رکھے اور آپ لوگوں کو صبر عطا فرمائے۔ میری  
 طرف سے برادر عزیز ارجمند و دیگر پرسان حال کو تعزیت کا میثم دیں۔ عنایت ہوگی۔  
 آپ کے غم کا شریک۔ تہ لفت بیٹ نو دھیا نوی معرفت برکت علی ایند برادر س ٹینر ایند  
 نوٹ دیس۔ کلکتہ

خط نمبر ۶۳۔ سہارن پور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکرمی۔ سلام مسنون۔ اخبارات کے ذریعہ مولانا محترم  
 کے انتقال پر مٹوں کی خبر معلوم ہوئی۔ یہ حادثہ نہ صرف آپ لوگوں کے لئے صدمہ کی وجہ ہے، بلکہ ہم سب  
 کے لئے جو ان کی ذات بابرکات سے واقف ہے نہایت ہی رنج دالم کا باعث ہے۔ فیس کہ ہم اکابر  
 سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور آپ کو در  
 ہم کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ آمین۔ شریک غم۔ حافظ اکرام اللہ۔ سہارن پور  
 خط نمبر ۶۴۔ گوجرانوالہ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیز محمد خلیل الرحمن سلمۃ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم درجتہ  
 اللہ وبرکاتہ۔ آہ میرے عزیز۔ دو تین ستمبر کی درمیانی سب ہمارے لئے نہایت غماک اور اندوہ انگیز خبر  
 لائی۔ جب کہ پاکستان ریڈیو کے ذریعہ محترم مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم کے انتقال پر مٹوں کی  
 خبر سنائی دی۔ گوجرانوالہ میں ہر طرف اجاب میں خصوصاً اور دیگر قروام میں عموماً رنج و غم کی ایک لہر دوڑ گئی  
 ۳ ستمبر کو بعد نماز پھر ہری سنگی نلو بلڈنگ میں مرحوم کے ایصال ثواب کرنے کے لئے ایک مجلس قرآن خوانی  
 ہوئی۔ جس میں ہمارے طلباء کے علاوہ تمام لادھیانہ والے اجاب نے شرکت کی۔ اور سقۃ قرآن شریف  
 ختم کئے گئے۔ اس مجلس میں شریک ہونے والے ہر فرد کی آنکھ آنسو بہا رہی تھی۔ بعض کا رونا تو بے بسی کا  
 رونا تھا۔ غرضیکہ میں قدر اجاب نے ان کے انتقال پر صدمہ محسوس کیا ہے۔ اس کا تحریر میں آنا محال ہے

قصہ پر کسی کا بس نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مقام رضا عطا فرمائے۔ ہمیں اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین۔ جہاں تک جو میرے عزیز و اتفاق و محبت سے رہیں۔ اپنے موجودہ حالات سے بھی پتہ دیں۔ فقط۔ مولوی حسین مسجد باغ والی پاکستان۔ مغربی گوجرانوالا

خط نمبر ۶۵۔ ناگ پور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیز محترم مولانا خلیل الرحمن دعوٰی الرحمن صاحب

السلام علیکم۔ میں گاؤں میں رہتا ہوں اخبارات روزانہ مسلسل نہیں ملتے۔ ناگ پور کے ارادہ سے ۳۰ ستمبر کو شب کے وقت بھوپال پہنچا۔ احباب سے معلوم ہوا ہمارے مخلص ہندو حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اس دار فانی کو چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ دونوں عزیز بھی طرح جانتے ہیں کہ میں حضرت مرحوم کو اپنا ہندو اور محترم سمجھتا تھا۔ اور مرحوم مجھ سے ویسے ہی محبت فرمایا کرتے تھے۔ تمام سیاسی کشمکش کے باوجود ہمارے ان کے ذاتی تعلقات میں کوئی فرق نہیں۔ اس سلسلہ سے جو اثر مجھ پر پڑا ہے آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ باوجود اس کے کہ میں صرف فتنے نیا نہ مند ہوں جب مجھ پر اس کا اتنا گہرا اثر ہے تو پھر تمام حضرات اور سب گھروں پر کیا اثر ہوگا، اس کا مجھے اندازہ ہے بہر حال یہ عادتہ ہونے والا تھا اور اپنے بعد ہمارے لئے صرف صبر کے اور کیا چارہ ہے۔ اب لوگ خود صاحب علم و فضل ہیں، اپنے گھر والوں کو سہا سادہ بھیجے اور حضرت کے لئے دعائے مغفرت کیجئے مولانا کے اوصاف جس کا مجھ پر اثر ہے اور جس کا میں نے گہرا مطالعہ کیا ہے اس نے ہم دونوں کو ذاتی حیثیت میں جوڑا اور اس پر کسی وقت کسی سیاسی کشمکش کا اثر نہ پڑا۔ میں نے اس وقت سے تم لوگوں کو اپنا بچہ اور عزیز سمجھا اور مجھے یقین ہے کہ تم لوگوں سے میرا یہ تعلق انشاء اللہ قائم رہے گا۔ اللہ اس تعلق میں مزید اضافہ کرے۔ انشاء اللہ دہلی حاضر ہو کر ملوں گا۔ بچوں کو دعا و سلام۔ میں بہ خط ناگ پور سے لکھ رہا ہوں۔ فقط

نور الدین بہاری (مرحوم) سابق صدر کانگریس کمیٹی صوبہ دہلی و سابق ناظم تعلیمات جمعیۃ العلماء ہند

خط نمبر ۶۶۔ احمد آباد۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکر می مولوی سجاد الرحمن دسولوی صاحب احمد صاحب۔ سلام مسنون

مسلمانانِ دودھیشور روڈ احمد آباد کا یہ عام جلسہ جس میں احرار حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کی

وفات حضرت ایت پیمانے دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے کہ ایک ایسے وقت میں جب کہ مسلمانانِ ہند کو مولا نامی



جیسے سچے اور بے لوث خادم ملک و ملت کی ضرورت تھی بشیت یزدی نے ہم مسلمانوں سے جدا کر کے اپنے بخار  
رحمت میں جگہ دی۔ ہم اس سانحہ فاجعہ پر اپنے حزن و غم کا جس قدر بھی اظہار کرتے ہیں وہ کم ہے۔ اللہ تعالیٰ  
مرحوم کی ن کی خدمات جلیہ کا اجر جزیل عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عنایت کرے۔ آمین۔  
مولانا ابوالکلام قاسمی آپ کے غم میں برابر کے شریک رہے، سلام قبول فرمائیے۔

ہم ہیں آپ کے مخلص مسلمانان دودھیشور روڈ۔ احمد آباد (از قلم شوکت حسین)

خط نمبر ۶۔ لدھیانہ۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عظیم المقام جناب مولوی غلیل الرحمن دین الرحمن صاحب  
السلام علیکم۔ گزارش خدمت ہے کہ آج صد موس ہزار ہا سچے دھم کے ساتھ یہ خط لکھ رہا ہوں آج  
ہمارے دل سے ایسی بزرگ ہستی کا سایہ اٹھ گیا جو ہمیں امن مشکل ہے یہ کئی اسلامی دنیا میں بہت بڑی  
نئی ہے جو کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ ایسا نڈر ہے اور بزرگ ہستی و شاید ہماری زندگی میں ہمیں دوسرا نہ ملے گا۔  
وہ بیباک جو مولانا میں تھی۔ ہم نے کسی میں نہیں دیکھی۔ آج گوجرانوالہ میں جب سے کہ مولانا کی رنج و غم کی خبر  
سنی ہے۔ تمام لدھیانہ ضلع کے دل پر عجیب قسم کے ثبات و غما ہو رہے ہیں۔ جگہ جگہ چہرے ہیں کہ مولانا  
جیسی ہستی اتنا مشکل ہے۔ ہر وقت اور مخالف مومنان کی دل سے قدر کرنے میں۔ میں زیادہ کچھ نہ لکھتا ہوں،  
میرے دعا کرتا ہوں کہ اللہ میاں آپ کو دو تمام رشتہ داروں کو در حق و عقیدت مندوں کو صبر جمیل  
عطا فرمائے اور مولانا کی برکت سے ہمیں نیک عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ اور مولانا کو اپنے حبیب  
یک کے صدقے میں جنت الفردوس میں جگہ دے آمین؛ فقط والسلام

حفظ نذیر احمد جو یک منیم دالہ۔ لدھیانہ بحال آباد گوجرانوالہ۔ چوکہ سیری والا بازار چڑھ گراں

نذیر دلدھنگ فیکٹری

خط نمبر ۶۔ دیوبند۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم و کرم یا اخی۔ السلام علیکم! عرض ہے کہ احقر نے یہ  
خبر سنا سوزا ہجمیہ میں پڑھی کیا تحریر کر دیں کہ کی گزری کہ جناب کے والدہ ماجدہ انتقال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا  
اِلَیْہِ رَاٰجِعُونَ ۵ اللہ تعالیٰ پس ماندگان مرحوم کو صبر جمیل عطا فرمائیں اور مرحوم کو جنت الفردوس  
میں جگہ دیں اور مرحوم کی قبر کو فدیہ سے مناد کر دیں۔ آمین ماہ کیا تحریر کر دیں، مولانا مرحوم کی شخصیت کیا تھی۔

دین کے سچے خادم تھے۔ قوم کے خادم تھے۔ غریبوں کے درد دکھ میں شریک رہنے والے تھے۔ مرحوم کے کارنامے اپنی دنیا کے لئے ایک سبق ہے۔ امید ہے کہ آپ بھی مولانا کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش فرمائیں گے۔ مرحوم کی زندگی کے حالات سے سبق حاصل کریں گے۔ مرحوم دین کے سچے جاں نثار تھے۔ مرحوم غربا پر ہمت تھے وہ غربا جو مرحوم کی عاطفت میں اپنی زندگی کے لمحات گزار رہے تھے مرحوم کو کہاں تلاش کریں۔ وہ مسکن جو کہ مرحوم کی تقاریر سے اپنے مردہ دلوں میں ولولہ ایمانی محسوس کیا کرتے تھے۔ مرنے والے مرحوم کو کہاں سے لائیں۔ بھائی صاحب اب آپ کو یہ تمام ذمہ داریاں اٹھانے کے لئے ہمت سے کام لینا ہوگا۔ آج ہندوستان کے مسلمان مرحوم کے بعد آپ کے متلاشی ہیں کہ مرحوم کے صاحبزادوں میں سے کوئی اٹھے تو ہم اس کی اقتداریں آج آپ کو مرحوم کے نام کو رزیشن کرنے کے لئے مرحوم کی زندگی کے حالات سے سبق لینا پڑے گا۔ ہمت کیجئے کوشش کیجئے، خدائی طاقت آپ کے ہمراہ ہوگی اور کیا تحریر کروں۔ انہی محترم محمد احمد صاحب لدھیانوی کی خدمت میں احقر کا سلام عرض کر دیں۔ امید ہے کہ کوئی بات ناگوار خاطر لکھی گئی ہو تو معاف فرمائیں گے۔ قاری اصغر علی صاحب کو دکھ نہی کا دورہ پڑا ہے۔ چکر بھی آجاتا ہے۔ فقط والسلام ناچیز محمد الدین احمد دارالمعلوم دیوبند خط نمبر ۶۹۔ دیوبند۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

بھائی جان! ع۔ مدعی ملک بھابھا ہے تو کیا ہوتا ہے وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے  
 بھائی جان! جس کو آج تک میں بھنا سب ہی سمجھ رہا تھا، آج اسی کو مناسب سمجھنا پڑا۔ اباجی کا دھال۔  
 آہ بھائی جان! اباجی کا دھال، جس خبر کو ہندو پاکستان کے باشندوں نے بہت تحمل اور برداشت کے  
 کانوں سے سنے ہیں جہاں بڑے سے بڑا دلی چور چور ہو گیا۔ بڑے بڑے دماغوں میں خلا پڑ گیا۔ بڑے سے بڑا  
 آدمی اس پر طال خبر سے بالکل مضطرب ہو گیا ہے۔ وہاں ہندو پاکستان کا چھوٹے سے چھوٹا بھی اپنے قیمتی سڑیہ  
 کو کھویا محسوس کرتا ہے۔ ان کی ہستی اس خطرہ ارضی ملک ہند کے لئے ایک بے بہادرتی تھی۔ میں یہ سمجھتا ہوں  
 کہ اس زمین کو گر بولنے کی زبان دی جاتی تو وہ بھی بول اٹھتی کہ ہائے آج میری وہ دولت جس سے میں دوسرے  
 خطوں کے سامنے فخر کیا کرتی تھی چھین لی گئی۔ بھائی جان! حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کی راہ پر قدم رکھتے ہی  
 فوری معلوم ہوتا ہے کہ وہ اباجی صرف آپ کے نہیں تھے۔ اگر یہ سچ ہے کہ بیٹا باپ کے انتقال پر ہوتا ہے

تو نہ پڑے گا کہ ہندوستان کا ہر شہری ان کی ادھ دھکی۔ اور حقیقت بھائی جان آپ کو اتنا مل  
 رہا تھا چاہئے۔ کیونکہ ایک من کا بوجھ کسی کے سر کے اوپر ہوا اور چالیس آدمی آکر اس کو تقسیم کر کے لے جائیں تو  
 ظاہر ہے اس کے پاس ایک سیر صرف رہ جاتا ہے۔ آج صرف ہندوستان ہی میں نہیں دیکھ رہا ہوں پاکستان  
 اور دوسرے ملک کے لوگ بھی آپ کے غم میں شریک ہیں۔ مگر بھائی جان! ملک کو جتنا بڑا خستہ ہو اس کی  
 تلافی نہیں ہو سکتی۔ ہندوستان کا تو وہ ستون ہی ٹوٹ گیا جس کے اوپر باشندگان ہند خصوصاً مسلمانوں کی  
 رتقانی تفکرات کی چھت کھڑی تھی۔ ان کے انتقال سے ہندوستان کے اندر جو خد پیدا ہوا ہے اس کو تو  
 مدہل رہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جو ان کے پاس کے ہوں۔ ہم جیسوں کو تو اس کا کیا احساس ہو سکتا ہے  
 نہ تو بھائی جان جانتا ہے، مگر بھائی جان ہم جیسوں کی بھی اس پر مدلی خبر ہے جو سنیت ہوئی تھی، اس کو  
 پیش کرنا محال ہے۔ پھر بھی جہاں تک پتہ کرنا پڑتا ہوں۔ کسی سبت میں کوئی اپنے پریشاں دل کو تھم کر یاد دہا  
 دیں کہ مولانا حبیب الرحمن صاحب کا انتقال ہو گیا۔ (فائل)۔ بھائی جان! اس کے تو اس طرح ادھر دھڑ  
 بھگنے لگے کہ گویا اسرافیل نے صور پھونکا۔ مگر میرا قدم آگے نہیں بڑھ رہا تھا، گویا مجھے کوئی راستہ نہ تھا  
 آ رہا تھا۔ کدھر جاؤں۔ دردِ آزار کے سامنے کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد دیکھتا ہوں کہ گنگا جوق در جوق  
 آکر ختم میں شریک ہو رہے ہیں۔ میں کھڑا دیکھ رہا تھا، دل میں یہ تھا کہ کس بات کی خبر لوگوں میں پھیل گئی۔ یہ  
 سوچتے ہوئے دل میں یہ بات آئی کہ حضرت شیخ کے ہاں جاؤں۔ اس سے پہلے قدم آگے نہیں بڑھ رہا تھا  
 مگر جب یہ ارادہ ہوا تو قدم بہت تیز چلنے لگے اور ایک منٹ میں حضرت شیخ کے ہاں آکر دیکھا کہ حیرت باہر  
 نکلے تھے اور یہاں کوئی نہیں فرما کر قادی صاحب کی طرف روانہ ہو گئے۔ رشتہ میں کس قدر تیزی تھی۔  
 وہاں سے نکل آئے اور مدد سے کی طرف آئے۔ پیچھے ہم لوگ بھی ہو گئے۔ حضرت کی چال میں کچھ تیزی اب  
 بھی تھی۔ ہلکی آواز سے جاتے کیا پڑھ رہے تھے اور جلدی جلدی چل کر جا کے ختم میں شریک ہوئے۔ میں بالکل  
 سامنے بیٹھا تھا۔ ایک رتبہ آنکھیں اٹھا کر دیکھا تو چہرے پر ایک انقلابی کیفیت تھی۔ میرا دل لرز رہا تھا  
 دھڑک رہا تھا زیادہ دیر بیٹھ نہ سکا۔ اسے کیا ہوگا۔ اچھا جا کے دیکھوں، روگ کیا کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں  
 پاس گھومنے لگا، تو سننا ہوں لوگوں میں کوئی بول کہہ رہا ہے۔ آہ



روشنی سے جس کی روشنی دیدہ احرار تھا دل نہ تھا سینہ میں جس کے شعلہ بیدار تھا

میں بھائی جان ! اس کے بعد میرے دل میں پھر کچھ یقین سا آنے لگا کہ کیا ایسی ہستی آج سر زمین ہند سے

اٹھ گئی ؟ ۹۹۹ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۵

پھر کیا ایک دل کے اندر ایک آگ سی بھڑک اٹھی۔ بھاگ کے کمرہ میں آیا۔ کتاب رکھی لوگ ختم پڑھ رہے

تھے۔ جب دیکھا کہ کوئی صورت نہیں ہے۔ دل سے ایک آہ نکلی اور کہا کہ چلو کچھ پڑھتے ہیں۔ یہ سوچ کر کبھی

دانوں سے لا الہ الا اللہ کی تبلیغ پڑھتا ہوں تو کبھی پارہ قرآن کی تلاوت کرتا ہوں۔ مگر چونکہ دل میں کچھ ادھی

ہوتا ہے، اس لئے یہاں بھی بہت دیر تک بیٹھ نہ سکا۔ یہاں سے یہ سوچ کر اٹھا کہ لوگ ایک ایک پاسہ کر کے

پڑھ رہے ہیں۔ میں اور کیا کروں۔ جب میرے بس میں اور کچھ نہیں ہے تو ایک ختم قرآن ہی پڑھ کر مولانا کی روح

کو ایصالِ ثواب کروں۔ دل میں یہ کہہ کر کمرہ میں آیا اور اپنا قرآن مجید نکال کر ایک پارہ تک پڑھنے کے بعد

دل کے اندر ایک سوزش پیدا ہو گئی کہ اب دہلی کیسے جاؤں۔ دل بے تاب ہو گیا۔ کوئی صورت سمجھ میں نہیں

آ رہی تھی۔ آخر ایک صورت یہ سمجھ میں آئی کہ ہستم صاحب دہلی جائیں گے۔ ان سے جا کر کہوں۔ ہو سکتا ہے

مجھ کو ساتھ لے جائیں۔ مگر آخر وہاں سے بھی ناامید ہونا پڑا۔ بس بھائی جان ! اس کے بعد میرے بس میں

اور کچھ نہیں تھا۔ سینہ پر ہاتھ کھ کر بیٹھ گیا۔ اور یہی سمجھا، جہاں تک ہو سکے تلاوت قرآن شریف سے آج

کو ایصالِ ثواب کروں اور اس ہی ذریعے سے بھائی جان کی تسلی کی بھی طلب کروں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔

اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ آمین۔ اب بھی امتحان میں تین چار روز باقی تھے۔ مگر پھر بھی کوشش کی کہ میں

موقع پر جا نہ سکا تو۔ سہی مگر اس کے بعد ہی اپنے پریشان خاطر بھائی جان کا دیدار کراؤں۔ مگر امتحان

سے پہلے تو نہیں آ سکتا۔ اور پھر یہ نامناسب سمجھا کہ ایک ایسے موقع پر صرن ایک خط لکھ کر بھائی جان کو

مخاطب کروں۔ انشاء اللہ خود ہی چلا جاؤں گا۔ مگر وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ اس نامناسب

کو آج مناسب سمجھ کر مجبوراً خط ہی لکھنا پڑا۔ مگر بھائی جان قسم کھا کر کہتا ہوں جب تک آنکھیں دیکھوں،

دن میں تسلی نہ ہوگی۔ مگر اب چوں کہ مجبوریوں نے گھیر لیا ہے۔ اس لئے اچھا یہی سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف

پڑھ پڑھ کر آج کی روح کو ایصالِ ثواب کروں ممکن ہے کہ اس سے آپ کو بھی کسی قدر تسلی ہو سکے گی۔

بھائی جاں! آپے حادث سے مطلع فرمائیں۔ گھر کی طرف سے بہت پریشان ہوں۔ خط آیا ہے کہ خاقوں سے  
مرنے کی واردات مسلسل پیش آرہی ہیں۔ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ فلاں کے گھر کھانا پکا ہے تو لوٹ لیا جائے  
گھر کے اس خط نے بھی بہت ہی زیادہ پریشان کر دیا۔ دعا فرمائیں کہ خدا خیر کرے ہمارے مکان کی  
مگر کوئی خاص حالت نہیں لکھی۔ دوسرے جن لوگوں کی حالت لکھی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے  
گھر والے بھی بہت زیادہ مطمئن نہیں۔ بس دعا کیجئے۔ فقط آپ کا ایک نام بھی بھائی۔ احرا ازماں شگل

ادوار العلوم دیوبند

خط نمبر ۱۰۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم بھائی عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم۔ انور ہے کہ اس  
ماہ کی دو تاریخ کو مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی ایک معمولی دورہ قلب کے بعد ۶ برس کی عمر میں چاند  
دہ گزرے۔ عالم جاودانی ہو گئے۔ مولانا نے اپنے سب اہل خاندان کی طرف سے دعا معلوم دیوہ۔ ہم بڑی ہمتی  
لیکن چونکہ نہ موروثی اور خاندانی طور پر ایک مجاہد، عقل حریت اور مددگار تھے۔ اس لئے نصیب سے فراغت  
کے بعد ہی محلی سیاست کی فادی پر خاریں کو دپڑے۔ اس تقریب سے ان کا حق کانگریس سے جٹی رہا، در  
جمعیتہ سلما ہند سے بھی۔ اس کے علاوہ مجلس احرار کے تودہ نفس ناطقہ یا عقل فعال ہی تھے۔ جوتہ تھیری  
خطابت، بیڑات دیے باگ، ذہانت اور طبائی، اشارہ و ظہار کی یہ ان کی وہ خصوصیات تھیں جن کے  
باعث وہ جہاں کہیں رہے اور جس محفل میں بیٹھے مت زار و نمایاں ہو کر رہے۔ عمر کے کم و بیش بارہ سال  
جیل میں کاٹے جن کے۔ جہاں انھوں نے شدائد و محن کا مقابلہ بڑی بے جگری اور بے حسی کے  
ساتھ کیا۔ آزادی کے عرصہ انقلاب نے شہرت و ناموری کے بڑے بڑے مدشن چرب و خشک دیئے وہ  
ایک زمانہ تھا کہ مروجہ کی لہری کا ڈنک بیتی تھا۔ زندگی بڑی تلخ و دردناک تھی۔ اسی غم و غم  
نے غم کا لالہ ایک معمولی سے تہہ بغیر میوں کا گریبان کھڑکرتے اور سر پہ جو گوشہ ٹوپی، جبوت میں وضوت  
میں۔ اندرون خانہ اور پبلک میں انھیں جہاں کہیں دیکھا اسی وضع میں دیکھا۔ حد درجہ خفیہ و متوجہ، بیٹھے  
مردہ اور بے کشف، مگر اپنی بات کے پکے اور دھن کے پورے تقسیم کے بعد سترقی پنجاب سے ملحق کے  
وجود پاکستان میں۔ نے کے بجائے دلی میں مع اپنے خاندان کے آجے تھے۔ لیکن کچھ انقلاب روزگار راہ

(پاپ) احرا ازماں اب مدتیہ یوکر کی میں بیٹھے ہیں۔

اور کچھ ہجوم امراض دامند اِسن، ان کا اثر یہ تھا کہ آخر میں عملی سیاست سے دست کش ہو گئے تھے اور سلوک و معرفت کا ان پر اس درجہ غلبہ ہو گیا تھا کہ ان کے سیاسی افکار میں بھی اشتراکیت کا رنگ ابھر آیا تھا۔ عجیب اوصاف و کمالات کے بزرگ تھے۔ ان کی کس کس خوبی کو بیان کیا جائے۔ اب ایسے لوگ کہاں ملیں گے۔ حق ثقالے کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اللہ اعلیٰ علیین میں مقام جلیں عطا فرمائے۔ آمین۔ فقط۔ سعید احمد اکبر آبادی۔ ایڈیٹر بہان۔ اردو بازار جامع مسجد۔ دہلی۔

خط نمبر ۷۔ بہار۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیز بھائی۔ سلام مسنون۔ بطل حریت و مجاہد جلیں حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، بالآخر ہم سے جدا ہو گئے۔

یہف در چشم زدن صحبت یا را خورشید  
 روئے گل سیرندیم و بہار آخر شد

یکم ستمبر ۱۹۵۶ء کو مولانا کا گھر مشرقی پنجاب دا کارمین علماء و زعمائے مسلمین دہلی و دیوبند والہ آباد دیرٹھ و شملہ وغیرہ سے پُر فرمایا اور انجمن جماعت اسلام پنجاب کی تعمیر ہو رہی تھی اور مساجد کی واکزاری اور مذہبی اوقات کی بحالی پر تمام دن بھتیں ہوتی رہیں۔ مولانا مرحوم جلسہ میں شریک بھی تھے اور نہ بھی تھے۔ اٹھتے، لیٹے، بیٹھے مشورہ دیتے رہے ہر گھر کو سمجھاتے۔ ہڈیوں کا سمندر تمام دن جوش مارتا رہا۔ اور مہمانوں کی پر تکلف میزبانی الگ متوجہ کر رہی تھی۔ کبھی گھر کے اندر جاتے اور پھر اگر بیٹھتے یا لیٹتے۔ عرصہ سے بیماریوں کی وجہ سے نقاہت کافی تھی۔ مگر بہت مردان جوانوں کو شرتے تھے۔ مہینوں کے بعد نماز عصر، جناب قاری محمد طیب صاحب مہتمم دایا العلوم دیوبند کی اقامت میں کھڑے ہو کر پڑھوائی اور قاری صاحب سے دیر تک تخلیہ میں گفتگو کی۔ بعض اوقات کو جائے سے رد کا جس میں خصوصیت کے ساتھ قاضی زین العابدین صاحب میرٹھ، سید محمد احمد کاظمی ایڈووکیٹ و ممبر پارلیمنٹ الہ آباد، رقم الحروف اور بعض دیگر احباب تھے۔

۲ ستمبر کی صبح بعد نماز کمپنی بانا قریب دہلی اسٹیشن پیدل چل قدمی کو گئے اور وہاں ہندو احباب کے مجمع میں بیٹھ کر سیاسیات حاضرہ، مسئلہ ہندو تیز پر پُر جوش گفتگو کی اور واپس پھر پال تشریف لائے۔ راقم الحروف ہمراہ تھے۔ ہر ملاقاتی سے راستے میں سلام و کلام، مزاج پر سی اور مصافحہ



کرتے آئے وہ جو گھروں کے سامنے بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے اور مولانا پرچن کی نظر بھی نہ پڑتی نہ تو بھی مرم  
 مسنون کر کے مصافحہ کرتے۔ خیریت پوچھتے۔ تمام۔ سندھ چاندنی ہو کر دو کو چہ رتن کا مے کیا اور وہاں کے  
 اندر تشریف آئے اور بھیج کی چائے کا دسترخوان حسب معمول بچھوایا۔ صبح کی چائے پر مسٹر منیر نے دیدیر جو  
 گفتگو یہ ہے نہیں سنی تھی۔ بس ایک دھن تھی تو بھن محنت اسلام پنچ بکے داغ دھیل کی۔ اور صورت مرد  
 تھی کہ تمام اجاب دیکھ کر گریہ متحرک متفق ہو کر اسی جوش و صداقت، ایشاد و باندہ دشتی سے ہم گری  
 پر مجلس حریر اسلام نے کیا تھا۔ نئے ماحول میں نئے رضا کاروں کی نئی تربیت ہو رہی تھی اور وہ وہاں سے  
 دور دورہ پیدا کر رہا تھا۔

کیا معلوم تھا کہ پانچ منٹ بعد یہ محفل تیر و نظیر و تربیت ایک مجلس عربین جلے کی مدد سے  
 ہمیں جگہ سے استعجابانی سے نکالے گا۔ اور ٹیبلٹوں کی بڑبڑ سے جل حریت کی مفرقت دھن کی خبر  
 حسرت کی گونج کے ساتھ دہلی اندر دستر تری کے شہر اور یہ ہے۔ وندہ ماترا میں نہیں بلکہ مریض میں شہر کی  
 جہیز تھی سو ہوئی۔ صفحے کے صفحے یہ ہو گئے مگر یہ دن مفرقت تازیت دھن کے ہوئے۔

مولانا مرحوم کی ذات گرامی سے قدرے زیر و نصیت مجلس اور عرب کے اجلاس میں آئے  
 کے وقت سے تھی۔ پہلے فی بیان یک میا سی عام یڈر کی حیثیت سے پھر بہترین مجاہد اور قید و رستہ حاکم  
 اور آ۔ وی کے دلدادہ کی حیثیت سے، مگر شکستہ سے جب کہ مولانا نے دہلی آکر سکونت اختیار کی بہت  
 قریب تعلقات قائم ہو گئے اور اس پریشانی اور بے بسی کی حالت میں بھی مولانا کے گریہ و زاری کی تھی۔  
 خصوصیتیں ہندوستان اپنی مثال نہیں رکھتی تھیں۔ مولانا کی بہترین خوبی اور محنت انیس کی نظر میں تھی۔  
 خصوصیت ان کی بیب کی اور جہات تھی سخت مگر سچی بے ریش۔ توں کو حق و صداقت کے ساتھ حکم افروں  
 پہنچا دیتے ہیں۔ مولانا کی زبان نے کبھی قصور نہیں کیا اور اس میں جان و ماں کی قربانی سے بھی وسیع نہ  
 بلکہ جنہوں نے ان کے آخری لمحات دیکھے ہیں اندر ڈاکٹروں نے مرحوم کو قبضہ مدد کے فوراً پور دیکھا ہے۔ وہ  
 اس کی تصدیق کریں گے کہ کسی گہرے خیال نے آخری لمحات میں بھی وہ غایب اثر وہ داغ کی رستہ  
 چٹائی اور جہاز تھی تسمیر کردیا۔ مگر یہ صورت وہ ہے کہ کھٹے سے

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق قویہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مولانا محمد علی مرتضیٰ کی موت کی جو وجہ بتلائی جاتی ہے اور مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی موت کا باعث زیادہ تر وہی عناصر معلوم ہوتے ہیں یعنی دُورِ سیاحت و مارغ۔ جو گہری فکر و خیال سے پیدا ہوتا ہے۔ جس کو دماغ کی نرم و نازک رگیں برداشت نہیں کر سکتیں اور پھٹ جاتی ہیں۔ خصوصاً جب کہ انسان مدت سے ہر قسم کے مرض و آلام کا شکار ہو۔

مولانا خدمتِ خلق کے زندہ مجسمہ تھے اور آخری سانس تک اس فرض کی ادائیگی میں مشغول رہے۔ مرنے کے چند دنوں قبل سے میں دہی مسئلے زیرِ غور و موضوع بحث تھے، انجمنِ جماعتِ اسلام پنجاب کا قیام امد کا۔ کنون و رضا کاران کی تنظیم و تربیت کا مسئلہ۔ مولانا کے صاحبزادے جب وقت پر دعا نہیں کھلاتا چاہتے تو فرماتے کہ مجھ کو اب دواؤں کی ضرورت نہیں ہے۔ میں صرف نہر سوئزر کے متعلق خبریں سنا دیا کرو۔ کبھی جوش میں تمام حاضرین سے کہتے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ مسجدوں میں نہر دادر اس کی حکومت کے لئے دعا کریں۔ کیونکہ آج مسلم قوموں اور ملکوں کا معاون پنڈت ہوا ہر لال نہر دادر اس کی حکومت سے بڑھ کر کوئی دوسرا نہیں ہے۔ کبھی یہ کہتے کہ میری زندگی کے صرف دو مقصد تھے۔ ایک انگریزوں کی غلامی سے ہندوستان کو آزاد کرنا دوسرے مسلم ممالک کو یورپ کے پنجہ استبداد سے نکالنا۔ ہندوستان محمد اللہ آزاد ہو چکا۔ اب نہر سوئزر مصری قومی ملکیت میں جانے کے بعد مسلم ممالک بھی یورپ کی غلامی سے آزاد ہو جائیں گے۔ جس اب میری زندگی کا مقصد پورا ہو گیا۔

یہ بھی ایک عجیب واقعہ ہے کہ مولانا نے اپنے تمام دنیاوی تعلقات اور معاملات کو عاتقِ فقر میں یہ کہہ کر طے کیا کہ پہلی ستمبر سے مجھ سے کوئی واسطہ نہیں ہر حساب چکا دیا۔ ہر ملازم کو تنخواہ دے دی۔ ہر تعلق کو عاتق کیا اللہ کہا کہ اب میرا کوئی سروکار نہیں رہا۔ مکان کا کرایہ، بجلی، پانی کا بل، بازار کا حساب کتاب، کوئی چیز نظر سے اوجھل نہ تھی۔ اور یہ معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی شخص اپنی زندگی کا چارج دے رہا ہو۔ اور زندگی سے بے تعلق ہو رہا ہو۔ کبھی غلابیہ کہتے کہ جب میں نے کسی مکان کو آراستہ کیا تو وہاں سے نکالا گیا۔ یہ کوچہ رحمن کا مکان بہت آراستہ اور عاقبت وہ ہو گیا ہے۔ اب دیکھتا ہوں کس طرح یہاں

سے نکلتا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ یہ بے خانماں، وطن میں بے وطن، مسافر، مجاہد، شہید، حریت کو چاہے  
 رحمان سے کس طرح لٹکا۔ عجب عاشق کا جنازہ تھا بڑی دھوم سے نکلا۔ کوچہ رحمان سے نکلا۔ اور دیار  
 رحمن میں جا کر جصل بالرحمن ہو گیا۔

میرا نام ایک ذات ایک مخصوص و ممتازہ درجہ خیال و فکر و عمل تھی۔ اخباروں کے مدیر اور صحافت  
 کے، ادیبوں کے وسیع تخیل و قدرتِ عملی، تدبیر، حکمت و سیاست کے خزانہ چھپتے تھے وہ بادیہ و صنعت پیری  
 و ہجوم امراض ان کے گرد جمع ہو کر تباہ کن خیال سے آقا و مرستے تھے۔ مولانا کے شررِ فکر کی مقدار خصوصیتیں یہ تھیں۔

۱۔ اسلامی اقدار کو آباد ہندوستان میں برقرار رکھنا۔

۲۔ مذہبی شعائر کا قیام و تقویٰ، خاموشی علیٰ اور مسلسل جدوجہد سے باقی رکھنا اور فروغ دینا۔

۳۔ آزاد ہندوستان میں متحدہ قومیت کا تخیل پیدا کرنا۔

۴۔ فرقہ وارانہ منافرت کی ہر ممکن صورت کا سد باب۔

۵۔ انسان کو انسان کی محبت اور خدمت کی تعلیم و تربیت کرنی۔

۶۔ دینی تعلیم و تربیت کو مسلمانوں میں عام کرنا۔

۷۔ ذاتِ منفعت، اند منسوب گیری کے حوصلوں و رجسوں کو پس پشت دھکیلنا۔

۸۔ اجتماعی مفاد کی قوتوں کو بڑھانا۔

۹۔ صدہاتہ دور بنیاد کو زندگی کا شعار بنانا۔

۱۰۔ ہندوستان کی آزاد و جمہوری حکومت کی روئے پردہ زیادہ طاقتور اور عمل پذیر بنانا۔

۱۱۔ تمام مذاہب کی بنیادی صداقتوں کو تسلیم کرنا۔

۱۲۔ کسی غدار، خیال سے سوچیں، آپا کو ان بنیادی اصولوں سے قطعاً نفی کرنا اور اسے قاتل قرار دینا۔

۱۳۔ کسی ایسے شخص کو جو ان کی انفرادی ان کے احباب اور رفقاء کے اصولوں کو پہچانے اور ان کے

اور ایک حزبِ انجمن کا رکنوں کا گروہ قائم کریں یہ اصولوں کی تدبیر میں کامیاب نہ ہو۔

۱۴۔ ہماری قومی، سیاسی اور مذہبی زندگی میں جو انتشار اور تباہی پیدا ہو گئی ہو اسے دور کرنے اور اسے



اصولوں کی غفلت و زری یا افراط و تفریط کے باعث ہیں۔ خامیاں تو ہر انسان میں ہوتی ہیں مگر غریبوں کو پیدا کرنا اور ان پر عمل کرنا ہر انسان کا کام نہیں ہے

ہزاروں سالوں تک اپنی بے لوری پڑتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چین میں دیدہ در پیدا آئے ہم سب مل کر دعا کریں کہ مولانا مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور ہم پس ماندگان میں چھوٹے سے چھوٹا گروہ بھی ایسا پیدا کر دے جو بنی سبیل اللہ بن کر اس علم حریت و اخوت و مساوات کو بند کرے جس کو مولانا نے قریب قریب نصف صدی تک بلند رکھتے ہیں اپنی جان و مال سب کچھ قربان کر دیا۔ مولانا کا جسم ہم سے جدا ہو گیا۔ مگر ان کی روح آج بھی ہماری رفعت کر رہی ہے۔ اے کاسم ہم ان کی زندگی سے خود اپنی زندہ جانوں میں زندگی پیدا کریں اور ان جیسے جاہلانوں کی صف میں خود کو لا کر لٹا کر دیں۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَمْوَاتٌ لَّكِنْ لَا تَشْعُرُونَ  
نقطہ سید مجتبیٰ - عظمت بارہ - منظر پورہ - بہار

خط ملا - بمبئی - ۵ ستمبر - برادر عزیز مولوی فاضل الرحمن و عزیزہ ایتن صاحبہ - السلام علیکم  
کل شام منظر ہی جہانہ سے نو دن پر اترا تو میرا درم مولوی انیس انیس سے یہ جانکاہ خبر معلوم ہوئی  
کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہو گئے۔ قلب میں جو عسر و محسوس کیا۔

سید مجتبیٰ رئیس الاحرار کے خاگل عقیدت مندوں اور دوستوں میں سے تھے اور پرانے سیاسی رفیق تھے۔  
سفر حج میں ساتھ رہا۔ رئیس الاحرار کے انتقال سے دس دن قبل دسترخوان یران سے اور حاجی محمد فاروق  
صاحب آئل کلا تعدادوں سے نہر کوئٹہ پر صدر ناہر کی کامیابی کے بارے میں غصہ فرماتے رہے۔ سید مجتبیٰ  
جناب سید محمود وزیر خارجہ حکومت ہند کے ایک غرض کیا میں سال تک پریوینٹ سکرٹری بھی رہے اور  
ان کی زمینداری کو دیکھتے اور کام کرتے تھے۔ سید صاحب بہترین رکیل تھے۔ انھوں نے زندگی بھر کبھی  
کسی سے کوئی سداغ نہ نہیں لیا۔ پاکستان جا کر ان کے جہان صاحبزادے دسترخوان پر بیٹھے بیٹھے انتقال  
کر گئے۔ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ اٹنی شاعری پر وسیع چکر کے عیار پڑی سے آئے تھے اور اپنی شاعری کی وجہ  
سے ان کی فوری موت ہو گئی۔ اس کے بعد سید صاحب بھی تین دن کے بعد اپنے ہونہار بیٹے کے غم میں سفر آخرت کو  
رو نہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو کر دے جنت نصیب فرمائے۔ عذرا حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا (مرتب)

اس کا ذکر نہ بان اور انہیں کر سکتی ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

مرحوم کی شخصیت، جماعتی خدمت اور ملک و قوم کے لئے جدوجہد کے پیش نظر اہم مقام رکھتی تھی۔ ان کی وفات بلاشبہ ملک و ملت کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو فردوس اعلیٰ عطا فرمائے اور آپ سب سچے بھائیوں، عزیزوں اور دوستوں کو صبر جمیل بخشے۔ داماد اسلام بھی تعزیت پیش کرتی ہے۔  
برادر عزیز مولوی عریض الرحمن اندسب :۔ اس برہمنوں سے سلام سنوں کے بعد میری جانب سے یہی کلمات تعزیت پیش کر دیئے ۔ : ماگو ستریک تم محبت ارحمن تا علم جمعہ علماء ہند۔ یعنی

خط نمبر ۱۔۔۔ علی گڑھ۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۷ء۔ محترم بندہ جناب مولانا محمد صاحب رحمانی، السعد و العزیم دیگر ان کے آج بعد نماز فجر مسجد مرزا صاحبان محلہ ترمکان دھارا نہ فی گڑھ میں اسمان پاشہ شہرہ ایک تقریبی جلسہ ہوا۔ قرآن حزنی کے بعد مندرجہ ذیل تجویز پاس کی گئی جس کی صدارت کی خدمت میں :۔ چینیٹ انجام دیا۔ تجویز ۔۔۔ اسی شانہ سے جو حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مدعی انوی کے صاحبزادے تھے۔ سے ایک اندوہ کو پہنچی اللہ قابل تلافی نقصان پیش نظر ہے اس کا اظہار کرتے ہوئے یہ جلسہ مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور دست بردار ہے کہ مرحوم کی روح پختہ ہو کر، علی علیہم میں جگہ دے۔ یہ جلسہ مولانا کے پس ماندگان سے اہتمام ہمارے دی کرتے ہوئے ان کے غم و اندہ میں اپنی شرکت کا اظہار کرتا ہے۔

نشدت السعد :۔ ڈاکٹر سرورج، محقق قریشی (ایم۔ اے) پی ایچ ڈی، جامعہ قلعہ۔ علی گڑھ۔  
خط نمبر ۲۔۔۔ ترمپانی۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۷ء۔ براہر محترم :۔ السعد و العزیم :۔ اقبال کو یہ یو پر قبلہ ام سترت ہوا :۔ حبیب الرحمن اور عزیز خاں صاحب کی حالت کی خبر سنی ۔۔۔ اس وقت سے برابر مجھے مرحوم کی تسلیت پہر ان کے مزین۔ سلوک کا خیال رہا کرتا رہا ہے۔ پھر جب آپ کا اور دوسرے صاحب خاں کی حالت میں تو یہ سہمہ کچھ دور فریاد ہو رہی ہے میں دہلی سے یہاں اس قلعہ دوسرے میں کہ ایسے موقعوں پر حاضری کی سہولت سے بھی ملے۔ محمود جون :۔ ہر حال یہ بڑی بہت بڑی بد قسمتی ہے۔ ایسے چند لمبے سے مجھے اپنے "پیر کرسی" بننے و بہت ہی شدید، حساس پیر تاج ہے۔ خدا کرے وہ ملاقات آپ سب سے قریب کر دیں اس حوالہ پر کیسے پاتے ہیں۔ کہ ان اور کمیوں کو آپ کا فرکوں۔ یہ بھئی آپ ہی کے لئے نہیں بلکہ ہم سب کے لئے وہ گوارہ میرے دوست

سخت صدمہ ہے۔ اب اس کا احساس ہو رہا ہے کہ میں اپنے کیسے بے غرض (وہ ان تھک دلی سے محروم ہو گیا  
خدا مرحوم کو ان نعمتوں کے خدشات پر جو زندگی بھر مرحوم نے انجام دینا بلند سے بلند درجات عطا کرے اور ہم سب  
اجاب، متعلیقین اللہ پس ماندگان کو توفیق دے کہ اس چراغ کے بجھ جانے سے ہم اپنے دلی کی روشنی اور حرارت  
کو بچھنے نہ دیں۔ محترم فیصل الرحمن صاحب اور ب۔ ب۔ اجاب سے آپ میری طرف سے مناسب الفاظ میں تعزیت کر دیجئے  
والسلام۔ سید رفیع الدین احمد زیم۔ اسے (ریسرچ اسکالرشپ علی گڑھ) صدر شعبہ اردو

محمد کالج۔ تہ چٹاپلی

خاندان ۷۵۔ فیض آباد۔ ۸ ستمبر ۱۹۷۹ء۔ صدیق مکرّم مولانا سید الرحمن و مولانا محمد احمد صاحب  
السلام علیکم دررحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج گرامی۔ کل اخبار قومی آواز کے ذریعے آپ کے والدین کو  
مرحوم کی وفات حسرت آیات کو پڑھ کر سخت صدمہ ہوا۔ خجیل محل مجبوراً اپنے لطف و کرم سے حضرت مولانا مرحوم کو  
ترقی درجات سنا فرمائیے۔ وہ ہوا رحمت میں جگر عنایت فرمائیے اور آپ حضرات کو صبر جمیل عطا فرمائیے۔ اس  
بات کا غصہ ہے کہ تجنیر و تکفین میں بوجہ بعد مکانی شرکت نہ کر سکا۔ مگر سلطان پور میں ملاقات ہوئی تھی۔ یہ اچھا  
مواہر عشا بعد ہندو مسلم اجتماع قیام کے والد ماجد کے اظہار تعزیت میں ہوا۔ اس میں ایصال ثواب کیا گیا۔  
اور سب نے افسوس ظاہر کیا۔ تجنیر اخبارات کو بھیج دی تھی ہے۔ بہادر محترم مولانا عزیز الرحمن صاحب  
مولانا محمد احمد صاحب و مولانا فیصل الرحمن صاحب اور عزیز بھائی احمد سلمہ کو سلام سنون عرض ہے۔  
جلسہ تہذیب۔ تجنیر منظر ہونی۔ بانیہ رنگین کا نور کج کا یہ ہندو مسلم جلسہ رئیس الاحرار مدبر ملت حضرت مولانا  
عزیز الرحمن صاحب لدھیانوی رحمتہ اللہ علیہ کی وفات پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور ان کی وفات  
کو ملک و ملت کے لئے ایک حادثہ عظیم تصور کرتا ہے اور بارگاہ ایزدی میں ان کی ترقی درجات اور پس ماندگان  
کے لئے صبر جمیل کے لئے دعا ہے۔ محرک۔ سید احمد فاضل

خط ہجرت۔ ۱۹۔ ۵ ستمبر ۱۹۷۹ء۔ مولانا عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم۔ آج اخبار میں پڑھ کر  
یہ جلا کہ مولانا عزیز الرحمن صاحب لدھیانوی فوت ہو گئے ہیں۔ دل کی آواز رنج و غم میں ہوا۔ خواجہ محمد عظیم  
صاحب ندایت گئے ہوئے ہیں۔ ان کو ولایت میں خط لکھ دیا گیا ہے۔ آپ صاحبان کو خداوند کریم صبر دے



اور مولانا صاحب کو خداوند کریم بہشت میں جگہ دے۔ اچھا نمبر کرنا چاہئے۔ اس میں کسی کا چارہ نہیں۔

خواجه محمد نظیر نیاز محمد خاں۔ ایم۔ اعظم ایڈمنسٹریٹر۔ لاہور۔

خط نمبر ۷۔ سادیت سر۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکرئی برادر عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم۔ گزشتہ روز سے کہ آج روزہ اجارے بند ہو گیا۔ حبیب الرحمن صاحب کی رخصت کا پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ دعا ہے خداوند ان کو اپنی رحمت سے جنت عطا فرمائے۔ احقر کے کوئی کاروبار بنتا ہو تحریر فرما دیں۔

احقر محمد ابراہیم۔ فرسٹ مرچنٹس اینڈ کمیشن ایجنٹس۔ میوہ منڈی۔ امرتسر۔

خط نمبر ۸۔ لاہور۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم حضرت مولانا خلیل الرحمن و عزیز الرحمن صاحب

السلام علیکم۔ غرض ہے۔ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کی وفات حسرت آیات کی فیر سن

کرد کہ کوڑھ صدمہ میں جس کو تحریر میں نہیں لے سکتا۔ یہ جو غلا پیدا ہوا ہے اس کا بھرا ہوا شکل بت۔ دلی زما ہے کہ پورے گارخانہ انھیں کمر بستہ کیڑ جنت نصیب کرے اور آپ لوگوں کو صبر جمیل عطا فرمادے۔

شریک نم۔ محمد رمضان (آگرہ زادہ) لاہور

خط نمبر ۹۔ سرنی پت۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ بھائی عزیز الرحمن صاحب۔ بے بند۔ ذی ہجری ۱۴۰۲ ستمبر

کے ڈیوٹیوں میں حضرت مولانا حبیب الرحمن کے اس جوانی ذاتی سے رخصت ہو جانے کی افسوس کی خبر پہنچی

جو کہ ایک اچانک غیبی کی طرح معلوم ہوئی۔ دنیا صدمہ اس لئے محسوس ہو کہ ابھی پیچھے دنوں مجھے ایک

درد و فوجہ خیال آیا تھا کہ ان کو مل آؤں۔ دماغی حب کو بھی اسی لئے اور بھی صدمہ محسوس ہوا۔ حسرت

کا خط موصول ہوا تھا وہ بھی ملنے کا ارادہ رکھتے تھے یہاں مجھے تکرر ہے۔ بہت دکھ کا اخبار کرتے تھے۔

خبر کے پڑھتے ہی مجھے وہ ساری اپنی پرانی زندگی یا تراکیبی رعب سے بچپن سے یہ سب کے ساتھ

تھا۔ دنیا کی شخصیت کا مجھ پر آہستہ آہستہ اثر ہوتا گیا۔ اگر آج میں ڈرتا ہوں اس لئے کہ

معیوں میں سمجھتا ہوں قرآن کی تعلیم کے چوڑے گرجا جانتا ہوں۔ یہ سب کچھ ان ہی کی بددست ہے۔ ان کی ترقی

کے ذہن فاعل فقرے مجھے اب تک یاد ہیں کیوں کہ میں کبھی کبھی دوستوں میں جیت کر یاد دہاتی ہوں۔ ان کے

میان کا ذکر کرتا ہوں۔ یہ جو مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھتا ہوں یہ سب ان کی بددست ہے۔ کبھی نہیں۔

ذریعہات میں مجھ کو کوئی مسلمان ملتا ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ بھائی کوئی تکلیف تو نہیں ہے تو وہ تھوڑی سی ہنس کر پوچھتا ہے کہ ”کیا آپ مسلمان ہیں“ میں جواب دیتا ہوں کہ بھائی نہیں، میں مدھیانہ کا رہنے والا ہوں جہاں کے مولوی حبیب الرحمن ہیں۔ ان سے میں نے یہ سیکھا ہے کہ ہم سب بھائی بھائی ہیں۔ اس دلت ان کی آنکھوں میں ایک عجیب محبت ہوتی ہے۔ بہت سی باتیں ہیں کبھی لمبوں کا تو بتاؤں گا۔ آنجنائی کو عقیدت کے پھول پڑھانے آئے جب کوئی تو بتا دینا تاکہ اپنے دل کا بوجھ ٹھاسکوں۔ اب بھی میری آنکھیں بھری ہوئی ہیں۔ فقط لکشمی دت کا لیپا پس۔ ای۔ اد گنور (سوئی پت)۔

خط نمبر ۸۔ اعظم گڑھ۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ وزیر ی عزتیا الرحمن۔ دعا۔ کل اخبار میں یہ خبر پڑھی کہ جب بھائی مولانا صاحب کا انتقال ہو گیا۔ خبر پڑھنے کے بعد ہم سب لوگوں کو انتہائی صدمہ ہوا۔ آپ لوگوں کے رنج و غم کا ہم بڑے سارا زہ نہیں کر سکتے مولانا صاحب کا سایہ اٹھ جانے سے آپ لوگوں کو یک بہت بڑا نقصان ہوا خدا نے انہیں مولانا کے بہترین جگہ عطا فرمائی گے۔ کیونکہ انہوں نے خلق خدا کی خدمت کی سہ ماہی تھوڑے آپ لوگوں کو صبر عطا فرمایا۔ کوشش کر دیں گے کہ جلد آپ لوگوں سے ملاقات کروں۔ محمد نور کو آج بذریعہ اطلاع کر رہا ہوں۔ خدا سے دعا ہے آپ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں۔ آپ نے جو پہلے خط تحریر کیا تھا اس سے یہ معلوم ہوا تھا کہ طبیعت ٹھیک ہے اور ہم سب کو مطمئن ہو گیا تھا۔ آپ نے یہ تحریر نہیں کیا کہ ان کی حالت یکایک خراب ہوئی اور کیا آپریشن کیا گیا تھا۔ آپ اپنے جملہ بھائی صاحبان اندر بہنوں کو صبر کی تلقین کر دیں۔ لڑکیاں ٹھون ورسب لوگ سلام کہتے ہیں اور حضرت مولانا کے لئے دعاے مغفرت فرماتے ہیں۔ مفصل حالات سے مطلع کیجئے گا۔ فقط محمد احمد محلہ کوری ٹولہ۔ اعظم گڑھ

ڈاک ۱۔ اتر۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر بزرگوارم جناب عزیز الرحمن صاحب السلام علیکم ہیں نے اپنے بزرگ و عظم مربی کے متعلق اخبار میں پڑھا ہے کہ آنجنائی بزرگوارم ہیں سب بھائی بہنیں۔ اگر ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دے گئے ہیں۔ آہ یہ خبر سننے ہی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور دل مارے غم کے اندھیرا اندھ بیٹھ گیا ہے۔ یوں تو وہ تین دنوں سے تمام معتقدان صفت و تم میں بیٹھے ہیں۔ لیکن جیسے ان کی محبت و ہمدردی کبھی بھولا نہیں سکتی۔ ان کے سایہ نے مجھے والد صاحب حقیقی کی یاد

بھلا کھی تھی، آج سے پھر وہ یاد تازہ ہو گئی اور آج میں اپنے آپ کو پنجاب میں قیوم محسوس کر رہا ہوں۔ میرے سے زیادہ آپ سب کو ان کی جدائی کا صدمہ پہنچا ہے اور اس نقصان کی کبھی بھی تلافی نہیں ہو سکتی۔ یہ تقدیر الہی کے آگے کسی کا چارہ نہیں چلتا۔ لیکن اس بات کی عمر بھر حسرت نہیں نکل سکے گی، آخری وقت ہمیں ان کی زیارت کرنی بھی نصیب نہ ہو سکی۔ لیکن اب بھی ناقص عقل جناب سے ایک التجا کروں گا۔ اگرچہ یہ بچہ دماغ نہایت کھٹھن ہے، آپ اسے کبھی بھول نہیں سکتے یا لاآخر چارہ ناچار صبر ہی کرنا پڑتا ہے۔ آپ کو نصیحت کرنا سو رنج کو چرغ دکھاتا ہے۔ امید ہے جناب ہر طرح سے اب صبر و قناعت سے کام کریں گے کیونکہ میرے خیال میں گھر کی تمام ذمہ داری آپ پر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ شدت غم سے صبح مبارک کو نصیب افسانہ کوئی صدمہ پہنچے۔ اب میں دلی دعا کرتا ہوں کہ ہم سب پس ماندگان کو خدا سے ذرا بچھل صبر جمیل عطا کرے اور مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور جنت نصیب کرے۔ کیونکہ ان کی شخصیت ایک مجاہدانہ اور خاندانہ درجہ رکھتی ہے۔ سب بہن بھائیوں سے یہ میری عاجزانہ درخواست کر دینا اور میں بھی آپ کا ساتھی اور شریک غم ہوں اور مجھ ذند افتادہ کو کبھی بھی یاد رکھنا۔ امید ہے چند دنوں میں آؤں گا اور میری دعا سے بہرہ قبول فرمائیں۔ سد سال نئے توانمند منت رسیستن۔ آپ کا غم خوار اور غلغلی بھائی۔ ایم۔ ایم شفیق

(H.F. ۳۱) غول ٹیسٹ فائر بریگیڈ۔ مرت سر

خط نمبر ۸۶۔ ضلع پشاور۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ جناب مولانا خلیل الرحمن وزیر الرحمن صاحب  
اسلام علیکم۔ مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء کو موضع شیدو علاقہ خشک تحصیل و شہرہ منٹ پشاور  
سمیرہ شیشیل خیل میں بہت سے علماء و فضلاء رشید متوجہ ہوئے اور حضرت مولانا مولوی حبیب الرحمن صاحب  
جی ہدایت رحمہ اللہ عیانوی کے حق میں دعا حضرت مائے غی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ مولانا مرحوم کو عفران  
رضوان میں کامل جگہ عطا فرمادیں۔ آمین یا رب العالمین۔

علماء رشیدو نے اپنے مواعظ قرآنی سے سب کو بہت متاثر کیا۔ جناب مولانا مولوی عبدالحق صاحب  
فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوٹ، خشک نے اپنی مبسوط تقریر میں فرمایا کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب  
دعویٰ نوئی ایک ٹپک پایہ کے عام تھے، اور کفر و فجور و جالی طائفہ کی مرکز بن گئے، ایک بہترین شخصیت کے



مالک تھے غفر اللہ لہ۔ پھر مولانا مولوی حکیم محمد حسین شاہ صاحب فاضل دارالعلوم دیوبند نے اپنی مختصر تقریر میں ظاہر فرمایا کہ مولانا مرحوم لدھیانوی قابل تحسین ہیں۔ اب مجاہدانہ زندگی بسر کر کے دامن الیٰ الحق ہوئے۔ اِنَّ لِلّٰهِ دَانًا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۵۔ اشارت تقریر میں باتفاق آراء علماء تجویز پاس کی گئی کہ یوپی (ہندوستان) میں ایک گستاخ دریدہ دین نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ ہمارے صوبہ سرحد کا بچہ بچہ اس حرکت ناشائستہ کو قہر و غضب کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس حرکت ملعونہ پر لعنت و نفرین بھیج کر پُرزد الفاطمیں مذمت کرتا ہے۔ آخر میں صدر جلسہ نے نہایت خلوص قلب کے ساتھ اور سامعین حضرت نے آمین کے ساتھ بارگاہ خداوند قدوس میں دست دعا اٹھائے اور جمیع حضرات نے یہ خواہش ظاہر کی کہ خداوند کریم مولانا مرحوم کی صفات حسنہ ان کے دلوں کو عطا کریں۔ آمین۔ والسلام علیٰ اصحابنا تبع الہدیٰ۔ بندہ خورشید علی فاضل دارالعلوم دیوبند موضع شیدہ تحصیل نوشہرہ

#### ضلع پشاور۔ مغربی پاکستان

خطبہ ۸۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکرم محترم جناب مولانا مولوی خلیل الرحمن صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے نصالی کی خبر ریڈیو پر سن کر بہت صدمہ غم، رنج و الم ہوا۔ تمام شہر میں ہوا کی طرح ایک دوسرے کو اخسوس اور صدمہ کا اظہار ہوتا رہا۔ ایسے مشفق ہر بان، رحیمانہ کریمانہ طبیعت والے دنیا سے رحلت فرما گئے۔ صبح ہوتے ہی مدرسوں میں قرآن شریف پڑھ کر ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی گئی۔ یہ صدمہ عظیم قوم کو ملک کو اتنا بڑا پہنچا ہے جس کی تلافی ہونا مشکل ہے۔ خاص کر ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے تو پناہ گاہ تھی۔ اتنی طبیعت متفکر ہے۔ کبھی لدھیانہ کو دیکھتا ہوں کبھی دہلی کو دیکھتا ہوں۔ ہر وقت اسی پریشانی میں ہوں۔ سوائے صبر کے اور کیا چارہ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ جگہ نصیب فرمادیں اور سب لواحقین و متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمادیں۔ آمین۔ حضرت کی بیماری کی کوئی خبر کسی اخبار میں بھی نہیں آئی، دفعۃً اس حادثہ عظیم کی خبر ملی یقین ہے مولوی انیس الرحمن ضررِ موت پر پہنچ گئے ہوں گے۔ سب صاحبان کو سلام عرض ہے۔ فقط

خط نمبر ۸۔ لاہور ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ کرمی و محترمی جناب مولانا عزیز الرحمن صاحب السلام علیکم  
قبلہ و محترمہ جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب کے انتقال کا پڑھ کر سخت صدمہ پہنچا۔ خدائے مہربان آپ کو عبرت  
جلیل عطا کرے اور مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دیوے۔ میں بھی آپ کے اس غم میں شریک ہوں  
مولانا کا نام اس دنیا میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ انھوں نے جو قربانیاں قوم کی خاطر کی ہیں وہ ہمارے سامنے ہیں  
والسلام۔ سید محمد علی شاہ لدھیانوی (چچا) حکیم محمود الحسن صاحب قلعہ گوجرانو

گلی نمبر ۳۔ مکان نمبر ۵۔ لاہور

مکان نمبر ۸۵۔ سہارن پور ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر محترم مولانا عزیز الرحمن صاحب السلام مسنون  
حضرت مولانا حبیب الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کا سانحہ ارتحال آپ کے لئے تو یقیناً ایک عظیم سانحہ  
ہے اور جو کچھ آپ کا دل محسوس کر سکتا ہے اس کا رسواں حصہ بھی دوسروں کے نصیب میں نہیں آسکتا۔  
لیکن ان کی عام شفقت اور ان کی بزرگانہ عظمت نہ جانے کتنے انسانوں کے دلوں کی گہرائی میں محسوس کی  
جاتی تھی اور آج حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عدم موجودگی ان سب دلوں میں وہ رہ کر رہ کر ایک کرب اور کسک پیدا  
کر رہی ہے۔ میں ان کا ایک سستا غ خادم تھا۔ لیکن ان کی بزرگانہ شفقت مجھے ہمیشہ نوازتی رہی۔ اللہ تعالیٰ  
ان کی قبر کو اپنے نواز و انعامات سے مود فرمائے۔ برادر ام میں حقیقی طور پر آپ کا شریک غم ہوں۔ اللہ تعالیٰ  
حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مغفرت کے ساتھ ساتھ ہمارے قلوب کو بھی صبر و طمانیت عطا فرمائے اور ہمیں  
توفیق دے کہ ہم مولانا کی بتائی ہوئی راہ پر چلیں۔ والسلام نیا زکیش۔ اسعدی (ایڈیٹر جمعہ دارعیانک)  
خط نمبر ۸۶۔ علی گڑھ۔ ۵ دسمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر عزیز الرحمن و مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ  
و بركاتہ۔ کل اچانک والد صاحب قبلہ کی وفات حسرت آیات کی اطلاع ملی۔ اور یقین جانے دن دھک  
سے رہ گیا۔ اللہ اللہ کس شان اور کن اخلاق کے بزرگ تھے۔ اب ایسا شیر حریت اور مجاہد ملت پیدا  
نہ ہو گا۔ ان کی کس کس خوبی کو بیان کیا جائے۔ مجھ کو بھی یہ صدمہ بالکل اپنا ذاتی صدمہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ  
خود میرے اوپر مولانا مرحوم کی جو ذاتی شفقت تھی اب میں عمر بھر اس کو یاد کر رہا ہوں گا۔ اوروں کا۔ اسی ماہ  
برہان میں شجرہ لکھ رہا ہوں۔

اس وقت سمجھ میں نہیں آتا کیا لکھوں؟ قلم باریا نہیں کر رہا ہے۔ مدرسہ کے طلبہ اور امداد امداد غم  
 قرآن کریم میں۔ حق تعالیٰ مرحوم کو صدیقین کے درجات عطا فرمائے۔ آپ اور آپ کے بھائی نام بنام  
 میری طرف سے پیغام تعزیت قبول فرمائیں۔ آپ کا شریک غم سعید احمد اکبر آبادی۔ ایڈیٹر مہمان  
 پروفیسر شعبہ دینیات علی گڑھ یونیورسٹی

خط نمبر ۸۔ لاہور۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ جناب مولانا مولوی خلیل الرحمن و عزیز الرحمن صاحبان پسران مولانا  
 حبیب الرحمن صاحب مرحوم۔ السلام علیکم۔ یہ خبر جانکاہ بڑے مضطرب لحوں میں سنی گئی کہ ہمارے شہر  
 لدھیانہ کی ایک عظیم، حق اور ہمارے ستر تاج بزرگ عالم مولانا حبیب الرحمن صاحب قدس سرہ  
 العزیز اس سرائے نانی سے عالم جودانی کو رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ۵ اس خبر  
 نے عرصہ تک سکوت کا عالم رہا۔ یہ حقیقت ہے کہ ایسے مستقل بہادروں کی مفارقت ناقابل تلافی ہے۔  
 آج ہم ایک ایسے قابل قدر فخر عالم، اولوالعزم قائدان کے ایک فرد کی جدائی سے آنسو بہا رہے ہیں کہ  
 جو کی یاد کاریں تازیت آنکھوں میں اندول میں جاگزیں رہیں گی۔ ان چند تحریری لفظوں سے ہم آپ کے  
 غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اور بارگاہ ایندلی میں دست بدعا ہیں کہ مرحوم مغفور کی فریاد سی صحبت میں اضافہ  
 ہو اور مرقد النبی میں رحمت کی بارش ہو۔ آمین تم آمین۔ اور جملہ عزیزان و پس ماندگان کو ہمارے عطا فرمائے۔

والسلام۔ دعا گو۔ خواجہ محمد طاہر مسرت لدھیانوی۔ حال بیٹن روڈ۔ مہاجر گلی، لاہور  
 خط نمبر ۸۸۔ چٹان۔ لاہور۔ عزیز بھائی۔ السلام علیکم۔ کل دو بجے دوپہر کھانا کھا رہا تھا  
 تو آل انڈیا ریڈیو سے اردو خبروں کا پروگرام شروع ہوا۔ سنی خبر تھی آج صبح ۸ بجے مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی  
 انتقال فرما گئے۔ یہ خبر سنتے ہی میں اپنی جگہ ساکت و جامد ہو گیا۔

عزیز بھائی۔ آپ کے ساتھ اس دنیا سے میرا باپ بھی اٹھ گیا۔ کئی باتیں مجھ میں اور مولانا میں مشترک  
 تھیں۔ میں جنگ شروع ہوتے ہی ۱۳ ستمبر ۱۹۴۹ء کو ملتان میں گرفتار کر کے منگڑی جیل میں بند کر دیا گیا۔  
 ۱۹۴۴ء کے شروع میں رہا ہو کر تھانہ انارکلی میں نظر بند رہا "صدر احرار" ۱۹۴۳ء کو گرفتار  
 ہوئے اور ۳ جولائی ۱۹۴۵ء کو دھرم سالہ جیل سے رہا ہوئے۔ اس طرح وہ بھی پانچ سال نظر بند رہے  
 اور میں بھی پانچ سال نظر بند رہا۔

مولانا منگڑی جیل میں چھ بارہ دریاں یا چھ احاطے چھوڑ کر نظر بند کئے گئے۔ اور اخوانی فدیہ کے نام  
 خواجہ محمد طاہر بزرگ مسلم ٹیپ کے سکریٹری تھے اور بڑے پر جوش انسان۔ لیکن میں الاحرار کے باوجود دیگی ہونے کے  
 ۵۳۰



سے تھیں یہ مستور ہوئے میں بھی چھ احاطے چھوڑ کر ساتویں میں نظر بند تھا۔ کچھ دنوں بعد مجھے پتہ چلا کہ خٹکری جیل میں کوئی فحاشی نہیں "صدنا تراء" ہند ہیں۔ ملنے کی تدبیریں کیں راہ پیدا کی۔ ہفتے عشرے میں کامیابی ہوئی سڑک جھد رلی مدد سے یہ ملاقات خفیہ ہوتی تھی۔ مولانا نے بڑی گرم جوشی سے موافقہ کیا اور ہاتھ دیا۔ جب میرے اہل ساتھیوں کے حالات سنے تو ان کی آنکھوں سے موتیوں کی طرح آنسو بہہ نکلے۔ فرمایا "میں کوشش کروں گا کہ تم لوگوں کی سختیاں کم ہو جائیں، اور جیل کا ٹٹلہ انسانیت سے پیش آئے۔ تم تو تین چار ساتھی ہو۔ میں آئیل نید تنہائی میں بند ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ دن دو ماہ پر کوئی ملال نہیں۔ ہر حال میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔ قرآن پڑھتا ہوں اور قرآن کے دھند و نکات پر غور کرتا ہوں۔ تمہارے اصرار سے ملنے کی ایک ہی راہ ہے کہ تم حکومت کو درخواست دو کہ میں مولانا حبیب الرحمن سے قرآن پڑھتا چاہتا ہوں۔ مولانا یہ کہہ کر تشریف لے گئے، دونوں طرف کے احاطوں کے مہیب اور خوفناک دروازے بند ہو گئے۔ یہ دروازے اس سے بند ہوئے کیونکہ ہم ہندوستان میں "احرار" اور کافر ہیں تھے۔

میں نے مولانا کے ارشاد کے مطابق حکومت پنجاب اور سرسکند حیات خاں کو لکھا کہ میں مولانا سے تفسیر قرآن پڑھنا چاہتا ہوں۔ اس کی اجازت دی جائے۔ سکند حیات نے جواب دیا۔ آپ مولانا سے مل سکتے ہیں نہ تفسیر پڑھ سکتے ہیں۔ آپ کے لئے کسی قہر کا انتظام کر دیا جائے گا۔ میں نے حکومت کے اس خط کا برا سخت جواب دیا۔

دوسری بات مجھ میں اور مولانا میں یہ مشترک تھی کہ میں عدو نادونوں بھانسی کے تختے پر بھی حق بات کہنے سے نہیں ڈرتے تھے۔ اور اس میں خوشی محسوس کرتے کہ اللہ کے نام کو اور کلمہ حق کو بھانسی کے تختے پر بند کیا جائے۔ مولانا صحابہ کا میرا دور میں صحابہ کا اسیر ہوں اور ان کے نقش قدم پر چل رہا ہوں۔ جنگ کے زمانے کی نظربندی بھی خوب تھی۔ مولانا مسٹر بی اظہر قائم احترامیت بیٹھے رخصت حیات خاں وزیر اعظم پنجاب سے راہ رسم پیدا کر لی۔ شیخ مسام الدین اپنے بھائیوں کے وجہ سے رہا ہوئے۔ اور پھر نہ بولے رخصت حیات سے زندگی گزارتے رہے۔ مولانا مہر علی اعظمی نے پانسانی حلقوں میں مقبول ہونے کے لئے حکومت انڈیا کا مشورہ لیا۔ لیکن یہ کوشش کامیاب نہ ہوئی اور لیگ کے حلقوں نے انھیں قبول نہ کیا۔ مجھے اور مولانا کو جیل ہی میں یہ حالات معلوم ہو گئے تھے۔

خٹکری سے مولانا کو دھرم شاہ جیسے جیل میں بھیج کر حکومت نے تقاضا کیا کہ مولانا نے سکند حیات خاں اور میں جیل کی وزیر قسیم پنجاب کو سخت چٹیاں لکھی تھیں۔ میں بھی یہی حال تھا مجھ پر بھی خٹکری جیل میں کیا کیا نہ ستم توڑے گئے۔ مولانا دھرم شاہ جیل میں اور میں خٹکری جیل میں حکومت کے خلاف ڈٹے رہے۔ ایمان کو خود داری پر پابغ نہ آنے دی۔ مولانا خلع میں مبتلا ہوئے اور میں سخت قسم کی پیمیش میں۔

آج مولانا اس دنیا میں نہیں ہیں۔ پان کی یاد میں پامیریت۔ مجاہد کد۔ چن دیو زمانہ بھی عدلے کتہ الحق کرتا رہے۔ حکومت مولانا اور مجھ کو سدا سداستی۔ خٹکری کے لئے خٹکری۔

بھی اعلیٰ کلمۃ الحق کرتا رہے حکومت مورانا اور مجھ کو تشدد پسند سمجھتی رہی۔ حکومت کے فائلوں میں میرے اور مولانا کے لئے نقشہ دہن کا لفظ استعمال ہوتا رہا۔ مولانا پر سبھاش چندر بوس سے ساز باز کرنے کا الزام تھا اور مجھے بار بار ٹی کاہم تو سمجھا گیا۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو تمام سرمدی عطا فرمائے اور مجھے ان کے نقشہ قدم پر چلنے کی توفیق عطا ہو۔ ایک بھائی کی حیثیت سے آپ کے غم میں برابر کا شریک ہوں اور مایسا بیٹا ہوں جس کا مجاہد باپ بھی پانچ سال تک نذر بند رہا اور مجاہدیت بھی پانچ سال تک قید رہا اور نظام ہتار رہا۔ ان کی بہت سی باتیں یاد آتی ہیں اور مشعل راہ نہیں گی۔ ۱۹۴۲ء میں آزاد اخبار میں ان کی زندگی پر ایک طویل مقالہ لکھا تھا اور اس میں بہت سے واقعات آگئے تھے۔ اپنی زندگی پر کتاب لکھوں گا تو مولانا کا ذکر سلسلے گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو صبر کی توفیق دے۔ آمین

تھارا اپنا بھائی شورش کشمیری۔ ۳ دسمبر ۱۹۵۶ء

خط نمبر ۸۹۔ سیاہ۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر عزیز۔ السلام علیکم۔ اخبارات کے ذریعہ حضرت مولانا حبیب الرحمن کے آپاٹک انتقال کی خبر ملی۔ سخت صدمہ ہوا۔ برادر تم ایک شفیق اور مہربان باپ کی محبت ہی سے نہیں محروم ہو گئے بلکہ مسلم قوم ایک ایسے ہمدرد رہنما سے محروم ہو گئی جس کا بدلہ شاید نہ مل سکے ایسے میرے قوم میں کب پیدا ہوتے ہیں۔

ہزاروں سال نگیس اپنی بے زوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چین میں دیدہ در پیدا تھا۔ اعظم گڑھ سے مولانا کی علامات کا تار پا کر کیا کچھ چلے جانا باعث پریشانی تھا۔ لیکن چند ہی روز بعد عمران صاحب نے بتایا کہ حالت بالکل ٹھیک ہے۔ لہذا کافی اطمینان ہو گیا تھا۔ مگر یہ کیا معلوم تھا کہ خدا کے یہاں سے پیغام آچکا ہے۔ اس کو لبیک کہنا ہی پڑے گا۔ جو سر جھکتا نہ تھا۔۔۔ ہم سب تمہارے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ باپ کی شفقت اگرچہ تم سے بچیں لیکن مگر امید ہے کہ انتہائی صبر و ضبط سے کام لو گے۔ دہائیے آپ کو مولانا مرحوم کا صحیح جانشین ثابت کر دے گے۔ خدا تمہاری مدد کرے اور مولانا کو جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین! بچوں کو دعا و پیار۔ تمہارا بھائی محمد اکرم صدیقی۔

خط نمبر ۹۔ ہارک پور۔ ۹ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ ۶۰۶ محترم عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم

”من در چہ خیالم و فطلم در چہ خیال“۔ اچانک بجلی کی مانند اخبارات میں یہ خبر پڑھی کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ تقسیم ملک کے بعد آخری بار ۱۹۴۲ء کے آخر میں مسجد حسین آگاہی ملتان مشہر میں اتفاقہ ملاقات ہوئی تھی، جب کہ آپ

ہندوستان کو واپسی کے لئے جوانی جہاز میں میٹ مخفوق کرانے کے لئے ریاست بھادل پور سے ملتان آئے تھے۔  
 اس کے بعد ایک ہندوستانی وفد کے ساتھ پاکستان تشریف لائے۔ مگر باوجود کوشش کے ملاقات نہ ہو سکی۔  
 اب پختہ ارادہ کر رکھا تھا کہ بہت جلد دہلی جا کر نیاز حاصل کروں گا۔ چنانچہ ایک ہفتہ گزارا مولوی انیس الرحمن  
 صاحب سے مل کر پور میں اسی غرض سے ملا تاکہ حضرت مولانا کا دہلی کا ایڈمسیس دریافت کریں۔

دوران گفتگو معلوم ہوا کہ حضرت مولانا نے اپنے بڑے سائیس کا آپریشن کرایا ہے۔ اور یہ بھی اطلاع آئی  
 ہے کہ وہ ناکو قدر سے بخار تھا، اب صحت ہے۔ وفات کی خبر سن کر دل بیٹھ گیا۔ آنسوؤں نے اس بوجھ کو قدرے  
 ہلکا کیا تو ماضی کے واقعات کا وہ تمام نقشہ سامنے آئی۔ جس وقت تحریک خلافت کے ایام میں بھوارہ ضلع  
 ہوشیار پور کی پولیس کل کانفرنس میں حضرت مولانا سے پہلی بار تعارف حاصل ہوا۔ راتم انحراف ان دنوں  
 کپور تھلہ میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ چند سال بعد انجمن تعلیم القرآن سلیبی پور دہلی (ریاست کپور تھلہ) کی  
 بنیاد حضرت مرحوم کے مشورہ سے رکھی گئی۔ اور پھر انہوں نے ہی مولانا محمد علی جالندھری کو بطور صدر مدرس  
 مقرر فرمایا۔ یہ ایک دور تھا جو گزر گیا۔

اب ادا ہے کہ ۱۹۵۷ء کے شروع میں حضرت مولانا مرحوم کی آخری آرام گاہ پر حاضر ہو کر فاتحہ  
 خوانی کروں۔ اور آپ حضرات سے مل کر پرانے تعلقات کو بھی تازہ کروں۔ مولوی خلیل الرحمن صاحب کی  
 خدمت میں السلام علیکم۔ السلام فتح محمد سلطان پوری۔ مبارک پور۔ ڈاک خانہ خاص۔ تحصیل کپور تھلہ۔  
 خط نمبر ۵۔ فیروز آباد۔ ۱۹۵۶ء۔ پیارے بھائی عزیز الرحمن صاحب۔ آداب حضرت مولانا  
 کے وصال کی خبر ناچیز کو ذرا سے ملی۔ پرہیز کر دلی رنج ہوا۔ خدا ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے۔  
 آمین۔ کچیلے تقریباً انیس برس سے میں ان کے زیر سایہ تھا۔ باوجود اس کے کہ میسر نہ آیا کہ ہمیشہ مولانا  
 رہا۔ لیکن مولانا قبلہ مجھ سے بے حد انسیت رکھتے تھے جس کو میں تا زندگی فراموش نہیں کر سکتا ہوں  
 اور نہ فراموش کرنے کی مجھ میں طاقت ہے۔ ان کا اخلاق اپنی جگہ ایک مسئلہ ہے۔ زیادہ حد ادب۔  
 آپ خود بھی محسوس کر سکتے ہیں کہ مجھے کس قدر رنج و غم دھن اور دلی تکلیف ہے آپ لوگوں کو خدا  
 تو نے صبر عطا فرمائے۔ نیاز مند۔ رحمت لال منسل۔ فیروز آباد۔ آگرہ (یو پی)۔



خط نمبر ۹۲۔ سہارن پور۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیزان محترم۔ سلام مسنون۔ آج کئی روز اسی کش مکش میں گزر گئے کہ خود دہلی جا کر تعزیت کروں یا خط لکھوں۔ اسی شش دہلی میں رہا اور خیال کیا کہ اگر نہ ہی گیا اور وہ صورت جس کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو جاتا تھا نہ پایا تو بجز ملال و صدمہ کے کیا ہو گا۔ افسوس کہ مولانا کے مرنے کے ایک روز قبل خط ملا کہ اب محمد رشید اچھا ہوں اور مکان کے صحن میں مثل یتیم دغیرہ وغیرہ۔ خدا کا شکر کیا اور طینان ہو گیا کہ آپریشن خدانے کامیاب کیا۔ کمزوری ہے وہ مگر خدانے چاہا روز بروز بھلے گی۔ اگلے دن شیخ الحدیث سے تار کا حال جب معلوم ہوا سن کر ششدر رہ گیا۔ انا لله وانا اليه راجعون ۵ کہہ کر سوچتا رہا کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ کبھی میں یہ کہتا تھا کہ یہ خبر آئے کہ تار غلط تھا کسی نے دے دیا، کبھی کچھ سوچتا۔ آپ لوگوں کے صدمے میں میں بھی شریک ہوں۔ مگر تحریر کچھ نہیں کر سکتا۔ عجز صبر کے کیا کیا جاسکتا ہے مولانا محمد یحییٰ صاحب تشریف لائے ہیں۔ دور سے دیکھ کر یہ سمجھا کہ مولانا حبیب الرحمن صاحب تشریف لارہے ہیں۔ قریب آنے پر دیکھا کہ مولانا یحییٰ صاحب میں جب یہ سوچتا ہوں تو مولانا کی یاد دل میں زیادہ آ جاتی ہے۔ ۱۹۵۳ء کے بعد جو قہر کا ایف اس مجاہد نے برداشت کیا اور ان پر صبر کیا، وہ انہی کا حصہ تھا۔ مجھ کو کئی کئی گھنٹے اور دہلی کے قیام میں بعض مرتبہ کئی کئی دن مولانا کے ساتھ ٹھہرنے کا اتفاق ہوا، مگر استقلال کے سوا کوئی بھی ناشکری کا لفظ زبان سے نہیں سنا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے خواص میں شمار فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ آپ سب حضرات کو اور میں صبر جمیل عطا فرمائے مولانا محمد یحییٰ صاحب غالباً تشریف رکھتے ہوں گے۔ سلام کے بعد عرض ہے کہ اگر یہاں سے کبھی گھر ہوا کرے تو غریب خانہ کو بھولا کیجئے۔ والسلام۔ بندہ محمد امین طیب سہارن پور

خط نمبر ۹۳۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم طیب صاحب۔ السلام علیکم۔ قبلہ مولانا صاحب کی وفات کی خبر سن کر از حد دکھ ہوا۔ انا لله وانا اليه راجعون ۵ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ غم زدہ سید ظہور الحسن لدھیانوی

خط نمبر ۹۴۔ لدھیانہ۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ جناب مولانا سید الرحمن صاحب۔ میں نے جب یہ سنا کہ آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا ہے، تو اس کا انتہائی افسوس ہوا ہے۔ میں آپ کے ادراپ کے تمام فائدہ

کے نام میں برابر کا شریک ہوں۔ مرحوم کے لئے خدا سے دعا کرتا ہوں کہ جنت نصیب کرے اور آپ کو جبریل و قہر  
عند فرمائے۔ مبارک علی آزاد لدھیانوی۔ لاہور

خط نمبر ۹۵۔ دانا پور کینٹ۔ ۱۹ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکرئی و محترمی مولانا شمس الدین صاحب اسلام علیکم  
کچھ روز پہلے، جناب میں یہ خبر شائع ہوئی کہ وہی میں مولانا حبیب الرحمن صاحب جنت فرمائے  
چونکہ زیادہ تفصیل دی ہوئی تھی اور نہ نام کے ساتھ لدھیانوی میں نہ تھا، اس سے ہم ان کو زیادہ تشویش  
نہیں ہوئی اس کی تفتیش ہم عقیدت مندان کرتے رہے اور اب یہ پتہ چلا کہ واقعی مولانا لدھیانوی  
کا انتقال ہر حال ہو گیا۔ اس خبر سے یہاں مسلمانوں میں خصوصاً شدید رنج و غم کی حالت طاری ہو گئی ہے  
اور ایسی بزرگ ہستی کو ایسے زمانہ میں کھو کر ہم لوگ بڑی بے چینی محسوس کر رہے ہیں۔ حضرت مولانا سے مال  
ہی میں یوپی کا سفر جس کے موقع پر سلطان پور میں ملاقات ہوئی تھی لیکن اتنی مختصر سہری نہ ہوئی۔ اور نہ ہی  
معتدل گفتگو ہو سکی۔ حضرت مولانا نے اس طرح پہلے کاموں پر کچھ دل چسپی نہیں شہر شادی تھی جس سے ہم  
لوگ بڑی تقویت محسوس کر رہے تھے، اور صحیح رہنمائی کے منتظر تھے۔ اندازے بنتے رہے کہ جبریل و قہر  
اندر نہ کر کوئی کہیں کہ کیا ساز پنہاں ہیں اس کے کہ مومن میں ہم رنگ۔ اسے مسرہ مشور کے کر بھی کیا  
سکتے ہیں۔ دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم حضرت مولانا کو پہنچے ہو۔ جس میں اللہ جنت انداز میں جگہ دے  
آج سب حضرات سید بھی، لہجہ مدنی کے ساتھ میں اختراع ہے کہ حضرت مولانا کے لئے دعا ہے۔ فرماتے ہیں  
خدا آپ لوگوں کو صبر و توفیق عطا فرمائیے۔ ہم اللہ کے لئے بھی دعا کرتے ہیں کہ سب سائنس دانان و محققین  
رکھیں اللہ کا رلاہ سے یہ دعا پڑھیں۔ آمین۔ عبداللہ کدیل۔ دانا پور کینٹ

خط نمبر ۹۶۔ لاہور۔ ۶ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ بھائی محمد حمزہ صاحب اسلام علیکم۔ دعا کی وفات  
کا ہم سب کو بے انتہا صدمہ ہوا۔ خدا نہیں جانتا کہ وہ اس میں جگہ دے۔ آئینہ۔ مافی بچے تیر برسوں پر  
کے تھے ان کو دیکھ کر مرنے کی خیر تہا میں لدھیانوی میں دیکھا تھا۔ اس کے بعد کچھ دیکھنے کو ملا۔ نہیں ہوا  
مگر ان کی صورت دیکھ کر آنکھوں کے رونا ہے۔ ہم لوگ ملوہ ہو تھا کہ کچھ باتیں۔ آپ تین چار  
کیا اس کے جلال کی حالت بالکل ٹھیک ہو گئی تھی یا پھر تین کا میاب نہیں ہوا، اما جو صاحب دعا کا بار نہیں ہو





مولانا مرحوم کے کلمات وحی من پر تفریک اور خلافت قلع حضرت دالہ صاحب نے بھی کچھ باتیں بیان فرمیں  
 اندر دیتے خود بھی دیتے رہے، ذرا اہل مجلس کو بھی دیا۔ یہ تعزیت نامہ سب اہل خانہ اور ازارہ جہان  
 کی عرف سے لکھے ہوئے جس ہزار تاسف شریک ہم ہوں اور آپ حضرات کی استغاثت کے لئے دعا گو۔  
 ، ستمبر جمعہ کے اجتماع میں احتدرا تم نے خطبہ میں حضرت مولانا مرحوم کے منطق منحصص تقریر کرتے ہوئے  
 ۔ حد اسلامیہ منکری کی طرف سے تعزیت نامہ کی قرارداد پیش کی جس میں ہزاروں مسلمانوں نے شرکت  
 لی تھی اندر سب حضرات نے دعائے مغفرت کی اور تعزیت میں شریک ہوئے کہ ائمہ الحرمین خادم فاضل  
 حبیب اللہ رشید اعظمی ناظم و مستم جامعہ رشیدیہ، برادران محترم اندر حضرت دالہ صاحب سلام  
 مسنون فرما کرتے ہیں۔ برادر محترم مولانا عبداللہ صاحب ملتان اور قاری لطف الرحمن صاحب یہیں  
 مقیم ہیں، وہ حضرت دالہ صاحب دا حقربان منکری میں قیام پذیر ہیں۔ فقط محمد احمد رحمانی لدھیانوی  
 مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامعہ رشیدیہ۔ غلہ منڈی منکری

خط نمبر ۹۹۔ لکھنؤ۔ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترمی جناب بھائی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ  
 اخبارات سے محترمی مولانا کے انتقال پر ملال کی خبر معلوم ہوئی جس سے بہت ہی صدمہ ہوا۔  
 اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۵ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں جلد دے اندر آپ سب  
 کو سیر جمیل عطا فرمائے۔ آج کل ماموں بھی کہ معظمہ میں ہیں اور قائم علی بھی گئے ہوئے ہیں۔ مجھے یہ نہ معلوم تھا  
 کہ آخری ملاقات ہے۔ فقط آپ کا خادم شیخ محمد علی۔ منگل دس بیچ آباد۔ ضلع لکھنؤ

خط نمبر ۱۰۱۔ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم جناب بھائی صاحب زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ  
 حضرت مولانا مرحوم کے انتقال کی خبر اخبار میں بہت رنج و غم کے ساتھ پڑھی گئی۔ تانی صاحبہ اس  
 روز سے اب تک ہر وقت روتی رہتی ہیں۔ سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں۔ دعا ہے خدا تعالیٰ مرحوم کو  
 جو رحمت میں جگہ عنایت فرمائے۔ مولانا کے خطوط سے ظاہر ہے کہ وہ آخری وقت تک اسی کوشش میں رہے  
 کہ کسی طرح پھول سے ملاقات ہو جائے۔ لیکن خدا تعالیٰ کو منظور نہیں تھا۔ تانی صاحبہ بہت روز سے بیمار تھیں  
 چند روز سے کچھ افاقہ تھا۔ لیکن یہ خبر سن کر پھر حالت بدستور خراب ہو گئی۔ ہم سب آپ کے ساتھ رنج و غم میں

برابر کے شریک میں فقط والسلام۔ حافظ سیف اللہ نوشہرہ درگاہ

خط نمبر ۱۰۱۔ ضلع مظفرنگر۔ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکرم و محترم خلیل الرحمن و سعید الرحمن صاحب خلیفہ اکبر  
حضرت مولانا مرحوم لدھیانوی۔ السلام علیکم۔ اخبارات سے آپ کے قبیلہ والد ماجد کے اچانک انتقال  
کی خبر معلوم ہوئی۔ حضرت مولانا ہندوستان کی جس عظیم ترین شخصیتوں میں سے تھے۔ اس سے کبھی انکار نہیں  
کیا جاسکتا۔ قوم دہلی کو ان کے اچانک انتقال سے جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی ناممکن ہے۔  
مگر آپ لوگوں کو جو صدہ عظیم پہنچا ہے۔ اس کی کمی بھی کسی طرح پوری نہیں ہو سکتی۔ ہم سب بھائی اور ہماری  
والدہ ماجدہ آپ کے اس غم میں برابر کے شریک ہیں۔ ہماری سب کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و برکت  
سے حضرت مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں۔ آمین اور آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائیں  
آمین۔ میں ہوں غمگین۔ مسعود حسن ایڈی خلیفہ مرحوم مولانا احمد حسن صاحب ایڈی۔ مشعلہ منزل  
کیرانہ۔ ضلع مظفرنگر۔ (روپی)

خط نمبر ۱۰۲۔ لاہور۔ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ بخدمت جناب حضرت مولانا مولوی خلیل الرحمن صاحب عفی عنہ  
السلام علیکم درجنہ اللہ وبرکاتہ۔ میں نے مورخہ ۳ ستمبر کے اخبارات میں یہ خبر پڑے رنج و اہم کے  
ساتھ پڑھی کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی انتقال فرما گئے۔ خبر پڑھتے ہی دل کی کیفیت  
کچھ اور ہو گئی اور دل کو اندازہ صدمہ ہوا کہ آج ہم سے بہت صدی شخصیت جدا ہوا کہ آج ہم سے بہت بڑی شخصیت  
جدا ہو گئی جو کہ کبھی نزل سکے گی۔ اللہ تعالیٰ حضرت کو جوار رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں اور ان کی روح  
پسواں کی قبر پر ہمیشہ ہمیشہ اپنی رحمت کی بارش فرمائیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اتنے بڑے عالم دین اور صرف دین  
کے عالم نہیں بلکہ بہت بڑے بہادر اور نڈر رہتی کاہم سے جدا ہونا ہماری بد نصیبی کی ایک دلیل ہے۔ کیونکہ  
حضرت مولانا ایک بہت بڑے فاضل اور بہت بڑے مدبر انسان تھے جن کی فتح خاص طور پر پنجاب کی ایک  
کونٹ سے لے کر دوسری کونٹ تک روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اور دیگر ہم سب  
کو بھی استقامت اور صبر جمیل عطا فرمائیں۔ والسلام۔ مولوی نور محمد منیان والا ساہیوالہ دیوبند ہماری گیت  
محکمہ موبلیان ہاؤس ۳۳۵۶۔ ڈی۔ لاہور

خدیویر ۱۰۳۰ - لاہور - ۲۷ ستمبر ۱۹۵۶ء

اجلہات میں یہ خبر وحشت انگیز ہے کہ نہایت سخی و ناسوس ہوا کہ ہمارے مخلص و درست مولانا موسوی صاحب الرحمن

آخر زمانہ کی تاب نہ کر ۲ ستمبر ۱۹۵۷ء کو داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ ماما جتوئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ راجعون ۵

مورانا حبیب الرحمن کھانہ تھلے ہمارے حلقہ احباب میں یکا اور مخلص بہمد اور خیر خواہ دوست کی جگہ

خانی ہو گئی۔ جس کی تلافی نہیں ہو سیکے گی۔ مولوی صاحب کی زندگی کے حبستہ حبستہ خیالات انتہا رات میں

شیخ ہوئے ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا مقام کس قدر اعلیٰ انداز میں کام کر کے ٹرس قدر مضبوط تھا۔ ان کی

یہ صفحات تو دارِ علم پر مجھے معلوم ہیں۔ اس وقت ماضی کی قدم یادیں تازہ ہو گئی ہیں۔ میری اس تحریریت میں

نیزہ مسٹر محمود گھر کے دیگر افراد برابر کے شریک ہیں۔ نقطہ حاجی احمد حسین۔ اجپور۔ ملا محمد

خط نمبر ۱۰۔ ۵ جولائی ۱۹۵۶ء۔ بھائی عزیز الرحمن۔ السلام علیکم۔ گزشتہ اتوار آپ کے والد محترم

کے وفات کی خبر پڑی تو پرسی تو کاغذ پر بہت گراں گزری۔ وہ نہیں مانتا تھا کہ یہ خبر سچی ہے لیکن دوسرے دن

انجریں یہ خبر پڑھ کر یقین ہو گیا۔ قبلہ مولوی صاحب کی چائے گھر میں صبح کے لئے سخت صدمہ کا باعث

جس نے اپنی سیاسی زندگی میں ایک خاص مقام بنایا تھا وہاں : وہ ایک شفیق باپ، مہربان دوست

اور اپنے نینا آقا رب کے لئے یہ پیادہ شفقت سےبے لوث محبت رکھتے تھے اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت۔

کرے ! آپ سب کو صبر کی توفیق دے آمین ! مجھے انسو میں ہے کہ میں خود حاضر ہونے سے محروم ہوں۔ نہ

یقین رکھئے میری دلی خواہش تھی کہ اس عہدہ جانکاہ میں خود حاضر ہو کر میں آپ کے غم میں شریک ہوتا، مگر

ہیں مڑو کے لئے دعا گو ہیں۔ عین۔ عزیز کلثوم کو میری طرف سے السلام علیکم کہہ دیں اور کہیں کہہ دیجئے۔

۷۷ کا مہ لے کیونکہ اس کے لئے بھی یہ ایک بہت بڑا صدمہ ہے۔ فقط عبدالغنی رضوی۔ لاہور

نمبر ۱۰۔ مادی پندی۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۵۷ء۔ مکرملی محترمی جنابا بندہ۔ سلام مسنونہ آپ کے خط

بنام مولانا محمد یوسف صاحب سے بھائی صاحب کے رحمت کرتے ہیں کہ اس پر اس پر یا خبر ملی۔ میں کہہ چکا ہوں دنیاوی ہفت۔

سے ایک بے کس ادھی ہوئی۔ عجیب اس موت کے شایع پر غور کریں اور میرے جیسے انسردہ اور بے کس

اسان کے جی اذہ سان حلق ہوا کے ہیں لفظ ہیں کہ اپنے پورے پورے اور کیف و لذت کا طہر

[illegible]



کر سکوں۔ سوئے اس کے کہ مروجہ کے لئے صدق دل سے دعا کی جائے اور آپ حضرات سے صبر کی درخواست کی جائے اور کیا کیا جاسکتا ہے۔ میرے ذاتی حالات کے متعلق مولانا محمد یوسف صاحب نے شاید کچھ تحریر فرمایا تھا۔ مگر حسب عادت آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ اس لئے خاموشی ہی بہتر ہے۔ باقی بہر حال گزر رہی ہے۔ زیادہ آداب۔ حافظ محمد اسماعیل صاحب مدرس مدرسہ انور یہ بھی اظہار غم میں برابر کے شریک ہیں اور بھائی عبدالحق صاحب بھی بہت زیادہ متاثر ہیں۔ الجمعیت گرجا کی کر سکتے ہوں تو کرا دیں۔ زیادہ سلام و نیاز۔

مشتاق احمد لدھیانوی

خط نمبر ۱۰۔ شملہ۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ جناب بھائی عزیز الرحمن صاحب۔ قبلہ واللہ صاحب کی رحلت کی اندر مہناک خبر اخبار کے ذریعہ ملی۔ حد درجہ افسوس اور غم ہوا۔ مولاناؒ کی رحلت نہ صرف عزیزوں، رشتہ داروں اور ان گنت دوستوں اور مداحوں کے لئے ہی باعث غم و افسوس ہے بلکہ ملک و قوم کے لئے بھی ناقابل تلافی نقصان ہے۔ ہمیں تو خاص طور پر رنج ہے کہ یکایک تبادلہ ہونے کی وجہ سے آخری بار زیارت بھی نہ کر سکے۔ ہماری طرف سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو آغوش رحمت بخشے اور رستہ داروں اور دوستوں کو صبر جمیل۔ ہماری ہمدردی اور اظہار افسوس ازراہ کرم سب بھائیوں اور بہنوں کے گوش گزار فرما دیجئے۔

آپ کا شریک غم۔ بلیر سنگھ گادیاں۔ پر بھادتی۔ شملہ

خط نمبر ۱۰۔ لدھیانہ۔ ۹ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مولانا محترم۔ بے ہند۔ ابائے اقدس کی وفات نے شدید سدمہ پہنچایا ہے۔ اس آہ و شہین میں گھر کا ہر فرد شامل ہے۔ بابو جی۔ بی بی جی۔ لیڈر صاحب اور باقی عزیزان ہر وقت اباجی کی یاد کرتے ہیں۔ آپ یقین مانئے کہ اس ہوش و باور و دلخراش خبر کو سننے کے لئے ہم میں سے اب بھی کوئی تیار نہیں۔ وہ عموماً زندگی بھر میدان سیاست کے شہسوار رہے۔ مگر میرے لئے وہ سراپا تصوف بھی ابھی پھلپلی بیٹھا کھلی انھوں نے ہمارے ہاں کافی سان کے روحانی ارشادات میرے سینے میں محفوظ ہیں۔ ان کی جدائی نے دلوں کی تاریکی بڑھادی ہے۔ اس سے زیادہ لمحہ المیہ نہ کون ہو سکتا ہے۔ پنڈت خواہر لال نہرو جی اور صدر جمہوریہ کے بیانات پڑھ کر محترم کی عظمت درخشاں ہو گئی۔ مگر خیال جدائی نے رنج و غم کی گرم گرم سلاخ سینے پر رکھ دی۔ اب یہ کون اٹھائے گا۔ یہ خطوط رکھی ہوا کہتے ہیں۔ مگر میرا ایسا نہیں ہے۔ آخر میں آبا جی کے جذبہ تو

وڈرت، بیباکی بلکہ جرات زندانہ کے تئیں خراجِ حقیقت پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ انہیں جنت نصیب کرے اور آپ سب کو صبر جمیل۔ آپ کا بھائی اندر پرتاپ ایم۔ اے خلفِ لالہ امرنا تھویر۔

مرلا ہوندری مل۔ لدھیانہ

خدیبر ۱۔ کراچی۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۵۶ء مشفق جناب مولوی انیس الرحمن صاحب سلمہ۔ اسلام علیکم  
حضرت مولانا حبیب الرحمن کے انتقال پر ملاں کی قبر معلوم ہو کر بے حد صدمہ ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو جنت الفردوس میں ممتاز جگہ عنایت فرمادیں اور آپ سب حضرات کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ دنیا فانی ہے۔ یہاں کی ہر چیز آنی جاتی ہے۔ لیکن پھر نہ سایہ سے بگڑتی نہ جس تمہ بھی سوخ و ملال ہو وہ بچا ہے۔ آپ حضرات کو اللہ تعالیٰ اس کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔ تم میں حضرت مرحوم نے نیک اور نیک چھپے چھپڈی بے جن کی دعا حضرت مرحوم کے لئے انشاء اللہ توشہ آخرت کو ہم دے گی۔ میری طرت سے اپنے سب عزیزوں کی خدمت میں تعزیت کا پیغام عرض کر دیں۔ میں آج ہی فیبریل سے یہاں پہنچا ہوں۔ انشاء اللہ ۳ کی شام کو واپس ماہور روانہ ہوں گا۔ خاکسار بندہ مجید سمرٹ ہاؤس۔ کراچی  
خدیبر ۱۰۹۔ ضلع میرٹھ۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ جناب مولانا عزیز الرحمن صاحب

۳۴ رجون کو شہری جمعیت ملاں کی مجلس منتظمک میٹنگ بصدرارت جناب شیخ محمد اصغر الحسنی صاحب کے منعقد ہوئی جس میں حسب ذیل رزلویشن پاس ہوئے۔

۱۔ یہ جلسہ حضرت مولانا مولوی حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی کے انتقال پر ملاں پر اپنے دل رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور حضرت مولانا دیگر پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

۲۔ یہ جلسہ جناب محترم مفتی محمد شفاق صاحب کو شہری ناظم اعلیٰ سے استعفا پیش کرنے پر اظہارِ غم و حسرت اور حکیم سید عبدالرحمن صاحب برنی کو! اتفاق ناظم اعلیٰ تجویز کرتا ہے۔

۳۔ یہ جلسہ تمام ماتحت حلقوں کو ہدایت کرتا ہے کہ اخبار الجمعیت کے زیادہ سے زیادہ خریداری کریں۔

۴۔ یہ جلسہ آفس کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ وہ رمضان المبارک کے لئے ایک جھڑی جلد سے جلد طبع کرے۔

شہر: دیگر مضافات میں شائع کرے۔ منجانب شہری جمعیت علماء میرٹھ۔

خط نمبر ۱۱ - مصری گنگو - ۱۹ ستمبر ۱۹۵۶ء - مبارک عزیز الرحمن صاحب علیکم - میں کل علاقائی دورہ سے واپس ہوا تو  
محترم حافظ علی اور خاں صاحب سے میدانِ آسرا میں ملا نا جیب الرحمن صاحب کے ساتھ ارتحال کا علم ہوا۔ سکتے کا عالم  
ظاہر ہے۔ کہیں تو کیا کہیں ان کی نہیں سالہ رفاقت کا ہر نفس سامنے ہے۔ بزرگانہ عنایتوں کا نقشہ ذہن میں ہے  
جہاں نہ رہائی کا تاریخ نظر میں ہے۔ کس کس گوشہ پر توجہ دوں۔ جب تک وہ زندہ تھے سب کچھ رہتے تھے جب  
وہ چھوٹا تھا نہیں رہے تو ہم کچھ نہیں رہے۔ دماغ اتن متاثر ہے کہ نظم کہے گیا مگر اشکوں کی طغیانی سے بوکھلا گیا  
اگر زندگی کا ہر برس اس کے اندر گزرنے میں صرف ہو تو ان کی حیات کا ایک حصہ بھی شاید بیان نہ کر سکوں۔  
ان غمازہ حالات میں ان کی بے حد ضرورت تھی۔ قصداً قدر کے نظام میں نہ گنجائش ہے نہ دنیا و مکان میں۔  
خدا ہم سب کو صبر دے۔ خلیل میاں۔ انیس اور سب عزیزوں کی خدمت میں دلی جذبات اور صبر کی تلقین کرتا  
ہوں۔ دلا نا کی مغفرت کا بچے یقین ہے۔ آپ کے لئے صبر کی دعا کرتا ہوں۔ اور جانہ ہری معرفت ڈاکٹر لکھنؤ  
خط نمبر ۱۱ - جموں - ۱۴ ستمبر - لکھنؤ عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم۔ مجھے دہلی کے ایک خط سے ابھی معلوم  
ہوا کہ یکم ستمبر ۱۹۵۶ء کی صبح مورخہ نا جیب الرحمن صاحب کا انتقال ہوا۔ اس خبر سے مجھے کو بہت صدمہ ہوا۔  
مولانا مرحوم کا دم ہر زمانے میں خدمتِ امتداد ان کی رائے بعض معاملات میں بہت بخشنے والی تھی۔ انہیں  
کہ ہم اب ان کی اہانتا سے محروم ہو گئے۔ خدا سے دعا ہے کہ آپ کو اداسی کے سبب غافلانہ کو اس حادثہ کو برد  
رہنے کی سکت دے۔ میری سب سے بڑی باتیں کہیں فرمائے۔ اپنے سب سے بڑے پیاروں کو میرا پیغام تعزیت پہنچا دیجئے۔

آپ کا شریک فہم۔ عبدالحمید حنیوا

خلفہ نمبر ۱۱۲۔ شعلیج دھار وارہ۔ ۱۳۔ ستمبر ۱۹۵۵ء۔ محترم المقام نوبہ بیکرمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ  
مذبح اقدس۔ غرض ہے کہ مورخہ ۵۔ ستمبر ۱۹۵۶ء بعد نماز مغرب جامع مسجد مہلی میں مفسر القرآن مولوی ریاض احمد  
صاحب شیعہ آبادی کی صداقت میں پیدہ ہو گوار مرحوم حبیب الرحمن صاحب کا تعزیتی جلسہ منعقد ہوا۔ حاضرین کی تعداد  
کثیر تھی۔ صدر محرم مولوی ریاض احمد صاحب صدر مدرس انجمن درس القرآن، مہلی نے مرحوم کی سیاسی و مذہبی  
کوششوں پر روشنی ڈالی اور افعال ثواب کیا دینے دعا کی کہ خداوند کریم مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں حبس کرے۔



حمایت فرمائے اور جلد تو سلیس کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ نقطہ انجمن درس القرآن بہار۔ ضلع دھاردار  
خط نمبر ۳۱۵۰ حیدر آباد دکن۔ ۳۱ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیز مہرم۔ کل کے نظامی اخبارات میں حضرت مولانا مرحوم  
منفرد کی رحلت کی خبر چھپ گئی۔ ۲۱ اگست کو حضرت مرحوم نے فرزند اکبر کی رحلت کے موقع پر پیغام ہمدردی روانہ  
کیا تھا کیا خبر تھی کہ یہ آخری خط ہے۔ مطلع بھی کیا تھا کہ پہلے سے اب بہتر ہوں لیکن کراہ کا کافی ہوں۔ غائب میرے  
اور مولانا کے جو مخصوصہ تعلق نہ تھے اس سے بخوبی واقف ہوں گے۔ مجھے حضرت کی رحلت کا اتنا ہی  
ہمدرد ہے۔ امید ہے کہ آپ سب بھائی صاحبان ان تعلقات کو میری حیات باقی رکھیں گے۔ رحلت کی رحلت  
نے میری زندگی میں کافی غم پیدا کر دیا ہے۔ میں بھی بے ہوش زیادہ بہتر نظر نہیں آتا ہوں۔ صحت کی خرابی تو عرصہ  
سے مجھے محسوس ہو رہی تھی۔ بس ان دفعات و ثبات نے میری قوت بھی زائل کر دی نقل و حرکت میں بھی مجھے ب  
دنی تعلیف محسوس ہو رہی ہے۔ فدا کی رحلت کم خانی کی تسکین یہ کچھ اچھے آثار نہیں ہیں۔ مولوی عزیز الرحمن  
مسلمہ سے بھی میرا پیام کہہ دیجئے۔ اور دوسرے بھائیوں کو بھی مطلع کر دیجئے کہ میں مولانا کے غلصہ ترین  
نیار ہمدرد میں ہوں۔ میں یہاں کی زندگی سے برداشتہ خاطر ہو گیا ہوں اور دہلی کا قیام بھی میرے لئے سہاواں  
روح ہو گا۔ اگر بعض نہ ربات محسوس کر رہی ہیں کہ میں نہ ہلی کچھ دنوں کے لئے ضرور آؤں۔ مولانا اب دنیا میں نہیں  
ہیں۔ دہنہ بچے آئندہ نہ ننگ کے لئے ان کا پروگرام میرے لئے ہر طرح قابل قبول ہوتا۔۔۔ ہلی سے عزیز نے نیز  
دیگر اہل دین نے مولانا کے سفر کے سفور کے کسی کہہ بیغام ہمدردی بھیجنے کی توفیق نہیں۔ یہاں مقامی لوگ اب  
تک پر سلسلہ تعزیت آئے رہتے ہیں نیز باہر سے خطوط کا ایک سلسلہ جاری ہے۔ میں یہ خط حضرت مولانا منفرہ  
کے پتہ پر بھیج رہا ہوں۔ کہ تمام خاندان مطلع ہو جائے۔ مولانا دفن کہاں گئے اور رحلت کیا ہوئی۔ دکن کی  
لوگوں نے شرکت کی سب غلصہ تحریر کیجئے۔ حکیم انوار دہلوی

خط فیجہ الہیہ - ۵ - ۱۹۵۶ء مکرمی بیادوم سجد الرحمن صاحب - السلام فیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امداد ہے۔ مزارع کل میں ابھی تک حاضری نہ ہو سکی۔ چند روز ہوئے مولانا محمد حسن صاحب بھی در پجندہ لے

سیٹ تک ہے۔ مگر اتفاق یہ ہو کہ تبلیغی دوستوں نے امریکہ کی انٹرنیٹ کے لئے صرف ایک دن کے وعدہ پر پاسپورٹ داخل کر دیا جس کو چار روزہ ہوئے میں ابھی واپس نہیں ملا ہے اس لئے مجبوری ہے۔ آج بھی حاضری نہیں ہو رہی۔ ایک ساتھی آرہے ہیں جن کے ذریعہ عریضہ ارسال ہے۔ پاسپورٹ ملنے پر انشاء اللہ جلد حاضری ہونے کی سعی کروں گا۔ دعا فرمائیں۔ چچا مولانا محمد حسن صاحب کو ہندوستانی کرنسی کے مبلغ ۲۵ روپے دی واپسی کے وعدے پر دیئے تھے وہ آپ وصول کر کے امانت رکھیں۔ والسلام محمد افضل علی۔ لاہور خط نمبر ۱۱۵۔ مکہ۔ ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۶ء۔ عزیزی سعید الرحمن صاحب سلمہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آمنا فاثم آہ۔ افسوس کہ آپ کو تعزیت کا ایک خط لکھا تھا۔ جواب نہ آنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خط نہیں پہنچا آہ! مولانا مرحوم کے انتقال نے ایک مجاہد کی جگہ ایسی خالی کی جس کی مستقبل قریب میں سخت ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ مغفرت تانے سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔ میں دو ماہ سے سخت علیل تھا۔ اب چلنے پھرنے کے قابل ہوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ میرے لائق جو خدمت ہو فورا مطلع کیجئے۔ فقط اصغر محمد۔ حکیم سید معراج الحسن بی۔ آئی ایم۔ ایس۔ محلہ شامیہ۔ مکہ مکرمہ

خط نمبر ۱۱۶۔ سہارن پور۔ ۱۲ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادرین مکریان۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج مبارک۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی اطلاع ۲ ستمبر کو بذریعہ تار مجھے موصول ہو گئی تھی۔ اس کے بعد تفصیلات اخبار کے ذریعے معلوم ہوئیں۔ اسی وقت حاضری کا قصد کیا تھا اور برابر حاضری کا ارادہ رہا۔ مگر بعض مصروفیتوں کی وجہ سے اس وقت ارادہ حاضری کا ملوثی کرنا پڑا طبیعت پر شدید تقاضا تھا کہ کم از کم اپنی شرکت غم کا اظہار بذریعہ عریضہ ہی کر دوں۔ اس لئے عریضہ ارسال کرتا ہوں۔ مولانا کی وفات کا بے حد طبیعت پر اثر ہے۔ یوں تو دنیا میں جو آیا ہے جانے ہی کے لئے آیا ہے۔ دردِ بہت کم ہیں۔ آدمی نا سب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو بڑے کمالات سے نوازا تھا۔ ان کا خلوص اپنی جگہ مسلم تھا۔ مجھ سے بہت محبت فرماتے تھے اور مجھے اولاد کی طرح سمجھتے تھے۔ آج ایک زبردست ہستی کے سایہ سے ہم محروم ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کو اپنے قرب سے نوازے اور حضرت دالا کے درجات عالیہ میں بیش از بیش ترقی عطا فرمائے۔ غفلتوں میں تعزیت کا اظہار کروں۔ ہر حال آپ کے غم میں برابر کا شریک

ہوں۔ انشاء اللہ بہت جلد حاضر ہو کر تعزیت کر دوں گا۔ والسلام۔ یہ مسعود شاہ بھٹ۔ ضلع سہارن پور

خط نمبر ۱۱۔ لائل پور۔ ۲ ستمبر ۱۹۵۶ء

ہزاروں سال زنگس اپنی بے ندی پہ روتی ہے بڑی شکل سے ہوتا ہے جن میں دیدہ دہ پیسا

برادر مولانا عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم۔ عرض ہے کہ ۲ ستمبر ۱۹۵۶ء کی

تب کو ریڈیو پر قبلہ مولانا صاحب کا سن کر جو صدمہ ہوا۔ خدا ہی بہتر جانتے والا ہے۔ یہ وہ صدمہ ہے جو کہ

مجھے تو صدمہ عظیم نظر آیا بلکہ دوسری میری تو سب اسید دل پر پانی پھر گیا۔ دل میں بڑی آرزو میں تھیں نیز

برادر بھی تھا کہ دو ماہ تک قیلہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ عرض کرتا۔ مگر افسوس خداوند عالم کو منظور نہ تھا

خدا ہی بہتر جانتے والا ہے۔ دعا ہے خداوند کریم قبلہ کو فردوس بریں میں جگہ دے۔ آپ کو اور سب کو صبر جمیل

عطا کرے۔ آمین ثم آمین۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۵ اور آج سے ہندوستان آنے کا خیال ترک

کرتا ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم آپ کو صبر دے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے جس

سب کو درجہ بدرجہ مسلم۔ بچوں کو دعا۔ برادر محمد رمضان عرف جان کی طرف سے بھی افسوس ہے۔

آپ کا شریک غم۔ لطیف لدھیانوی۔ لائل پور

خط نمبر ۱۸۔ امرتسر۔ ۲ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر محترم۔ سلام مسنون۔ اسی وقت مولانا بارات صاحب

میر کا عیادت کو آئے تھے اور اس سے قبل حضرت قبلہ کا ایک گرامی نامہ شرف صدر لایا تھا۔ گرامی قسمتی

کہ علالت کی بنا پر حاضر نہ ہو سکا اور مزاج پرسی بھی نہ کر سکا۔ مولانا کی زبانی اس حادثہ جانکاہ کی اطلاع ملی

کہ حضرت نے اس دار فانی سے سفر آخرت کیا۔ بزرگوں کا سایہ ہمارے سر سے اٹھ جانا ہماری عین بد قسمتی

ہے۔ مجھے اپنی شرمی قسمت پر افسوس ہے کہ میں قدم بوجھی نہ کر سکا خدا کی مرضی۔ خدا مولانا کو اپنی جوار رحمت

میں جگہ عطا فرمائے اور آپ سب برادران کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرے۔ آمین! دیگر برادران کو بھی

مسنون دے رہا ہے۔ اب حضرت جیسا مخلص ہمدرد اور سرپرست ہمیں نصیب نہیں ہو سکتا۔ میں خود طویل ہوں اور

اخبار وغیرہ بھی نہیں دیکھتا۔ اس بنا پر علالت وغیرہ کا حال نہ معلوم ہو سکا اور نہ انتقال کا۔ اور اپنی مجبوری

علالت اور بد نصیبی کی بنا پر حاضری سے معذرت رہا۔ فقط۔ آپ کے غم کا شریک آپ کا پیرزادہ شریعت رضوی امرتسر



خط نمبر ۱۸۔ ۲ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ دیوبند۔ برادران محترم۔ سلام مسنون۔ ابھی ابھی واپسی سفر پر  
 حادثہ جانکاہ کا علم ہو کر ناقابل بیان صدمہ ہوا۔ ایک ایسے غفلت، صادق امری قوم کا ایسی حالت میں جبکہ  
 حیات و زیست کی کش مکش اور بین الرعایہ اسخوف کی حالت طاری ہو اپنے مربیوں سے مفارقت ہو جانے پر  
 جس قدر الم درج کیا جائے کم ہے۔ یہ حادثہ فاجعہ سطور کے بیان میں ہرگز نہیں سہا سکتا بلکہ قلوب کے تحمل  
 سے بھی بالاتر ہے۔ آپ ہی نہیں بلکہ پوری قوم یا خصوصاً مسلم اور اخص خصوصاً جماعت دیوبند کو غم میں مبتلا کر دیا  
 ہے۔ ہر حال نصیر الہی و حشمت دیندی ہمہ آں غالب ہے۔ دست بدعاہوں کہ حق تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ مقام  
 عطا فرما کر رخصتوں سے مالا مال بنائے۔ اور ایسا ہی ہو گا۔ میں آپ کے ساتھ اس جانکاہ الم میں برابر کا  
 شریک ہوں اور آپ سے مستدعی ہوں کہ میں اور آپ ان کے حقیقی جانشین ہونے کی سعی کریں اور جو ہم سے  
 ہو سکتا ہے کہ ایصال ثواب میں کوتاہی نہ کریں۔ اسی سبق میں خصوصیت سے علاوہ اس ختم کے جو عمومی ملا سہ کی  
 جانب سے ہوا تھا ختم کرا کے ایصال ثواب کیا ہے۔ تمام پس ماندگان سے میرا پیام عرض کر دیں۔ والسلام  
 فقط عبدالاحد۔ دیوبند

خط نمبر ۱۲۔ ملتان۔ ۲ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادران محترم و عزیزان مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔  
 کل صبح ریڈیو اور شام کو اخبارات میں حضرت اباجی فدا اللہ مرحومہ کی وفات کی خبر پڑی جس سے دل بھجھ  
 گیا اور ہوش کم صم ہو گئے۔ محترم قبلہ والد صاحب توبے ہوش ہو گئے ادائی پڑی طاری ہو کر اس جانکاہ خبر  
 سے ایک ماہ قبل ہی حکیم عبدالحفیظ صاحب دہلوی سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے حضرت مرحوم کی صحت اور تازہ  
 آپیشن کے حالات سنائے جس سے طبیعت پریشان تو تھی مگر ہماری بد قسمتی کہ قدرت نے ہمارے مہلے سے اس  
 بزرگ جلیل اور مجاہد اعظم کا یہ اٹھا لیا سارا تالیاں قاتل الکیہ راجیون ٹھہ سوائے صبر کے اور کیا ہو  
 ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کورٹ کر ڈھ جنت نصیب کرے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیں اور آپ اور آپ کے  
 دیگر عزیزان کو صبر جمیل عنایت فرمائیں۔ جہاں آپ اپنے مشفق باپ کے سائے سے محروم ہوئے ہیں وہاں ہم بلا نصیب  
 مرحوم کی شفقت، کرم نوازی اور رہنمائی سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ قیام والد صاحب اور بندہ آپ کے غم میں  
 برابر کے شریک ہیں۔ والسلام عبدالغفور۔ ملک منزل۔ پاک دروازہ۔ ملتان شہر

خط نمبر ۱۲ - دھام پور - ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء - مخدوم بندہ - سلام مسنون - والد صاحب مرحوم کے انتقال کی بڑی الجھنے میں پڑھی یقین نہ آتا تھا۔ مگر کل نفس ذالِقَةُ الْمَوْتِ بھی مد نظر تھی۔ فوراً مدرسہ میں ختم قرآن کرایا۔ خداوند تعالیٰ مرحوم کے مدارج بلند فرمائیں اور جوار رحمت میں جلد عطا فرمائیں اور پس ماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ میں آپ کے اس غم میں شریک ہوں سب بھائیوں سے میرا سلام کہہ دیجئے۔ فقط والسلام۔ خادم حفیظ الرحمن۔ رحمانی ددا خانہ

خط نمبر ۱۲ - مدرسہ دارالعلوم دیوبند - ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء - محترمی مولانا سعید الرحمن و محمد احمد صاحب اسلام علیکم۔ چنانکہ والد محترم کی وفات کی خبر سنی کہ از حد افسوس ہوا۔ تب دارالعلوم دیوبند میں خبر آئی۔ سب کے سب اساتذہ حیرت میں ہو گئے اور سابق میں سے کھڑے ہو کر ختم قرآن پڑھنے لگے۔ روزانہ مدرسہ کا افسوس تمام لینے والے اور دیگر حضرات نے کیا۔ اعلان ملے ہی قرآن ختم کرا۔ اس کے دوسرے روز مسجد شاہ ولیت میں اپنے ساتھیوں کو مل کر ختم کرایا گیا۔ بعد کمان کی خدمات کی عزت رزقنی ڈالی گئی اور دعا سے مغفرت کی گئی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جملہ رحمت عطا فرمائے۔ ایک صدی والد صاحب مرحوم کا اور دوسرا حودا خادم صاحب کی والدہ کا کیونکہ اسی روز اطلاع ملی ہے کہ ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ صبح کا بھی اچانک انتقال ہو گیا ہے۔ بعد کہ والد مرحوم کی خبر سنی۔ بہت افسوس ہوا۔ آنے کا ارادہ ہوا مگر وقت گاڑی کا نہیں تھا۔ معلوم تھا کہ جن روز ۳ بجے چلا جائے گا۔ بھائی آپ حضرات صبر کریں اور ان کو زندہ رکھنے کی تعبیر ہے کہ ان کے نقش قدم پر چلیں، آپ سب کو ملتا چاہئے۔ فقط اشفاق احمد مدرسہ دارالعلوم دیوبند

خط نمبر ۱۲ - دیوبند ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء - برادران مولوی سعید الرحمن و مولوی محمد احمد صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عرض ہے کہ آپ کے والد ماجد جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم غفور کے ساتھ دیکھنا ایک جو صد مر پیش زیادہ بہت زیادہ موجب رنج و افسوس ہے بالخصوص جب آپ درات کے دیگر مردان کے حین و عل کا تصور یہاں ہے تو انہی زیادہ قلع ہوتا ہے۔ یہ حقیقت آپ سب صاحبان کے لئے یہ ایک سخت صبر آزمائش ہے اور یہی وہ وقت ہے کہ صبر کرنے پر بہت زیادہ اجر و ثواب ہے۔ آپ بھی صبر سے کام لیں اور جملہ پیہندگان کو صبر دلانیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائے اور اپنی جوار رحمت میں جگہ

عطا فرمائے۔ ادا پاد مرہوم کے جملہ پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ آپ کے دوسرے بھائیوں کی خدمت میں بہت بہت سلام مسنون کے بعد مضمون واحد عرض ہے۔ میری طبیعت پند یوم سے طویل ہے۔ دعا کا خواستگار ہوں۔ فقط والسلام۔ احقر مولانا محمد مبارک نائب مستم دارالعلوم دیوبند

خط نمبر ۱۲۳۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء عزیمت سلسلہ نقالی۔ السلام علیکم۔ آج ہادرم کے انتقال کی خبر سن کر دل جان کر صدمہ ہوا۔ بشیر احمد اور سب بھائی مرہوم کی جدائی سے غمزدہ ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھائی مرہوم کو اپنی رحمت سے جنت الفردوس میں جگہ دے اور تم سب بھائیوں اور بہنوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ہم سب تمہارے غم میں شریک ہیں۔ اگر میری صحت اچھی ہوتی تو ضرور دہلی آؤں گا فقط محمد حسن

رحیم یار خاں محلہ قاضیان

خط نمبر ۱۲۵۔ ۱۱ اے پور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برخورداران مولوی خلیل الرحمن و عزیز الرحمن و محمد طیب و سعید الرحمن صاحب از احقر عبدالقادر۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کل بردوار برخوردار عزیز الرحمن کے نام سے بھیجا ہوا نامشکل بردفات حضرت مولانا مرہوم موصول ہوا۔ دیکھ کر بہت ہی صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرہوم کو بڑے درجے عطا فرما کر اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ کیا عرض کروں دنیا ہی طرح آہستہ آہستہ چلی جا رہی ہے ان کا ہمیشہ انتظار رہتا تھا کہ اب تشریف لائیں گے۔ اب وہ بھی ختم ہو گیا۔ منفصل حالات سے مطلع کریں۔ آپ سب برخورداران کو ادب سب حضرات کو نام بنام سلام مسنون۔ یہاں سے تمام اجاب مثلاً بھائی الطاف، مولوی عبد الخلیل صاحب مولوی عبدالرحمن صاحب، آزاد صاحب، قاری صاحب، مولانا فضل احمد صاحب سلام مسنونہ عرض کرتے ہیں۔ احقر عبدالقادر

(حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری دامت برکاتہم کا خط ہے)

خط نمبر ۱۲۶۔ گوجران والا۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادران محترم۔ زیدت مکارمہم۔ سلام مسنون۔

مولانا مرہوم کی وفات سے ہم سب کو بے حد افسوس ہے۔ سب دوست دعائے مغفرت کرتے ہیں اور ایصال ثواب بھی حتی المقدد انشاء اللہ سب کریں گے۔ تمیں چار ختم قرآن آج انشاء اللہ تعالیٰ کرا دیے جائیں گے۔ آپ سب بھائیوں کے ہم شریک غم ہیں۔ مالک الملک آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ امید ہے



مولوی امین الرحمن صاحب بھی تشریف لے آئے ہوں گے۔ میں غالباً کل گوجران والا چلا جاؤں گا۔ مہربانی کر کے  
ایک خط بھائی محمد احمد صاحب اس پتہ پر لکھ دیں۔ گلی پیرولی شاہ آبادی۔ گھنٹہ گھر معرفت عیداعنی صاحب  
عبدالمنان — گوجران والا

خط نمبر ۱۲۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ کھاٹولی۔ محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔  
حضرت مولانا کے انتقال پر ملال کی خبر اخبار انجمنیت میں پڑھ کر کسانتہائی صدمہ ہوا حضرت مولانا  
کا کھاٹولی سے خاص تعلق تھا اور وہ یہاں ہر ایک شخص پر پوری طرح مہربان تھے۔ ان کی یاد ہمیشہ جیسے دلوں  
میں باقی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اللہ ہم سب کو صبر عطا فرمائے۔ آمین

احقر محمد طاہر حسین۔ کھاٹولی

خط نمبر ۱۲۔ ملتان۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ جناب مولانا خلیل الرحمن صاحب دعوت الی الرحمن صاحب۔  
السلام علیکم۔ عرض خدمت مبارک میں یہ ہے کہ رات ریڈیو پر مولانا کے انتقال کی خبر سنا کر بہت  
بی رونق اور صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے۔ مجھے ان کے انتقال سے جس  
قدر صدمہ پہلے وہ بیان سے باہر ہے اس آپ سب کے صدمے کا خیال کر کے دل بہت پریشان ہے آپ  
پر ان کے انتقال سے کیا گزری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور سب کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین۔ یہ ٹھیک ہے  
کہ وہ آپ کے والد بزرگوار تھے مگر وہ میرے ماں جی یا بھائی تھے اس لئے صدمہ کسی کو بھی کم نہ ہوگا۔ پچھلے  
دنوں میں ٹورہ گیا تھا تو انھوں نے مجھے بتایا تھا کہ طبیعت اب بہت اچھی ہے ادنا پریشانی کا میاں ہوا ہے  
اب عرض یہ ہے کہ آپ ان کو جس جگہ دفن کریں ان کی قبر پر جا کر ہم سب کی طرف سے سلام علیکم کہہ دیجئے گا۔  
مجھے امید ہے کہ ان کو جامع مسجد کے پاس دفن کیا جائے گا۔ اب آپ جہاں دفن کریں مجھے ضررہ اطلاع دیں۔

میں آج صبح والدہ صاحبہ کی قبر پر جا کر بتا آیا تھا۔ فقط قرالین لادھیانوی۔ جنرل اسٹوڈ۔ ملتان

خط نمبر ۱۲۔ ۱۲ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیزم بیبل الرحمن صاحب السلام علیکم۔ محترم بھائی کے انتقال  
کی خبر گزشتہ رات ریڈیو کے ذریعے معلوم ہوئی۔ آج سات روز ہوئے بھائی صاحب نے جواب میں لکھا تھا  
کہ میں خیریت سے ہوں۔ آپریشن کامیاب ہوا اللہ اب کوئی تکلیف نہیں، تسلی سی ہوگئی تھی۔ لیکن دفعتاً اس

خبر سے بہت حد تک ہوا۔ آج صبح پر خود دار نہیں رہیں الرحمن کو خالصہ کالج دیکھنے گیا تھا معلوم ہوا کہ صبح ۵ بجے کی گاڑی سے لاہور چلا گیا جسے عزیزم کیا کیا جائے معذرت ہیں۔ مجبور ہیں اور آنکھوں میں ندامت کے آنسو۔ بھائی نے مجھے تاکید کر دی تھی کہ پاسپورٹ بنوا کر ایک بار مل آؤں۔ کل پاسپورٹ بنوانے کا ارادہ کیا اور آج یہ خبر سن لی۔

خداوند کریم ہم سب کو صبر دے۔ ایم عبداللہ۔ لاہور

خط نمبر ۱۳۔ لاہور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ غایت برادر مکرم السلام علیکم۔ کل یہ کہہ رہا تھا جان کے انتقال کا سن کر سب اہل خانہ کو بے حد صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ پچا جان کو غریق رحمت کرے اور آپ لوگوں کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ فقط عبدالغنی معرفت حاجی فضل الدین محمد اسماعیل۔ پرانی منزل۔ لاہور۔

خط نمبر ۳۱۔ پاکستان گجرات۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیزم مولانا خلیل الرحمن و عزیز الرحمن السلام علیکم۔ آج یہ پرمال خبر اخبار میں پڑھ کر از حد صدمہ ہوا کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کا انتقال پرمال دہلی میں ہوا اللہ تعالیٰ مرحوم و مغفور کو فردوس بریں عطا فرمائے اور آپ کو صبر الایوبی۔ مرحوم لے اپنی عمر کا بیشتر حصہ ملک در قوم کی خدمت میں گزارا۔ اور کافی حصہ جیل کی کوٹھی کی تندرہا۔ باری تعالیٰ مرحوم کے اس عمل کے عوض انہیں جنت الفردوس کی کوٹھری عطا فرمائے آمین تم آمین۔ میں دیر سے ارادہ کر رہا تھا کہ مرحوم سے زندگی میں ایک بار ملاقات ہو جائے۔ گراںسوس میں ان کی زیارت بابرکت سے محروم رہا۔ آپ بھی مرحوم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خدمت خلق کا وہی طریق استعمال کریں کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ مولانا کی خدمات جاری ہیں۔ خدمت خلق آپ کے خاندان کے ورثہ میں عرصہ ایک صدی سے چلی آ رہی ہے۔ سب سے پہلے دینی دائرہ اور اسلام کی خدمت کا بیڑا آپ کے بزرگوں نے اٹھا۔ یہ بزرگ شریف معروض وجود میں آیا۔ ممکن ہے میرا لڑکا اکتوبر میں خانہ خوانی کے لیے دہلی میں آئے۔ والسلام۔ فقط محمد حسن لدھیانوی

معرفت محمد امین B 6/414 پرانی تحصیل تادمہ محلہ گجرات۔ پاکستان

خط نمبر ۱۳۔ لاہور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادران مولانا خلیل الرحمن و عزیز الرحمن صاحب۔ کل ریڈیو پر ارادہ آج اخبارات کے ذریعے معلوم ہوا کہ مولانا صاحب کے انتقال کا پڑھ کر دل پر سزا زدہ بیٹیس مگی جرمیاں سے باہر ہے۔ میں تو ریڈیو کی خبر سن کر یہ دعا کر رہا تھا کہ اے اللہ یہ خبر کسی دوسرے صاحب

کی ہر گز آج اور دُرنے لکھ رہے کہ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کا انتقال ہو گیا تو دل بے چین ہو گیا آج ہم قیم  
 ہو گئے۔ ان کے جوتے جوتے ہمیں ہر قسم کا اتصال تھا۔ اس بزرگ بستی کا دنیا سے چلے جانے کا کوئی کم صدقہ نہیں  
 اللہ تعالیٰ کو جنت الفردوس میں اپنی سے اعلیٰ جگہ نصیب فرمادیں آمین اور آپ لوگوں کو اور ہمیں صبر کی توفیق  
 عطا فرمادیں۔ آمین۔ ناچیز آپ کا شریک غم۔ حاج محمد لدھیانوی

خط نمبر ۱۳۔ سرگودھا۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم بھائی ضلیل الرحمن و عزیز الرحمن صاحبان السلام علیکم  
 ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آج تو اے وقت میں راجی صاحب کے انتقال پر ملاں کی خبر پڑھ کر دل کو بہت صدمہ ہوا۔  
 افسوس کہ اس آخری وقت پر اپنے عظیم مہربان کی زیارت میں نصیب نہ ہوئی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ؕ  
 اللہ تبارک و تعالیٰ مرحوم و مغفور کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین تم میں  
 جمد بھائیوں اور مہینوں کو سلام علیکم۔ والسلام جدا تحفیظ سرگودھا۔

خط نمبر ۱۳۔ اذکارہ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر م مولانا عزیز الرحمن صاحب و مولانا ضلیل الرحمن صاحب  
 سلام مسنون! حضرت مولانا کی وفات حسرت آیات کا ریڈیو اور اخبارات کے ذریعے پڑھ کر زبردست  
 ہوا۔ دلی دعا ہے کہ خداوند کریم حضرت مولانا کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور اپنے سایہ میں رکھے آمین  
 احقر آپ کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ مولانا کی ذات ہندوستان کے لئے ہی نہیں دنیا کے اسلام کے لئے  
 باعث فخر تھی۔ فقط۔ محمد صدیق انور ایڈیٹر "سٹیج نیوز" اذکارہ

خط نمبر ۱۳۔ گوجرانوالہ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیز م مولانا صاحب سلمہ۔ بعد سلام مسنون کے واضح ہر کہ  
 آج اجا۔ میں حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کی خبر وفات پڑھ کر بہت صدمہ ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ؕ  
 اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو جنت الفردوس عنایت فرمائے اور ہم سب کو صبر کی توفیق  
 عنایت فرمائے۔ گھر میں سب عزیزوں کو تسلی دیں اور صبر کی تلقین کریں۔ یہاں پر سب بفضلہ تعالیٰ  
 خیریت سے ہیں۔ آپ اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہیں۔ گھر میں سب گھروالوں کی طرف سے اور میری طرف  
 سے سب عزیزوں کو سلام۔ بچوں کو پیار۔ فقط والسلام۔ غلام محمد دیوبندی مکان نمبر ۲۲

گلی دیارام چوڑہ۔ گوجرانوالہ



خط نمبر ۱۳۹۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادران مولانا خلیل الرحمن صاحب، طیب صاحب، مولانا سعید،

مولانا اظہار، مولوی عزیز الرحمن، مولوی محمد احمد صاحبان۔ سلام مستون کے ساتھ گزارش ہے کہ کل اتوار کے روز محترمی حضرت مولانا کے دصال پر طال کی اطلاع اچانک موصول ہوئی۔ دل میٹھ گیا۔ وہی ہوتا ہے اور اسی وقت ہوتا ہے جب منظور خدا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی رحمت و مغفرت سے نوازے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے حصہ دے اور عطا فرمائیں۔ اس کے آگے کوئی چار نہیں۔ اس کے کئے کو برداشت کر کے رضا بقضا پر عمل پیرا ہو۔ مصلحتیں اور حکمتیں اس کے ساتھ ہیں۔ اور وہ اپنے بندوں کو بھی ضائع نہیں کرتا۔ یہاں پر خانقاہ میں، مدرسہ میں اور گائوں میں سب نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ۵ کہتے ہوئے دعائے مغفرت و ترقی درمات کی اور پس ماندگان کے لئے صبرِ احمد کی دعا کی (خانقاہ مجددی ڈیرہ غازی خان)

خط نمبر ۱۴۰۔ لکھنؤ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترمی۔ السلام علیکم۔ میں سہارن پور سے لکھنؤ آ رہا تھا۔ صبح جہنم کے شیش پر اخبار لیا تو اس میں مولانا کی وفات کی اطلاع ملی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ۵ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور آپ صاحبان کو توفیق نصیب۔

منظور الہی کرہ۔ بی بلاک۔ دار الشفا لکھنؤ

خط نمبر ۱۴۱۔ انبالہ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم دوست۔ بے ہند۔ آج کے اخبارات میں حضرت سرورِ ناہیب الرحمن صاحب کے انتقال کی المناک خبر پڑھ کر دل کو انتہائی تکلیف ہوئی۔ ایسے معلوم پڑتا ہے کہ زمین چھٹ گئی ہے یا آسمان ٹوٹ پڑا ہے۔ آج میں اپنے تئیں یتیم محسوس کرتا ہوں۔ حضرت مرحوم میرے ارشد و مرید تھے۔ میرے سے وہ پیرا نہ سلوک کیا کرتے تھے۔ گزشتہ چار سال ہوئے وہ میلہ مانگ پور شریف کی زیارت کے لئے اپنے ملازم حافظ علی کے ساتھ میری دعوت پر آئے تھے۔ انہوں نے اپنے رُخوں کے ساتھ ملاقات کرانے کے لئے مجھے کئی دفعہ دہلی بلایا۔ مگر یہ قسمتی سے تعمیل حکم سے بندہ قاصر رہا۔ اکثر وہ مجھے خطوط لکھ کر نصیحتیں کیا کرتے تھے۔ آج ملک و قوم کو ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہوا ہے۔ اچھا خدا کی مرضی میں کس کا دخل ہے۔ ایشور حضرت مرحوم کی روح کو شائقی دے اور وہ حقین کو صدمہ کے برداشت کی توفیق دے۔ آپ کا بر شیچہ رکوش۔ مقام اجری ڈاک خانہ سیالہ ماجری۔ تحصیل کھرڑ۔ ضلع انبالہ



عارضی ہے۔ کوئی تقریب مقرر ہوئی تحریر فرمادیں۔ خدا ان کی روح کو اپنے پاس قبول فرمادے۔

آپ کا شبہ چٹک۔ سر دول سنگھ ایڈووکیٹ ہریشیارپور

خط نمبر ۱۳۲۔ گوجران والا۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر عزیز سلمیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کے والد صاحب کے انتقال کا سن کر افسوس ہوا۔ خداوند کریم ان کو فردوس میں جگہ عنایت فرمائے۔ آپ کو اور ہم کو صبر دے۔ آمین ثم آمین۔ فقط جان محمد محمد اکرم جنرل مرچنٹ چوک کلن گوجران والا

خط نمبر ۱۳۳۔ گوجران والا۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم بھائی عزیز صاحب۔ السلام علیکم۔ گزشتہ رات مولانا

صاحب کی وفات حسرت آیات میں کر سخت صدمہ ہوا۔ انسان خدا کی رضا کے سامنے بے بس و مجبور ہو جاتا ہے اور سوائے صبر کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم و مغفور کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور

آپ کو صبر عطا فرمائے۔ آمین۔ ہم سب آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ غزدہ ظفر عالم۔ گوجران والا

خط نمبر ۱۳۴۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکر می جناب مولانا عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم۔ مزاج شریف

بندہ نے اخبارات میں یہ المناک خبر پڑھی کہ پاک و ہند کی مایہ ناز شخصیت جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب

لدھیانوی ۲ ستمبر ۱۹۵۶ء کی صبح کو ملت اسلامیہ کو سوگوار چھوڑ کر داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ

اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۵ جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی ہمارے قابل احترام بزرگ تھے

اس کے علاوہ سیاسی اظہار سے ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ جناب مولانا کی وفات سے ملت اسلامیہ کو

جو نقصان عظیم ہوا ہے اور ان کی وفات سے جو صدمہ اُترا اور دوستوں کو ہوا ہے اس کی تلافی مشکل

ہے۔ بندہ کی رب العزت سے دعا ہے کہ وہ مولانا کو جنت الفردوس نصیب کرے۔ آمین۔ آپ کو در

تمام اقربا و دوستوں کو صبر و تحمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ فقط والسلام۔

عزیز الرحمن ناظم اعلیٰ مجلس تحفظ ختم نبوت۔ ڈیرہ اسماعیل خان

خط نمبر ۱۳۵۔ بریلی۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محرمی مولانا عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج، جمعیت میں حضرت مولانا کی وفات حسرت آیات کی خبر پڑھی، سید سلیمہ کو بھی فوری اجازت کھایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ

وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۵ ہم سب اہل خانہ آپ کے رنج و الم میں شریک ہیں اور اللہ پاک سے دعا کرتے ہیں



کہ مرحوم کی اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیں اور پس ماندگان کو صبر جمیل۔ احقر حکیم عبدالرشید بریلوی  
خط نمبر ۳۶۔ گوجران والا۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادران: بکلی شب مولانا صاحب کی وفات حسرت آیات کی  
خبر سے کرپاؤں تلے سے زمین نکال گئی۔ ایک بکلی کی تار گویا دل زجر کر رہی تھی۔ لیکن انسان کے صبر و بردباری سے  
پسند فرمایا ہے۔ زندگی و موت کے معاملے میں انسان بالکل بے بس ہے۔ مجبور ہے۔ لہذا ہم مجبور، صبر کرے  
پر مجبور ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ مولانا صاحب کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق  
عطا فرمائے۔ سوگوار جمیل گوجران والا

خط نمبر ۱۴۔ گوجران والا۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ بھائی طیب۔ مولانا صاحب کی بانی مولانا صاحب کی  
حسرت آیات وفات کا سن کر سخت صدمہ ہوا۔ پہلے تو یقین نہ آیا کہیں پھر یہ صدمہ ہی جو غیر مرحوم کی کروڑوں  
دندہ نما زباں پر نہیں بھینا سکتے۔ بعد ازاں کہ توفیق حاصل ہوئے ہیں، اس پر وہ بھی ہندوستان  
کر رہے ہیں۔ اے کاش انسان کچھ کر سکتا۔ تو میں وقت کی گردش میں گم ہونا تو ہمیشہ زندہ رہتا  
اور ایسے شخص ہمدرد انسان۔ نمودن اور شوق باپ کے مل سکتا ہے۔ لیکن یہ سب جانتے ہوئے بھی ہم باپ کو  
نہ چاہے مجبورانہ بیس ہو کر رہ جاتے ہیں اور صبر پر اکتفا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی صبر ہی کرنے کو کہا ہے  
ٹھیک ہے انسان مجبور ہو کر صبر کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اللہ آپ کو صبر کی توفیق دے۔ لیکن میں کچھ غیب  
سوچتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت ہوتی ہے جس کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے  
موجود کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔ بیگم کی طرف سے عاقبت جنت سے، از حد ہمدردی کی آواز  
ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے یتیم دل کو جو سلا مندی عطا کرے۔ بھائیوں کے اندر بھائیوں کو صبر عطا فرمائے  
آپ کے غم میں ہر آدمی کے تہیک میں۔ میرے دوست آپ سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ والسلام  
آپ کا تہیک غم۔ جمیل لدھیانوی۔ گوجران والا

خط نمبر ۱۳۸۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ بھائی جان السلام علیکم قبلہ۔ باقی کی وفات کا سن کر دل کو بہت  
صدمہ ہوا۔ گھر میں سب لوگ ٹہرے رنج و غم کا اظہار کر رہے ہیں اور ہم خداوند قدوس کے حضور میں  
دست بردار ہیں کہ وہ قبلہ اباجی کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر و تحمل کی

بھائی

۵۶۵  
۱۹۵۶ء  
۳۶ جنوری ۱۹۵۶ء کو مولانا صاحب کا انتقال ہوا اور اللہ وصال کے

توفیق ملے فرمائے۔ آمین۔ آپ کا شریک غم۔ محمد صابر لدھیانوی۔ کرشن نگر لاہور

خط نمبر ۱۴۹۔ مراد آباد۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکرئی نیربہ محمدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گزارش یہ کہ بندہ بخیریت ہے اور دارالعلوم میں بھی ہر طرح خیریت ہے۔ بھائی صاحب بے شک یہ ایسا حادثہ عظیم ہے کہ اس کے نقصانات کو دنیا کی کوئی شے بھی پورا نہیں کر سکتی سوائے اس کے ہم کہتے انیس ملیں اور کیا کر سکتے ہیں۔ اس کا رنج آپ حضرات ہی کو نہیں بلکہ ہندوستان و پاکستان کے تمام مسلمانوں کو اس حادثہ کا رنج و غم ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی تبریک کو اپنی رحمت سے بھر دے۔ ہم لوگ اس کے سوا اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔ جنت ہو سکے قرآن پڑھیں اور ایصالِ ثواب کریں اور مغفرت کی دعا مانگیں۔ رنج و غم تو ہوتا ہی ہے۔ طبی چیز ہے۔ گر جہاں تک ہو صبر کو کام میں لائیں اور حضور کی وفات ظاہری کو یاد فرمائی کریں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ تمام حضرات اور ہم لوگوں کو صبر و سکون عطا فرمائے اور بصورت کے لئے ایصالِ ثواب کرنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق عنایت فرمائے اور کیا تحریر کروں۔ جتنا بھی لکھا جائے کم ہے مولوی عبدالحجید میرے بھائی منور حسین و عبدالصمد دیگر حضرات سلام تحریر کرتے ہیں۔ بندہ کی جانب سے بھی تمام بھائیوں اور اجاب کی خدمت میں دست بستہ سلام عرض ہے۔

نقطہ السلام۔ احقر محمد اسماعیل مراد آبادی

خط نمبر ۱۵۰۔ مظفر نگر ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر محترم مولانا عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم۔

عرض ہے کہ آج روزِ نہ اخبارات میں آپ کے والد بزرگوار کے سوگِ گہاں ہونے کی خبر پڑھ کر اس قدر صدمہ پہنچا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ انتہائی دکھ ہے۔ خداوندِ کریم آپ کو برداشت اور صبر کی طاقت بخشنے۔ مالک کے آگے کچھ پیش نہیں جاسکتا۔ بہر حال میرا اور حوصلہ سے کام کریں مجھے اپنا شریک غم سمجھیں اور جو کام میرے راقی ہو تحریر فرمادیں۔ بھائی صاحبان کی خدمت میں بھی میری طرف سے اظہارِ ماتم پرسی فرمادیں۔ اس واقعہ کو پڑھ کر میرے تمام قرب و جوار افسوس میں ڈوب گئے۔ یہ قوی نقصان ہے صرف آپ تک محدود نہیں۔ عنقریب ہی حاضر خدمت ہو کر عرض کر دوں گا۔ آپ کا اتم چند رحیم یار خاں معرفت بھگت سوہن لال، ہمیش چندر بھگت و دد مظفر نگر

خط نمبر ۱۵۱ - ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء - محترمی مولانا عزیز الرحمن صاحب - السلام علیکم  
 آج اخبار میں پڑھا کہ آپ کے والد بزرگوار مولانا حبیب الرحمن صاحب رحلت فرما گئے ہیں پڑھ کر زبرد  
 صدر ہوئے۔ خداوند کریم ان کی روت کو جنت نصیب کرے۔ اب سوائے صبر کے اند کوئی چارہ نہیں۔ آپ بھی  
 حوصلہ رکھیں اور گھر والوں کو بھی صبر دیں۔ ہم آپ کے دکھ میں دہلی غمزدہ شریک ہوتے ہیں اچانک و سخت کاٹ  
 مشکل ہے۔ فقط ادم پرکاش رام سی سینی باوا کٹر کٹر دلچیانہ

خط نمبر ۱۵۲ - مراد آباد - ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء - مکرم محرم بندہ حضرت مولانا خلیل الرحمن صاحب السلام علیکم۔  
 مزار گرامی ابھی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی غمناک خبر ملی۔ دل پر از حد صدمہ ہوا۔ حضرت مولانا  
 کی قیادت و رہنمائی اور بصیرت کی بڑائی وہ منظر میرے سامنے آگئے جس سے بہت زیادہ دل متاثر ہے اب  
 کہاں ایسے حضرات ہوں گے۔ ساری زندگی امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درد غم میں ٹہرتے ہوئے گزری  
 اسی دھم میں جلیں آباد کیں۔ باہر بہت قوسی سنے سے مدچار رہے۔ خفا خوانا بے انتہا اپنی رحمتیں ان پر نازل  
 فرمائیں۔ آمین۔ ایصالِ قلب ان کے لئے جتنا بھی کیا جائے مسلمانوں پرمان کا حق ہے۔ میں بھی اس سلسلہ  
 میں کوشش کروں گا انشاء اللہ اور میں اب بھی توجہ دلاتا رہے۔ یہ خط سب بھائیوں کو دکھا دیں جو اسلئے  
 خادم۔ افتخار زیدی۔ فریدی بلڈنگ محلہ سنبھلی گیٹ۔ مراد آباد

خط نمبر ۱۵۳ - گوجران والا - ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء - براورہ مکرم مولانا خلیل الرحمن و عزیز الرحمن صاحب  
 السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مولانا کی وفات کے متعلق زیادہ یاد اور انتہا رات میں پڑھ کر سکتے ہو گیا۔ خدا  
 مرحوم کو عالی درجات عطا فرمائے۔ وہ پس پانڈرگان کو صبر جمیل عطا کریں۔ خدا آپ حضرات کی حفاظت کرے۔  
 ہے۔ رک قرآن آج ہی ختم کر دیتے۔ والسلام۔ اختر خلیل اللہ پانی پت جامع مسجد گوجران والا۔

خط نمبر ۱۵۴ - گوجران والا - ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء - عزیزم خلیل الرحمن و عزیز الرحمن صاحب السلام علیکم  
 ناخوش ہو کہ اچانک مولانا حبیب الرحمن کی خبریں کہ سخت صدمہ ہوا۔ خداوند کریم مولانا کو جنت ابرار میں جگہ  
 دے اور ہم کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ یہ صدمہ ایک ایسا صدمہ ہے جس کی تلافی حوائی بہت مشکل ہے۔ آج  
 سچا تو یہ کہ سچا اور انگریز کا دشمن اس عالم ہمارے دانی سے بڑھ کر نہیں۔ اللہ کریم اپنے حق و رحمت میں جگہ دے۔



اللہ کریم اپنے حبیب کے صدقے سے ہر مرد و عورت مسلمان کا انجی م بخیر فرمادیں۔ بہ حال ذکر اپنی ضروری ہے  
 جیسے موت ضروری ہے کیونکہ حیات کا کوئی اعتبار نہیں۔ غلام حسن لعل خواجہ لدھیانوی۔ چائے فروش۔ گوجرانوالہ  
 خط نمبر ۱۵۔ تھراں والا۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۵ء۔ برادر م طیب و اطہر۔ مولانا مرحوم جیسے مشفق و اندکامایہ۔  
 سے اٹھ بنائیاں سے کم نہیں ہیں ان کی عنایتیں۔ مہربانیاں تازیست نہیں بھلا سکتا۔ یہ ایک عظیم مدد  
 ہے جس میں ہم شریک ہیں لیکن خدائی کارخانے میں کون دخل دے سکتا ہے۔ سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں  
 درائن قاسم معاملے میں بالکل مدچارہ دے بس ہے لیکن صبر پر اکتفا کرنا پڑتا ہے۔ لہذا ہمیں بھی صبر و برد  
 کرنا چاہئے۔ اور مرحوم کے لئے دعا کرنی چاہئے۔ خدا انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔

آپ کے غم میں شریک۔ ظفر گوہر جاراں والا (گھڑی ساز لدھیانوی)

خط نمبر ۱۶۔ ۱۵۔ سہارن پور۔ ۳ ستمبر۔ محترم بنا۔ ۵۔ السلام علیکم۔ آج کے اجازت سے المناک قبر  
 و حشر انرا۔ خاں یزدان حضرت مور نام مرحوم کی معلوم ہو کر قلبی غم ہو رہا۔ مولانا ذات مال صفات و  
 ملک اور عامہ انساں و سلیب کے لئے برحقہات میں سے تھی اور آپ کی پر خلوص خدمات ہمیشہ ان کا نام  
 زندہ رکھیں گی ان کائناتوں۔ موجودہ نسلیں شکر کے ساتھ یاد کریں گی۔ اللہ کریم ان کی پنی رحمتوں سے  
 نوازے۔ یہ کوا در حملہ ہر ماندگان کو نصرت صبر عطا فرمائے۔ آمین۔ سچ یہ ہے کہ موت العالم موت الہام  
 مکرر یعنی مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ ایک قومی ساتھ عظیم ہے جس میں ہم سب آپ کے ساتھ شریک ہیں والسلام  
 راقم محمد فضل الرحمن محلہ چوک سہارن پور

خط نمبر ۱۷۔ لاہور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۵ء۔ محترم بھائی جان عزیز الرحمن صاحب سلام سنو۔ یہ غموس خبریں کر دل  
 کراؤں غم ہو رہا کہ قبلہ با جاں اس دار فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ  
 خدا دیکھ سے دست بردار رہا کہ وہ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے دیں اور ہمیں اور آپ کو دیکر  
 پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ شریک غم عبدالرشید شیش محل ہمدی۔ لاہور

خط نمبر ۱۸۔ امرتسر۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم خلیل بھائی، مدد کہ بعد اسلام قبول کیجئے۔ یہ لکھتے ہوئے کس قدر  
 دکھ ہوا ہے کہ کل رات آپ ہی کے نالہ ماجد نہیں بلکہ بہت سوں کے سر پرست اس دنیا میں اپنے متعلقین کو

روز تربت چھڑ گئے۔ رات جب یہ منہوس جبرسنی قویروں تلے کی زمین نکال گئی۔ مجھے ان کا جس قدر سہارا تھا وہ میں ہی جانتی ہوں۔ پہلے میں ان کی سلامتی کی کس قدر دعائیں مانگتی تھی۔ مگر یہ وہ جگہ سے جہاں دعا کو دخل نہیں، رو کو ٹکنا نہیں۔ پہلے ان کے بیٹے حکیم صاحب سدھارے ان کا غم غلط نہ ہوا تھا کہ بابا جی ہم سب کو یہ صبر دیا کریں گے۔ مگر بجز صبر کے اند چارہ ہی کیا ہے۔ خدا کو بھی صابر آدمی پسند ہے۔ لہذا میرے عزیز بھائی صبر کیجئے اور ہر میں سب کو صبر کی تلقین کیجئے۔ خدا سے دعا ہے کہ بابا جی کو اپنی رحمتوں سے جنت میں جگہ نصیب فرماتے۔ آمین۔ خدا آپ کے غم کی شریک غمزدہ شمس اسفندیہ حکیم صاحب امرتسار اور بہ صلیع مودباد

خبر عدد ۵۹ رات ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء برادر مودنی فیصل الرحمن صاحب۔ سلام علیکم!  
حضرت مولانا ذات کاس کراچی انتہائی عمدہ جوار مرزا کو بہ شخص کو ملے ہیں، ایسے ہی بعض بزرگ درمیدار دین ہی کے درد مند نہیں پیدا ہوئے، شدت لے مولانا مودن کو اپنی آغوش رحمت میں غم نے۔  
غلام محمد ضلع لائل پور۔ پنجاب پاکستان

خبر نمبر ۶۔ ۵۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم بندہ حضرت مولانا محمد صاحب سڈم مسنونہ۔  
آج دویم جمعیت دروہ حضرت مولانا صاحب کے انتقال پر ملال کی خبر معلوم ہوئی۔ اس روح فرسا خبر نے قلب و دماغ پر جواڑ کیا وہ الفاظ میں ادا نہیں ہو سکتا۔ گزشتہ ہفتہ حضرت اقدس کی خدمت میں ایک عزیز بہ ریافت خیریت تھی۔ تمہارے جواب کا منتظر تھا۔ مگر بجائے جواب کے آج یہ خبر پر طعن پڑی حضرت مولانا سے میرے تعلقات ۱۹۳۵ء سے تھے اور حضرت مجھے پر بڑا کرم فرماتے تھے۔ ۱۹۳۵ء سے جب کبھی کسی گڑبڑ شریف فراموش نہ ہفتہ غریب خانہ پر مقام فرمایا۔ بڑے بھائی کی پیش کش ٹھکرا دیتے اور اس غریب خانہ کو نظر انداز نہ کرتے تھے۔ آج دنیا سے ایک درویش عالم اٹھ گیا اور خصوصاً ہندوستان کے مسلمان ایک، ہمارے سرپرستی سے محروم ہو گئے۔ رہنا بھی کیسا دنیا اور آخرت دونوں کا صحیح رہنا حضرت مولانا کے عقیدت مندوں کی تعداد کافی ہے سب شریک غم میں اور تعزیت کرتے ہیں۔ عزیز بہن کو میری نظر سے بہت بہت تسلی بخشی دیجئے۔ دعا ہے کہ خدا نے تعالیٰ حضرت مولانا کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور

جو جگہ خالی ہوگئی ہے اس کو پُر کر دے۔ آمین۔ آج ہندوستان کے مسلمان ایک سچے لیڈر کی قیادت سے محروم ہو گئے۔ یہ ہماری بد قسمتی ہے۔ حضرت مولانا کا سایہ صرف آپ کے سر ہی سے نہیں اٹھا بلکہ ہم سب اس کی محسوس کر رہے ہیں۔ مگر سوائے صبر کے چار دہی کیا ہے۔ صبر فرمائیں۔ میں خود حاضر خدمت ہوتا، مگر گزشتہ دنوں طبیعت خراب ہوگئی۔ کزوری ہوگئی ہے اس وجہ سے قاصر رہا۔ فقط والسلام۔ مرزا یوسف بیگ۔ علی گڑھ خط نمبر ۱۶۱۔ سہارن پور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیزم مولوی محی خلیل الرحمن صاحب۔ السلام علیکم!

حضرت مولانا کے انتقال پر ملال کی خبر سن کر انتہائی رنج و غلت ہے۔ مولانا بڑی خوبیوں کے انسان تھے علاوہ ہمارے ربی و محسن ہونے کے قوم کے لیڈر بھی تھے جن کی اس دور میں از حد ضرورت تھی لیکن مشیت الہیہ میں کسی کو دخل نہیں۔ یہاں ہر شخص مجبور و لاچار ہے اور سوائے صبر کے کوئی چارہ کار نہیں۔ دعا ہے کہ خدا عالم مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پس مانہ گان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ہماری جانب سے آپ کے برادران کی خدمت میں تعزیت قبول ہو۔ فقط والسلام۔ حاجی سید آل علی دھاجی یعقوب علی خاں

چکروتہ روڈ۔ سہارن پور

خط نمبر ۱۶۲۔ ملتان۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ کرم محترم مولانا صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اخبارات میں حضرت مخدوم مولانا مرحوم کی وفات حسرت آرات کی خبر پڑھ کر بہت صدمہ ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔ اور آپ حضرات پس انداز کو صبر جمیل کی توفیق نصیب فرمائے اور ان کی اتباع نصیب فرمائے۔ حضرت مرحوم بہت خوبیوں کے مالک تھے۔ خصوصاً علماء کا اخرام اور مساکین کے ساتھ محبت و ہمدردی بہت تھی۔ مجھے ان سے تعلق بہت تھا۔ بھائی انیس الرحمن کو عرض کیا تھا۔ انھوں نے آپ کا پتہ تحریر کیا تھا تو یہ عرض کیا کہ رہا ہوں۔ برادران مولوی عزیز الرحمن، محمد آدھر، مولوی محمد احمد راء، سعید الرحمن سب کی خدمت میں بعد سلام مسنونہ حضور فقط والسلام۔ انقر عبد اللہ رائے پوری۔ مدرس مدرسہ خیر المدارس۔ ملتان۔ پاکستان

خط نمبر ۱۶۳۔ امرتسر۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم المقام۔ سلام مسنونہ۔ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی کی خبر وفات سے سب کو صدمہ ہوا۔ حق تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس نصیب فرمائے اِنَّہ



پس مانہکان کو صبر جمیل عطا کرے آمین! آج مدرسہ میں تمام مدرسین و طلباء و ملازمین کو جمع کر کے دو قرآن مجید  
 ختم کئے گئے اور مرحوم کی لحد کو ایصال ثواب کیا گیا۔ تمام اہل مدرسہ آپ کے اس غم میں شریک ہیں۔ یہ غم ملت  
 اسلامیہ کا غم ہے معمولی غم نہیں ہے۔ والسلام۔ محمد اعجاز حسین غفرلہ، مہتمم مدرسہ جامع مسجد امردہ  
 خط نمبر ۱۶۳۔ ۲۰۔ ۲۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ بے حد غم خواجہ بھائی حضرت مولانا خلیل الرحمن صاحب لدھیانوی  
 آج ۲۰۔ ۲۔ ۳ ستمبر کو اخبار تیج میں یہ خبر شائع ہوئی کہ ان صاحب سہیلہ نا قابل برداشت رنج و غم کا سامنا  
 ہو کر دل نہ بندھا اور بہت سولہ ماہ صیب الرحمن صاحب اس دار فانی سے رخصت فرما گئے یعنی کہ وہ ہم پنجابیوں  
 سے ہمیشہ کے لئے دھڑ گئے۔ موت کے رستہ ناہنجار نے ہم پنجابیوں سے ایک آتش یاں مقرر ہم سے چھین لیا۔  
 ہماری بہت سی سیاسی، میدی حضرت مولانا صیب الرحمن صاحب کے ساتھ وابستہ تھیں۔ اس ظالم موت  
 کی ایک بہتوش نے ہماری امیدوں کا شیرازہ منتشر کر دیا۔ غرض حضرت مولانا کو غایت رحمت کرے۔  
 کارڈ غلام محمد دیوانہ۔ کھنہ ضلع لدھیانہ

خط نمبر ۱۶۲۔ ۱۶۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم بھائی صاحب، السلام علیکم۔ آج کئی دنوں کے بعد  
 بھولان کے دروہ کے سلسلے میں دیہات سے واپس آنے کے بعد یہ جانکاہ خبر ملی کہ والد صاحب انتقال  
 فرما گئے ہیں۔ کاش خدا انھیں زندگی اور درسا تاکہ ہم بے فوائد کا مہالہ بنیں۔ اچھا جوہ سے منظور خدا انھیں  
 بہشت نصیب کرے۔ میں آپ کے اس موقع پر کسی کام آسکوں تو میں اپنے لئے نیک بختی سمجھوں گا۔ جدہ حاضر  
 ہونے کی کوشش کروں گا۔ سب پر دیار کو مدام عرض کر دیں۔ آپ کا نصیب خاں موٹریاں۔ سہارن پور  
 خط نمبر ۱۶۱۔ لکھنؤ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیزم سید الرحمن صاحب سلمہ۔ سلام مسنون۔ خیر امتثال  
 پیر ملا مولانا صاحب پڑھ کر جو قلب کی حالت ہونی میں سے باہر ہے۔ ایک مخلص و دست، پیکر صدق و صفا  
 حقیقی اور سچا خادم دہلی، بزرگ ملت، میزبان عوام، فخر قوم، اے اے اللہ! اے اللہ! اے اللہ! راجیوں  
 اللہ پاک مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دیں اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمادیں۔ آمین۔ والسلام

شیخ اقبال علی ایڈوکیٹ۔ لکھنؤ

لکھنؤ میں لاہور کے سفر آخرت کے سلسلہ میں تیس سو خطوط بھی سناجھنے سے روکتے ہیں۔ قاتل و صحت در  
 کاغذ کی گواہی کے درجہ سے پورے خطوط۔ متعلقہ کونے کا راہ ترک کرنا (سریب غریب استحقاق جامع لدھیانوی)

خط نمبر ۱۶۔ سہارن پور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء

عزیزم عزیز الرحمن سلمہ

بعد سلام مسنون ایک سال سے کانڈھلہ کے سفر کا ارادہ کر رہا تھا۔ وعدہ کیا تاریخ مقرر ہوئی، لیکن امراض کی وجہ سے نہ جاسکا۔ پرسوں گیا تھا۔ آج اس رقت داپسی ہوئی۔ راستہ میں تھا کہ اسٹیشن پر ایک ہندی اخبار کے قوالے سے ایک شخص نے حادثہ جانکاہ کی اطلاع دی۔ وہ یہاں سہارن پور پہنچ کر کل شام کے تار کا حال اور الجھنے سے مزید تفصیلات معلوم ہو کر جس قدر رنج و قلق ہوا کیا عرض کروں۔ آپرستین کا سخت وقت حق تعالیٰ نے فضل و کرم سے نثار دیا اور یہ وقت ایسے چپکے سے پہنچا کہ کسی کو خبر نہ ہوئی۔ حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے معرفت فرما کر اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائی اور آپ سب دوستوں کو عبیر نبیل عطا فرمائی۔ یہ وقت ہر شخص کو پیش آتا ہے، نہ آکر رہے گا۔ پس ماندگان کا جانے دے کے ساتھ جو بہتہ بن سلوک ہو سکتا ہے، وہ اس کے لئے دعائے مسفرت اور ایصالی ثواب ہیں۔ امید ہے کہ اس میں آپ سب حضرات زیادہ سے زیادہ سہی فرمائیں گے اور اپنے احباب سے بھی اس کے لئے اصرار فرمائیں گے کہ مولانا مرحوم کے لئے اب اگر کوئی چیز ہے تو یہی ہے۔ انشاء اللہ ایک آدھ روز میں قرآن پاک پورا ہو جائے گا۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ اعظم صاحب نے صبح ہی قرآن پاک ختم کرائے، در آئندہ بھی اہتمام کیا جائے گا۔ مولوی نصیر سے معلوم ہوا کہ رات مولوی حبیب الرحمن صاحب کی بے وقت موت کی اطلاع رائے پور بھی کر دادی تھی۔ اگرچہ وہاں براہ راست تار بھیجا گیا ہو گا۔ مگر جب یہاں شام کو ۵ بجے کے قریب پہنچا تو وہاں تو نہ معلوم کب پہنچا ہو گا۔ معلوم نہیں مولوی انیس الرحمن صاحب کی آمد کی اطلاع کیا ہے۔

ہمشیرگان کی خدمت میں سلام۔ فقط محمد ذکریا

(مولانا) محمد ذکریا شیخ الحدیث۔ سہارن پور

# مولانا عزیز الرحمن جامنی

صحافی - ادیب - مدیر - مورخ، استاد اور مجاہد کی حیثیت میں

آپ مرحوم مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے فرزند ہیں۔ لدھیانہ آپ کا وطن ہے۔ ملک کی تقسیم کے بعد آپ کا خاندان مشکل تمام لدھیانہ سے لاہور ہجرت کیا۔ اپنے پیچھے ایک عظیم الشان مکان اور تمام اثاثہ چھوڑ کر دوست صاحب کو لاہور آگیا۔ مولانا حبیب الرحمن مرحوم کے تعلقات بہت وسیع تھے۔ ہندوؤں میں بھی آپ کے دوستوں کی کمی نہ تھی۔ مگر وقت پر کوئی ساتھ نہ مل سکا۔ کچھ دنوں مرحوم اپنے خاندان کے ہمراہ لاہور رہے۔ پھر وہاں سے دہلی چلے آئے اور کوچہ رحمن چاندنی چوک میں اقامت کی۔۔۔۔۔“

آج تک اس محلہ میں مقیم ہیں۔ مولانا عزیز الرحمن جامنی اسلامیہ میں ایک عرصہ تک پڑھتے رہے۔ اپنے مرحوم والد کی طرح جوش اور دلور رکھتے ہیں۔ کئی کتابوں کے مؤلف اور مصنف بھی ہیں۔ اخبارات میں بھی مضامین لکھتے رہتے ہیں۔ حافظہ بڑا تیز ہے، جب بولتے ہیں تو مرحوم میں اور آپ میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ یہ بات جہاں اور پورا دور لگا کر کہتے ہیں کسی خاص جماعت سے تعلق نہیں رکھتے ہیں، آزاد فکر کے مالک ہیں اور مسائل حاضرہ پر پورا عبور رکھتے ہیں۔ طبیعت میں استقامت ہے۔ جو جماعتوں کے ساتھ آپ کا اختلاف ہے ان کے بارے میں کوئی لچک نہیں رکھتے۔ مرحوم والد کے نقش قدم پر چلنا باعث سعادت سمجھتے ہیں۔ اسی لئے بہت سے نظریات اور خیالات آپ کو ورثہ میں ملے ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ آزادی کے حافظ میں خصوصاً مسلمان مجاہدین کے کارناموں سے خاص دل چسپی رکھتے ہیں اور ان کے بارے میں ایک چارٹ بھی شائع کر چکے ہیں جو بہت مقبول ہوا ہے۔

خیالات میں قدرے انتہا پسند ہیں۔ اعتدال پسندی سے طبیعت میں نہیں کھاتی۔ بحث و کراہ میں مخالفت کو خاموش کر کے چھوڑتے ہیں۔ چونکہ مرحوم والد کے ہمراہ مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم اور پنڈت جواہر لال نہرو سے ملتے رہے ہیں۔ اس لئے ان کی باتیں مزے لے لے کر سناتے ہیں کسی کے بارے میں مولانا آزاد کی سائے بڑی صائب اور سچی تھی۔ اس میں آپ بڑے نکات پیدا کرتے اور اس کو داد بھی دیتے ہیں۔ جن بعض اوسبے لیٹروں کے حالات



منلتے ہیں تو ان میں ندرت ہوتی ہے۔ چونکہ مذہبی اور سیاسی خیالات درشتہ میں پائے ہیں۔ اس لئے ان کی روشنی میں مسائل حاضرہ کا جائزہ لیتے ہیں اور ان کی صحت پر اصرار کرتے ہیں۔ مزاج اور عادات کے اعتبار سے باخاطر معلوم نہیں ہوتے، طبیعت میں خوش گواری اور فرح ہے۔ بعض دفعہ زبان کے تیر و نشتر سے بھی کام لیتے ہیں اور کسی وقت تنقید حد اعتدال سے گزر جاتی ہے۔ فطرت اور طبع میں ہر وقت متحرک رہتے ہیں۔ ہر حلقہ میں نشست و برخاست رکھتے ہیں اور کبھی کبھی دو فریقوں میں ٹکراؤ پر بھرپور تنقید کرتے ہیں۔

ایک زمانے میں آپ کیونستوں سے بھی توقعات رکھتے تھے۔ مگر ان کے نظریات کو اپنانے سے قاصر رہے، مطالعہ کا شوق بھی ہے اور اخذ کرنے کا حداد ادراک بھی۔ وقتی مسائل پر حیب استدلال کرتے ہیں تو جرئی کے نشے کو بھی پکڑ لاتے ہیں اور کارلائل کی تحریروں سے بھی اپنے خیالات کو مدلل کرتے ہیں۔ پیشہ صحافت سے بھی دل چسپی رکھتے ہیں اور تمام کے بغیر کئی اخباروں کے اداری خرائض بھی اخیام دیتے ہیں۔ مولانا عطار اللہ شاہ بخاری کے مداحوں میں ہیں۔ بلکہ ان کا آواز گفتگو بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ مجلس احرار کی یاد بھی تازہ رکھتے ہیں اور ان کے کارناموں کو سراہتے بھی ہیں۔ مجلس احرار کے ارکان اندلیڈ روڈ کو ہر وقت حیب میں رکھتے ہیں۔ غرض جس نے آپ کے والد مرحوم مولانا حبیب الرحمن صاحب سے ملاقات کرنی ہو وہ آپ سے ملاقات کرے، ایسا محسوس ہوگا کہ مرحوم آج بھی بقیہ حیات ہیں اور اپنی قادر الکلامی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

فارقلیط۔ ایڈیٹر الجمعۃ الفد پیام مشرق

نوٹ:۔ مولانا فارقلیط ایک زمانے میں خاموشی سے پیام مشرق میں مقالہ اور قلمی چہرے لکھتے رہے ہیں۔ یہ قلمی چہرہ اس زمانے میں پیام مشرق میں شائع ہوا تھا۔ مولانا فارقلیط کی نشست شب میں ایک ہوٹل میں ہوتی تھی۔ میں بھی اس ہوٹل میں رات کو بیٹھتا تھا۔ مولانا نے اس ہوٹل میں میرے اکثر خیالات سنے اور انھیں قلم بند کر دیا۔ (مرتب)

# مولانا عزیز الرحمن جامعی کی تعلیمی اور سماجی خدمات

دائلم: وحید الدین خاں ایڈیٹر مفت روزہ الحجیہ مورخہ ۲۷ جون ۱۹۶۹ء

دلی میں بلوچان کے ملاقات میں ایک گلی ہے جس کا نام "بارہ دری شیراٹن" ہے۔ مسلم محلہ کی تمام ریت سے بھر دیا گیا ہے آپ گزریں تو اس کی گندگی اور بے توجہی کے درمیان ایک خوبصورت بوڑھا آپ کو اپنی عمر متوجہ کرے گا جس پر کچا ہوا ہے "تعلیمی سماجی مرکز" اس خوبصورت بوڑھے کے پیچھے ایک خوبصورت تربیاتی مرکز ہے جو اسکول قائم ہے جس کا ہم اس وقت ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ایک نرسری اور پرائمری اسکول ہے جو پچھلے ۱۸ سال سے کام کر رہا ہے۔ اس کے بانی مرحوم مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے صاحبزادے جناب عزیز الرحمن لدھیانوی جمائی ہیں۔

۱۹۲۶ء میں لدھیانوی میں ایک عیسائی مشن قائم ہوا۔ عزیز الرحمن صاحب نے اپنی سرگزشت بیان کرتے ہوئے مجھ سے کہا کہ یہ کلکتہ کے بعد ہندوستان کا دوسرا مشنری سینٹر تھا۔ اس مشن کے تحت ایک بہت بڑا ایڈی پاسٹل، ایک نرسری اسکول اور ایک ہائی اسکول تھے۔ عیسائی مشن کے اس قیام نے مسلمانوں کے اندر بے چارہ پیدا کر دی، چنانچہ اسی زمانے میں میرے جدا امجد مولانا ستارہ عبدالقادر صاحب دیہات سے لدھیانہ شہر میں منتقل ہوئے اور مشن کے مقابلہ میں کام شروع کیا۔

"لدھیانہ میں ہمارے مشن کے بالکل سامنے تھا اس کی سرگرمیوں کو دیکھ کر وہ گھر کے تذکرے سن کر میرے اندر بھی پھین ہی سے مشنری، سپرٹ پیدا ہوئی اور میرے ذہن میں یہ خیال جم گیا کہ میں بڑا ہو کر اسی قسم کا ایک اسکول قائم کروں گا۔"

عزیز الرحمن صاحب جامعہ ملیہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ زمان کو آپریشن تحریک شروع ہوئی، فیلر چھوڑ کر تحریک میں شامل ہو گئے اور جیل گئے۔ جیل میں ہندو سیاسی درکردوں کے ساتھ انھیں ایک عجیب تجربہ ہوا۔ مسلمان درکرد جیل میں تھے، ان کے گھر سے خطوط آنا شروع ہو گئے کہ آپ کے جیل جانے کے بعد ہم محنت پریشان ہیں۔ کوئی معاشی وسیلہ نہیں ہے۔ مگر ہندو درکردوں کا معاملہ اس سے مختلف تھا۔ وہ بالکل مطمئن تھے۔ ان سے حقیقت کی تو معلوم ہوا کہ ہر ایک کا کوئی نہ کوئی ایسا کام ہے جو اس کے بعد بھی اس کے گھر

دالوں کا سہارا بننا ہوا ہے۔ ان میں بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو اسکول اور پانچ سالہ چلتے تھے۔ یہ ادارے اکثر ہندو سیاسی و مذہبیوں نے اپنے بیوی بچوں کے نام پر قائم کر رکھے تھے۔ چنانچہ ان کے بچے جلنے کے بعد بھی وہ ان کے گھر والوں کی روزی کا ذریعہ بنے ہوئے تھے۔ اسی زمانے میں گاندھی جی نے چورنگ قائم کیا تھا جس کے تحت کھادی بھنڈا چلائے جا رہے تھے۔ اس کی شاخیں ہر شہر میں تھیں اور کانگریس افراد اس میں کثرت سے ملازم ہوتے تھے۔ مسلمانوں کی بد ذوقی کی وجہ سے چرخہ سنگھ میں بھی زیادہ تر کانگریسی تھے۔ ہندو کارکن جیل گیا تو اس کی بیوی اس کی جگہ ملازم ہو گئی۔

ان کو آپریشن میں تقریباً چھ لاکھ ہندوستانی جیل گئے جو میں دو لاکھ مسلمان تھے۔ مگر چرخہ سنگھ مسلمانوں کا تناسب بے حد کم تھا۔ اس کی وجہ سے ہندو و کانگریسیوں میں بھی مطمئن تھے۔ اس کے برعکس۔ درکنز پریشان تھے۔

”اس وقت مجھے خیال آیا“ عزیز الرحمن صاحب نے کہا ”اگر سیاسی کام کرنا ہے تب بھی سب پہلے معاشی انتظام کر لینا چاہئے۔ انھوں نے نرسری اسکول قائم کرنا طے کیا کیونکہ نرسری اسکول ہر ماں باپ پہلی ضرورت ہے۔ بلا نرسری اسکول کے کسی قوم کے بچے اچھی تربیت حاصل نہیں کر سکتے۔ نرسری اسکول چھوٹے بچوں کو ایک قسم کا تعلیمی گھر ہے۔ نرسری تعلیم کا بنیادی تختہ یہ ہے کہ بچوں کے اندر کھیل میں تعلیمی شوق پیدا کر جائے تاکہ جب وہ اسکول کی عمر کو پہنچے تو وہ عمدہ تعلیمی آغاز کے قابل ہو چکا ہے۔ اسکول کی عمر عام طور پر سال تکھی جاتی ہے اس سے پہلے چند سال تک بچوں کو نرسری میں پڑھایا جاتا ہے۔ نرسری میں استاد کی جگہ طور پر خود توں کو رکھا جاتا ہے۔ تاکہ وہ چھوٹے بچوں کی ماں کا بدل بن سکیں۔ میرے یہاں جب تعطیلات اعلان ہوتا ہے تو بچوں کو خوشی کے بجائے مایوسی ہوتی ہے۔“ عزیز الرحمن صاحب نے کہا ”کیونکہ سہارا جانے کے بعد انھیں امتحانوں کی شفقتیں یا ذاتی ہیں۔ نرسری اسکول ڈھنگ سے چلایا جائے تو بچوں بارے میں تعلیمی بد ذوقی کی شکایت ختم ہو جائے۔“ ابھی قوم کو ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں عزیز الرحمن جی ضرورت ہے۔ اس کے بعد ہی یہ ممکن ہے کہ قومی سطح پر ہم کو وہ فوائد حاصل ہو سکیں جس کے دوسرے ملک بنے ہوئے ہیں۔ بگڑے وہی تب بھڑا کر۔ تمنا کو سینے میں سیدار



آپ کی خاص توجہ کے لئے اہم نوٹ

تضمیر خطوط باب سوم مطابق زیر است باب سوم - ۸۷۲

خط نمبر ۴۶ مطابق فرست پاپ سوم - خط نمبر ۳۱ خالی جگہ فرست سوم صفحہ ۵۷۷

**اتفاق** یہ ایک اتفاق بات ہے کہ کتاب میں جو نے کے بعد جب کتاب کے نسخہ کو فروخت

باب سوم سے طے تو معلوم ہو کہ جن نہ حب سے کاپی میں خطوط نقل کر لئے گئے تھے، انہوں نے ہمت کے مطابق خطوط کاپی میں نہیں لکھے۔ یہاں یہ بات بھی غور کرنی نہ درق ہے۔ عزیزہ نسری نے تمام خطوط مرتب کئے ہیں۔ اچانک عزیزہ نسری کو گورنمنٹ ملازمت مل گئی، اس وجہ سے بہت سے خطوط لکھنے سے رہ گئے۔

فہرست کے بعد جس نے یہ خطوط کتابی میں لکھے انہوں نے فہرست کے مطابق ۲۰ خط لکھ کر  
آخر کے دو خط لکھ دیئے۔ اس طرح ان سے غلطی ہوئی لیکن اچھا ہو گیا۔ اب مجاہد نے پہلے سے  
جسٹنگ جو گئی اس طرح اب یہ خطوط فہرست یا اب سوم ۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ ۵۔ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷

## قیمت کے متعلق ایک گزارش

ترتیب کے مجلد نمونے کے جذیب حساب سچیدہ لکھی تو معلوم ہوا کہ سب سے پہلے جو ریفرنس کے کتاب  
 کی قیمت تیس روپے مونی طلب ہے اور مجلد ریفرنس کی قیمت پچیس روپے مونی چاہئے۔ نیز برقی کتابوں کی  
 سب سے پہلے کی کتابوں کی بھی قیمت بتا رہی ہے۔ اب مجلد ریفرنس کی قیمت ۲۵ روپے مونی اور سب سے پہلے  
 آرٹ پیپر کی قیمت ۲۰ روپے مونی ہے۔

خطوط غیرت نمبر ۲۔ از مقام کلپور ضلع جامندھر مورخہ ۱۱ جنوری ۱۳۳۵ء

افنی المکرم و معظّم بالا تبار جناب مولانا صاحب دامت برکاتہ - اسلام علیکم۔ یہ سونے جی کی تحفہ نامہ  
موصول ہوا۔ باعث اطمینان قلب ہوا۔ پہلا خط جو کہ حکم حضرت علامہ قلی الدین گوار صاحب قدس سرہ، عزیز  
جناب کی خدمت میں لکھا تھا تو حضرت مجھ سے لکھواتے تھے کہ میری خواہش تھی کہ آپ سے ملاقات ہو جائے مگر

شاید ایسا نہ ہو سکے۔ کیونکہ زندگی کا پیالہ اب لبریز ہو چکا ہے مگر میں بیعت کم فہمی کے ان الفاظ کو لکھنے سے  
 گریز کرتا تھا۔ چنانچہ یہ الفاظ خط میں رقم نہ کئے۔ اور اس خط کی تحریر سے کچھ دن پہلے خواجہ محمد حسین نعت  
 خواں لدھیانوی ملاقات کے واسطے پھلورائے۔ ان کا نام دریافت کرتے ہی آنحضرت نے فرمایا کہ اوہ ہوتا تو  
 میرے دوست حبیب الرحمن کا آدمی ہے۔ میرا حبیب الرحمن کو اسلام علیکم کہہ دینا اور کہنا کہ میری قبر کی حفاظت  
 کرے یہ نہیں نہ سمجھے۔ غرضیکہ کچھ ایسی ہی تلقین متعلقہ اپنی قبر دیتے فرماتے رہے۔ غرضیکہ اپنی بیماری کے دوران  
 میں جو بھی ضروری باتیں قابل ذکر تھیں مختلف اوقات پر ذکر فرماتے رہے حتیٰ کہ کوئی بات ایسی نہیں چھوڑی  
 یہ کہ آنحضرت نے بتلا نہیں دی۔ چنانچہ ۹ ذی الحجہ کو محترمہ والدہ صاحبہ نے کہا مولوی جی وہ لوگ بھی  
 خوش قسمت ہیں جو امساں حج میں شامل ہیں کیونکہ حج اکبر ہے۔ تو آپ نے جواب دیا کہ ہم بھی توجہ میں ہی  
 شامل ہیں۔ اور بعد ازاں بروز پیر ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۶۸ عریم مولوی خلیل الرحمن صاحب د عزیزم سردار محمد  
 منشی محمد شفیع کو ہمراہ لے کر آئے۔ منشی محمد شفیع صاحب نے مدائی تجویز کر کے آنحضرت کو ایک خوراک دی۔ اور  
 تھوڑی دیر بعد طبیعت کچھ رو بہت ہو گئی تو میں نے کہا اباجی اب تو آپ کو آرام ہے۔ جواب میں فرمایا ”جو رنگ  
 رنگہ کے بیٹگنی گھلے گا۔ تو میں اور دیکھ سب گھر دے اس ائمہ کو نہ سمجھتے تھے۔

برفہ منگل آپ نے فرمایا کہ جمعرات ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۶۸ عریم ایک شخص رات کو ابجے تک جاگے،  
 دوسرا بارہ بجے تیسرا درجے اور چوتھا پانچ بجے صبح تک جاگے۔ تو میں نے کہا کیوں جی خیر ہے۔ جواب میں  
 فرمایا کہ کچھ چائے اور آگ وغیرہ کی تکلیف ہوتی ہے۔ پھر میں نے کہا جی جمعہ کے بعد تو فرمایا پھر آرام ہو جائے گا۔  
 انتہاء اللہ تعالیٰ۔ بروز جمعرات ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۶۸ صبح پانچ بجے کے قریب سب گھر والوں سے ناساں  
 ہو کر نیم پانی کر دیا۔ خود چوکی پر بیٹھ کر غسل فرمایا۔ اور اسی وقت ایک دم کچھ بادل جمع ہو کر خفیف سی ہوا  
 باندی شروع ہو گئی۔ غسل کے بعد نماز تہجد پڑھی۔ اور پھر ناز فجر حسب معمول چار پانی پر لیٹے ہوئے ادائی۔  
 پے پی لی اور پھر فرمایا کہ دنیا کی باتیں میرے پاس مت کرو۔

پھر تقریباً دو بجے بعد دوپہر اسی روز یعنی جمعرات ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۶۸ عریم دن آپ کی پینا  
 کا بھی ہے تو مجھے فرمایا اپنی والدہ کی اطاعت اور خدمت کرنی۔ تو میں نے عرض کیا کیوں جی کیا حال ہے

فرمایا بہت اچھا ہے۔ پھر عزیزم احمد حسن کو فرمایا کہ علم کا شوق رکھنا۔ پھر عزیزم حاجی موان الدین کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ حاجی میں نے تم کو مریدی میں قبول کر لیا ہے۔ دوبارہ فرمایا میں نے تجھ کو بیعت کر لیا ہے۔ میری جائیداد میری کتابیں میں سان کی حفاظت رکھنا۔ اور پھر فرمایا محمد اشرف حسین لدھی کو میرا سلام علیکم کہہ دینا۔ تو والدہ صاحبہ نے کہا حاجی آپ کو ایسی باتیں کر رہے ہیں جیسے کہیں سفر کو جانا ہوتا ہے تو فرمایا بے شک سفر میں تو میں ہی۔ مگر حالات۔ چہرہ غرضیکہ کوئی علامت یہ ظاہر نہ کرتی تھی کہ ابھی دس منٹ بعد آپ رخصت ہو رہے ہیں۔ دو بج کر ۱۰ منٹ پر میں نے عرض کی اباجی چلے پنی ہے تو فرمایا اچھا۔ غرضیکہ ۲ بج کر ۲۰ منٹ پر دوا کھائی۔ چائے پی۔ پھر فرمایا آج دن جمعرات ہے۔ تو میں نے جواب میں کہا حاجی ہاں رخصت کیا ہے۔ میں نے گھڑی دیکھ کر جواب دیا جی ۲ بج کر ۲۰ منٹ میں تو فرمایا میری چارپائی کا رخ ٹھیک کر دو۔ پھر بیت باندھی اور ٹھیک ۲ بج کر ۲۳ منٹ پر رخصت فرما گئے۔ مگر مجھے انتقال سے تین منٹ بعد تک یقین نہ تھا کہ انتقال کر چکے ہیں۔ بلکہ میں یہ سمجھ رہا تھا کہ پڑھ رہے ہیں۔ والدہ صاحبہ نے کہا کہ نہیں ختم ہو چکے ہیں۔ ہاتھ کی تکی ناک سے لٹائی تو مستلزم ہوا کہ سانس نہیں آ رہا۔ میں نے نینٹ کھول کر ہاتھ سیدھے کر دیئے تو ہر نکل کر دیکھا کہ معمولی بند باندی جو کہ بیچ بچے سے شروع کرتی پورے ڈھائی بجے جہیز دیوہ ہو گئی تھی۔ درمیانہ۔ بالندہ اعتدال بھی دری کہان بعد توجہ نہ دیا۔ جہان ہو گئی اور ٹھیک چار بجے ہو گئی۔

مگر قبیلہ چچ صاحبان رات کو ۸ بجے پھلور پہنچ گئے۔ اور مجبور کیا کہ کل یہ سب صبح جہیز دیوہ۔ جانا تھا۔ یہ ہے کہ شریعت میں جلدی کرنے کا حکم ہے حضرت مومن نامہ پندرہویں کے مطابق یہاں لکھا ہے کہ تم سب ہر گز نہ بڑا سادہ پہلے پروگرام کو غلط تانا پڑا۔ چنانچہ۔ ابجے صبح بروز جمعہ ۱۶ ذی الحجہ شہیر۔ ہی احمد۔ نے قبیلہ آنحضرت کو غسل دینا شروع کیا تو باگھاس طریقے پر تھے جیسے وہ یہ زمانہ بگڑاں پر پڑھا کرتے تھے۔ یہ پتا عبدالحق نے کہا کہ کرتا ہوں تو دور میں سے دیکھ کر حسم بہت چلے گا۔ جیسا پتہ کرتا ہوں ٹھیک جیسے بصورت زندگی آتا رہ سکتے تھے۔ آتا رہا۔ اور نماز جنازہ آپ کے بعدے پورے تین صاحب سے پڑھائی گئی۔ اور قبر کے واسطے حضرت نے ایک زمین تقریباً رقبہ ذرا کھل ہے نہ ہڈی تھی اور اسی مطلب کے واسطے لی تھی یہ زمین برچاہہ رامکیا لوالا پھلور اور کاڈوں گڑھا کے درمیان ہے اور اپنے گھر سے تقریباً



ایک زلزلہ ہے۔ ٹھیک ۱۲ بجے بروز جمعرات کو دفن کیا گیا۔ خدا اور قبرستان سب کچھ ہے البتہ اور اگر کچھ  
 بیٹھنے کی جگہ چھوڑ کر چار دیواری بنادی گئی ہے تاکہ آنے جانے والے معتقدین اور عقیدت مندان کو بیٹھنے  
 میں سہولت ہو۔ اگر تجھیز و تکھین کے موقع پر جناب یہاں ہوتے تو چچا صاحبان بلا وجہ ہم کو مجبور نہ کرتے۔  
 اچھا شاید جمعہ کی نماز سے پہلے ہی آنحضرت کا دفن کیا جانا افضلیت ہو گا۔ قبلہ بھائی صاحب، اگر یہ  
 اہل پھلر کو آپ کے وجود کے ساتھ کفر عنادی تھا۔ مگر خاندانے میں سب شامل تھے اور آپ کے بعد یکدم  
 سب کہنے لگے کہ حضرت مرحوم اپنے زمانے کے قطب تھے مگر ہم نے ان کی قدر نہیں کی۔ علاقہ ہار وغیرہ سے  
 مریدان و عقیدت مندان آ دیں گے۔ لہذا ختم شریف جمعرات جمعہ ۱۳-۱۵ ارجمہا کرام ہے ختم میں محض  
 قرآن مجید ختم کئے جائیں گے اور چنے کی دال اور روٹی کا انتظام کیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو پہلو  
 لاوے اور پھر آپ کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کریں اور غم غلط ہو۔ امید تو ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے  
 آنے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اپنی دعاؤں میں بدستور یاد فرماتے رہا کریں۔ قبلہ والد بزرگوار صاحب  
 مرحوم ارشاد فرماتے تھے کہ میں تم سے ادا اپنے درستیوں سے جدا نہیں ہوں گا بلکہ میری روح تم سب کے ساتھ ہوگی۔  
 کچھ سردیاں نکل جائیں تو فی الحال ایک خام سی مسجد یا چوترا نماز وغیرہ کے واسطے بنانے کا ارادہ  
 ہے کیونکہ آنحضرت کا فرمان تھا کہ میرے کالوں میں اذان۔ حدیث اور تفسیر اور قال اللہ وقال الرسول  
 کی آواز آتی رہے۔ فی الحال بھی دس تین نمازیں وہاں روزانہ ادا کر لی جاتی ہیں۔ دعا فرمادیں کہ اللہ  
 تعالیٰ توفیق اور برکت دیوے۔ آمین۔ ثم آمین۔

مجناب محترمہ والدہ ماجدہ صاحبہ بہت بہت السلام علیکم۔ اور بہت یاد کرتی ہیں کہ کاش اس  
 موقع پر مولوی صاحب یہاں ہوتے تو ہم کو تقویت ہوتی۔ مجانب مولوی عابدی سراج الدین صاحب و عزیزم  
 منظور و احمد حسن بہت بہت السلام علیکم قبول ہووے۔ فقط والسلام دعا کا محتاج! حقرا محمد حسین۔  
 برادر محترم مولوی محمد احمد صاحب نہید مجدد۔ سلام مسنون نیا رقدون۔ گرامی نامہ نے شرف فرمایا  
 مولانا کی علالت طبع سے فکر ہوا۔ اللہ تعالیٰ صحت کاملہ عطا فرمائے۔ میری طرف سے مزاج پر سی فرمادیجئے۔  
 ادا ایک کارڈ سے طبیعت کے احوال سے مطلع فرمائیے۔ والدہ صاحبہ بعد سلام مسنون مزاج پر سی فرما رہی ہیں

یہاں خیریت ہے مولوی دجدا الزماں صاحب لمبی سے آچکے ہوں گے۔ ان کے غافہ میں ہی آپ کا بوسہ و خط  
رکھ رہا ہوں۔ مولہ ناک کی خدمت میں سلام مسنون از مرزا چوسی فرمادیجئے۔ والسلام

محمد طیب۔ از دارالعلوم دیوبند۔ ۲۱ ربیع الثانی ۱۲۸۵ھ

خلیفہ سید مقبول احمد مرشد شریف۔ خط مطبق فہرست نمبر سوم کتاب صفحہ ۲۶۴۔ خط نمبر ۲۶

حضرت مولانا صاحب مدظلہ۔ اسلام علیکم۔ دو عدد پوسٹ کارڈ موصول ہو گئے۔ اُمید ہے کہ آپ بالکل  
تندرست ہیں۔ بندہ کو ابھی تک صحت نہیں ہوئی ہے۔ اختلاج قلب کا سخت دورہ ہوا ہے۔ بلغم کا بہت  
زور ہے۔ منہ کا ذائقہ میٹھا ہو گیا ہے۔ کمزوری بہت زیادہ ہے۔ یہ سب معاملہ جگر خرابی و کھینچڑوں کی  
خرابی کا باعث ہے۔ ریاچ کی پیداوار ہے۔ انتہا ہے وہی معاملہ ہو گیا ہے جو کچھ بیماری آپ کو ہے۔ کوئی قرن  
نہیں ہے۔ دماغ دماغیں ان پاک صحت عطا فرمائے۔ لیومہ شک کے انجکشن لگ رہے ہیں۔ اختلاج بہت زیادہ  
ہے۔ دل بہت تڑپ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے واسے میں۔ دعا درائیں حاضر ایمان پر سہجہ ہے۔ مولوی  
خلیل الرحمن صاحب کی صحت یابی کے لئے دعا کرتا ہوں۔ میری ذرا طبیعت اچھی ہو جائے تو کوثر وغیرہ سر حسین  
کریے جائے گا۔ حاضرین مجلس کو اسلام علیکم قبول ہو۔ یہ خط لیت کر لکھ رہا ہوں۔ فقط والسلام

خلیفہ سید مقبول احمد مدظلہ شریف مرشد ۹ مارچ ۱۲۸۵ھ

خط ۲۶۔ رحمت منزل علی گڑھ۔ ۳ جنوری ۱۲۸۵ھ۔ کرمی دھڑی۔ اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ بڑے سڑک کے بعد صا درہوا۔ میں دہلی میں پارلیمنٹ کے جلس کے موقع پر عیثیٰ ہوا ہوں  
البتہ جاہ قیام اور ٹیلی فون کا نمبر بتا رہا ہے۔ اگر جناب دالیا پارلیمنٹ کے زمانے میں کبھی رحمت و برکت  
تو میں شرف ملاقات حاصل کر سکوں گا۔

اں مجھے یاد ہے یہ میرے پاس آئے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ وہ مولوی طاہر مدظلہ کے صاحبزادہ

ہیں مگر مجھے اس وجہ سے شبہ رہا کہ مولوی محمد طیب صاحب سے میرے تعلقات ہیں۔ اگر یہ ان کے بھتیجے ہوتے

تو نہ ضرور مجھے اپنے خط کے ذریعے سے ان سے متعارف کراتے۔ بہر حال اب آپ کے خط سے مجھے یہ معلوم ہو گیا

کہ حضرت قاری محمد طاہر صاحب مرحوم کے بیٹے ہیں۔ میں انھیں جو پتہ آپ نے لکھا ہے اس پر پچاس روپے

میں۔ مدد بھیج رہا ہوں۔ تین سو روپیہ کی رقم کا انتظام تو دشوار ہے، مجھے یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔  
اس لئے کہ "میاں راجہ بیاس"، اشتراکیت اور شخصی امتدادیں ساتھ ساتھ نہیں چل سکتیں۔ اشتراکیت اگر ہماری  
ریاستوں کو قوم کا مال بناتی ہیں تو پھر ان حاجت مندوں کا بار کہ جن کی ہم حمایت کیا کرتے تھے وہ بھی قوم یا قوم  
کے فائدوں کی حیثیت سے حکومت کو اٹھانا چاہئے جہاں تک میں نے سنا ہے دس ادرہ میں ایسا ہی ہوتا ہے  
خدا کرے ۱۹۵۶ء آپ کے لئے مبارک و مسعود ثابت ہو۔ آپ کا نیا ذمہ احمد سعید

خط ۶۵۔ سید احتشام الحسن صاحب کا ندھلہ ضلع مظفر نگر محلہ مولویان۔ کمری مختری دام محمد کم۔ بعد سلام مسنون  
یہ عرضہ ایک ذاتی غرض کے لئے لکھ رہا ہوں خدا کرے کہ بار خاطر نہ ہو۔ مجھے اپنے نام سے کا ندھلہ نامہ ملی موٹر  
ٹھیکہ اچلانے کے لئے پرمٹ کی ضرورت ہے۔ یہ کام چودھری چمن سنگھ وزیر مال یوپی کے ہاتھ میں ہے جس  
کے لئے کسی موٹر سفارش کی ضرورت ہے۔ اگر ہو سکے تو کوئی موٹر سفرشی خط حاصل کر کے میرے پاس  
بھیج دیں۔ بطف و کرم سے امید ہے میری خاطر یہ تکلیف گزارا ہوگی ممنون کرم ہوں گا۔ امید کہ مزاج گرامی بخیر  
ہوگا۔ صاحبزادگان کی خدمت میں سلام مسنون۔ خاکسار احتشام الحسن ۵ مارچ ۱۹۵۶ء (مروم)  
خط ۶۶۔ سید محمد مجتبیٰ پتی سرلے مظفر پورہ ۲۰ جنوری ۱۹۵۶ء۔ محب مکرم، مولوی وحید الزماں صاحب۔  
سلام مسنون۔ محبت نامہ مرقومہ ۱۴ فروری دارد ہو کر کاشف حالات ہوا۔ میں نے یہاں پہنچ کر جو خط بھیجا ہے  
وہ موصول ہو چکا ہوگا۔ یا دفرمانی کا شکریہ طبیعت ہر آن اس صحبت کو تلاش کرتی ہے اور کیا نکھوں کہ کس  
قدر حسرت و مجبوری طاری رہتی ہے۔

چشمہ اور تولیہ بھیجنے کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ اللہ نے آپ لوگوں کو دافقی خیر و احسان پہنچانے  
کے لئے خلق کیا ہے۔ عذرت خلق بود خلق حبیب الرحمن مونا ہر فرد طائفہ حبیب الرحمن پصادق، نامہ ہے۔  
اللہم زد عنہ۔ یہاں کے حالات مولانا کے نام خط سے ظاہر ہوں گے۔ میری اس کفایت قرطاس کو معاف  
فرمائیں گے۔ آپ اپنے متعلق خبروں سے ہم کو ضرور مطلع کرتے رہیں گے۔ اور مولانا کے بیانات وغیرہ سے کئی نئی  
چیز شاخ ہو تو ضرور مجھ کو بھیج دیں گے۔ مولوی خلیل الرحمن، مولوی سعید ادرہ مولوی اظہر و مولوی عبداللہ قنات خلیل  
وگل دیگر اصحاب صفہ کو سلام پہنچا دیں میں نے تولیہ حافظ خلیل کے نام پہ کر دیا تھا اگر آپ نے یہاں بھیج دیا۔

یہ خط ان پتہ ساری کو رہنمائی کا ہے۔ ایکشن میں زمیندار یا دہی کے قلم سے بہتر کیا سوا کی سوجھ بوجھ کے ادلی ہیں نہایت شریف الطبع ہیں۔ حافظ قرآن ہیں پابند صوم و صلوات



اب مسئلہ بتائیے یہ کیسے فسخ کیا جائے۔ فقط والسلام۔ مجتبیٰ (مرحوم)

خط ۶۰ علی سرافے مغفر لہ۔ ہر فردی شیعہ (یہ خط مولانا کو تحفہ کمال میں پڑھ کر سنایا جائے)

(الف)

مولانا کے محترم زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ میں ہر روز آپ سے عالم خیال میں گھنٹوں ملتی و  
متکلم رہتا ہوں اور ایک کیف و سرور اس ملاقات و کلام غائب میں طاکرتا ہے جس کو حافظہ اور ادراک نہیں کر سکتے۔  
کیا کہوں کس اضطراب میں آیا۔ آپ کچھ تو جانتے ہیں۔ راستے میں لکھنؤ میں جو وقت بسر ہوا اس سے بہت محفوظ  
رہا۔ خان بہادری قبائل صاحب میرے اس نظریہ سے بہت متفق رہے کہ ہم کو ایک مختصر سی جماعت اشاعت و  
تبلیغ اپنے نظریات کے مطابق بنانا چاہئے اور بلا خیال لومۃ لاکھ خاموشی سے اپنا کام کرنا چاہئے۔ آپ  
چاہیں تو ان کو آگے بڑھنے کے لئے تیار کر سکتے ہیں۔ کاروان سے وہ مقصد حاصل ہو گیا ہیں ابھی نہیں  
کہا جاسکتا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی سے دو گھنٹہ خوب گفتگو کیلئے ہی میں ہوئے۔ وہ شیعہ دیگر فرقہ تھے۔  
میں نے شکایتاً عرض کیا کہ شام و رشتہ دیگر بلاد عرب سے زیادہ مستحق بھارت کے مسلمان ہیں کہ ان کی حق  
دعوت عزیمت و تبلیغ کا رخ کیا جائے۔ ہمیں کفر فرمایا کہ یہ آپ لوگوں کا کام ہے اور بلاد اسلامیہ کی روشنی  
سے بھارت بھی مستفید ہوگا۔ میں یہاں پہنچا تو در قسم کے طوفانوں میں مبتلا ہو گیا۔ ایک تو گھراؤ خاندان کا  
ماحول اور دوسرا مسلمانان شہر و مدرسہ جامع العلوم جس سے میری تمام زندگی وابستہ رہی ہے گھر کا حال  
کیا لکھوں پریشانیوں کے بھر میں جس صبح چار بجے پہنچا۔ میری آمد سے چھ گھنٹہ قبل بڑی بڑک بچہ پیدا ہوئی  
اور گھر پر ایک متفلس مرد بچہ لڑکیوں کے نہ تھا۔ ذمہ دار افراد دیہات میں گھوم رہے تھے۔ اندر کا ستر  
بجایا۔ دعا فرمائیے اللہ نہ مولود کو حیات و سلامتی دیں ورنہ عطا کرے۔

مدرسہ جامع العلوم میں دستا بندی کا جلسہ ہونا میرے آنے کے دو تین روز قبل طے پایا۔ ارادہ  
دعوت نامے روانہ کر دیئے گئے۔ تقریب یہ ہوئی کہ قاری طیب صاحب کا دورہ بہار مشہر ہوا اور جناب مولانا  
سنت اللہ رحمانی، مونگیر کی وساطت سے قاری طیب صاحب کو دعوت دے دی گئی۔ مولانا قاسم و مولانا  
ابوالوفا کو بھی دعوت نامہ چلا گیا ہے اور قاری طیب ۲۵ فردی کو یہاں آرہے ہیں ایک جماعت نے مولوی  
اسحاق علی، کان پور پرلا صرا کیا اور ان کو بھی دعوت نامہ چلا گیا، اب تک کوئی جواب نہیں آیا ہے، غرضیکہ یہاں

نہ سید محمد علی رحمانی مشہر ہے انہیں الامام کے ساتھ رہنے کا ارادہ ہے اور ان کی آنکھوں میں گہرا غم ہے۔ انہیں الامام کے ساتھ رہنے کا ارادہ ہے اور ان کی آنکھوں میں گہرا غم ہے۔ انہیں الامام کے ساتھ رہنے کا ارادہ ہے اور ان کی آنکھوں میں گہرا غم ہے۔

علمائے دیوبند مع ہستم صاحب اور علمائے مسلم جماعت کانپور دونوں کا اجتماع ہو رہا تھا کہ ایک مدرسہ مجددیہ جو حال ہی میں قائم ہوا ہے، درحکومت کے منظور شدہ نصاب کو پڑھا کر امداد بھی حاصل کرتا ہے مگر بریلویوں کے قبضہ میں ہے اس نے اپنے جلسے کا بھی اعلان کر دیا ہے۔ اس لئے بریلویوں کا بھی اجتماع ضرور ہوگا۔ پارساں ایک اجتماع اس شہر میں بریلوی علماء کا ہوا تھا جس میں سخت گڑبڑ مچ گئی اور پولیس کو مداخلت کرنی پڑی اور سپرنٹنڈنٹ نے پولیس کی حفاظت میں مولانا ابراہیم کو جو مولانا احمد رضا خاں صاحب کے غائباً پوتے ہیں، جلسے سے قیام گاہ تک پہنچایا۔

بس میں اسی اضطراب میں ہوں کہ اللہ تم کو آنے والے شر سے بچائے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ دینی درس گاہوں میں یہ فتنہ انگیزیاں کیوں ہو رہی ہیں۔ یہاں بھی احیائے اسلام و المسلمین کا بظاہر بہت جوش ہے، باطن حدید ذرائع و مذاہن معاش و منفعت دگر وہ سازی خفیہ مقاصد سیاست ہے۔ اس سے زیادہ کیا کہوں۔ طرشد پریشاں خوب من از کثرت تعبیر۔ بالآخر کانگریس نے وہی فیصلہ کیا جو میں نے کیا تھا۔ اور کونسل آف ایسٹ ولوئس کونسل کے متعلق سب سابق ناموں کی نامزدگی ہو گئی۔ میں اب اس کو صرف یہ کہہ کر ختم کرتا ہوں کہ یہ آرزو آپ کی پیدا کردہ تھی اس کو دفن کر دیجئے۔ طے اسے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ میں صرف اس ایک جنون میں مبتلا ہوں کہ کسی صحافی اور اشاعتی ادارے میں بیٹھوں اور صرف ایک قلم سے خراشہائے دل کو اور بھی زخموں سے بھر کر خون جگر کی آمیزش سے صفحات قرطاس پر گھمائے رنگارنگ سے گلہ سستہ خیال سجا کر دنیا کو نذر کروں اور بلاغ باشد و بس، کہہ کر صبر کرتا رہوں۔

آپ کی محبت، آپ کا سلوک، آپ کی صحبتوں کی یاد اور آپ کی مرشدانہ ہدایتیں انشاء اللہ میری زندگی کا بڑا سرمایہ رہیں گی اور دست بدعا ہوں کہ خدا مجھ کو اس سے تاحیات بہرہ دے کر تار ہے۔ آپ امرتسر میں نہیں گئے۔ ہندوؤں و عہدے صرف عزیز سیّد کا جانا لکھا ہے، آپ کا پروگرام آئندہ ماہ تک کیا رہے گا؟ دہلی یا رائے پور؟ غلام سرگرمیوں اور پریشانیوں کے باوجود میری گزارشیں نہ بھولنے کا ان کا علی صاحب، اقبال علی صاحب سے اس کے لئے سلسلہ جنبانی کریں آپ جاہیں تو پانچ، دس ہزار کی فراہمی ممکن نہیں ہے (باقی آئندہ) سب لوگوں کو فرداً فرداً میرا سلام فرمائیں فقط۔ آپ کا عزیز خادم محبتیہ (محمی)



پہلا سرائے مظفر پور۔ ۲۹ مئی ۱۹۵۷ء (یہ خط مولانا کو تخلص میں سنائیں)

خطیبؒ مولائے محترم۔ سلام مسنون۔ گرامی نامہ وارد ہوا۔ تفصیلات کا شکر گرامیوں میں۔ امید ہے آپ کی صحت پہلے سے بہتر ہوگی۔ مولوی وحید الدین ان کا قصہ سن کر سخت افسوس ہوا میں آج کچھ تفصیل سے اپنی پریشانیوں کو عرض کرنا چاہتا ہوں۔ میں جس روز امر دہ سے دہلی ٹاپس آیا تو دوسرے ہی روز یہ خبر بدہشی کر میرے رہائشی مکان سے متصل جو ایک بوسیدہ مکان ایک کٹھ آما عینی کے ساتھ تھا اور جس پر ۲۲ سال سے میرا قبضہ تھا اور متولی سے بندوبست چالیس روپیہ سالانہ پر تھا وہ دفعتاً بورڈ کے حکم سے قبالہ ہو گیا ایک بیس کو س فاصلہ پر رہنے والے دیہاتی نے بائیس سو پر قبالہ لیا اور چوبیس گھنٹے کے اندر سینہ سے منظر لینگ دنا دوش کر کے جہنم کی کردی گئی۔ اس میں مولوی ادا اللہ صدر جمعیت علماء کی خاص کوشش اور پردی تھی۔ ان کے بعد ایک رکن دفعتاً بورڈ کے میں۔ افسوس یہ ہے کہ قاضی احمد حسین بھی ادا اللہ نام جی اراکان میں گرفتار ہو کر کسی کا خیال سمجھنا جتنی کٹ نہ گیا، حالانکہ میری درخواست دوسرا سے پڑی تھی اور میں نے پندرہ سو روپیہ زمین پیش کیا تھا۔ اس وقت زمین اور مکان مذکور کی حالت یہ ہے کہ وہ میرے زمانہ مکان کا ایک حصہ اور خصوصیت ہے۔ ایک دم ملا ہوا کوئی دیوار بتر حائل نہیں۔ بائیس سال کا قبضہ ہے۔ بندوبستی کی رسید ہے۔ زمانہ پانچ خانہ، باورچی خانہ، دروائیوں کی رہائش اسی زمین پر ہے۔

ایسی حالت میں میں نے مجبوراً پرسکون جنگ کا فیصلہ کیا اور ایک مفتر عدالت میں حق شفع کی بنیاد پر دائر کیا۔ یہ مقدمہ دائر کرنے کے دو روز بعد چالیس آدمیوں کی مسلح جماعت میرے اسی مکان میں زبردستی داخل ہونے اور باہری دیواروں کو توڑنے کے لئے آئی۔ پولیس نے آکر اس کا دم کیا مسلح کی گرفتار شروع ہوئی اور دہ دن کے بعد ۲۲ فروری ۱۹۵۷ء کو مدرسہ عربیہ جامع العلوم کا سالانہ جلسہ تھا جس میں مولوی طیب، مولوی قاسم، مولوی ابوالفخر وغیرہ تشریف لائے دہلے تھے۔ مدرسہ کے مہتمم بھی یکے اور تھیں جنہوں نے قبالہ رجسٹری کیا تھا اس لئے مجھ سے کہا گیا کہ مدرسہ کے جلسے کے بعد ناشی کر دی جائے گی اور زمین و خرچہ تم ادا کر دو، قبالہ تمہارے نام ہو جائے گا۔

میں جلسے کے روز چاہے صبح ایک مسلح ہجوم دیہاتیوں کا، چالیس پچاس لالٹیاں لئے آیا اور مکان



کی دیوار ڈھانے لگا۔ میں غصہ کر رہا تھا تنگے پاؤں دوڑ کر گیا۔ روکنا چاہا۔ بے بس تھا۔ پردے کی دیوار، زمانے مکان میں جانے والی، ڈھادی گئی۔ مجھ پر لاشی سے حملے ہوئے۔ ڈھیلے برسائے گئے۔ دونوں پاؤں میں ایک ایک اینٹ کا زخم کھراتے میں پولیس آگئی، اس نے دس آدمیوں کو گرفتار کیا۔ ڈھیلے جو زمانہ آنگن میں پھیلے گئے اس سے میری ایک لڑکی بھی زخمی ہوئی۔ یہ ایسا سانحہ الم ہوا کہ میں آج تک سرگرداں ہوں۔ اس واقعہ کا نتیجہ ہوا کہ تین مقدمات فرجدار کی قائم ہیں۔

(۱) دفعہ ۱۱۱ ضابطہ فرجدار کی قریبی مخالف پر (۲) دفعہ ۱۲۵ بہ نیت قبضہ مکان وغیرہ۔

(۳) استغاثہ بہ نیت مداخلت بے جاد بلوہ، دضرب و تہرہ۔ اس کے علاوہ مقدمہ حق شفع ہے۔

مجھ کو پولیس نے اس وقت تک مدد نہ دی جب تک میں اسیں، پی کے پاس نہ گیا، تھا نہ بالکل غلاف۔ رشوت کا بازار گرم۔ میرے پاس رشوت دینے کا سامان نہیں۔ غرض یہ کہ دو ہفتہ میرے مکان پر محافظت کے لئے پولیس تعینات ہوئی۔ اور اس مقدمے میں اس وقت تک پانچ سات سو روپیہ کی زیرباری ہو چکی ہے۔ یہ سب کچھ ”سرداران قوم نے کھلایا“ یعنی جمعیت علماء اور مسلم لیگ کے بہترین پرچوش ارکان نے، اس لئے کہ میں نے ”ایمان فروشی کی ہے“۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مجھ کو ”آٹھ ہزار روپیہ نقد ملا ہے“ جس کو میں بانٹ کر نہیں کھاتا۔ یہ سب جرم یہ ہے کہ ”میں کسی کے آگے جھکتا نہیں، دکالت چلتی نہیں ہے، پھر بھی آگے بڑھا جاتا ہوں، یہاں تک کہ گورنمنٹ کے پیسے سے بجلی کیا اور شاہ سعود کی آمد پر دہلی کی سیر کرتا رہا۔ اب مجھ کو نچا دکھانا چاہتے۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو میرے بہت پرانے رفقاء نے میرے منہ پر کہے۔ ایک سینئر وکیل صاحب نے جو کبھی میرے دست تھے، یہ کہا میرے منہ پر کہ تم نے ”ایمان فروشی کی ہے“ تم کسی ہمدردی کے لائق نہیں۔ سابق صدر لیگ یہاں کے بہت امیر و معتبر وکیل ہیں۔ مجھ سے ایک مخلص وکیل نے کہا کہ ”تم جھکتے نہیں ہو، یہی تمہارا عیب ہے، تم وکیل صاحب سے جا کر مدد مانگو، ان کے آگے جھکو، بغیر اس کے تم اس شہر میں نہیں رہ سکتے ہو“ مجھ سے ہمیشہ یہ بات طنز آ رہی کہتے ہیں کہ دہلی میں بیٹھ کر مولانا لدھیانوی کی تحریک خوب چلاتے ہو۔ میں نے ان مناخات سے سمجھا کہ منظر یہ بھی دہلی ہے۔

اب آپ سے دو التماس دست بستہ کرتا ہوں۔ (۱) اول تو یہ کہ جب تک بارگاہ مجرم ہو چکے، تو

اب دوبارہ مجھ کو ہمیشہ کے لئے بلاد عرب میں بجا دیا جائے۔ اب میں نے ہندوستان سے بھر پایا۔ مجھ کو کسی طرح  
 بمبئی سے جدہ کی ٹکٹ اس سال بھی پانی کے جہاز سے کٹوا دی گئی۔ میں آپ کا یہ ملک بہ طیب خاطر چھوڑ دوں۔  
 اگرچہ نہ جو اسکے تو اب جس طرح بنے میرے لئے دہلی میں انتظام کریں۔ میں مظفر پور میں تو اب زندگی بسر نہیں  
 کر سکتا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ بہت بے دست و پا ہیں۔ مگر ساتھ ہی اب یہ بھی یقین ہو گیا کہ دہلی کی دشمنیاں  
 مظفر پور پہنچ گئیں۔ کوئی ماہ تو سکون کی ہو۔ سہائیوں کو سلام

قاضی صاحب و کاظمی صاحب کو بھی تسلیم۔ اگر کاظمی صاحب وہاں ہوں تو خط ان کو ضرور مناد۔  
 جائے۔ میں ان کو علیحدہ الگ آؤں گے پتے سے بھی لکھ رہا ہوں۔ مولانا وحید الزماں کو بعد سلام معلوم ہو کہ مزید  
 حالات سننے کا منتظر ہوں۔ فقط محمد عجبے (درعوم)

خط ۶۶ کی سرسے مظفر پور۔ ۲۰ جون ۱۳۵۵ء۔ مولانا محترم زید محمد کہ سلام مسنون۔ میں ۱۰ کرام  
 کو پٹنہ بخیر و عافیت پہنچاؤں اور کل صبح وہاں سے چل کر یہاں گیا۔ سب بچوں کو مع الخیر پلایا۔ دم نہ  
 میں آپ کا عطیہ گلاس ہر گھونٹ پانی کے ساتھ آپ کی شفقت اور محبت یاد دلاتا رہا۔ اند نہایت ہر شادی  
 سے اس کو یہاں تک بچا لایا۔ ملائی اللہ شیشے کا گلاس، تمبریت، سفر کی صورتوں کو برداشت نہیں کرتے اور  
 مسافروں اور قلیوں کی جہالت اور بدتمیزی اور ہنگامہ و کشاکش کی دوڑ بھاگ میں اکثر و بیشتر چور چور  
 ہو جاتے ہیں اس لئے اس مرتبہ مجھ کو کافی زحمت و توجہ سے صبحی گلاس کو محفوظ رکھنا پڑا۔ پٹنہ، دھوا  
 سمت گھاٹ اور مظفر پور میں خود اس کا حال رہا اور کشتوں میں گود میں رکھ کر دیا۔

اس بار سفر کو مختصر کیا مگر آپ کی عتایتوں کا بوجہ تنہا کچھ زیادہ سو رہا میں ہمیشہ آپ کے یہاں  
 سے اگرچہ دیر بہت بے کیف رہتا ہوں اور دعا کرتا رہتا ہوں کہ اللہ آپ کی صحبتوں سے مستفیض ہونے کا زیادہ  
 موقع دے۔ کاظمی صاحب سے ملاقات نہ ہونے کا سخت افسوس رہا اور میں اللہ آباد اسٹیشن پر سخت حسرت  
 سے مامور رہا۔ وحید الزماں صاحب آگئے ہوں تو ان کو میرا سلام کہہ دیجئے گا۔ مولوی سعید صاحب کا لکھنا نہ  
 میں کیا پتہ ہے جس سے خط بھیجوں؟ مائے پو خط لکھیں تو مولوی محمد احمد کو ضرور میرا سلام لکھ دیں۔ مولوی  
 خلیل الرحمن، مولوی عزیز الرحمن، مولوی یس، حقیق فصاحت و حافظ خلیل و مشرقی قرآن و جملہ اصحاب

پرسن حال کو سلام۔ دعا کیجئے کہ خداوند کریم پھر جلد ملاقات کا موقع دے جس کام کو کیا تھا وہ ادا ہو  
ہی چھوڑ کر آیا ہوں۔ فقط والسلام۔ محمد مجتبیٰ (مرحوم)

خط ۶۶ (د) پکی سڑکے منظر لور۔ ۲۲ جون ۱۳۵۶ء۔ مولانا نے محترم۔ میں نے یہاں پہنچ کر ایک لفافہ  
دیکھا ہے۔ پرسوں کاظمی صاحب کا ایک محبت نامہ ملا جس میں انھوں نے پیسپو اد پانی پت کرنا ل  
کی وقف اسکیم کے متعلق لکھا ہے کہ تم جلد از جلد مولانا کے پاس جاؤ۔ میں نے ان کو لکھ دیا ہے کہ میں ہفتہ عشرہ سے قبل  
نہیں جاسکتا۔ اسکیم کو کام کی راہ پر لگانا اور اس کی تفصیلات پر انشاء اللہ تعالیٰ بروقت ملاقات گفتگو ہوگی۔  
سروست صرف یہ اطلاع دینی ہے کہ فوری طور پر اسکیم مجھ کو منظور ہے مگر میں ۹-۳۰ جون سے قبل وہاں نہیں  
پہنچ سکتا۔ امید ہے کہ اتنی تعویق سے کوئی کام حرج نہ ہو گا۔ بقیہ عنذ الملاقات۔ سب لوگوں کو درجہ بدرجہ  
سلام و دعا۔ محمد مجتبیٰ (مرحوم)

خط ۶۷ (د) پانی پت۔ ۵ اگست ۱۳۵۶ء (نوبت شب)۔ حضرت مولانا نے محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ  
مجھ کو قریب مغرب مولانا لقاؤ اللہ صاحب نے آپ کا خط دکھلایا۔ میں کل تو کسی طرح حاضر نہیں ہو سکتا، کیونکہ  
گورنمنٹ پنجاب کا خط آگیا ہے کہ ۷ اگست کی صبح کو مجھ سے آکر ملو۔ چنانچہ میں کل ان کی ملاقات کی غرض سے وہاں نہ  
ہو جاؤں گا (۷ اگست کو ملاقات کر کے براہ راست آپ کے پاس چلا آؤں گا یعنی ۸ اگست کی صبح دہلی میں  
موجود رہوں گا۔ انشاء اللہ۔ آپ مولوی منان صاحب کو ایک رفقہ کے لئے روک رکھیں۔ میں انشاء اللہ لہر کو  
دوسرے کی گاڑی سے ان کے ہمراہ روانہ ہو جاؤں گا۔ امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ سب لوگوں کو سلام عرض  
کر دیں۔ میں آپ کو ابھی ٹیلیفون کرنے جا رہا تھا کہ مولانا نے حامل رفقہ کو بھیجا کہ یہ دہلی جا رہے ہیں ان ہی کو خط  
دے دیں اس لئے عریضہ ترسیل خدمت ہے۔ فقط آپ کا خادم محمد مجتبیٰ (مرحوم)

خط ۶۸ بدھیانہ۔ ۲۸ جنوری ۱۳۵۶ء۔ جناب مولوی صاحب دام اقبالہ۔ بعد آداب کے عرض ہے کہ لفافہ  
ملا۔ حالات معلوم ہوئے۔ عرض ہے کہ گورنمنٹ جو قرضے دیتی ہے اس میں شرط یہ ہے کہ اگر دو ہزار قرضہ لین ہو تو  
چار ہزار کی ایک ضمانت ہو اور چار ہزار کی دوسری ضمانت ہو۔ یعنی دوا دیوں کی ضمانت لیں گے۔ ایک ہی شخص کی  
۸ ہزار کی ضمانت نہیں لیں گے یہ ضروری بات ہے۔ جو شخص ضمانت دے اس کی جائیداد چار پانچ ہزار کی ضرورت



دو ہزار روپیہ یہاں کا افسر منظور کر دیتا ہے مگر کوشش سے۔ اگر زیادہ یعنی چار ہزار روپیہ لینا ہو تو منظوری  
 چند ہی گڑھ سے آتی ہے۔ وہاں آپ کو ہی کوشش کرنی پڑے گی اور چار ہزار کے لئے ۸ ہزار کی ضمانت بھی  
 ایک آدمی دے گا اور ۸ ہزار کی دوسرا آدمی دے گا۔ یہی گورنمنٹ کا قانون ہے۔ دیسے اگر بچا جائے تو یہ  
 طریقہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ غیب آدمی تو لے ہی نہیں سکتا۔ اس کے علاوہ درخواست دیتے وقت حنفیہ یا  
 اہل کئی علاقہ کی بکھاپڑھی کٹی پڑتی ہے۔ خیر یہ تو کرب ہی ہیں گے۔ ضمانت ہر صورت میں دو آدمی دے سکیں گے کہ  
 آدمی نہیں دے سکتا۔ مگر ۸ سال میں واپس کرنا پڑتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اگر چار یا پانچ ہزار روپیہ مل جائے  
 تو کام چلائیں، اگر کسی صورت میں اتنا ہی مل سکے تو کم از کم دو ہزار ہی ابھی مل جائے پھر دوبارہ کوشش کریں گے۔  
 تاکہ تنخواہ بہت ہی کام چل سکے۔ ورنہ ۲ روپیہ تو در ماہ کے اندر سامان مل سکتا ہے۔ مگر زیادہ لینا ہو گا تو چار یا پانچ سو  
 لاکھ جاویں گے یہ سوال ہے۔ اس سے بھی آپ کر سکیں نہیں۔ دوسرے بندہ کسی کے ساتھ حصہ دار بن کر نہیں  
 کر سکتا۔ آج کل کے زمانے میں حصہ دار بن کر کام کرنا مشکل ہے۔ انسان اکیلا ہی کام کرے تو اچھا ہے کیونکہ بعد میں  
 کوئی بات ایسی ہو جس سے نقصان ہو اس لئے میں حصہ دار نہیں کر سکتا۔ البتہ اگر کوئی امیر آدمی دیسے تو بعد  
 قرضہ دے دے اور بندہ پانچ سو روپے کے عرصہ میں واپس کر دے گا۔ یعنی ہر سال قسط کے طور پر واپس کرے گا۔  
 یعنی گورنمنٹ سے قرضہ لینے میں دقت ہوتی ہے۔ ضمانت وغیرہ کا جھگڑا سے اور بھی کی مشغلت ہیں اگر کسی مرتب  
 مل جاوے تو آسانی ہوتی ہے۔ باقی صد لکھ کر لوں گا جس طرح سے بھی ہو سکے سوچا کر کریں، بندہ کو آپ پر بہت  
 بھروسہ ہے۔ یہ بھنگ میں ضرور کوشش سے کسی نہ کسی طرح سے کام کر وادیں گے۔ زیادہ دانیہ ٹھوں، بسدہ  
 نہ بھر دے۔ عزیز محمد یہاں میر سے پاس ہی ہے، کام کر رہا ہے اور سب خیریت ہے۔ صبح کو سلام میری قیادت پر رکھ  
 ہے کہ آپ میرے حق میں دعا کرتے رہیں آپ کا خادم ہالی چسند بھگل۔ لدھیانہ

خط نمبر ۱ منڈی سلازلی میں سرگودھا محلہ رام نگر۔ ۲۲ فروری ۱۹۵۷ء۔ محترم مکرم جناب بڑاوار حضرت  
 مولانا عبد السلام صاحب السلام علیکم درجۃ العہد۔ امید ہے رب العزت کے کرم سے سرفروغ و ناپوری خیر و نفع  
 کے ساتھ ہوں گے۔ میں بہت مجرم ہوں۔ چند مجبوروں کی بنا پر خدہ تحریر کر کے خیریت حاصل نہیں کر سکا۔ کچھ شفقت  
 سے بندہ کی کوتاہی کو مدد گزار فرما کر مہربان کر دینا۔ اب بھی اس وقت شہر سلازلی میں میونسپل حدود میں تنقید

کر رکھا ہے تین ماہ کی مدد و بندہ کی کاوش و طاقت۔ دو ماہ ختم ہو گئے ہیں تیسرا ماہ اسی کا گزر رہا ہے۔ دعا  
 فرمائیں رب قدیر استقلال کی توفیق سے نوازے۔ زندگی میں بندہ نے آپ سرکار کی خدمت عالیہ میں پیش ہو کر  
 زیارت اور خدمت کا موقع میسر ہوا۔ سرکار مدنی اور حضور والا کی یاد واقعی مجھے تو بے قرار اور بے چین رکھتی ہے  
 جس کا اظہار بذریعہ تقریر کر لیتا ہوں اور اپنے اہل کاروں سے سزا بھگت لیتا ہوں۔ نگاہ کرم اور دعا سے یاد رکھیں  
 حضرت اقدس کی خدمت عالیہ میں ملاقات کے وقت سلام پیش کر دیں۔ بندہ کی جانب سے بھائی جانی مولانا خلیل الرحمن  
 صاحب، مولوی عزیز الرحمن صاحب، مولوی محمد احمد، حافظ سعید الرحمن، بھائی اظہار اور بھائی طیب صاحبان  
 سب کی خدمت میں سلام۔ میری اہلیہ سرکار کی خدمت میں سلام پیش کرتی ہیں۔ خیریت کی اطلاع تحریر فرمائیں  
 نوازش ہوگی۔ سلام نوالی کے احباب کی جانب سے سلام پیش ہے۔ آپ کا خادم سید فضل الرحمن جگرانی  
 خط ۶۹ فیروز پور کینٹ۔ ۲۸ فروری ۱۳۵۷ء۔ محترم مولانا صاحب۔ السلام علیکم۔ گزارش ہے کہ دل میں  
 آپ کو دیکھنے کی بڑی خواہش رہتی ہے جب خدا کی مہربانی ہوگی تو آپ سے ملاقات ہو جاوے گی۔ حالات ایسے ہیں  
 کہ دہلی آنا مشکل ہو گیا ہے۔ ایک میرا پانا اور بڑا نیک مسلمان دوست میرے گاؤں بھادولی پور ریاست کا میرے پاس  
 آچاہتا ہے بعد اپنے عیال کے۔ اس کو لانا ضروری ہے۔ اسے پاس آنے کے لئے بے قرار ہے اور میں اس کے  
 لئے کوئی راستہ بتاؤں اور اس کو لانے میں میری امداد فرمائیے۔ خدا کا بڑا شکر ہے اس کی بڑی مہربانی ہے  
 کہ میں جب یہ کہتا ہوں کہ خدا ہے آپ دعا کریں کہ میں خدا سے شہ تار ہوں اور اس کی رحمت کا جس کا میں مستحق  
 نہیں لیکن اس کی رحمت میرے گناہوں سے بہت بہت بڑی ہے۔ دردانہ میرے ناسطے کھلا ہوا ہے۔ خدا آپ  
 کو دعا ہے انہوں کو سیدھا راستہ دکھائے۔ اور ان پر اپنی رحمت کرے اور اپنے بندوں کی خیر خواہی میرے پر بھی  
 مہربانی فرماوے مولانا صاحب میں آپ کا بڑا مشکور ہوں آپ نے مجھے اس راستے میں ڈالا ہے کہ اب در راستہ  
 نظر نہیں آتا ہے۔ آپ معاف کریں اگر میں یہ کہہ دوں کہ اللہ کی مہربانی سے ہی یہ ہوا۔ خدا کا شکر ہر بار شکر میں لکھیں  
 میں ایک جنگ بیابان میں بھٹکتا پھرتا تھا۔ خدا نے مجھے اپنے پر لگایا۔ خدا ہے۔ خدا ہے۔ خدا ہے۔ خدا ہے۔  
 میں اس ساری کائنات میں ایک حقیر انسان ہوں۔ آپ کی باتیں سننے کو جی کرتا ہے۔ خدا کی باتیں۔ کوئی کرے  
 میرے ساتھ خدا کی باتیں۔ اللہ کا شکر۔ سب کو دعا سلام۔ آپ کا خاکسار۔ بدی ناقد۔

خطبات کنڈیان۔ ششہ۔ ابط الحمد والصلوة دارالرسال التسلیات از فقیر خان محمد عفی عنہ۔ محنتی  
جناب حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مدظلہ العالی ملاحظہ فرمائیے گرامی نامہ تعریف و اظہار حسرت برداشت  
آن ذات والا صفات مجموعہ مکالم نسخہ کمالات الشیخ المرئی حضرت الحاج مولانا عبداللہ نور اللہ مرقدہ کہ تازہ  
فقر ساختہ دردیافتہ و موجب تسکین قلوب غم زدہ و سیمہ ہائے مجرد شدہ گردید تقبل اللہ منکم و امن جزاں۔  
محترمہ صدقہ وفات حضرت مرحوم نہ صرف صدقہ احباب است بلکہ مصیبت جملہ اہل سلامت و ہر فرد مسلمان  
قابل تعزیت کہ موت العالم موت العالم فان اللہ وانا الیہ راجعون۔

سبحان اللہ۔ حضرت شیخ طاب اللہ ثناء و اکرم مشاہدہ نہ فقط محط اصفیاء بود بلکہ مرجع نظر و  
ماویٰ ذوی الحاجات بود و نہ بر تعلق اشغال در کار طریقہ کفایتی بلکہ در اعلائے کلمۃ اللہ و جہاد اعداء اللہ بہ  
طریق ممکن سابق و داعی از بصیرت نافذہ آن ذات ستودہ صفات چہ اظہار نماید کہ اگر صوفیائے نابہ  
و قانی عیوب نفس و حقائق کمالات کتبہ از ان شش زریست ہم جہا پزہ علم را در تحقیق و قانی مسائل علوم از  
آن حضرت شرکتے بلکہ ہدایت و تہنیت فخر و اللہ قلے اعنی و عن جمیع اجابہ و عن مسدود

و چون اجابہ ان فقیر را بر جائے حضرت والا برگزیدہ اند یاد جو آنکس سے ہو چو حضرت۔  
یاد کہ بادے شائستگی این منسوب در رد جرم مستدعی است کہ از دعوات مستجاب نمود۔ و فیہ  
کہ حق سبحانہ و تعالیٰ ثابت القدری بر طریقہ حضرت منیت فرمودہ توفیق اداے حق۔ و حق است در وہ۔  
اسیر کل عسیر و علی ما بشا۔ قدیر حضرت اقدس صبیہ بعمر ہفدہ سالہ و صغیر۔ و یاد سے جو سیر۔  
سارگر است۔ است در حفظ قرن کیم مصر و دست عزیزان جملہ احباب خائف۔ و رسالت۔  
یاد فرمایند السلام۔ اردنگ راسنہ کنڈیان۔ خان محمد عفی عنہ و سجادہ نشین۔ و رحمتہ شانیہ۔

ختمہ۔ اردہ۔ ضلع مراد آباد۔ ۲ مارچ ششہ۔ بخیرت شریف مولانا صاحب در اسلام۔  
بہمردانہ خط موصول ہو۔ بے شک آپ کو جو صدقہ پہنچا ہے وہ مجھے سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ مسکین و غریب  
آپ کو چاہے دالہ بتا کرتے تھے اور دراصل آپ کی بہمد دیاں بھی یہی بتاتی رہیں کہ آپ ان کے سیر سے نہ بچوں  
کے ایک بہترین بہمد ہیں۔ میری قسم کہ وہ آپ کی نیک و عادل کے باوجود نہ پہنچ سکے اور آپ کو جو پیری



میں یہ صدمہ دے گئے۔ بہت چاہتی ہوں کہ مجھے صبر آجائے مگر بچوں کی تڑپ نہیں دیکھی جاتی۔ دعا کیجئے کہ خدا تعالیٰ صبر عطا فرمائے۔ آپ جیسی عظیم شخصیت کا میں کس طرح شکر یہ ادا کروں کہ آپ مجھے صبر کی تلقین دیتے ہیں۔ اگر آپ کی دعائیں شامل حال ہیں تو میں ضرور سکون پاؤں گی۔ مرحوم نے موتے دم بھی آپ کو یاد فرمایا تھا مرنے سے چند منٹ قبل کچھ کہہ رہے تھے تو میری والدہ کہنے لگیں کہ مولانا صاحب کو پتہ نہیں خبر ہوئی یا نہیں۔ اگر انھیں خبر ہوئی تو وہ تمھیں دیکھنے ضرور آتے اس پر انھوں نے اشارے سے آپ کو یاد کیا، والدہ کہ کزدری سے بولا نہیں جاتا تھا۔ ان کی حمائی جو قریب بیٹھی تھیں وہ آپ کے متعلق پوچھنے لگیں کہ وہ کہاں کے رہنے والے ہیں تو یکدم زور سے بول اٹھے۔ آپ نہیں جانتیں وہ دہلی کے رہنے والے ہیں۔ ادا اس بات کے دھنٹ بعد کلمہ پڑھتے ہوئے وہ اس دنیا سے فانی سے چل بسے کہ وہ اپنے باپ سے نہ مل سکے۔ بجز صبر کے کوئی چارہ نہیں۔ آپ بھی صبر فرمائیں اور بھائی صاحب وغیرہ کو بھی صبر کی تلقین دیں۔ میں آپ کی دعاؤں کی ہمیشہ خواستگار رہوں گی۔ یہ سب بچے آپ کو سلام لکھاتے ہیں اور آپ کی دعاؤں کے طالب ہیں۔ میں آپ کی ہمدردیوں کے لئے دل سے ممنون ہوں۔ آپ کی ذلت گرامی میرے لئے تسلی کا باعث ہے۔ خدا آپ کا سایہ سب پر قائم رکھے آمین۔ گھر میں سب کی خدمت میں میرا سلام فقط خادمہ غلگین شمس النساء (بیوہ حکیم)۔

خط نمبر ۱۷۱ اردو سہ۔ ضلع مراد آباد۔ ۲۳ فروری ۱۹۶۷ء۔ بخدمت جناب مولانا صاحب۔ آداب خادمانہ۔

کل یا مین کے ذریعے آپ کی خبریت معلوم ہوئی۔ کیونکہ وہ میرے پاس میری نیرت طلب کرنے کے لئے آئے تھے معلوم ہوا کہ آپ میری طرف سے فکر مند ہیں۔ میں نے ایک عرصے سے آپ کو خط بھی نہیں لکھا۔ اس کی وجہ یہ رہی کہ میں کزدری تو ایک عرصہ سے محسوس کرتی ہی تھی اب کوئی ایک ہفتہ سے میری طبیعت زیادہ خراب ہو گئی میری پیٹھ میں سخت تکلیف ہے۔ سینے میں دکھن رہتی ہے۔ کھانسی برا رہی ہے۔ چار روز سے بخار میں مبتلا ہوں۔ کمزور ہو گئی ہوں۔ چار روز سے ڈاکٹر کا علاج شروع کیا ہے۔ مجھے اپنی ان تکالیف سے دم ٹر رہا ہے ہر وقت پریشان رہتی ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے اب تک خون تو نہیں آیا ہے۔ مگر سینے میں تکلیف رہتی ہے چھوٹے چھوٹے بچوں کا کام بھی مجھے کرنا مشکل لگتا ہے۔ لیکن جہاں تک ہو سکتا ہے کرتی ہوں۔ بڑی بچی کو اس کی خالہ نے پاکستان بلایا ہے اور میرے دادا بھی میری بڑی بہن سے ملنے کو اور دادا صنف سلمہ کو ان کے پاس



عرض ہے۔ محترم شیخ محمد رفیق صاحب بھی بہت روتے رہتے ہیں۔ کئی دفعہ دعا کے سلسلہ میں تشریف لائے لیکن وہ  
 پھلے چوک سے واپس ہو گئے۔ ان کے دل میں برداشت نہیں رہی۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ جادو تو کس کے  
 پاس جادو وہ کہتے ہیں کہ میرا ایک بازو ٹوٹ گیا۔ ان کی بخشش کے لئے کئی گھروں میں تلاوت قرآن سہی ہے  
 آپ ہمیشہ ہر دعائیں ہم لوگوں کو یاد رکھیں۔ امید ہے کہ آپ ہمیں ہمیشہ اپنی دعاؤں کے زیر سایہ رکھیں گے۔  
 حضرت اقدس مس رائے پوری شاہ صاحب کی خدمت میں ہماری طرف سے اسلام علیکم عرض کر دیں اور ہماری  
 نیک سلامتی اور کاروبار کے لئے دعا کریں۔ سرگودھا میں حضرت شاہ صاحب بخاری نے بھی ۱۵ ہزار افراد  
 کے ساتھ اباجی کی مغفرت کے لئے دعا کی۔ عریضہ کچھ تفصیل حالات کی وجہ سے لمبا ہو گیا۔ خیر عافیت سے  
 اطلاع بخشیں۔ والسلام مع الکرام۔ فقط تابعداران۔ رشید احمد۔ بشیر احمد۔ ڈاکٹر فیاض الدین جو موبیہ  
 خط ۱۲ بھادوں پور۔ ۱۲ مارچ ۱۳۸۶ء۔ بخمدت جناب حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مدظلہم  
 السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مزاج شریف۔ آج کے روز آپ کا عنایت نامہ ملا۔ پڑھ کر دل کو خوشی ہوئی۔ تبسم حسب  
 جب بھی تشریف لادیں گے ان کی ہر طرح کی خدمت کی جادے گی۔ آپ کے جوتے کے متعلق عرض ہے کہ بندہ انڈیا  
 کا پرٹ بنوا رہا ہے جس وقت تیار ہو گیا آپ کا کھوسہ ساتھ لائیں گے۔ اللہ کے حکم سے پرٹ جلد بن جادے گا  
 کوشش کر رہے ہیں۔ والد صاحب راضی خوشی میں۔ چچا کریم بخش صاحب جن کو عرصہ دو سال ہوئے فوت ہو گئے  
 ہیں۔ مرحوم اپنے پیچھے سب بڑکیاں دو بیویاں چھوڑ گئے ہیں۔ کامدیا ربوٹ ختم ہو گیا ہے اس وقت ہمارا کاروبار  
 زمینداری پر باپھر مہینہ دوم فیکٹری ہے۔ گزارہ اچھا ہو رہا ہے دعا کریں۔ باقی حالات زبانی سنیں گے اور میں گے  
 آپ ہر بانی فرما کر اسی پتہ پر یعنی چیف بوٹ ہاؤس کے، خط و کتابت کرتے رہا کریں آپ کا لیٹر فائل کر دیا ہے۔  
 آپ کا مخلص عبدالحق محمد پروپرائٹر۔ چیف بوٹ ہاؤس۔ بھادوں پور۔ ویسٹ پاکستان۔  
 خط ۱۲ دیوبند۔ ۱۲ مارچ ۱۳۸۶ء۔ بدور جمعہ۔ غمزدہ و نصلی۔ مخدوم و معظم حضرت مولانا صاحب۔  
 السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بفضلہ تعالیٰ آپ کی دعاؤں کے زیر سایہ آپ کا خادم اور اہل خانہ بخیریت  
 ہیں اور طالب خیر ہیں۔ امید ہے آنحضرت بخیریت ہوں گے۔ پچھلے دنوں مولانا سعید صاحب اور بھائی احمد صاحب  
 تشریف لائے۔ ملاقات ہوئی۔ مگر صرف رسمی گفتگو اور سلام و کلام تک محدود رہی۔ عرصہ سے جی چاہ رہا تھا کہ



آنحضرت کو اپنی خیریت کا اور دعا کی درخواست کے لئے دو چار سطریں لکھ دیں۔ مگر قلت وقت اور کثرت اشغال کی وجہ مانع رہی جس کی معافی "از خرداں خطا و از بزرگاں عطا" کے تحت میں مانگت ہوں

میرا امتحان سالانہ تقریری ہو چکا اور انشاء اللہ "رب شعبان" شنبہ کو شرح جامی بحث اسم، شعبان کو قطب تصدیقات، "شعبان کو شرح دقایق احادیث، شعبان کو میر قطبی کا تحریری امتحان ہو گا۔ تقریری امتحان میں اصول اثباتی شرح جامی بحث فعل کا امتحان دے چکا ہوں جس کا نتیجہ اندازاً اپنی جماعت میں اول نمبر آئے گا ہے۔ اس لئے جیسا کہ عام طور پر یہ ہے ساتھی کہتے ہیں کہ تو نے بہت عمدہ بتایا۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے حضرت مجھے خبرات سے کوئی سروکار نہیں مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ میں نے اسان یکسوئی کے ساتھ ان تمام مذکورہ کتابوں کا طلباء کو کرا دیا ہے اور خداوند تعالیٰ کے فضل سے اول آنے کی بھی امید ہے۔ مگر یہ سمجھتا ہوں کہ اس میں میں نے کچھ نہیں کیا بلکہ یہ سب آپ کی دعاؤں کا صدقہ اور بزرگوں کی دعاؤں کا اثر ہے امتحان کے موقع پر زیادہ و طویل خط بھی نہیں لکھ سکتا۔ چونکہ اب دبیجے کے قریب میر قطبی کا کمرہ کرنا ہے یہ خط میں جمعہ کی نماز کے بعد لکھ رہا ہوں ورنہ بالکل کوئی موقع نہ تھا کہ آپ کو خط لکھتا۔ میں بے چین تھا کہ کسی صرت آپ کو دو چار سطریں تحریر کر دوں کہ آنحضرت میرے امتحان سالانہ کے لئے دعا فرمادیں۔ مجھے اپنی کتاب میں یاد ہونے پر بجز خدا کے کچھ دوسرے نہیں ہیں۔ اس لئے کہ میں محتاج ہوں آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ خداوند تعالیٰ سے مجھے امتحان میں اول نمبر کا میاب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ مولانا سعید احمد صاحب مولوی محمد صاحب نور و ناز۔ رحمہ صاحب وغیرہ کو میرا سلام فرمادیں اور دعا فرمائیں کہ گھر میں جو پریت نیاں ہیں زیادہ دینی ہو جائیں۔ یہی ہیں ان کو خداوند تعالیٰ اپنے جنس سے دور کر دے۔ آمین ثم آمین۔

نوٹ: جی چاہتا تھا کہ امتحان سالانہ کے بعد آپ کی زیارت سے مشرف ہوں۔ خداوند تعالیٰ آپ کی زیارت سے مشرف فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ فقہ السلام۔ آپ کا خادم جو درود لکھ رہا ہے آپ کی خدمت کا بندہ رکھتا ہے۔

خط ۵، احقر محمد آصف قاسمی بن حضرت مولانا طاہر بن احمد ابن قاسم صاحب

از دیوبند۔ طاہر منزل پاکستان قاسمی۔ شہید۔ حضرت مولانا صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ببرکاتہ۔ بعد سلام مستون! امید ہے کہ مرات عالیٰ بخیر ہوں گے۔ دیوبند میں ہر طرح خیریت ہے۔ دو چار دن میں

عید ہے موقع اچھا تھا اس لئے بطور مبارک یا دنیا دار سال کر رہا ہوں۔ خداوند تعالیٰ آپ کو مع متعلقین کے عید مبارک فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ ہو کہ وہ وظیفہ جو صاحب کی طرف سے ہوا تھا اس کی میعاد متعینہ ختم ہو رہی ہے اس لئے اس کی ایک درخواست ارسال خدمت یہ رہی۔ میں حکیم صاحب کا وہ مخصوص پتہ نہیں جانتا کہ جس پر اس درخواست کو بھیجوں اسی وجہ سے جناب کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں۔

یہ تو حقیقت ہے جس سے انکار ہی نہیں کیا جاسکتا کہ آج تک آپ نے جو کچھ ہمارے لئے کیا بزرگانہ شفقت کے ساتھ اتنا کیا کہ ہم جس کا کبھی بلہ نہ چکا سکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم آپ کو اپنا "محسن اعظم" سمجھتے ہوئے جب بھی کوئی مصیبت اُٹھے آپ کی طرف پکڑے ہیں۔ کیونکہ جب چھوڑیں تو کوئی وقت اُٹھے تو وہ اپنے بزرگوں کی طرف ہی رحم طلب نظر سے دیکھتے ہیں۔ ہمیں آپ پر ناز ہے کہ اگر خداوند تعالیٰ نے ہمارے سے ہمارے شفیق باپ کو لے لیا تو اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے آپ جیسا خدا ترس اور محسن بے لوث عطا فرمایا۔ تو کیوں نہ میں اس وقت آپ ہی کو یاد کرتا جب کہ مجھے کوئی کام تھا۔ اسی لئے آنجناب کی خیریت عالیہ میں درخواست ارسال ہے۔ تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں چاہئے تو یہ تھا کہ میں آپ کی کوئی خدمت کرنا۔ مگر یہاں معاملہ ہی برعکس ہے۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے کسی قابل فرما دے۔ آمین۔ مثلاً مشہور ہے آسمان سے گرا کھجور میں، لہذا یہی صورت حال ہماری ہے۔ ایک مصیبت سے چلے ہیں پاتے کہ دوسری سر پھان کھڑی ہوتی ہے۔ اب ہم نے سوچا تھا کہ انشاء اللہ ٹھیک سے گزرے گا کہ ٹھیک اس قدر ہوئے کہ میں خدا ہی سمجھے۔ تمام گھروں کے بچھوں کے تختوں وغیرہ کے ٹیکس تقریباً ستر روپے ہوتے ہیں، ادھر کسٹروڈین میں جو ہمارے مکان کا حصہ گیا ہے اس کا کرایہ پورے تین روپیہ ہے (پچاس) وہ کم نعت میں بیس بیس روپے کا کر کے لیتے ہیں۔ عید کے چاند میں اس کا بھی ادا کرنا ہے۔ پہلے بجلی کے ہر وہ روپے جاتے تھے۔ مگر اب دوسرے بیس پچیس تیس روپیہ جاتے ہیں اس کا بھی عید پہ دینا۔ ویسے اللہ رکھے عید کا بھی خرچ ہے۔ ورنہ یہ بتانے کی تو ضرورت ہی نہیں کہ اگر رمضان سے پہلے حبیبوں کا خرچ پانچ روپیہ یومیہ ہوتا ہے تو رمضان میں دس روپیہ یومیہ کا خرچ ہوتا ہے۔ ایسے ہی دوسرے اخراجات ہیں۔ غرضیکہ مولانا اگر ہم گھر کی دوسری الجھنوں سے غلط تھے تو اس قدر اخراجات کی بہتات ہے کہ سمجھ ہی نہیں آتا کہ کیا کریں۔ دن رات ہی سوچ ہے۔ ایک طرف آمدنی پر نظر پڑتی ہے وہ ان اخراجات کے لئے بہت ناکافی ہے۔





خدا کے کریم بنائے۔ ساڑھے دس بجے رات کے قریب مجھے باکرا اپنی تافین کے بارے میں جگہ تجویز فرمائی اور فجر کی نماز کے بعد اعلیٰ اہل کولمبیک کہا۔ خاتمہ قابل رشک ہے۔ تھوڑی سی عمر میں اچھا مقام حاصل کیا۔ ملاقات ان کے اخلاق اور موصفات کا گردیدہ ہے۔ بہت خوش نصیب انسان تھا جس کے چار بچے متاع اللہ حنفیہ میں پانچواں شیر خوار تھے تین بھتیجے ان کی تربیت میں حافظ قرآن ہوئے۔ یہ گھر والوں کی حالت ہے۔ گرد و فروع کا اندازہ اسی سے کیا جاسکتا ہے۔ قیاس کن رنگستان من بہار مرا۔ ان کا بڑا لڑکا گزشتہ سال مولوی فاضل اچھے نمبروں میں پاس کر چکا ہے اس سال درجہ حدیث بھی ختم کیا ہے اور ساتھ ہی میٹرک کا امتحان بھی دیا ہے چھوٹا دسویں میں پڑھ رہا ہے۔ اور اس سے چھوٹا پانچویں میں ہے اور بال ندر سال کا ہے جس نے بھی قرآن پاک حفظ کیا ہے۔ ذالک فضل اللہ یونبئہ من یشاء

حاجی صاحب تین سال سے اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس میں ہیں اور اس وقت میاں چنوں ضلع ملتان میں نئے ہوئے ہیں۔ بڑے بھائی منظور الہ آباد صاحب ٹرپہ میں تجارت کر رہے ہیں اور میں بھی ان کو اس معاملہ میں امداد دے رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے یہ صرف عقب النعم کے تصرفات اور وجہات کا نتیجہ ہے۔ آپ حضرت کاٹھن سواں مدرسہ بنانا ہے۔ تدریس اللہ تعالیٰ کی کیا منظور ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ دینی و دنیوی رنجتوں میں ترقی عطا فرمائے۔ تم آئین سب جہاں اور بچے سلام و نیاز پیش کرتے ہیں بھائی منظور الہ آباد صاحب نے پاسپورٹ بنوایا ہے۔ رمضان المبارک کے بعد بھارت آنے کا ارادہ رکھتے ہیں باقی جو اللہ تعالیٰ کو منظور۔ والسلام مع یسوی و احترام۔ احمد حسن حنفی صاحب ٹرپہ ضلع منٹگمری۔

۲۴ اپریل ۱۳۵۷ء۔ محترمی۔ السلام علیکم۔ پھر سائنس کمیٹی یوپی کے سلسلہ میں اکثر و بیشتر اختلاف ہیں جاتا پڑتا ہے۔ عام طور پر مسلمانوں میں کانگریس سے بے وجہی کو دیکھا یوں تو عموماً مسلمانوں کی اکثریت علیحدہ رہی مگر بعد کو حالات کی بنا پر شرکت کرنا چاہا بھی تو مسلمانوں میں ٹھیکہ دار قسم کی جماعتیں پیدا ہو گئیں اور اپنے کو مسلمانوں میں مقبول بنانے کے لئے قول و نہ سہی مگر عملاً ایسا کرنے لگیں کہ مسلمانوں میں اب تک کانگریس کو مقبولیت حاصل نہ ہو سکی۔ میں عرضہ سے یہ خیال کر رہا تھا کہ اس عصبہ کے مسلمانوں کا ایک خاص اجتماع ہو جس میں کانگریسی ممبران ضلع و ٹائٹل کانگریسی کمیٹیاں، کانگریسی ممبران لوکل بورڈ زادہ پرانے کانگریسی کارکن

جوتھی پارٹی ہندی سے مجبور ہو کر خاموش بیٹھ گئے تھے۔ اس اجتماع میں یہ غور کیا جاتا کہ کس طرح مسلمانوں میں کانگریس مقبول ہو سکتی ہے اور مسلمان نہ زیادہ سے زیادہ اس کے ممبر ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اخبارات کو ایک بیان دے چکا ہوں۔ انفرادی طور پر اپنے ساتھیوں سے تبادلہ خیال کر رہا ہوں اور تقریباً ہفتہ دوسرے کتنی خطوط صنایع و مازن کمیٹیوں کو جاری کر چکا ہوں جس میں مسلمان ممبران کے پتے دریافت کئے ہیں اور دوسرے ذرائع بھی اختیار کر رہا ہوں جس سے زیادہ سے زیادہ پتے معلوم ہو سکیں۔

اس سلسلہ میں کانگریس کو مضبوط بنانے کے لئے آپ کے دو اعانات دیکھے ان سے فائدہ بہت زیادہ ہو گئی۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی ہدایت کے تحت یوپی میں ایک اجتماع بعد مہینہ شریف آباد میں منعقد ہو سکے۔ اس کے بعد ایک کل ہند اجتماع ضروری ہے۔ آپ ایک آزاد و مخیر بہ کار رہنا میں جن پر عوام کو اعتماد ہے۔ میں بھی نشستہ سے کانگریس کا پرانا قادم ہوں لیکن حال میں ادھر ادھر ہو گیا تھا۔ بعد سے کہ آپ میری اس جہد کا مدد میں رہنا چاہیں گے۔ نیاز مند محسن نظامی سکریٹری پھر بساؤ کمیٹی یوپی محمد نیا گاؤں کھنڈ

خط ۱۰ مرتبہ ۱۰ جون ۱۹۳۷ء۔ قلم محترم بنگلہ دار داد قباہہ سلام علیکم۔ اگر تمہاری جیت و نیت کو فی حیرت نام نہیں آیا، میدہ تپ خیریت سے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ دہلی جا کر کوشش کی جائے گی کہ غالی ہو کر آپ کوں جلے ابھی تک وہ غالی نہیں ہوئی بلکہ اس کا اثر ابھر رہا ہے۔ وہ لوگ جو میں سے ہیں بہت بری لگاؤ سے دیکھتے ہیں بلکہ پہلے سے زیادہ قبروں پر کوڑا کرکٹ پھینکتے ہیں حالانکہ مسٹر جیپ صاحب ان قبروں کے نیچے کہ اب ان قبروں کو صاف رکھو، اس کا اثر اٹھایا گیا ہے۔ میرے ساتھ ایک بہت بڑا وقتہ منہا گیا ہے بندہ جو مال سڈی میں فروخت کرتا ہے جس آڑھتی کے پاس کرتا تھا، اس کے ساتھ یہ معاہدہ ہوتا تھا کہ جو مال فروخت ہو اس کی ایک پیسہ دو پیسہ کمیشن ملے گا۔ مال اس کے ذریعے فروخت ہوتا رہا اب کچھ دنوں سے اس کے سب کو حساب کیا، اس نے جو غلط ڈال دیا ہے کہ میں ایک پیسہ دو پیسہ کمیشن نہیں لوں گا میں دو پیسہ دو پیسہ لوں گا۔ میرے مال کی بکری کی رقم اس کے پاس تھی سب روک لی ہے جس کی وجہ سے میں بہت تنگ ہوں۔ میرے بھی بہت نقصان ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے میرا یہ کی آگئی ہے۔ دوسرے وہ پروپیگنڈا کر رہا ہے اس کے پاس دکان نہیں مسجد میں رہتا ہے۔ اس سے میرے کاروبار پر بہت برا اثر ہوا ہے۔ آپ کو پہلے اس لئے نہیں لکھا کہ آپ بھی پریشان

ہوں گے۔ مجبوراً تنگ آکر سب احوال دکھ رہا ہوں۔ ایک مہینہ سے بالکل بے کار ہوں، اگر یہی حالی رہا تو مجبوراً  
 امرت سر چھوڑنا پڑے گا۔ کوشش کر رہا ہوں کہ اس سے فیصلہ ہو جائے۔ اگر فیصلہ نہ ہو تو آپ کو اطلاع دوں گا  
 ہرانی فرما کر اس جگہ کی کوشش کر دیں تاکہ وہ خالی ہو جائے تو اپنا انتظام ٹھیک کر کے کام کرتا ہوں۔ بہادر  
 عزیز! رحمن صاحب کو بولا تھا ایک عرضداشت بھی تحریر کی تھی لیکن جواب نہیں دیا۔ اس جگہ کا واقعہ دراصل یہ  
 ہے اس میں دو شخص انکسٹ پذیر ہیں ایک کا نام سوچا سنگھ اور دوسرا مول سنگھ ہے۔ یہ جگہ ان کو لہور اردلی دپٹی  
 کمشنر ان کو الاٹ ہوئے۔ حالانکہ سوچا سنگھ اس کا اردلی ٹھیک ہے۔ مول سنگھ بھی اردلی ہے۔ لیکن جس  
 مول سنگھ اردلی نے نام کی الاٹمنٹ ہے وہ یہاں نہیں رہتا بلکہ سوچا سنگھ کا رشتہ دار مول سنگھ اس میں رہتا  
 ہے جو کہ کوٹراویوں کا کام کرتا ہے، اتنا دھوکہ دیا ہوا ہے۔ یہ لوگ کسٹوڈین کے انسپکٹر سے ملے ہوئے ہیں اس  
 کو ظہم ہے لیکن کوئی کارروائی ان کے خلاف نہیں کرتے۔ یہ لوگ لوکل ہیں شرارتی نہیں۔ معلوم فرمادیں۔ ہرانی  
 فرما کر اس کے لئے خاص توجہ دیں۔ ورنہ معاملہ برعکس ہو جائے گا۔ ساتھ ہی امرتسر چھوڑنا پڑے گا۔ جب کوئی  
 کارروائی نہ رہے گا۔ حاضرین کو بہت بہت اسلام علیکم۔ تابع فرمان محمد ابراہیم امرتسر۔

۹۹ امرتسر ۵ مئی ۱۹۵۶ء۔ محترم قبلہ نبرہ گواردام اقبالہ۔ اسلام علیکم گزارش ہے۔ خیریت امر لا  
 احوال پر ہر کہ بہت خوشی ہوئی۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی ہدایتوں پر پورا پورا عمل کیا جائے گا۔ مشرپ صاحب  
 سے ملاقات کر کے سب معاملہ گوش گزار کر دیا جائے گا اور موقع بھی دکھا دیا جائے گا تاکہ ان کو سمجھنے میں آسانی ہو  
 جائے حقیقت ۶۱۵۵۲ سے امرتسر میں کام شروع کیا ہے۔ اس سے پہلے بمبئی، دہلی، دہلیہ میں مقیم رہا ہے  
 خاص امرتسر کا رہنے والا ہوں اور صرف اکیلا ہی رہ رہا ہوں۔ تمام اہل و عیال پاکستان میں رہتے ہیں۔ کاروبار  
 معمولی گزراوقات تک ہے۔ حقیر آپ سے ناراض کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ بزرگ ہیں، آپ کو ہر حق حاصل ہے۔  
 آپ سب کچھ پوچھ سکتے ہیں۔ چھ جماعت تک تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کے بعد اپنے کاروبار میں لگ گیا تھا کیونکہ خدا  
 کا فضل تھا، کاروبار بہت وسیع تھا یہی فروٹ کا کام تھا اور کچھ زمیندارہ تھا۔ اگر آپ کی نظر عنایت شامل ہاں رہے  
 انشاء اللہ تعالیٰ سب مشکلیں آسان ہو کر کاروبار بہت وسیع ہو سکتا ہے۔ سری کرشن صاحب چھبر ڈپٹی کمشنر صاحب  
 کا نام ہے معلوم فرمادیں جو کارروائی جو تحریر فرمائیں۔ حقیر محمد ابراہیم۔ امرتسر

بہادر عزیز! رحمن صاحب کو بولا تھا ایک عرضداشت بھی تحریر کی تھی لیکن جواب نہیں دیا۔ اس جگہ کا واقعہ دراصل یہ ہے اس میں دو شخص انکسٹ پذیر ہیں ایک کا نام سوچا سنگھ اور دوسرا مول سنگھ ہے۔ یہ جگہ ان کو لہور اردلی دپٹی کمشنر ان کو الاٹ ہوئے۔ حالانکہ سوچا سنگھ اس کا اردلی ٹھیک ہے۔ مول سنگھ بھی اردلی ہے۔ لیکن جس مول سنگھ اردلی نے نام کی الاٹمنٹ ہے وہ یہاں نہیں رہتا بلکہ سوچا سنگھ کا رشتہ دار مول سنگھ اس میں رہتا ہے جو کہ کوٹراویوں کا کام کرتا ہے، اتنا دھوکہ دیا ہوا ہے۔ یہ لوگ کسٹوڈین کے انسپکٹر سے ملے ہوئے ہیں اس کو ظہم ہے لیکن کوئی کارروائی ان کے خلاف نہیں کرتے۔ یہ لوگ لوکل ہیں شرارتی نہیں۔ معلوم فرمادیں۔ ہرانی فرما کر اس کے لئے خاص توجہ دیں۔ ورنہ معاملہ برعکس ہو جائے گا۔ ساتھ ہی امرتسر چھوڑنا پڑے گا۔ جب کوئی کارروائی نہ رہے گا۔ حاضرین کو بہت بہت اسلام علیکم۔ تابع فرمان محمد ابراہیم امرتسر۔

بہادر عزیز! رحمن صاحب کو بولا تھا ایک عرضداشت بھی تحریر کی تھی لیکن جواب نہیں دیا۔ اس جگہ کا واقعہ دراصل یہ ہے اس میں دو شخص انکسٹ پذیر ہیں ایک کا نام سوچا سنگھ اور دوسرا مول سنگھ ہے۔ یہ جگہ ان کو لہور اردلی دپٹی کمشنر ان کو الاٹ ہوئے۔ حالانکہ سوچا سنگھ اس کا اردلی ٹھیک ہے۔ مول سنگھ بھی اردلی ہے۔ لیکن جس مول سنگھ اردلی نے نام کی الاٹمنٹ ہے وہ یہاں نہیں رہتا بلکہ سوچا سنگھ کا رشتہ دار مول سنگھ اس میں رہتا ہے جو کہ کوٹراویوں کا کام کرتا ہے، اتنا دھوکہ دیا ہوا ہے۔ یہ لوگ کسٹوڈین کے انسپکٹر سے ملے ہوئے ہیں اس کو ظہم ہے لیکن کوئی کارروائی ان کے خلاف نہیں کرتے۔ یہ لوگ لوکل ہیں شرارتی نہیں۔ معلوم فرمادیں۔ ہرانی فرما کر اس کے لئے خاص توجہ دیں۔ ورنہ معاملہ برعکس ہو جائے گا۔ ساتھ ہی امرتسر چھوڑنا پڑے گا۔ جب کوئی کارروائی نہ رہے گا۔ حاضرین کو بہت بہت اسلام علیکم۔ تابع فرمان محمد ابراہیم امرتسر۔



خط ۸ مورہ ۵ اپریل ۱۹۵۷ء - حضرت مولانا - تعجب ہے کہ آپ نے "نصرۃ الابرار" مکمل بھیجنے یا اس کی نقل دینے کا وعدہ فرمایا اور میر صاحب کے ہاتھ چھوٹی کتاب بھیج دی۔ میری کتاب پریس میں گئی۔ انشاء اللہ پندرہ بیس دن میں چھپ جائے گی۔ سرگزشت مجاہدین بھی پندرہ بیس دن میں مکمل ہو کر پریس کے حوالہ ہو جائے گی۔ جماعت مجاہدین - شائع ہوتے ہی خدمت دہلا میں بھیجوں گا۔ میں نے میر صاحب سے عرض کیا تھا کہ آپ تک یہ پیغام پہنچا دیں مجھے چند روز کے لئے اس کتاب کی ضرورت ہے اور اس کا وقت نزدیک آگیا ہے

آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے قیام دہلی کے دوران میں اپنے ایک عزیز دوست کے بھائی حامد علی صاحب کے معاملے کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرائی تھی۔ ان کے لئے آپ نے اپنے ایک دوست سے جس کا نام غالباً ددار کا داس تھا کہا بھی تھا۔ لیکن وہ موقع نہ مل سکا۔ میں نہ تھا۔ نیچے سے فیصلہ حامد علی صاحب کے حق میں ہو گیا ہے۔ اب ددار کا داس صاحب کے پاس یہ ٹھہرا ہے۔ غالباً ۲۰ اپریل تاریخ مقرر ہوئی۔ اس سے پیشتر ایک مرتبہ خود تکلیف برداشت کریں اور اپنے دوست کے پاس جا کر حامد علی صاحب کے معاملے کے مستحق تاکید کر دیں۔ یہ معاملہ اور بھی صاف ہو گیا ہے۔ نیچے کا فیصلہ جو حق و انصاف پر مبنی ہے بحال رہنا چاہئے آپ کو خود جو کام انجام دینا چاہئے۔ تاکہ اطمینان ہو جائے۔ ادا کی اپریل تک میرے آنے کا موقع تھا۔ اب بہ خصوصیت مولانا کی واپسی تک ہر ظاہر کوئی موقع نہیں۔ دعا کیجئے کہ بہتر اوقات میں آپ سے ملاقات ہو۔ میر صاحب کی خدمت میں سلام شوق پہنچائیے نیز اپنے تمام دوستوں، محبتوں اور صاحبزادگان عالی قدر کو۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا۔ غلام رسول مبر (مرحوم)

خط ۹ ۱۹ فروری ۱۹۵۷ء - حضرت مولانا گرامی نامہ کے لئے شکر گزار ہوں۔ میں نے ددین مرتبہ آنے کا قصد کیا۔ لیکن اتفاقیہ واقعہ پیش آئے رہے۔ اب کے مصمم ارادہ ہے۔ صرف ایک دوست کی اطلاع کے انتظار میں توقف ہوں۔ آپ کی صحت کے حالات وقتاً فوقتاً آنے جانے والوں سے دریافت کرتا رہتا ہوں۔ خدا آپ کو دیر سلامت رکھے اور مقاصد ہمہ ملکی و قومی کی تکمیل کا موقع عطا فرمائے۔ استفسارات کے باب میں اجمالاً سن لیجئے: ۱) جن بابا فرید کا دستاورد تعلق گردانہ سے تھا وہ یاد فرید شکر گنج رہتے تھے بلکہ اس نام کے ایک اور بزرگ تھے۔ لہذا حضرت شکر گنج اور گردانہ کے دماغ میں موافقت کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

گردناہک کے دوست باوا فرید کے حالات غالباً سردار مومن سنگھ دیوانہ نے ایک مرتبہ اور منسلک کالج میگزین میں لکھے تھے۔ یہ مئی ۱۹۳۸ء کا نمبر تھا۔ اب اس کا ملنا مشکل ہے۔ لیکن اگر سردار مومن سنگھ سے تقبیلت معروض ہو سکیں تو میں کھد دل لگا۔ بھین فرید ثانی کہتے ہیں۔

۲۔ گرنتھ صاحب کی ترتیب کے بارے میں زیادہ کرید کی ضرورت نہیں۔ جس حد تک مجھے علم ہے، اکثر سکھ مصنفین اس حقیقت کو تسلیم کرتے رہے ہیں کہ اس میں وہ تمام اچھی چیزیں لے لی گئیں جو اخلاق و اعمال کے تزکیہ کے لئے مفید ہو سکتی تھیں، خواہ وہ سکھ گروؤں کی تھیں یا مسلمان اور ہندو درویشوں کی۔ مرن کے طور پر سردار خزان سنگھ نے سکھ دھرم اور اس کے فلسفے پر انگریزی زبان میں جو کتاب لکھی تھی اس میں سلسلہ حالات گردارجن یہ سب کچھ دیکھا جاسکتا ہے۔ یہی کتاب مذکورہ کی جلد اول میں۔ یہ کتاب اب یہاں نہیں مل سکتی۔ لیکن اگر تفصیل درکار ہو تو میں فرصت پا کر لکھ سکتا ہوں۔ البتہ گرنتھ صاحب سے حوائج نہیں ملے سکتے۔ اس لئے کہ یہ کام میری دسترس سے باہر ہے۔

۳۔ شیخ میاں میرا گردارجن کے خلقات کی تفصیل مجھے معلوم نہیں۔ لیکن یہ معلوم ہے کہ دربار صاحب کی بنیاد نیر کا شیخ موصوف کے ہاتھ سے رکھوائی گئی تھی۔ اگر تفصیلات درکار ہوں تو کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا۔

۴۔ گردینج بہادری کے واقعہ محزنہ کی کیفیت میرے نزدیک یہ ہے کہ افراد خاندان میں منہ نشینی کے مشق نزاع پیدا ہو گئی تھی اور ایک فرق نے مقدمہ دربار شاہی میں دائر کر دیا تھا۔ گرد صاحب کو جواب طلبی کے سلسلے میں بلایا گیا تو انھیں غالباً اس بنا پر قلع ہوا کہ گھر کا جھگڑا عالم آشکارا ہوا اور فیصلہ ایسے فرقے سے طلب کیا گیا، جو مذہباً گرد صاحب کے نزدیک فیصلے کا حق دار نہ تھا۔ لہذا انھوں نے جان دینے کا فیصلہ کر دیا اگرچہ سکھ مورخین اس بات سے متفق نہیں ہیں بلکہ مورخین کا کہنا ہے کہ اورنگ زیب نے زیادتی سے کام لیا ہے۔

۔ اس بارے میں دو باتیں اور سن لیجئے جو میرے نزدیک بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

۱۔ مسلم سلاطین کے ہر فعل کو جائز ثابت کرنے کا ذمہ کوئی نہیں اٹھ سکتا۔ خواہ وہ اورنگ زیب عالمگیر ہی کیوں نہ ہو۔ اور پوری تاریخ کسی قوم کی بھی بے داغ نہیں۔ البتہ حکم لگانے وقت سب سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ جس شخص کے بارے میں حکم لگانا ہوتا ہے، اس کے عام افغان و کردار کی حیثیت کیا ہے۔ اگر اس پر احترام کی گنجائش

کہ جو کسی بہ ظاہر اگر فعل کے لئے مناسب تو جیہہ تماش کی جائے گی۔ جو لحاظ حالات معقولہ میں دورہ تعلق ضرور  
 لگایا جائے گا۔

گوروارجن دیو جی کے زمانے سے مغل حکومت اند گوروارجن میں اخلاذات  
 شروع ہوئے تھے جن کی حکمت مغل کے بارے میں فیصلہ کرنا عود ضیق کا کام ہے۔ مدت سکھ  
 گورو ہی نہیں بعد بعض مسلم اکابر بھی اس معاملہ میں مداخلت ہوئے۔ گورو گوبند بق کے ساتھ جو کہ تھے  
 کہہ رہے تعلقات تھے کہ ہر وقت انھیں ساتھ رکھتا تھا۔ پھر شاہجہاں کے زمانے میں گوبند جی در تہائی فوت  
 کے درمیان من رعت پیدا ہوئی۔ واضح رہے کہ شاہجہاں نے باوجود اس کے دین داری شیخ آزادوں کو بندہ سرا  
 ہے جو کہ حکم دے دیا تھا۔ اس سے کہ اس کے ساتھ پٹنوں کی بہت بڑی جماعت دورہ کرتی تھی۔  
 دربار میں اس واقعے کو خطرناک صورت میں پیش کیا گیا تھا۔ چنانچہ حضرت آدم بنوری کو انتقال دینے میں جو۔  
 بہر حال اگر یہ اجمال کفایت کرے تو خیر نہ اعلان دیکھئے کہ میں تفصیلات مرتب کر کے پیش کردوں۔  
 اس میں وقت ضرور لگے گا۔ آپ کو یہ سن کر خوش ہوگی کہ آپ کے فائدوں کے کچھ حقائق مجھے مولانا محمد حسین  
 بنالوی مرحوم کے رسالے سے مل گئے لیکن افراد کے حالات مطلوب ہیں۔ کاش آپ انھیں میرے لئے بکریں۔  
 تمام اہتمام کی خدمت میں سلام پہنچا دیجئے۔ مشاق زیارت۔ (قبر مرحوم)

خط ۱۱۔ گودھا۔ ۱۰ مئی ۱۹۵۷ء۔ مری حضرت مولانا زید مجدہم اسلام علیکم رحمۃ اللہ آپ کا گریہ  
 حالات سے آگاہی ہوئی۔ خط کو اس لئے دیر ہو گئی کہ شیخ صاحب دلی پور گئے ہوئے تھے۔ حاجی محمد دین  
 مرحوم کی پہلی بیوی انتقال کر گئی تھیں۔ دوسری بیوی کراچی آپسے بھائی کے پاس ہے۔ دورن کی دو ملازمتیں بھی  
 انتقال کر گئی تھیں۔ ملاک پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ ایک رٹ کی ملازمت پر بھی ہے اورن کی دلدہ بھی دیر ہو گئی فوت  
 ہو گئی تھیں۔ شیخ محمد رفیق صاحب الشیخ حسین بخش صاحب دوسرے سب حضرات آپ کو سلام کہتے ہیں۔ حافظ  
 سعید الرحمن صاحب کے نیک کام کے لئے ہم سب لوگ دعا کرتے ہیں۔ حاجی علیا رحمۃ اللہ اگر حیات ہوتے تو وہ بہت  
 خوش ہوتے۔ ماموں صاحب بھی سلام عرض کرتے ہیں۔ اور ماموں صاحب اور میری طرف سے مولوی خلیل الرحمن  
 مولوی عزیز الرحمن اور مولوی طیب صاحبان کی خدمت میں سلام عرض ہے۔ امید ہے کہ آپ دعا کے وقت



ہیں ضرور یاد کر لیا کریں گے۔ دعا کے تحت محتاج ہیں۔ خاص طور پر دعا کیا کریں۔ تاکیدا عرض ہے۔ والسلام  
 مع الکرام۔ خادم ناچیز فیاض الدین۔ شیخ حاجی عمر دین صاحب لائل پور میں دفن کئے گئے ہیں۔  
 خط ۸۲ نئی دہلی ۱۷ مئی ۱۹۵۷ء۔ محترم مولانا صاحب۔ بے ہند۔ آپ کے خیالات سن کر مجھے جتنی خوشی ہوئی اسے بیان  
 کرنا ناممکن ہے۔ میں نے آپ کے متعلق جو کچھ سنا تھا۔ آپ کو اس سے بھی بلند پایا۔ جس قوم میں مولانا آزاد، مولانا امین احمد  
 مدنی اور مولانا حبیب الرحمن جیسی شخصیتوں نے جنم لیا ہے وہ امر ہے اور تعظیم کے قابل ہے۔ بہت کم ایسے لوگ ہیں جن پر  
 ہزاروں کی تلخیاں اثر انداز نہیں ہو سکیں۔ آپ ان تھوڑے سے گنتی کے لوگوں میں ہیں۔ پر مانتا آپ کی عمر و راز کرے  
 اور دوسروں کے لئے مشکل راہ بنائے۔ مولانا صاحب بڑے آدمی اپنے نیک خیالات کی بدولت قوموں اور ملکوں کی  
 قسمت بدل دیا کرتے ہیں۔ کاش لوگ آپ سے سبق سیکھیں اور فرقہ دارانہ آلائشوں سے بلند ہو کر سچے درسِ بھگت  
 بنیں۔ گواخار کے کام میں بہت مصرت رہنا پڑتا ہے لیکن جناب کے تئیں اپنی عقیدت کا ثبوت پیش کرنے کے لئے  
 گا ہے بگا ہے نیاز حاصل کرنے کی کوشش کیا کروں گا۔ تابعدار چچ لال آزاد نیند حیف ایڈیٹر پرتاپ اخبار  
 خط ۸۲ نئی دہلی۔ ۱۳ مارچ ۱۹۵۷ء۔ محترم مولانا صاحب سلام۔ پچھلے چند ماہ سے حادثاتِ بورخ اختیار  
 کر رہے ہیں۔ ان سے یہ دکھائی دیتا ہے کہ پاکستان اور بھارت میں کشمیر کے معاملے پر ٹکرائے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ  
 اگر بد قسمتی سے ایسا ہوا تو ملک کی ترقی و تعمیر کی تمام سکیں کھائی میں پڑ جائیں گی۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اس معاملہ  
 پر دونوں دیشوں کے لوگ جذبات کی رو میں بہہ رہے ہیں اور ٹھنڈے دل و دماغ سے غور نہیں کرتے۔ اس لئے  
 اس بات کی ضرورت ہے کہ آپ جیسے کچھ اور لیڈر میدان میں آئیں اور ایسی نصیحتیں کریں جس سے یہ مسئلہ جنگ کے  
 بغیر حل ہو جائے۔ پنڈت جی اور مولانا صاحب کے ساتھ آپ کے ذاتی تعلقات میں برائے میرانی انھیں نیک مشورہ  
 دیجئے اور حقائق ان کے سامنے رکھئے۔ شیخ عبداللہ کے ہاں ہوتے ہوئے کشمیر کے مسلمان لازمی طور پر ہمارا ساتھ  
 دیں گے لیکن موجودہ حالات میں یمنی بخشی غلام محمد کے پردھان منتری ہوتے ہوئے اس معاملہ میں کشمیری باشندوں  
 سے دل تعاون کی امید رکھنا ٹھیک نہیں۔ یہ تو یہ سمجھتا ہوں کہ جس دن کشمیر کے لیڈروں میں پھٹ پڑے گی اس وقت  
 اور بخشی نے عبداللہ کو جیل میں ڈال دیا تھا اس دن ہم اعلیٰ بازی ہار گئے تھے اب یہ معاملہ بڑا پیچیدہ ہے اس لئے  
 سلجھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ملک کا کوئی بھی خواہ اس معاملہ پر ٹکڑ کو پسند نہیں کرے گا۔ آپ پنڈت جی

اور مولانا صاحب آپ اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے انہیں سمجھائیے کہ یہ مسئلہ صلیبی صفائی سے حل ہونا چاہیے  
 اور کسی بھی حالت میں جنگ کی فوری ضرورت نہیں آئی چاہئے۔ میری گزارش ہے کہ آپ کو اس قدر تسلی اور ہمت دے  
 کہ آپ سچی بات کہنے سے متاثر نہ ہو سکیں۔ تا بعد اچھن لال آزاد اور سر جیٹ ایلڈر اخبار پر تپ  
 خط ۳۷ - ۱۱ جولائی ۱۹۵۷ء - کرم معظم قبلہ مولانا صاحب اسلام علیکم بعد ازاں آپ کے عرض ہے کہ ڈاکٹر  
 فیاض الدین صاحب لدھیانوی حالی مقیم سرگودھا کا خط قبلہ حاجی صاحب کے افسوس کا لاج میں آپ کی طرف  
 سے بہت افسوس لانا تھا۔ قبلہ سوائے افسوس کے اور کوئی چارہ نہیں۔ قبلہ حاجی صاحب کا اتنا سخت صدمہ ہے  
 کہ بیان سے باہر ہے۔ مگر خدائے تعالیٰ کے کاموں میں کوئی دخل نہیں دیا جاتا۔ حاجی صاحب کا لاہور میں گروہ  
 کا آپریشن ہوا تھا۔ آپریشن کے ۲ گھنٹے بعد حاجی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ صدمہ تو ان کا یہاں بیان نہیں کر سکتا۔ مگر  
 خدائے تعالیٰ کا شکر ہے کہ حاجی صاحب نے سب کام اپنے ہاتھ سے طے کئے یہاں تک کہ سب رشتے دار اور حق داروں  
 کے لئے وصیت نامہ لکھا جس کو دیکھنے والے حیران ہوتے ہیں اور آخر دم تک کلمہ پڑھتے رہے۔ خدائے تعالیٰ ان کو جنت  
 فردوس میں جگہ دے اور ہم کو میرے اور زیادہ آپ کے عرض کردہ سب دعا میں اور کھیں۔ زیادہ ادب۔

اکرام الحق - کراچی - صرف حاجی محمد علی - گزرا - محمد رنگ والے۔

خط ۳۸ - لدھیانہ - ۱۲ اگست ۱۹۵۷ء - کرنی مولانا صاحب تسلیم - میں اللہ عزوجل سے دعا کرتا ہوں کہ آپ پر  
 کر بخوشی ہوئی کہ آپ کی صحت آگے سے اچھی ہے۔ خدا سے کہ آپ جلد مکمل طور پر صحتیاب - رہیں۔ سب خیر ہوں۔ جا  
 میں سوچ سمجھ کر خاص خاص خبریں پڑھتا ہوں۔ اور کوہندوستان اسٹینڈرڈ - ہفتہ روزہ برسرِ سرحد ہائی  
 کسی اخبار کو پچھلے ۳ سال سے ہاتھ نہیں لگایا۔ بہت آپ سلاپ - پر بھات حاجت کی تحریر سے پر ہوں اور وفاقی حید  
 پر بہت ٹھیک رہتا ہوں۔ افسوس مجھے اس سے پہلے آپ کی بیماری کا پتہ نہ لگ سکا اور نہ آپ نے خط لکھا۔  
 وہ میں خود حاضر ہوتا۔ حنفیہ بھقتہ یا دو بھقتہ میں شاید یا یقیناً دہلی آنا ہوگا۔ ہم خدمت مولانا صاحب  
 چند گروہ جا رہا ہوں۔ ہاں رہائش رکھوں گا کسی مہری کی طرف نگاہ نہیں۔ البتہ نئے رہائش میں مناسب رہائش  
 بے ضرورت کروں گا اور اس پانگل پن یا پانگل بن کر علاج کروں گا۔ آپ کی مدد کی ضرورت ہوگی۔ لیکن یہ نہیں کہ  
 پچھلے ۸-۱۰ سال سے آپ کہاں سے کہاں پہنچے ہیں۔



جہاں تک منی لال کا لیے قبل تقسیم ملک کا تعلق ہے وہ فوت ہو چکا ہے۔ منی لال لدھیانہ والا ایک بے نیاز

حیثیت سے بنا ہے اور چندی گڑھ کی چڑھتی جوانی میں نوجوان ہو گا۔ اسے اپنے کسی نزدیکی، دور کے رشتہ دار کا بوجھ نہیں ہو گا۔ وہ کسی جماعت کا ممبر نہیں ہو گا۔ لیکن ذاتی تعلقات کی بے حد دولت کو اور بڑھائے گا ادیبہ دولت اس کے دوستوں کے لئے مشترکہ سرمایہ ہو گی۔ ایک مددِ علم قائم کرے گا جہاں ہندوستانی ساخت کے انسان بنائے جائیں گے اور پورے ڈھانچے میں بنے ہوئے ہندوستانیوں کے دماغ و جسم کی مرمت کر کے نئے مشینری میں احتیاط سے چلانے کے قابل بنایا جائے گا۔ کچھ کام آپ کے ارد گردیوں کے سپرد کرنے والے میرے ہاتھ میں ہیں۔ دلی آیات و بات کروں گا ورنہ آپ خود یا عزیز میاں یہاں آجائیں۔ اچھے کام میں اور آپ کے کرنے والے ہیں۔ بہت سے لوگوں کا اس میں فائدہ ہو گا اللہ دیا میاں کا کام ہو جاوے گا اور جلد ہونے پر آپ کو اطلاع دوں گا۔ عزیزوں کو پیار۔ آپ منی لال۔ کالیہ۔

خط ۵۸ کراچی ۳۱ اگست ۱۹۴۷ء۔ مخدوم مکرم جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی۔ السلام علیکم۔

عنایت نامہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے عرض ہے کہ میں آپ سے دہلی میں مولانا محمد الیاس صاحب کی مسجد میں ان کی جیت میں کئی بار مل چکا ہوں۔ مدینہ طیبہ میں آپ کی تشریف آوری کی خبر سن چکی تھی مگر میں غلیل تھا۔ میں خود تو حاضر نہ ہو سکا اور

آپ کی کرم فرمائی کا علم آج آپ کے عنایت نامہ سے ہوا۔ فوس ہے کہ نیاز حاصل نہ کر سکا۔ مناجات مقبول ۳۵ ہزار۔

چھپ چکی ہیں اور سارے پاکستان میں تقسیم ہو چکی ہیں۔ بلاک بنے ہوئے موجود ہیں یہ کام انجمن اشاعت قرآن عظیم

نے انجام دیا ہے۔ سید محمد خلیل صاحب اس انجمن کے صدر ہیں جو سید محمد جمیل صاحب کے والد ہیں۔ ان کا پستہ

اکاؤنٹ جنرل پاکستان کراچی ہے۔ آپ کا سلام پہنچانے کے لئے فوراً ٹیلیفون کیا لیکن وہ موجود نہیں ہے۔ دوسرے

موقع پر یہ کام پورا ہو گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ دعا حسن خاتمہ کا امیدوار محمد وجیہ الدین۔ صدر کراچی ۵۸

خط ۵۹ الف پٹھی پور گورکھ پور۔ ستمبر ۱۹۴۷ء۔ عمرتی۔ سلام مسنون۔ یہاں ہم لوگ اسی جگہ پر آگئے۔ میں کہ جہاں پر ڈاک غازی

وغیرہ لاپتہ نہیں ہے۔ پروگرام تو ہر روز کا ہی ہوتا ہے مگر مشکل یہ ہے کہ آپ تک پہنچنا مشکل ہے۔ صرف اسی ایک خط کو

پہنچانے کے لئے ۱۲ میل سائیکل سے اُدی بھیجا پڑا ہے۔ ان کبھی کبھی کا پروگرام بھیج دیا کریں گے آپ مطمئن رہیں اور کسی

قسم کا فکر نہ کریں۔ دیگر دہلی آنے پر جو پروگرام یہاں پر ہوتا ہے وہ ہمارے ذہنوں میں ہو گا ہی اسے آپ کی خدمت میں آکر

سنائیں گے۔ آپ دعاؤں خیر کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہاں پر کامیابی نصیب فرمائیں۔ باقی خیریت ہے۔ جواب دے



مطلع فرمائیں۔ آپ کے خیر اندیش فضل الرحمن صاحب قاضی حسن پوری۔ عبدالعزیز صاحب شکر جنگ پوری۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدظلہ کا خاص خط

خطۂ ۱۰ عزیز گرامی قدر و منزلت۔ تمھاری مرتبہ کتاب پہنچی تھی اور میں نے فرط شوق میں اپنے واقفین کے حالات و شمار کے بعد کوڑ بند کر کے سن لئے تھے اور سیر بھی لکھوا دی تھی جس میں غالباً میں نے اس کا بھی اظہار کیا تھا کہ تمھارے والد صاحب کے حالات بہت ہی کم آئے۔ مگر کل کی خاک سے تمھارا محبت نامہ پہنچا جس میں مولانا مرحوم کے مفصل حالات پر تمھاری تالیف معلوم ہو کر بہت ہی مسرت ہوئی۔ خدا کرے میری زندگی میں چھپ جائے تو میں بھی سننے کی کوشش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ تمھیں اس سعی میں کامیاب فرمائے۔ بہت اشتیاق پیدا ہو گیا۔ میں نے مولانا کا ذکر و مستود کتابوں میں کیا ہے۔ اس لئے کہ مولانا کی ابتداء تو میرے اجداد کے خدق کے خلاف کی تھی اور مستہاد نہایت ہی محبت اور یگانگت کی تھی مگر میں تو جب سے آیا ہوں اس قدر ہجوم میں گھرا ہوں کہ ماہ مبارک میں تقریباً دو ہزار کا مجمع مستقل رہا اور اس سے پہلے میری آمد کا ہجوم رہا اور اب واپسی کا ہجوم بہت ہو رہا ہے اس واسطے مجھے تو بالکل ذہن میں نہیں کہ آپ نے جس مضمون کا اشارہ لکھا ہے وہ کس کتاب میں ہوگا اور وہ کون سا مضمون ہے۔ میرا ایک سلسلہ تالیف آپ جتنی کا کئی سال سے چل رہا ہے۔ شاید اس میں تو مولانا کا تذکرہ بار بار آیا ہی ہوگا۔ مگر مولوی نصیر نے بیان کیا کہ اس کی کئی جلدیں ختم ہو گئیں اس وقت تو میں ضروری خطوط بھی نہیں لکھوا سکتا اور مسلسل مضامین مجھے یاد بھی نہیں آتے۔ تذکرہ پر بات یا نات آتی ہے۔ مدینہ پاک پہنچ کر حج کے دو ماہ بعد کچھ دماغ فارغ ہو سکتا ہے۔ فقط والسلام

حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب فیوضہم تعلیم منہجہ عالم مظفر پوری۔ ۱۱ شوال ۱۳۹۵ھ سہارن پور (یوپی)

خطۂ ۱۱ لائی پور۔ ۱۱ جولائی ۱۳۹۵ھ بزرگوارم قبلہ والد صاحب! زید مجھ کو تاپ کے اس احساس اور ہمدردی کا شکر گزار ہوں۔ بیشک مشیت الہی میں انسان کا کوئی دخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ جو کرتے ہیں بہتر ہی کرتے ہیں آپ سے استدعا ہے کہ مرحومہ کی مغفرت کے لئے دعا فرماتے رہا کریں۔ بھائی عزیز الرحمن اور دیگر اہل خانہ کی ہمدردی بھی میرے لئے باعث سکون ہے اور ان کی اس عنایت اور محبت کا شکریہ۔ مرحومہ نے تین ہوش مند بچے چھوڑے ہیں جن میں سے بڑے لڑکے کی عمر چھ سال ہے۔ دوسری دونوں لڑکیوں کی عمر بالترتیب چار سال اور دو سال ہے۔ مرحومہ نے مرتے وقت ایک نوزائیدہ بچہ چھوڑا تھا جسے اس کے مرنے کے ۱۵ گھنٹے بعد بھائی سردار محمد کی اہلیہ



کی گود میں ڈال دیا تھا کیونکہ گھر میں اس کی بچی مند مصیبت تھی اور وہ درجہ کے انتقال سے پندرہ گھنٹے بعد بھائی سردار محمد کی سمیت میں جہلم سے لاکل پودا گئی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اس کی زندگی منظور نہیں تھی اور وہ ۲۴ گھنٹے زندہ رہنے کے بعد اپنی حقیقی والدہ کی آغوش میں پہنچ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

علاوہ ازیں اور کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں ہے۔ گھر میں جملہ اہل خانہ بخیر وعافیت ہیں اور آپ کو بالخصوص اور دیگر اہل خانہ کو سلام قبول ہو۔ بھائی سردار محمد بچپن سمیت جہلم سے آئے ہوئے تھے جس وجہ سے آپ کوئی انفرادی جواب دیا جا رہا ہے دگر نہ مجھ بے علم سے یہ توقع عبث تھی کہ آپ کو جلد جواب دیا جاسکتا۔

آج صبح بھائی انیس الرحمن صاحب کی زبانی آپ کی تسکینی کا حال معلوم ہو کر بے حد خوشی ہوئی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جلد از جلد صحت کامل عطا فرمائے۔ آمین! ثم آمین!! اور آپ کا سایہ ہمیشہ ہم پر قائم رکھے۔ آمین۔

آپ کا ابا بعدار۔ گلزار محمد (لدھیالوی)

## خدا کے پاک بندوں کو —!

سما سکتا نہیں پہلے فطرت میں مرا سودا	غلط سمجھتے جنوں شاید ترا اندازہ صحرا
خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں	زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنیٰ
نہ کر تقلید اسے جبریل میرے جذب ہستی کی	حق آسمان عرشوں کو ذکر و تسبیح دلواف اولیٰ
رہے ہیں اور رہیں فرعون میری گھات میں اب تک	نچھریا غم کی میری آستیں میں ہیں ید بصریا
خود ہی سے اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں	یہی تو حیدر تھی جس کو نہ تو سمجھانہ میں سمجھا
وہ دانائے سل ختم الرسل مولائے کل جس نے	غبار راہ کو بخشا فردغ قادری سینا

نگاہ عشق رستی میں وہی اول وہی آخر

وہی قرآن وہی فرقان وہی یسین وہی طہ

تمت بالخیر — آپ کی دعاؤں کا طالب — مرتب

۱۵ فروری ۱۹۷۶ء



